زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی

جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ	مدیر: عبد المجید عفی عنہ	دو روپے

شمارہ ۱	ربیع الاول ۱۴۰۳ھ مطابق جنوری ۱۹۸۳ء	جلد ۶

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر و منیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۔ بعد حمد وصلوٰۃ کے ناظرین باتمکین کی خدمت میں عرض ہے کہ رسالہ وصیۃ العرفان اپنے اس حالیہ شمارہ سے اپنی عمر کے چھٹے سال میں قدم رکھ رہا ہے اللہ تعالیٰ ہمارے حق میں اسکے اس افتتاح کو ہزاروں سعادتوں اور برکتوں کا پیش خیمہ بنائے نیز دیگر عام دینی افاضات کے ساتھ ساتھ بالخصوص حضرت مرشدی مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہ کے افادات کا اسے سرچشمہ بنائے ناظرین ۔ ناظرین کو یہ حیرت نہ ہو کہ آخر حضرت مصلح الامۃؒ کتنا فرما گئے ہیں کہ ان کے ملفوظات کا سلسلہ ختم ہی ہونے کو نہیں آتا یہ خیال انھیں حضرات کو ہو سکتا ہے جنھوں نے حضرت والا کے مشاغل کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ نہیں کیا ہے ورنہ حاضرین دیکھتے ہی تھے کہ حضرت اقدسؒ کا مشغلہ سوائے علوم ومعرفت کے بیان کے اور تھا ہی کیا ۔ لوگوں نے جسقدر ارشادات والا کو جمع کیا وہ بہت کم لکھا ورنہ تو حضرت ایک سدا بہار علوم دینیہ کے چمن تھے یا ایک بحر معرفت تھے کہ جسکی وسعت اور گہرائی کا اندازہ دوسروں کے لئے لگانا اور اب انھیں سمجھانا بھی مشکل ہے یہ تو جمع کرنے والوں نے صرف اس باغ سے چند ہی پھول چنے ہیں ورنہ بقول قائل انکا باغ تو اسکا مصداق تھا کہ ؎

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا ورنہ گلشن میں علاج تنگئ داماں بھی تھا

چنانچہ اکثر لوگوں کو تعجب ہوا کہ آخر مولوی جامی صاحب نے کتنا لکھ لیا ہے جو ابتک ختم نہیں ہو رہا ہے لیکن ایک سلسلہ گفتگو میں خود مولوی صاحب موصوف نے اسکے متعلق فرمایا کہ چھوٹا منھ اور بڑی بات ہوگی ورنہ میں بھی لوگوں کے اس استعجاب کا وہی جواب دیتا جو حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنی اکثر روایت بالحدیث پر بعض حضرات صحابہؓ کے تعجب فرمانے کا دیا جواب دیا تھا یعنی یہ فرمایا تھا کہ میرا وہ کام ہی کیا تھا سوا حاضریٔ خدمت اقدس کے یعنی میرے مہاجرین بھائی تو انکو تجارت سے فرصت نہ تھی اور انصار بھائی اپنی کھیتیوں میں مشغول تھے اور ابو ہریرہ چوکھٹ پر پڑا رہتا تھا جو عمل کرتے تھے دیکھتا تھا جو ارشاد فرماتے تھے سنتا تھا۔

اس زمانہ میں کسی بھی دنیوی یا دینی رسالہ کا نکالنا چنداں دشوار کام نہیں ہے بیسیوں رسالوں سے مختلف مضامین لیکر ایک رسالہ تیار کر لیجئے چلئے عالم وجود میں ایک واں رسالہ موجود ہو گیا

لیکن مشکل جو پڑتی ہے وہ کسی رسالہ کے جاری اور باقی رکھنے میں پیش آتی ہے کیونکہ اسکی شرط اولین اخلاص ہے اور پھر رسالہ کی افادیت۔ اگر اخلاص نہ ہوگا بلکہ دنیا کمانا پیش نظر ہوگا تو دینی رسالہ نہیں سچے گا یا اس میں بھرتی کے مضامین ہوئے جو کسی مخصوص ذہنیت کے بنانے میں ناکام ہوں تو اسکے بھی اجراء کی سعی اضاعت وقت ہی ہے

الحمدللہ قارئین کرام اور حضرات اہل نقد و تبصرہ کے بیان فرمانے کے مطابق کہا جا سکتا ہے کہ اس رسالہ میں افادیت تو بے مثل ہے اور یہ اسی کا اثر ہے کہ اس میں حضرت مصلح الامۃ کے قلب بریاں سے نکلے ہوئے مضامین ہوتے ہیں جو پڑھنے اور سننے والوں کے سینہ کو بھی گرما دیتے ہیں ظاہر ہے کہ یہ شرف اسی رسالہ کو حاصل ہے۔ چنانچہ لکھنؤ دفتر مجلس تحقیقات نشریات اسلام (المجمع الاسلامی العلمی) میں بھی یہ رسالہ جاتا ہے ابھی حال میں مولانا غفران ندوی صاحب نے ایک خط بھیجا اس میں تحریر فرمایا کہ

"الحمدللہ آپ کی توجہ اور عنایات سے "وصیۃ العرفان" سے برابر مستفید ہونے کا موقع مل رہا ہے جن بزرگان دین کی صحبتیں نصیب نہیں ہوئیں انکے ملفوظات اور فرمودات سے فائدہ اٹھانیکا موقع مل جاتا ہے اس دور میں ایسے رسالہ کا اجراء اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے جس پابندی اور تسلسل کے ساتھ آپ اس موقر رسالہ کو بھجوا دیتے ہیں اسکے لئے بیحد ممنون و مشکور ہوں۔ حضرت علی میاں صاحب مدظلہ العالی کی چند نئی مطبوعات ارسال خدمت ہیں۔ والسلام۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے حلقہ علم و ادب میں یہ رسالہ کس قدر مقبول ہے، مولانا اس دور میں ایسے رسالہ کے اجراء کو منجملہ نعم الٰہیہ کے ایک عظیم نعمت شمار فرما رہے ہیں اور صحیح فرما رہے ہیں ہم اسپر حق تعالیٰ کا دل سے شکر ادا کرتے اور وَلَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ کی رو سے آئندہ کے لئے مزید توفیق کے طالب ہیں آپ کے اس رسالہ کے مضامین پڑھنے سے اللہ تعالیٰ سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، بزرگان دین سے اور خود حضرت مصلح الامۃؒ سے محبت تو پیدا ہوتی ہی ہے علاوہ ازیں دو مسلمانوں میں مزید مودت اور محبت ہو جانے کا بھی یہ رسالہ ذریعہ بنتا رہتا ہے چنانچہ رسالہ کے ایک دینی رفیق اور ایک [illegible] پروفیسر عبدالمجید صاحب بلرام پور سے لکھتے ہیں کہ

اسّاذی مولوی شکیل عباسی صاحب کا ۵ دسمبر کو اپنے وطن بیارہ قاضی ضلع بستی میں انتقال ہو گیا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ لوگ کہتے ہیں کہ (مولانا کو تنفس کی قدیمی شکایت تھی لیکن (ان دنوں) اچھے خاصے تھے کہ ایک دن مغرب کے وقت تنفس کا دورہ پڑا اور دو بجے شب کو اللہ کو پیارے ہو گئے بیان کیا جاتا ہے کہ آخر وقت میں دفعۃً لبوں پر ایک نمایاں مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اسی کے ساتھ ساتھ روح پرواز کر گئی

مولانا مرحوم کے صاحبزادے نے بتایا کہ ابا کے جو خطوط "وصیۃ العرفان" میں چھپے تھے انکو مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مدظلہٗ نے پڑھکر بڑا اثر لیا اور لکھا تھا کہ ان خطوط کو پڑھکر (اور یہ معلوم کر کے) کہ آپ کو حضرت مولانا الہ آبادیؒ سے (یعنی حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادیؒ سے) کتنا تعلق تھا آپ کی قدر میرے دل میں پہلے سے زیادہ ہو گئی ہے" انتہیٰ ۔

مقصد تو اسی آخری جملہ کا ذکر کرنا تھا کہ الحمد للہ یہ رسالہ دو مسلمانوں میں شدت محبت کا بھی ذریعہ بن رہا ہے باقی ناظرین حضرات مولانا شکیل عباسی صاحب سے تو واقف ہو ہی گئے ہوں گے ابھی چند ماہ قبل حالات مصلح الامۃ کے ذیل میں آپ کے متعدد خطوط شایع کئے گئے ہیں بلاشبہ وہ سب ہی خطوط مولانا کی حضرت مولاناؒ سے غایت تعلق اور عقیدت ، صدق طلب اور اخلاص کا مظہر ہیں ۔ مولانا مرحوم حضرت والاؒ کے وابستگان میں سے تھے اللہ تعالیٰ آخرت میں المرء مع من احب کی بشارت نبوی کی رو سے مولانا کی مغفرت فرمائے اور حضرت والا کی معیت نصیب فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر اور اجر سے نوازے ۔ ادارہ بھی مولانا مرحوم کے حضرت مولانا نور اللہ مرقدہٗ کے ساتھ ان کے اس قلبی اور روحانی تعلق کی بنا پر انکی جدائی کے غم میں ان کے پسماندگان کا شریک غم ہے ۔ ع ۔ خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں جانے والے میں۔

اسی کے ساتھ ساتھ حضرت والاؒ کے ایک اور خادم یاد آ گئے گذشتہ ماہ کا رسالہ لکھا جا چکا تھا ورنہ اسی میں عرض کرتا ' منشی سلامت اللہ صاحب جو بلرام پور کے قریب ہی ایک گاؤں کے رہنے والے تھے حضرت والا سے تعلق و محبت خاص رکھتے تھے انتقال کر گئے ناظرین کرام سے ان دونوں ہی حضرات کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے ۔

راقم کا یہ طریقہ بھی رہا ہے کہ ناظرین کو کبھی کبھی یہاں کے حالات سے بھی واقف کردیتا ہے تاکہ لوگ صحیح حالات معلوم کرکے مطمئن ہوسکیں ورنہ تو زمانہ ایسا نفسی نفسی بلکہ نفس پرستی کا ہوگیا ہے کہ حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمہ جنکی ترجمانی کرتے ہوئے اکثر یہ ارشاد فرماتے سنے کہ آپ لوگ کسی کے علم کے معتقد نہ ہوں، اسکی بزرگی کے معتقد نہ ہوں تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اسلئے کہ علم و بزرگی تو الگ چیز ہے اگر آپ کسی کے وجود ہی کا انکار کردیں تو کوئی آپ کا کیا کرسکتا ہے؟ مطلب یہی ہوتا تھا کہ یہ انکار اور عناد کا زمانہ ہے اس زمانے میں کسی کا کسی کو مان لینا باعث تعجب ہے انکار کچھ تعجب کی بات نہیں اور جب حضرت سعدیؒ اپنے زمانہ میں یہ فرما گئے کہ ؎

ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبے است　　گل است سعدیؔ و در چشم ہمگناں خار است

تو پھر اب اس زمانہ کا پوچھنا ہی کیا۔

بہر حال نظم رسالہ اور اسکی افادیت تو مع شواہد آپ کے سامنے ہی ہے اور کوائف خانقاہ کے متعلق عرض ہے کہ گو مجلس کا سلسلہ بحمد اللہ پابندی کے ساتھ قائم ہے اللہ تعالیٰ اسکو پابندی کے ساتھ دائم رکھے لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ حضرت قاری محمد مبین صاحب مدظلہ العالی کی سال کے بیشتر حصہ کی عدم موجودگی میں جس روحانیت کی کمی محسوس ہوئی وہ اسکا لازمی نتیجہ ہی تھا اسلئے کوئی امر قابل تعجب بھی نہیں ابھی تک تو حضرت قاری صاحب مدظلہ کا قیام بمبئی ہی میں تھا کچھ علاج معالجہ کا بھی سلسلہ جاری تھا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ کل ۳۱ر دسمبر کو الہ آباد تشریف لے آئے الحمد للہ بخیر و عافیت ہیں، اللہ تعالیٰ بخیر و عافیت رکھے۔ آمین۔

رہا مدرسہ کا حال تو الحمد للہ وہ اسپنے سابق انداز ہی پر چل رہا ہے چند طلبہ یہاں سے اپنی تعلیم اختتام کو پہونچا کر بعض نے دیوبند بعض نے مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا ہے اللہ تعالیٰ ان سب کو خانقاہی صلاح و فلاح یعنی حسن علم، حسن عمل، حسن اخلاق کیساتھ باقی رکھتے ہوئے انکی تکمیل فرمادے اور یہاں کی جو خامی محض بعض اغلاط اس سے نواز دے۔ آمین۔

علاوہ ازیں امسال مدرسہ میں ایک قاری صاحب کا بھی اضافہ ہوگیا ہے جنکی عرصہ سے ضرورت تھی اور ہمارے کافی جاری تھی سو الحمد للہ مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ سے فارغ شدہ ایک صالح

اور نیک خوش الحان قاری صاحب مل گئے ہیں اللہ تعالے ان کے فیض سے طلبہ کو نوازے

آخر میں ناظرین کرام سے گذارش ہے کہ آپ نے ابتدائے مضمون میں دو اموات کا ذکر تو سنا اب اختتام میں ایک روحانی حیات کا تذکرہ بھی سن لیجئے کیونکہ موت ہو یا حیات ہر دو کی خدا تعالیٰ نے ایک ہی مقصد کے لئے تخلیق فرمائی ہے خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً موت اور حیات کو خدا نے اسلئے پیدا کیا ہے تاکہ حسن عمل میں تمھارا امتحان کرے کہ کون اس میں بازی لیجاتا ہے۔ ہمارے حضرت مصلح الامۃؒ فرماتے تھے کہ مجھے ایک بار یہ خیال ہوا کہ خلق حیات کا دخل تو حسن عمل میں ظاہر ہے کہ حیات ہی عمل کا میدان اور اسکا ظرف ہے لیکن موت کا دخل حسن عمل میں سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اللہ تعالے نے قلب میں اسکا جواب ڈالدیا کہ موت کو حسن عمل میں یہ دخل ہے کہ اسکی وجہ سے زندگی کو محدود جانکر اور وقت کو کم پاکر انسان نیک کام میں سبقت کرے گا اور برائیوں سے بچے گا۔
بہرحال وہ روحانی حیات ہے رسالہ ہذا کے سال نو کا ایک تحفہ یعنی یہ خوش خبری کہ

تالیفات مصلح الامۃؒ (حصہ چہارم)
طبع ہوگئی

اللہ تعالیٰ اسکے ذریعہ ہم سب کو ایمانی لذت اور روحانی مسرت سے نوازے۔
قیمت: چالیس روپیہ فی جلد صفحات: تقریباً ۵۰۴ - کتاب مجلد مع گرد پوش ہوگی۔
عام رعایت ۲۵ فیصد - تاجرانہ کمیشن ۳۳ فیصد جس کے لئے کم سے کم دس نسخوں کا طلب کرنا ضروری ہوگا - سو سے زیادہ نسخوں کے طالب حضرات دفتر سے گفتگو فرمائیں۔ ڈاک خرچ بذمہ خریدار ہوگا

ناظرین رسالہ سے گذارش ہے کہ: رسالہ ہذا کا چندہ اب ۱۹۸۳ء سے 22/- روپیہ سالانہ ہوگیا ہے۔ اسے پیشگی ارسال کرکے رسالہ کا تعاون فرمائیں اور اپنے دیگر احباب کو بھی اسکی جانب متوجہ فرمادیں۔ والسلام (ادارہ)

۴۵- امام غزالی اور علامہ زمخشری کا ایک عجیب واقعہ

فرمایا کہ۔۔۔ روح البیان میں ہے کہ امام محی السنہ غزالی جو اپنے زمانہ میں ثقلین (انس و جن) کے مفتی تھے انھوں نے ایک دن جنوں سے یونہی برسبیل تذکرہ دریافت فرمایا کہ کہو بھائی کوئی نئی اور عجیب خبر ہے؟ ان لوگوں نے کہا کہ علامہ زمخشری تفسیر کی ایک کتاب لکھ رہے ہیں جو تقریباً نصف تک پہونچ چکی ہے۔ امام غزالیؒ نے ان جنوں سے فرمایا کہ جاؤ وہ کتاب لیکر آؤ، وہ لوگ فوراً لیکر حاضر ہوئے امام نے اسکو نقل فرمالیا اور ان کے نسخہ کو جہاں رکھا تھا وہیں رکھوادیا۔ جب علامہ زمخشری ان سے ملنے آئے تو امام نے وہ تحریر انکو دکھائی۔ زمخشری کو بہت ہی حیرت ہوئی اسکو دیکھکر یہ کہا کہ اگر میں یہ کہوں کہ یہ میری ہی کتاب ہے تو کیسے کہوں جبکہ میں نے اسے چھپا کر رکھا ہے اس طرح کہ سوا میرے کوئی دوسرا اس پر واقف نہیں تھا پھر یہ یہاں آئی تو کیسے آئی؟ اور اگر یہ کہوں کہ یہ میرے علاوہ کسی اور کی ہے تو ایسے غضب کا توارد کہ لفظ ایک، معنی ایک اور وضع و ترتیب وہی۔ کتابوں میں اور اتنے بڑے مضمون میں ایسا توارد عقل اور سمجھ میں نہیں آتا (ایک آدھ جملہ ہو یا شعر و مصرعہ ہو تو خیر) امام غزالیؒ نے انکو متحیر دیکھکر فرمایا کہ جناب من! یہ آپ ہی کی تفسیر ہے جو مجھ تک جن کے ذریعہ پہونچی ہے۔ اس سے قبل علامہ زمخشری جن کے قائل نہ تھے اسوقت امام غزالیؒ کی مجلس میں اعتراف کیا۔

باقی اس واقعہ سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ جن کو غیب کا علم ہوتا ہے اس کی نفی تو خود اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں کی ہے فرماتے ہیں تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ واقعہ ہوا کہ اجنہ تعمیر کا کام کر رہے تھے اور سلیمان علیہ السلام اپنے عصا پر ٹیک لگائے نگرانی فرما رہے تھے اللہ تعالیٰ نے اسی حالت میں انھیں موت دیدی مگر وہ کھڑے کے کھڑے رہے اور جن برابر کام میں لگے رہے۔ بہت دنوں کے بعد ان کے عصا کو دیمک یا گھن نے کھایا

اور ٹوٹ گیا تو آپ کی لاش گر گئی۔ تب ان لوگوں پر یہ بات واضح ہو گئی کہ جن کو غیب کا علم نہیں ہے کیونکہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے وصال کے بعد تعمیر کی مصیبت میں کیوں پڑے رہتے۔

۸۸۔ لوگوں کو تکلیف سے بچانا چاہیئے

فرمایا کہ ـــــ مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ کا یہ دستور تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نفل کی نیت سے عشاء کی نماز میں شرکت کر کے اپنی قوم کے پاس آتے تھے اور پھر اپنی قوم کو نماز پڑھاتے تھے چنانچہ ایک شب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حسب دستور عشاء کی نماز پڑھی پھر اپنی قوم میں آئے اور انکو نماز پڑھائی اور انہیں سورۂ بقرہ پڑھنا شروع کر دیا۔ ایک آدمی سلام پھیر جماعت ہی ترک کر کے چل دیا لوگوں نے نماز کے بعد اس سے کہا کہ تم منافق ہو گئے ہو (توبہ توبہ نماز توڑ کر بھاگ آئے) اس نے کہا کہ الحمد للہ میں بالکل مومن ہوں میں امام صاحب کی شکایت جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کروں گا اور صورت حال سے آپ کو مطلع کروں گا چنانچہ وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم مزدور لوگ ہیں اونٹ کے ذریعے پانی بھرنے کا کام کرتے ہیں اور رات کو تھکے ماندے گھر واپس آتے ہیں تو معاذ بن جبل آپ کے یہاں سے نماز عشاء پڑھکر ہمارے یہاں پڑھاتے ہیں ایک تو یونہی اتنی رات ہو جاتی ہے پھر یہ نماز میں سورۂ بقرہ شروع کر دیتے ہیں (میں نے گھبرا کر عشاء کی نماز توڑ دی) یہ سنکر آپؐ نے حضرت معاذ کی جانب توجہ فرمائی اور فرمایا کہ اے معاذ! یہ تم لوگوں کو خوامخواہ کیوں فتنے میں ڈالتے ہو وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۔ وَالضُّحٰى ۔ وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى اور سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى پڑھا کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ دین یا دنیا کے ہر معاملہ میں سہولت کی راہ اختیار کرنی چاہیئے

ایسا فعل جس سے دوسروں کو تکلیف پہونچے نہ اختیار کرے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک عمل صالح کے ترک پر صحابہؓ اس تارک کو منافقت سے تعبیر فرما دیا کرتے تھے اور وہ دوسرا اسکی نفی تو کر دیتا مگر اس پر چراغ پا نہیں ہوتا تھا کہ تم نے مجھے منافق کیسے کہدیا

۸۹۔ سنت پر اعتراض کرنے والے کو ملامت کرنا روا ہے

فرمایا کہ —— شرح عمدۃ الاحکام میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کے اہل نماز مسجد جانے کی اجازت طلب کرے تو اسکو منع نکرے یہ سنکر حضرت عبداللہ کے صاحبزادے بلال بولے کہ خدا کی قسم میں تو عورتوں کو (باہر نکلنے سے) ضرور بالضرور منع کرونگا۔ ان کے منہ سے یہ بات سنکر حضرت عبداللہ بن عمر نے انکی جانب رخ کرکے انکو ایسی سخت گالی دی کہ میں نے ویسی گالی دیتے کسی کو نہیں سنا تھا، اور یہ فرمایا کہ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بات نقل کر رہا ہوں کہ آپ نے یوں فرمایا کہ اسکو منع نکرنا اور تو کہہ رہا ہے کہ میں تو ضرور منع کروں گا۔ ایک روایۃ میں یہ آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی باندیوں کو اللہ تعالیٰ کی مساجد سے نہ روکو۔

حضرت عبداللہ بن عمر نے اپنے صاحبزادے پر جو نکیر فرمایا اور اسکو بُری طرح سے جو گالی دی تو اس سے یہ مستنبط ہوا کہ سنن پر جو شخص اپنی رائے سے اعتراض کرے اسکو تنبیہ کرنا جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان اپنے لڑکے کو دینی معاملہ میں ڈانٹ سکتا ہے اگرچہ وہ کبیر السن کیوں نہ ہو۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عالم اپنے شاگرد کی تادیب کر سکتا ہے جبکہ وہ غیر مناسب بات زبان سے نکالے۔

(۹۰۔ امامت میں تقدیم اَقرأ کی حکمت)

فرمایا کہ —— حجۃ اللہ البالغہ میں ہے کہ (فقہ کا مسئلہ ہے کہ) امامت وہ شخص

کرے جو لوگوں میں سب سے زیادہ کتاب اللہ کا اَقرأ ہو یعنی قرآن پڑھا ہوا ہو اور قرآن کا علم سب سے زیادہ رکھنے والا ہو۔ اور اگر سب لوگ قرأت قرآن میں برابر ہوں تو جو شخص اعلم بالسنۃ ہو۔ اسکی حکمت بیان کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ اَقرأ کی تقدیم کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی تعریف بیان فرمائی ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ اس ارشاد میں سب سے پہلی چیز کتاب اللہ کی معرفت ہے اسلئے کہ وہی تمام علوم کی اصل ہے نیز وہ شعائر اللہ بھی ہے اسلئے واجب اور ضروری ہوا کہ صاحب قرآن مقدم کیا جائے اور اسکی شان کی تعظیم کی جائے تاکہ قرآن کی وجہ سے اسکی قدر و منزلت دیکھ کر دوسروں کو شوق پیدا ہو کہ اسی درجہ کو حاصل کرے۔ باقی یہ نہ سمجھا جائے کہ اَقرأ کی تقدیم کی وجہ یہ ہے کہ نمازی کو (امام کی جانب) قرأت ہی کی وجہ سے حاجت ہے۔ لیکن اصل یہی ہے کہ مقصد قرأت (کیفاً و کماً) میں ترغیب اور تشویق ہے۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ فضائل اور کمالات جو کسی کو حاصل ہوتے ہیں وہ تنافس اور مقابلہ ہی کی وجہ سے حاصل ہوتے ہیں، اور اس قرآن کے سیکھنے میں ایک دوسرے میں سبقت کا خیال پیدا ہونے کے لئے نماز کا انتخاب اسلئے ہوا کہ نماز سے قرأت کا خاصا تعلق ہے اور اس میں قرأت کی حاجت زیادہ پڑتی ہے۔ اسکو خوب سمجھ لو۔

پھر علم قرآن کے بعد وہ شخص مستحق امامت ہوگا جسے سنت کا علم زیادہ ہو اسلئے کہ سنت کتاب اللہ کے تابع ہے اور اسی سے ملت کا بقاء و قیام ہے اور یہی سنت ہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث ہے جو امت کو ملی ہے اسلئے کتاب اللہ کے علم کے بعد سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے علم کا درجہ ہوا۔

(حجۃ اللہ البالغہ)

(۹۱۔ ایک بڑی تجارت)

فرمایا کہ — روح البیان میں دیکھا کہ حضرت وہب بن منبہؒ بیان فرماتے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام (طوفان ختم ہو جانے کے بعد) کشتی سے اترے

تو ابلیس لعنۃ اللہ علیہ آپ سے ملا، حضرت نوح علیہ السلام نے اس سے دریافت کیا کہ او خدا کے دشمن! ذرا ایک بات تو بتلا دے کہ بنی آدم کا کون سا خلق تیرے اور تیرے لشکر کے لئے زیادہ معین و مددگار بنتا ہے انکو گمراہ کرنے پر اور انکو ہلاک کرنے پر ابلیس نے جواب دیا کہ میں جب انسان کے اندر شدت بخل، حرص، حسد اور جلد بازی پاتا ہوں تو اسکے ساتھ ایسا کھیلتا ہوں جیسے گیند کے ساتھ کھیلا جاتا ہے اور اگر اپنی قسمت سے کسی انسان کو ان سب ہی صفات سے متصف پا جاتا ہوں تو ہم لوگ اسکو شیطان مرید کے لقب سے پکارتے ہیں اسلئے کہ یہ سب اخلاق ہماری جماعت کے رؤسا کے ہیں (یعنی رؤسا، شیاطین ان سب سے متصف ہوتے ہیں)۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ابلیس علیہ اللعنۃ ہر دن دنیا کو دو مرتبہ اپنے ہاتھوں میں لیکر (مانند گیند کے) اچھالتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ کون اسکو خریدتا ہے وہ یہ سمجھکر کے کہ یہ اسکے لئے کچھ نقصان دہ ہی ہے سود مند نہیں ہے اپنے خریدنے والے کو ہم وغم میں ڈالنے والی ہے خوش کرنے والی نہیں ہے۔ تو یہ دنیا دار (احمق) کہتے ہیں کہ ہم ہیں اسکے خریدار۔ پھر وہ شیطان کہتا ہے کہ میاں جلدی نکرو (خوب سوچ سمجھ لو کیونکہ) یہ عیب دار بھی ہے۔ دنیا دار کہتے ہیں کہ ارے کچھ حرج نہیں (بلا سے عیب ہے ہم عیب کے ساتھ ہی اسکے طلبگار ہیں) پھر وہ شیطان کہتا ہے (اور یہ بھی سن لو کہ) اسکی قیمت درہم اور دینار نہیں ہوگی بلکہ اسکی قیمت تمھارا وہ حصہ ہوگا جو جنت سے تمکو ملنے والا ہے۔ میں نے بھی اس دنیا کو چار چیزوں سمیت خریدا ہے خدا کی لعنت۔ خدا کا غضب۔ خدا کا عذاب اور خدا سے بے تعلقی اور جنت کو انھیں چیزوں کے عوض فروخت کر دیا۔ دنیا دار یہ سنکر کہتے ہیں کہ ارے خیر پھر بھی یہ ہمارے لئے سستی ہی ہے ہم بھی جنت دیکر (چاروں چیزوں سمیت) اسے لینے کو تیار ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ یہ تو دام کے دام بیع ہوئی (یعنی نہ تو یہ) میں تو اس پر کچھ نفع لیکر اسکو فروخت کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہی کہ تم وعدہ کرو کہ اسکو دل سے تھامے رہوگے اور اسکو ترک تو نہیں کردگے؟ وہ کہتے ہیں کہ ہاں

ہم تمھاری اس یادگار کو ہمیشہ لئے رہیں گے اپنے پاس سے جدا نہیں کریں گے (اس پر معاملہ طے ہو کر بیع ہو جاتی ہے اور جب معاملہ مکمل ہو جاتا ہے تو وہ) شیطان کہتا ہے بہت بری ہے تمھاری یہ تجارت (یعنی جاؤ احمقو تم کو کیسا پھانسا)۔

۹۲۔ دوسروں کو پند و نصیحت کرنیوالے کو کیسا ہونا چاہیئے

فرمایا کہ ـــــ سیدنا حضرت رفاعیؒ البنیان المشید میں فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے مگر وہ شخص جو نرمی کرنے والا ہو حکم کرنے میں بھی اور (کسی برائی سے منع کرنے) اور روکنے میں بھی۔ اور حکمت والا ہو امر کرنے میں بھی اور منع کرنے میں بھی۔

اسکے تحت محشی لکھتے ہیں کہ افسوس مجھے یہ حدیث نہ مل سکی کاش میں اسے کہیں پالیتا کیونکہ اس جیسی حدیث سے کون مسلمان صبر کر سکتا ہے۔

(ہمارے حضرت مصلح الامۃؒ فرماتے ہیں کہ) میں نے بھی کتب احادیث میں اس حدیث کو تلاش کیا چنانچہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ منتخب کنز الاعمال میں مجھے یہ حدیث مل گئی جسکا ترجمہ یہ ہے کہ:۔

" انسان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مناسب نہیں تاآنکہ اس میں تین چیزیں نہ ہوں ۔ جس امر کا حکم کرے اسمیں رفق سے کام لے ۔ جس چیز سے کسی کو منع کرے تو اس میں نرمی برتے ۔ اور جس بات سے دوسروں کو روکے تو اس میں عدل و انصاف سے کام لے "

میں نے جب یہ روایت دیکھی تو بہت خوش ہوا ۔ فللہ الحمد۔

(مکتوب نمبر ۲۹۸)

حال :- مخدومی المحترم مولانا وصی اللہ صاحب دام فضلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ - میں نے اس سال رمضان ڈھاکہ میں گذارا تھا وہاں بہت سے احباب کو آپ سے تعلق خاص ہے وہ چاہتے تھے کہ ایکبار مشرقی پاکستان ڈھاکہ اور چاٹگام کے ارادے سے آپ تشریف لائیں تو انکو علاوہ زیارت کے باطنی نفع کی بھی امید ہے میں نے ان سے کہدیا تھا کہ آپلوگ درخواست کریں انشاء اللہ مولانا منظور فرمائیں گے، وہ کہنے لگے کہ تم بھی سفارش کردو یہ عریضہ اسی غرض سے ارسال ہے کہ اگر ڈھاکہ والے اسطرف تشریف ظاہر کریں تو انکی درخواست منظور فرمالیں مجھے بھی خوشی ہوگی اور اگر مجھے بھی معلوم ہو جائے کہ کہ آپ کن تاریخوں کس ماہ میں ڈھاکہ تشریف لیجارہے ہیں تو میں بھی ڈھاکہ پہونچنے کی کوشش کروں گا۔ اور یہ سب اس شرط کے ساتھ ہے کہ آپ کو فرصت ہو اور کوئی عذر مانع نہ ہو نیز سفر ڈھاکہ کیلئے قلب کو انشراح ہو۔

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہونگے آپ سے اہل ہند کو جس قدر فیض پہونچ رہا ہے اسکی خبریں سنکر دل کو خاص مسرت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فیض کو اور بھی عام وتام فرمائیں۔ آمین۔

تحقیق : بخدمت مخدومی معظمی ومحترمی جناب حضرت مولانا ظفر احمد صاحب دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ الحمد للہ بندہ خیریت سے ہے۔ جناب کے خط سے جو مسرت ہوئی وہ اندازہ سے باہر ہے اللہ تعالیٰ کی عنایات میں سے ایک یہ بھی عنایت ہے اور بزرگوں کی اشفاق میں سے ایک یہ بھی شفقت ہے میں تو آپ کا پروردہ ہوں اور ہمیشہ عنایات کا مورد رہا ہوں، اس نئی عنایت نے قلب کو ایک دوسرے ڈھنگ کا کر دیا اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بالکل فیوض وبرکات تا مدت مدید تک قائم رکھے۔ جناب والا نے جس امر کے متعلق

تحریر فرمایا ہے بات وہی ہے کہ مانع یہاں کام کا حرج ہے پھر دوسرے لوگ بھی اس کو اٹھا لیتے ہیں اور بلاتے ہیں چنانچہ اکثر جگہوں سے لوگ بلاتے ہیں، پھر آدمی مقامی کام کا رہ نہیں جاتا بہت حرج واقع ہو جاتا ہے پھر اسباق بھی میرے ذمہ ہیں یہاں وہاں جانے سے طلبہ کا بہت حرج ہوتا ہے۔ سب سے بڑا نفع میرا وہاں آنے میں آپ کی زیارت اور ملاقات ہے میرا جی اسکو بہت چاہتا ہے مگر دل مسوس کر رہ جاتا ہوں۔ ذرا یہاں کام چل نکلے تو اس سے بڑھکر کیا ہو سکتا ہے۔

اب جناب والا کی توجہ اور دعا کی ضرورت ہے اسی سے سب کام آسان ہو سکتے ہیں۔

(مکتوب نمبر ۲۹۹)

حال: ادھر کچھ عرصہ سے بوجہ مشغولیت عریضہ ارسال خدمت نہ کر سکا افسوس ہے حضرت عفو طلب ہوں۔ حضرت زندگی یونہی دنیا کمانے اور اس سے متعلق فکروں میں وقت اور دماغ صرف کرنے میں گذری جا رہی ہے۔ میری تعلیم کا بھی سلسلہ شروع فرمائیں اور پہلا سبق ارزانی فرمائیں۔ اپنے متعلق اور اپنی فلاح و بہبود دینی و دنیوی کے لئے دعا کی درخواست کرتا ہوں۔

تحقیق: ۔ الحمدللہ بخیریت ہوں عریضہ نہ لکھنے کی معافی جو مانگی ہے تو اس میں آپ نے میرا کیا قصور کیا ہے پھر معافی کس چیز کی؟ طریق میں پہلا سبق تو یہی تعلق بالشیخ ہے اسی پر آگے کے تمام درجات موقوف ہیں اسی میں آپ سے سستی ہو رہی ہے لہٰذا بجائے آگے سبق لینے کے پہلے اسی کو اچھی طرح سے پختہ کر لیجئے شیخ سے کامل عقیدت پوری محبت اور اعتماد تام قائم کیجئے اسکے بعد سب منزلیں آسان ہیں۔ اور بھائی اصل نفع تو راہ میں صحبت ہی سے ہوتا ہے۔ اسکو بھی ضروری جانکر اسکے لئے وقت نکالئے اور وقت تو نکالنے ہی سے نکلیگا۔ اور میری کتابوں کا مطالعہ برابر کرتے رہیئے یہی سب صورتیں نفع کی ہیں۔ سب مقاصد کیلئے دعا کرتا ہوں۔

(مکتوب نمبر ۳۰)

ـال : حضرت اگر کسی سے خصومت ہو اور وہ اپنے خصم سے قطع تعلق کرلے اس نہ ملے نہ جلے اور نہ کلام کرے ساتھ ہی ساتھ اپنے خصم کو نقصان پہونچانا اسکی بدخواہی کرنا بھی مقصود نہ ہو تو یہ بھی کینہ ہوگا؟ امید کہ تشفی بخش جواب مرحمت فرمائیں گے۔

ققیق : لایحب اللہ الجہر بالسو من القول الا من ظلم ۔۔۔۔ کی تفسیر میں حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ :۔ " یہ حصر اضافی ہے اس شخص کے عتبار سے جو بلا کسی مصلحت معتبرۂ شرعیہ کے دوسرے کی شکایت کرے حصر حقیقی ہیں کیونکہ سوا ظالم کے اور بھی بعض کی برائی کا اظہار جائز ہے ۔ مثلاً وہ شخص بس سے کوئی دینی یا دنیوی مضرت پہونچنے کا اندیشہ ہو اسکے حال سے لوگوں کو مطلع ردینا درست بلکہ واجب ہے خلاصہ مسئلہ کا یہ ہے کہ بلا مصلحت وضرورت کے کسیکی یب گوئی جائز نہیں " (بیان القرآن ص۱۶۵ جلد ۲)

نیز شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ :۔ " جاننا چاہیئے کہ یہ جو مشہور ہے ۔ زیادہ تین دن سے رنج نہ رکھے یہ مطلق نہیں ہے بلکہ اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ سلامتی ین و دنیا کی اسکی آشنائی (یعنی تعلقات) کے ترک ہی کرنے میں ہو تو اگر زیادہ رت مذکور سے بلکہ تمام عمر اسکو نہ دیکھے تو جائز ہے اور اسی طرح منقول ہے صحابہؓ ودتابعین اور تبع تابعین سے اور بعضوں نے ان میں سے ترک کیا تھا یارانہ بعضوں کا سبب نیت کے کہ حاصل تھی انکو اس میں یعنی سلامتی دین کی ۔ ولیکن نہ چاہیئے کہ ، بغض وکینہ نگاہ رکھیں کہ جائز نہیں ۔ ف : یعنی جس صورت میں کہ یقین ہو دنیا کی ضرت کا اور اسکے لئے ترک ملاقات کرے تو کینہ نہ رکھے اور اگر بسبب دینی اسکے ترک وملاقات کی ہے تو بغض وکینہ بھی رکھنا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے الحب للہ والبغض للہ " کو اسلام کی شاخوں سے فرمایا ہے " (ہدیۃ الناظرین ص۔۔)

ـال : میں بھی اس فعل کا مرتکب ہوں، حضرت کے حسب ارشاد عمل کرنے کیلئے

تیار رہوں اللہ کی توفیق اور جناب کی دعا مستجاب کی ضرورت ہے ۔ دیگر ایک اپنے عیوب پر نگاہ نہیں پڑتی اور خبر نہیں کہ مجھ میں کون کون سے عیوب ہیں اور جن عیوب کی خبر ہے انکی اصلاح کی طرف توجہ نہیں ہوتی، اسلئے دعا فرمائیں کہ خداوند قدوس اس کور چشمی کو دور فرمائے ۔ تحقیق ، دعا کرتا ہوں ۔

حال ، نیز مایوسی وحرماں سے محفوظ رکھکر اپنی رحمت کے سائے میں جگہ دے اور میرے گناہ کو معاف فرماکر اپنی محبت و رضا نیز اپنے محبوب بندے کی محبت سے بہرہ ور فرمائے ۔ آمین ثم آمین ۔ اور حسن عمل کی توفیق اور خاتمہ بالخیر مرحمت فرمائے ۔ آمین ۔ تحقیق ، آمین ۔

(مکتوب نمبر ۳۰۱)

حال :۔ اس مرتبہ کی حاضری میں عظمت قرآن کی دولت نصیب ہوئی ۔
تحقیق :۔ اللہ ہمیشہ باقی رکھے ۔
حال :۔ روزانہ بوقت تلاوت اس استحضار سے کہ یہ آقا اور مالک کا کلام ہے اسکی عظمت بھی پیش نظر ہو جاتی ہے ۔ تحقیق : الحمدللہ
حال :۔ اور اس مراقبہ سے توجہ اور حضور بھی رہتا ہے ۔
تحقیق :۔ بارک اللہ تعالیٰ ۔
حال :۔ نیز اس حاضری میں اخلاص کے تمام پہلو بھی سامنے آ گئے ۔ حق تعالیٰ معلومات کو مشہود بنا دیں ۔ تحقیق : آمین ۔
حال :۔ خانقاہ میں بیرونی طلباء کا داخلہ برابر جاری ہے ۔ مخلصین کو سخت انتخاب کے بعد داخل کیا جا رہا ہے ۔ کام کرنے والے اب سب ماشاء اللہ مخلص ہی جمع ہو گئے ہیں اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائے ۔
تحقیق :۔ آمین

بہرحال اس تحریر کو ملاحظہ فرمانے کے بعد حضرت والا نے سنا تو یہی فرمایا کہ کب مجھے اب اس گھر میں رہنا نہیں ہے لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ اتنے سارے لوگوں کو لیکر کہاں تشریف لیجاتے اسلئے احباب سے صلاح و مشورہ کرنے میں چند دن اور گذر گئے مشورہ میں مولوی نثار اللہ صاحب بھی ہوتے مولوی امجد اللہ صاحب بھی ہوتے ان کے علاوہ ماسٹر واجد علی صاحب، مولوی شکیل صاحب عباسی، مولوی عبدالمنان صاحب مولوی افتخار الحق صاحب مولوی وصی الدین صاحب، اور بڈّی (؟) اللہ بھائی جوان دنوں وہاں موجود تھے اور ان کے علاوہ چند مخصوص حضرات سے مشورہ فرمایا۔ یہ بھی طے تھا کہ جلد سے جلد اس جگہ کو چھوڑنا ہے اور یہ بھی ذہن میں تھا کہ ایسی کوئی بھدی شکل نہ ہونا چاہیئے جس سے ان شرفاء گورکھپور کی اپنے عزیزوں یا دوسرے لوگوں میں کچھ رسوائی یا خفت ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک بڑا مسئلہ تھا چنانچہ حضرت کی خدمت میں آنے جانے والوں میں سے حکیم مولوی وصی احمد صاحب بھی تھے اور ان کے برادر بزرگ حاجی ولی محمد صاحب تو آپ کے مرید ہی تھے ان حضرات کا مکان اسی محلہ میں تھا اور بہت قریب تھا ان سے بھی صورت حال کا ذکر آیا لیکن ایک محتاج، عاجز، بے بس اور غریب الوطن ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک مخلص دوست اور ایک مرید سعید ہونے کی حیثیت سے۔ یوں ہونے کو تو گورکھپور میں حضرتؒ کے جاں نثار خدام بہت موجود تھے لیکن حضرت والاؒ نے حکیم وصی احمد صاحب کے مکان کو اپنی منتقلی کے لئے اسلئے بھی تجویز کیا کہ وہ یہیں چند مکانوں کے بعد ہی تھا لوگ نہایت خاموشی کے ساتھ وہاں جا سکتے تھے نہ شہر میں کہیں شور ہوتا نہ تذکرہ اور دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ حکیم صاحب موصوف گو اپنے گھر کے کھاتے پیتے آدمی تھے لیکن ظاہر حال یہی تھا کہ ان روساء گورکھپور کے مقابلہ میں ایسے ہی تھے جیسے ہاتھی کے مقابلہ میں چیونٹی (غالب گمان یہی ہے کہ حکیم صاحب کو بھی اسکا اعتراف ہوگا اور وہ اس تمثیل کو ناگوار نہ پائیں گے)، تو حضرت اقدس اہل گورکھپور کو یہ بھی دکھلا دینا چاہتے تھے کہ ہم جیسے فقیروں کی نظر میں شاہ و گدا سب یکساں ہیں

تم لوگ جو یہ سمجھ رہے ہو کہ ہماری پیری ان افراد کی ممنون کرم ہے اور ہم بھی گویا ایک دنیا دار پیر ہیں تو تمھارا یہ خیال صحیح نہیں دنیا داری کی یہ عینک خود تمھاری آنکھوں پہ لگی ہوئی ہے جس سے تم بھی ہمیں ایسا ہی دیکھ رہے ہو، ہمارے قیام کے لئے مولوی ثناء اللہ صاحب کی کوٹھی اور حکیم وصی احمد کی جھونپڑی دونوں برابر ہیں پس تمھارا یہ خیال بھی غلط ثابت ہوا۔ حضرت اقدس کے ہر ہر قول اور ہر ہر فعل میں کیا کیا حکمتیں ہوتی تھیں اسکو تو حضرت ہی سمجھتے تھے یا پاس رہا ہوا کوئی خادم سمجھ سکتا تھا دوسروں کے لئے انکا سمجھنا واقعی دشوار ہوتا تھا

ذکی اللہ بھائی نے مجھ سے بیان کیا کہ میں تو اسوقت گورکھپور ہی میں تھا جب حضرت والا حکیم وصی احمد صاحب کے مکان میں منتقل ہوئے ہیں اور اس گفتگو میں واسطہ رہا ہوں جو حضرتؒ نے حکیم وصی احمد صاحب سے فرمائی، حکیم وصی احمد صاحب نے چونکہ ابتدا میں حضرت سے کچھ پڑھا بھی تھا اور بچپن میں جبکہ چھوٹے بچے تھے حضرتؒ کے گھر میں بھی جایا کرتے تھے اس لئے ان سے قدیمی اور بے تکلفی کے تعلقات بھی تھے صاحبزادیاں بھی ان سے واقف تھیں اور انکا مکان مولوی ثناء اللہ صاحب کے مکان سے بہت قریب بھی تھا اسلئے حضرت نے مجھے حکیم وصی احمد صاحب کے پاس بھیجا اور یہ فرمایا کہ ان سے جاکر کہو کہ اگر میں تمھارے مکان میں آجاؤں تو کیسا ہے؟ حکیم صاحب نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ حضرت اس سے بڑھکر ہمارے لئے کیا سعادت ہوسکتی ہے کہ حضرت کے قدم میرے غریب خانہ پر پہونچ جائیں پھر حضرت خود بھی ان کے یہاں کسی وقت تشریف لے گئے اور فرمایا کہ مجھے کہاں ٹھہراؤ گے انھوں نے اپنا مکان دکھلاتے ہوئے عرض کیا کہ یہاں اس کمرہ میں حضرت کا قیام رہے گا اور وہ کمرہ ہے اس میں مہمان حضرات ٹھہریں گے اور اندر کا حصہ خالی کردونگا اس میں بہنیں آجائیں گی میں اپنے بھائی صاحب کے مکان میں منتقل ہوجاؤنگا۔ حضرت نے اندازہ فرمالیا کہ یہ جگہ کافی ہوجائیگی تو پھر میرے واسطہ سے حکیم صاحب کے پاس کہلا بھیجا کہ مجھے بلا تو رہے ہو لیکن اگر ان لوگوں نے یعنی مولوی ثناء اللہ صاحب اور مولوی

امجد اللہ صاحب نے اس سلسلہ میں کچھ کہا سنا تو ان سے ڈر تو نہ جاؤ گے (یہ بات حضرت اقدس نے حکیم صاحب کے عزم کی پختگی اور بعض حالات کے پیش نظر فرمائی) کیونکہ یہ دونوں حضرات بڑے لوگ تھے حضرت کو خیال ہوا کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ دونوں حضرات حکیم صاحب سے کچھ کہیں اور ان پر زور ڈالیں تو کہیں ایسا تو نہیں کہ حکیم صاحب ان سے مرعوب ہو جائیں اور ہم لوگوں کو ٹھہرا لینے پر افسوس کریں اسلئے حضرتؒ نے انکی پختگی معلوم کرنے کیلئے یہ سوال فرمایا۔ اس پر حکیم صاحب نے اپنی پختگی ظاہر کی اور کہا کہ حضرت کی خوشی کے مقابلہ میں کسی کی بھی پرواہ نہ کروں گا اور ادھر کی دنیا چاہے ادھر ہو جائے اس سے ہٹنے والا نہیں۔ حضرت والا نے فرمایا بس میں یہی معلوم کرنا چاہتا تھا اسکے بعد حضرتؒ ایک دن شام کو خاموشی سے منتقل ہو گئے۔ یہ صورت ہوئی یہاں منتقلی کی اور خدا تعالیٰ کی جانب سے یہ شرف مقدر تھا حکیم صاحب موصوف کے لئے انکو ملا، ورنہ حضرت کچھ بے بسی اور لاچاری کے طور پر یہاں نہیں تشریف لائے اگر کسی کا ایسا خیال ہے تو غلط ہے۔ باقی اس میں شک نہیں کہ مولوی نثار اللہ و مولوی امجد اللہ صاحب کی طرح حکیم وصی احمد صاحب کا بھی ہم سب خدّام پر یہ احسان ہے کہ انھوں نے حضرت والاؒ کے علاوہ ہم سب کیلئے بھی اپنے یہاں قیام کی جگہ نکالی خود تکلیف اٹھائی اور مہمانوں کو آرام سے رکھا لیکن حضرت اقدس کے متعلق تو یہی سمجھنا چاہیئے کہ ؎

منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی ۔۔۔۔ منت شناس ازو کہ بخدمت گذاشتت

شاہ کی کوئی خدمت کر کے اس پر احسان نہ رکھو بلکہ خود اس کے احسان مند رہو کہ اس نے تم سے یہ کام لے لیا۔ اور حضرت والاؒ کے مزاج میں چونکہ تواضع حد درجہ کی تھی اسلئے وہ اپنوں سے بھی اسی انداز کی گفتگو کرتے تھے چہ جائیکہ دوسروں کیا تھ۔ حضرت نے متعدد موقعوں پر اپنے کسی خادم سے فرمایا کہ میں یہاں تمہاری ہی وجہ سے آیا ہوں اب کام کرنا ہوگا ظاہر ہے کہ فی الواقع وہی صاحب سبب سفر نہ ہوتے لیکن محبت اور شفقت کا اظہار کبھی کسی سے یوں بھی فرماتے تو یہ اسکے لئے سبب افتخار و

ممنونیت ہونا چاہیئے نہ کہ سبب فخر و مباہات لیکن دنیا میں چونکہ ہر قسم کے لوگ رہتے
اس لیئے کسی کسی نے اس قسم کے عنوان سے ناجائز فائدہ بھی اُٹھایا اور یہ اعلان کردیا
کہ میں حضرت کا مجاز ہوں حضرت نے میرے متعلق فلاں موقع پر ایسا ایسا فرمایا تھا اگرچہ
ان صاحب کا یہ اعلان لوگوں کی نظروں میں کچھ زیادہ وقیع ہوا نہیں تاہم انکا نفس تو
خوش ہو ہی گیا۔

بہرنوع حکیم وصی احمد صاحب نے بھی حضرت والا کو آرام پہونچانے میں کوئی کسر
اٹھا نہیں رکھی اور ان کے برادر معظم حاجی ولی محمد صاحب تو ہر وقت حضرت والا کے
اشارۂ چشم کے گویا منتظر ہی رہتے تھے ان کے علاوہ حکیم صاحب کے اور دوسرے
عزیزان گرامی نے بھی سب کے ساتھ قلبی تعاون کیا ——— اللہ تعالیٰ ان سب
حضرات کو انکی کوششوں اور کاوشوں کا صلہ مرحمت فرمائے۔

(حضرت مصلح الامۃؒ کی علالت اور سفر الہ آباد)

حضرت اقدس کو تحریک نزلہ کی شکایت تو وطن میں بھی اکثر رہا کرتی تھی ایک بالشت
لانبی اور ایک ہی بالشت چوڑی مختلف رنگوں کی گورکھپوری تولیوں کو تو کبھی کبھی درجنوں
الگنی پر لٹکا ہوا دیکھا ذرا ٹھنڈی ہوا سر میں لگی یا ناک کے راستہ دماغ میں پہونچی کہ مسلسل
چھینکیں آنی شروع ہو جاتیں پھر دو چار نہیں بلکہ دس بیس تک کی نوبت آجاتی اور ناک
سے ریزش شروع ہو جاتی پھر کیا یکے بعد دیگرے چار چھ کپڑے تر ہو جاتے ناک کا
کنارہ چھل نہ جائے اس خیال سے کبھی کبھی حضرت والا اپنے بڑے رومال کے ایک
گوشہ میں جسکو کاندھے پر رکھنے کا معمول تھا ململ کا چھوٹا سا ٹکڑا باندھ لیتے تھے تاکہ بوقت
ریزش اسی سے کام لے لیا جائے اور بڑا رومال ملوث نہ ہو ایک ٹکڑا گندہ ہو جاتا تو اسکو
بدلکر دوسرا باندھ دیا جاتا اسی کو دیکھکر غالباً کسی نے گورکھپور سے چھوٹی چھوٹی تولیے
درجنوں بھیجدی تھیں۔ اس نزلہ کا سبب کیا تھا؟ عام طور سے اطباء وطن ظاہری اور
عام نزلہ و زکام کے سبب کی جانب جاتے تھے اور اسی کے مطابق دوا تجویز کرتے تھے

لم نے خود دیکھا کہ واقعی جیسا کہ حکیم صاحبان کا قدح مشہور ہے حضرت والا مسلسل
نشہ اور اطباء حاضر الوقت کا تجویز کردہ جوشاندہ برابر پیتے رہتے تھے لیکن مرض بڑھتا گیا
یں جوں دوا کی۔ کچھ فائدہ نہ ہوتا۔ اسی زمانہ میں ٹھنڈک کے اثر سے بچانے کے لئے
ضرت کے بالکل خلاف مزاج مصلحین نے ٹھنڈا کیا ہوا تازہ پانی بھی روک دیا گنگنا
نی پلایا چنانچہ حضرت والا نے مہینوں ٹھنڈا پانی پیا ہی نہیں۔ حضرت اقدس خود فرمایا
ستے تھے کہ میں بھی برابر سوچتا رہتا تھا کہ آخر اس نزلہ کا سبب کیا ہے کیونکہ ٹھنڈک
ں سے ایسا نہ ہوتا تھا بلکہ کبھی گرمی سے بھی تحریک شروع ہو جاتی تھی خود فرماتے تھے
دیکھئے ذرا سا رومال کان اور سر سے اُتارا تھا تو چھینک آنے لگی پھر گرم رومال سر پر لپیٹ لیا
بند ہو گئی لیکن ایسا ہمیشہ نہ ہوتا تھا بلکہ ایسا بھی ہوتا کہ رومال گرم چادر سب لپیٹے
وئے ہیں اور چھینکیں آنی شروع ہو گئیں ناک سے ریزش اور آنکھ سے پانی جاری ہو گیا
تیٰ کہ آنکھ بالکل سرخ ہو جاتی اس حالت میں حضرت والا گھبرا کر چادر بھی جسم پر سے ہٹا دیتے
ور رومال کو بھی سر پر سے کھول دیتے حتیٰ کہ کبھی کبھی گرم ٹوپی بھی اتار دیتے بس
یسا کرتے ہی چھینک آنی بند ہو جاتی تو فرماتے تھے کہ متضاد قسم کے اسباب ہوتے
ہیں کبھی سردی سبب بن جاتی ہے تحریک کا اور کبھی گرمی بھی محرک نزلہ بن جاتی ہے
اب ایسے مریض کا علاج ہو تو کیونکر ہو۔ چنانچہ وطن میں حکیم بشیر الدین صاحب حکیم نثار احمد
صاحب اور ان کے والد جناب حکیم محمد شفیع صاحب، حکیم رمضان صاحب حکیم
حفیظ اللہ صاحب حکیم بدیع الزماں عطائی طبیب مئو کے حکیم حبیب اللہ صاحب اور
حکیم سعد اللہ صاحب اور باہر سے آنیوالے حضرات میں سے ڈاکٹر محمد غفران صاحب
حکیم ظہیر الدین صاحب وغیرہ کس کس کا علاج حضرت نے نہیں کیا لیکن اس مرض سے
کلی افاقہ نہیں ہوتا تھا نہ ہوا بالآخر الٰہ آباد کے لوگوں کی جب آمد و رفت شروع ہوئی تو
کسی نے یہاں کے حاذق طبیب جناب حکیم مولانا شاہ فخر الدین صاحب جعفری کا تذکرہ
کیا حضرت والا نے بطور تجربہ کے الٰہ آباد تشریف لانا اور ان سے علاج کرانا منظور فرمایا
چنانچہ منظور کیا گیا حضرت والا نے اپنے وقت میں سلسلہ علاج بھی فرمایا۔ یوں فرماتے

تھے کہ جب یہاں حضرت خواجہ عزیزالحسن صاحب انسپکٹر آف اسکول کی جگہ پر تھے اس وقت میں الہ آباد ایکبار اور آچکا ہوں مگر وہ دوسرا دور تھا۔ غرض الہ آباد تشریف لائے اور حاجی عبدالوحید صاحب کے مدرسہ قرآنیہ حسن منزل میں قیام فرمایا جسکی مفصل روداد تو حالات الہ آباد میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ مختصر یہ کہ حکیم فخر صاحبؒ کو نبض دکھلائی حکیم صاحب موصوف نے اس زمانہ کے لحاظ سے غالباً سو روپیہ کا ایک نسخہ تجویز فرمادیا جو مجربات پر مشتمل تھا اور مشک و زعفران وغیرہ کا بھی جزو اسمیں شامل تھا دوا مختصر سی تھی لیکن نہایت خوشگوار لطیف خوشبودار اور مزیدار ہوتی تھی۔ چمچہ میں لیکر اسکی پہلی خوراک جب حضرت کو کھلائی گئی اسی وقت حضرت اقدس نے فرمایا کہ بین طور پر محسوس کر رہا ہوں کہ اس دوا سے نفع ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ سے لے زبان پر رکھتے ہی جیسے دماغ کی گرہ سی کھل گئی۔ اسکے بعد غالباً حکیم بشیرالدین صاحب سے فرمایا کہ مولوی بشیر کہو تو کہدوں بکر، فرمایا کہ نہیں واقعی اگر تم برا نہ مانو تو تمکو طب کا ایک علم دیدوں وہ یہ کہ تم لوگوں کے پاس دیہاتی قسم کے لوگ آتے رہے اور تم انھیں پر اپنی طب کو مشق کرتے رہے چنانچہ وہی نسخہ تم نے میرے لئے بھی تجویز کیا اور یہ حکیم صاحب بڑے لوگوں کا علاج کرتے ہیں راجہ اور نواب قسم کے لوگ انکو اپنے یہاں بلاتے ہیں انھوں نے میرا اصل مرض ضعف دماغ پکڑ لیا اور دماغ کو قوت پہونچانے والے اجزاء پر مشتمل نسخہ لکھدیا جو گراں تو ضرور ہے لیکن مرض کے عین مطابق ہے اسلئے اسکے کھاتے ہی ایسا معلوم ہوا کہ جیسے تیر نشانہ پہ لگ گیا تو میں اگر خود ہی گھبرا کر یہاں بھاگ نہ آتا اور اللہ تعالیٰ ان حکیم صاحب سے علاج کرانا میرے قلب میں نہ ڈالدیتے تو تم لوگ تو مجھے جوشاندہ پلا پلا کر مار ہی ڈالتے۔ اور میرا کیا مرض تھا اور اسکا کیا علاج ہونا چاہیئے یہ تمھاری سمجھ ہی میں نہ آتا تم تو جوشاندہ پلاتے اور جب تحریک میں اضافہ دیکھتے تو کہتے کہ دن میں ایک دفعہ اور اسکا استعمال بڑھا دیا جائے پھر اور تحریک بڑھتی تو ایک بار اور بڑھا دیتے تمھاری پرواز تو ہی وہاں تک نہ جاتی جہاں اس شخص کی پہونچی۔ بڑے آدمی کی بڑی ہی بات ہوتی ہے

اور سنو میرا اصل مرض ضعف دماغ ہی تھا اس میں جس کی زیادتی ہو جانے کے سبب سے ذرا سی گرمی موثر ہو جاتی اور ذرا سی سردی موثر ہو جاتی تھی جو تمہارے جوشاندہ سے جانے والا مرض نہیں تھا اسکے لئے تو اسی قسم کے قیمتی اجزا اور ادویہ کے استعمال کی ضرورت تھی اور یہ بھی جانتے ہو کہ مجھے یہ ضعف دماغ ہوا کہاں سے؟ طالب علمی میں سنے کی۔ خانقاہ میں رہ کر ذکر و شغل میں نے کیا۔ اسوقت تو کچھ نہ ہوا اب گھر آگیا ہوں اور بظاہر کوئی دماغ اور محنت کا کام بھی نہیں ہے پھر یہ ضعف دماغ کیسا؟ کہو تو اسکی وجہ بھی بتا دوں؟ حکیم بشیر الدین صاحب نے عرض کیا کہ حضرت فرمادیں۔ فرمایا یہی جو آپ لوگوں پر خفا ہوتا ہوں اور آپ لوگوں کے کام پر نہ لگنے کی وجہ سے مجھے ایک ضیق سی جو ہوتی ہے۔ لوگوں کی بداخلاقیوں سے نالاں رہتا ہوں اسی غم نے بڑھتے بڑھتے بالآخر ضعف دماغ کی صورت اختیار کرلی۔ بس یہی وجہ ہے اسکے علاوہ اور کوئی وجہ نہیں ہے۔ لہٰذا مجھے صحیح اور صحتمند دیکھنا چاہتے ہو تو لوگوں سے کہو کہ اپنی بداخلاقیاں چھوڑیں۔ نفاق ترک کریں۔ اخلاص سیکھیں اور کام پر لگیں بس میں اچھا ہی ہوں۔

ترتیب واقعہ اور تاریخ وقوع کی رو سے تو حضرت اقدس کا یہ الٰہ آباد کا پہلا سفر قیام وطن ہی کے حالات میں بیان ہو جانا چاہیئے تھا لیکن اسوقت ذہن سے بالکل نکل گیا اب ذکر علالت گورکھپور کے موقع پر وطن کی علالت یاد آئی اور اسی کی وجہ سے الٰہ آباد کا سفر یاد آگیا۔ لیکن خیر اسوقت یہاں اسکا ذکر آجانے سے یہ بات صاف ہو گئی کہ حضرت والا نے علاج کے لئے الٰہ آباد ہی کو کیوں تجویز فرمایا اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ الٰہ آباد کے لوگوں کا حضرتؒ سے تعلق اور خود حضرت کا الٰہ آباد سے تعلق ہو چکا تھا وہی قلیل منجر بہ کثیر ہوا۔ چنانچہ حکیم مولوی فخر الدین صاحب جعفری کی حذاقت کا تجربہ ہو جانے پر حضرت والا نے اپنے خویش ثانی مولوی قمر الزماں سلمہٗ کو بھی علاج کے لئے الٰہ آباد ہی بھیجا۔ اور خود حضرت والا کا قیام تو اس پہلی بار الٰہ آباد میں تھوڑا ہی رہا لیکن اہل الٰہ آباد کا تعلق نہ چھوٹا چونکہ مسلسل آنا جانا رہتا تھا اس لئے

مستقل طور پر حکیم صاحب موصوف ہی کے پاس حضرت والا کا حال اور یہاں سے فتحپور (تال نرجا) اور یہ جاتی رہیں اس واسطہ سے باہم سلام و پیام کا بھی سلسلہ قائم ہوگیا۔ حضرت والا ہی نے غالباً حاجی عبدالوحید یا حاجی شفیع اللہ صاحب سے فرمایا کہ حکیم صاحب اگر یہاں تشریف لاسکیں تو ایک مرتبہ لے آؤ۔ حکیم صاحب موصوف کو بھی حضرت والا سے ایک خاص تعلق ہوگیا تھا آنا منظور فرمالیا چنانچہ حاجی صاحبان کے ہمراہ الہ آباد سے مئو تک ریل سے اور وہاں سے کوپا گنج تک کار سے اور کوپاگنج سے فتحپور تک تمام راستہ پالکی سے طے فرمایا اس طرح سے جگہ بجگہ قیام کا موقع ملجانے اور حضرت والا کے متعلقین نیز حکیم صاحب موصوف کے تلیذ وغیرہ کے ملجانے کیوجہ سے یہ سفر نہایت راحت اور آرام سے گذرا اور حکیم صاحب کے لئے سبب تفریح ہی رہا۔ حضرت نے گاؤں والوں کو گاؤں سے باہر استقبال کیلئے بھیجا اور خود بھی اپنے مکان سے کچھ آگے بڑھکر حکیم صاحب کا استقبال کیا اور بوقت ملاقات غایت خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا حکیم صاحب بھی بہت خوش ہوئے۔ یہاں قیام شاید ایک ہی دن رہا دوسرے دن علی الصباح حضرت کی نبض دیکھی قارورہ دیکھا اور صحت پر خوشی کا اظہار فرمایا۔ ناشتہ اور کھانے پر حضرت اقدس رحمہ نے حکیم صاحب کے مزاج کی رعایت فرماتے ہوئے معقول انتظام فرمایا حکیم صاحب کے ہمراہ ان کے تلیذ خاص جناب مولوی سلیمان صاحب فخری بھی تھے ان سب امور میں ان سے بہت مدد ملی پھر کیا تھا دن بھر حکیم صاحب کے پاس بستی اور اطراف کے لوگوں کا تانتا بندھا رہا بہت سے لوگوں نے اپنے اپنے مرض کی تشخیص کرائی اور نسخہ تجویز کرایا۔ دوسرے ہی دن غالباً حکیم صاحب الہ آباد واپس ہوگئے چنانچہ جس طرح سے آرام و راحت کے ساتھ تشریف لائے تھے اسی طرح سے الہ آباد بھی تشریف لے گئے اور اب دل ہی دل میں گویا ان ہر دو طبیب جسمانی اور طبیب روحانی میں معاہدہ سا ہوگیا تھا کہ کبھی کبھی ملاقات کا یہ سلسلہ باقی رکھا جائیگا کبھی حکیم صاحب پھر آجائیں اور کبھی حضرت الہ آباد تشریف لیجائیں لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ آخری ملاقات تھی اسلئے اسکے بعد باہم ملاقات نہ ہوسکی

مع مشاطرة كثير من ملوكهم
وامراءهم العلماء فى علومهم
وما هو الظاهر برقوق يتفقه
على الامام اكمل الدين البابرتي
ويشارك المحدثون فى رواية
الصحيحين ويجلب امثال
ابن ابى المجد من كبار المسندين
من الاقطار النائية رغبة منه
فى اعلاء سند المتعلمين بمصر
بسماعهم الحديث من اصحاب
الاسانيد العالية ويفعل
مثل ذلك المؤيد حيث كان
هو نفسه يروى الصحيح عن
السراج البلقيني بل ابن حجر
سمع الحديث من المؤيد هذا
وترجم له فى عداد شيوخه
فى المعجم المفهرس وقد جلب
المؤيد الى مصر العلامة شمس
الدين الديرى صاحب المسائل
الشريفة فى ادلة مذهب الامام
ابى حنيفة وكذلك ترى الظاهر
جقمق يسمع الصحيح من ابن
الجزرى ويجلب كبار المسندين

حالانکہ یہ ملوک و امرار صرف سلطنت و حکومت
ہی کے مالک نہ تھے بلکہ ان میں سے بہت
سے حضرات خود بھی ماہر علمار تھے۔ دیکھئے
ظاہر برقوق سلطان مصر، امام اکمل الدین
بابرتیؒ سے علم فقہ حاصل کرتے ہیں اور صحیحین
کی روایت میں اجلہ محدثین کے ساتھ شرکت
کرتے ہیں اور امام حدیث ابن ابی المجد جیسے
سند الوقت عالم کو بلاد بعیدہ سے محض اس لئے
مصر بلاتے ہیں کہ مصری طلبار حدیث ان سے
استفادہ کریں کہ انکی سند عالی ہو جائے
اسی طرح سلطان مصر مؤید علم حدیث میں خود
وہ درجۂ عالیہ رکھتے ہیں کہ صحیح بخاری کو حافظ
سراج الدین بلقینی سے روایت کرتے ہیں بلکہ
حافظ ابن حجرؒ نے ملک مؤید سے بہت سی
احادیث حاصل کی ہیں اور ان کو اپنے اساتذہ
کے زمرے میں شمار کیا ہے جیسا کہ ان کے
معجم مفہرس میں موجود ہے۔ ملک مؤید ہی نے
علامہ شمس الدین دیری مصنف المسائل الشریفہ
فی ادلۃ مذہب الامام کو افادۂ علوم کے لئے
مصر میں بلایا۔ اسی طرح سلطان ظاہر
صحیح بخاری کو امام ابن الجزری سے پڑھتے
ہیں اور بڑے بڑے ائمہ حدیث و فقہ کو
بلاد بعیدہ سے بلاتے ہیں تاکہ مصر کے

الیٰ مصر لیتلقیٰ منهم المتعلمون بمصر مرویاتهم فی السنة من الصحاح والمسانید ویجعل القلعة المصریة مجمع هؤلاء العلماء وموضع تلقی المتعلمین لتلك الکتب من هؤلاء المسندین تنویهًا بامرهم واعلاءِ شان العلم وبهذه العنایة والرعایة من الملوك والامراء کانت مصر دار حدیث وفقه وادب فی القرون الثلاثة السابع والثامن والتاسع ها هی قد اکظنت کتب التاریخ بتراجم رجال کبار انجبتهم مصر بکثرة بالغة فی تلك القرون الذهبیة ممن لهم مولفات کثیرة جدًا فی شتی العلوم بحیث یعدون مفاخر الاسلام عن مصر بل ما تراهم المحفوظة فی خزانات العالم وما یقضی لمصر بالفخر الخالد ومولفاتهم فی الحدیث والفقه والتاریخ خارجة عن حد الاحصاء وقد استمرت النهضة العلمیة بمصر علی ما وصفناه الیٰ اوائل العاشر فبانقراض الدولة المصریه البرجیه فی اوائل ذلك القرن تضائل النشاط العلمی بمصر وتزعزعت

علماء و طلباء ان سے صحاح ستہ کو بسند عالی حاصل کریں اور مصر کے شاہی قلعہ کو علماء کی مجلس بحث و نظر اور درس و تدریس کے لئے مقرر کر دیتے ہیں تاکہ لوگوں کے قلوب میں علماء کی عزت و شان بڑھے۔ امراء و سلاطین کی اس خاص توجہ و اہتمام کی وجہ سے مصر ساتویں، آٹھویں، نویں تین صدیوں میں دارالحدیث، دارالفقہ، دارالادب بنا ہوا تھا مصر کے ائمہ علوم و فنون اور علماء مصنفین کے زریں کارنامے آج بھی صفحات تاریخ میں ممتاز حیثیت سے چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو علوم مختلفہ میں بہت سی تصانیف مفیدہ کے مالک ہیں جنکی وجہ سے وہ نہ صرف دیار مصر کے لئے قابل فخر ہیں بلکہ مفاخر اسلام سمجھے جاتے ہیں بلکہ عام عالم کے علمی خزائن میں جو انکی عظیم الشان یادگاریں محفوظ و مخزون ہیں وہ مصر کے لئے دائمی فخر کی خبر دیتی ہیں انکی تصانیف فنون حدیث و فقہ و تاریخ میں حد شمار سے خارج ہیں اور دیار مصریہ میں یہ علمی خدمات کا خاص اہتمام دسویں صدی ہجری کے اوائل تک جاری رہا اسی صدی کے اوائل میں جبکہ دولت برجیہ کا خاتمہ ہوا اسکے ساتھ ہی ساتھ مصر میں یہ نشاط علمی

ارکان العلم بها و غادر هذا النشاط القطر المصری الی اقطار اخری کما هو سنة الله فی خلقه فاذا وازنت رجال اواخر القرن العاشر برجال القرون الثلاثة التی سبقته علمت مبلغ ما اصیبت مصر من الانحطاط العظیم فی العلم حین ذلک ثم توزعت الاقطار النشاط العلمی۔ وکان حظ اقلیم الهند من هذا المیراث منذ منتصف القرن العاشر هو النشاط فی علوم الحدیث فاقبل علماء الهند علیها اقبالاً کلیا بعد ان کانوا منصرفین الی الفقه المجرد والعلوم النظریة ولو استعرضنا ما العلماء الهند من الهمة العظیمة فی علوم الحدیث من ذالک الحین۔ مدة رکود سائر اقالیم لوقع ذالک موقع الاعجاب الکل والشکر العمیق وکم دعلمائهم من شروح ممتعة و تعلیقات نافعة علی الاصول الستة وغیرها وکم لهم من مؤلفات واسعة فی الاحادیث الاحکام وکم لهم من ایاد بیضاء فی نقد الرجال وعلل الحدیث

اور علوم اسلامیہ کی بخصوص خدمت ضعیف ہو گئی اور ارکان علم متزلزل ہو گئے۔ اور اب مصر نے یہ مبارک خدمت دوسرے ممالک کے سپرد کر دی جیسا کہ سنت الٰہیہ بھی ہے کہ ایک کے بعد دوسرا انعام الٰہیہ کا وارث ہوتا ہے۔ آپ اگر دسویں ہجری کے علماء مصر کا موازنہ ساتویں آٹھویں ہجری کے علماء کے ساتھ کریں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اس صدی میں مصر کس مصیبت عظیمہ کا شکار ہو گیا۔ جب یہ خدمت علمی دوسرے اطراف و ممالک میں تقسیم ہوئی تو ہندوستان کو اس میراث میں سب سے بڑا حصہ حاصل ہوا علماء ہند اب کلی طور پر خدمت حدیث میں مصروف ہو گئے حالانکہ اس سے پہلے ان کی تمام تر توجہ محض فقہ اور علوم معقولات کی طرف تھی اگر ہم اس ہمت عالیہ اور خدمت عظیمہ کا اچھی طرح مطالعہ کریں جو اسوقت علماء ہند کو حاصل ہے تو ایک عجیب عالم حیرت نظر آئیگا اصول حدیث صحاح ستہ وغیرہ پر اُن کے کس قدر حواشی و شروح نافعہ ہیں اور احادیث احکام میں انکی کس قدر تالیفات مفیدہ ہیں اور اور نقد رجال و علل حدیث کے فنون میں انکی کسقدر روشن خدمات ہیں اسطرح مختلف علوم و فنون میں انکی تصانیف مفیدہ کا احاطہ نہیں ہو سکتا

شرح الآثار وتاليف مولفات في شتى المرامات
والله سبحانه هو المسئول ان يديم
نشاطهم في خدمة مذاهب اهل الحق
ويوفقهم لامثال ما وفقوا له الى
الآن. وان يبعث هذا النشاط في سائر الاقاليم
من جديد. ومن احسن الكتب للاقدمين
في احاديث الاحكام سوى الصحاح والسنن
والمسانيد مصنف ابن شيبة وكتب
الطحاوي ولاسيما معاني الآثار وكتب
ابن منذر ولاسيما الاشراف وشروح
الجصاص المختصر للطحاوي ومختصر
الكرخي والجامع الكبير وكتب ابن
عبد البر كالتمهيد والاستذكار و
كتب الاحكام لعبد الحق والوهم والايهام
لابي الحسن بن القطان وكتب البيهقي
والنووي وكتب ابن دقيق العيد من
الامام والالمام وشرح العمدة واللباب
في الجمع بين السنة والكتاب لابي محمد
المنبجي والاهتمام بتلخيص الالمام
لقطب الدين الحلبي وقد اصلح ما
غلط فيه ابن دقيق العيد من عزو الحديث
في الالمام الى غير من خرجه و
تحقيق ابن الجوزي ومنتقى المجد

ہم حق تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ انکی یہ
نشاط علمی اور مذہب اہل حق کی صحیح خدمت
ہمیشہ قائم رہے اور انکو ایسی ہی تصانیف
کثیرہ کی مزید توفیق عطا ہو اور یہ کہ حق تعالیٰ
پھر از سر نو تمام ممالک اسلامیہ میں یہی روح
پھونک دے۔ اور احادیث احکام کے
باب میں متقدمین کی سب سے بہتر کتاب
مصنف ابن ابی شیبہ اور امام طحاوی کی
تصانیف بالخصوص معانی الآثار اور ابن منذر
کی تصانیف بالخصوص اشراف اور امام جصاص
کی شروح مختصر طحاوی اور مختصر کرخی اور جامع کبیر
اور ابن عبد البر کی تصانیف مثل تمہید واستذکار
اور کتب احکام علامہ عبد الحق کی اور کتاب الوہم
والایہام امام ابو الحسن ابن القطان کی اور
امام بیہقی و نووی کی تصانیف اور علامہ
ابن دقیق العید کی تصانیف مثل الامام
والالمام و شرح عمدہ وغیرہ اللباب فی الجمع
بین السنۃ والکتاب مصنفہ علامہ ابو محمد منبجی
کی اور الاہتمام بتلخیص الالمام قطب الدین
حلبی کی جس میں ان اغلاط کی اصلاح بھی
کردی گئی ہے جو علامہ ابن دقیق العید سے
الالمام میں دربارہ نسبت واقع ہوئی یعنی
حدیث کی تخریج جس نے کی ہے اس کے

ابن تیمیہ وتنقیح ابن الہادی عبد الہادی وکتب التاریخ کلہا ومن انفعہا واوسعہا (نصب الرایہ) للجمال الزیلعی والمعتصر للجمال الملطی وکتب ابن حجر وخصوصاً فتح الباری والتلخیص الجبیر وکتب البدر العینی ولاسیما عمدۃ القاری وشرح معانی الآثار وشرح الہدایۃ والعلامہ قاسم وخاصۃ تخریج احادیث الاختیار الی غیر ذلک مما لا یحصی من الکتب المولفۃ الی اوائل القرن العاشر۔

ثم یاتی دور اخواننا الھنود من اہل السنۃ فمآثرہم فی السنۃ فی القرون الاخیرۃ فوق کل تقدیر و شروحہم فی اصول السنۃ تزخر بالتوسع فی احادیث الاحکام فدونک فتح الملھم فی شرح صحیح مسلم وبذل المجہود فی شرح سنن ابی داؤد۔ والعرف الشذی فی سنن الترمذی الی غیر ذلک مما لا یحصی ففیہا البیان الشافی فی مسائل الخلاف لبعض علمائہم ایضاً مولفات

علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کر دیا ہے اسی طرح التحقیق لابن الجوزی اور المنتقی لابن تیمیہ اور التنقیح لابن الہادی اور تمام کتب تاریخ اور ان میں سب سے زیادہ نافع اور مادۂ حدیث کو حاوی نصب الرایہ حافظ جمال الدین زیلعی کی کتاب المعتصر جمال الدین ملطی کی اور حافظ ابن حجر کی تصانیف خصوصاً فتح الباری اور تلخیص الجبیر اور علامہ بدر الدین العینی کی تصانیف بالخصوص عمدۃ القاری اور شرح معانی الآثار اور شرح ہدایہ علامہ قاسم کی کتابیں خاصکر تخریج احادیث اختیار اور ان کے علاوہ وہ بے شمار کتابیں جو دسویں صدی ہجری کے اوائل میں تصنیف ہوئیں۔

اسکے بعد ہمارے بھائی اہل ہند کا دور شروع ہوتا ہے خدمت سنت اور علوم سنت کے باب میں آخری تین صدیوں میں ان کے آثار باقیہ اور تصانیف مقبولہ حد شمار و انداز سے باہر ہیں اور اصول ستہ (کتب صحاح و حدیث) پر ان کے شروح و حواشی انکی وسعت علم فی احادیث الاحکام کی خبر دے رہی ہیں۔ "فتح الملہم فی شرح مسلم" اور "بذل المجہود فی شرح سنن ابی داؤد" اور "العرف الشذی فی سنن الترمذی" کو دیکھئے جن میں مسائل خلاف کا

خاصة فی احادیث الاحکام علی طراز
بدیع ممتکر وھو استقصاء احادیث
الاحکام من مصادرھا و حشدھا
فی صعید واحد فی الابواب والکلام
علی کل حدیث منہاجرحًا وتعدیلاً
وتقویة وتوھینًا وھا ھو العلامة المحدث مولانا
ظھیر حسن النیموی رحمة اللہ قد الف کتابة
"آثار السنن" فی جزئین لطیفین وجمع فیھما
الاحادیث المتعلقه بالطھارة والصلوٰة علی
اختلاف مذھب الفقہاء وتکلم علی کل حدیث
منہاجرحًا وتعدیلاً علی طریقه المحدثین
واجاد فیھا عمل کل الاجارة وکان یرید ان یجری
علی طریقة ھذه اخر ابواب الفقه لکن المنیة حالت
امنیته رحمه اللہ وھذا الکتاب مطبوع بالھند
وطبعاً حجریا الا ان اھل العلم تخاطفوه بعد
طبعه فمن الصعب الظفر بنسخة منة الا اذا
اعید طبعه۔ وکذلک عنی بھذا الامر العلامة
الاوحد والحبر المفید شیخ المشائخ فی البلاد الھندیة
المحدث الکبیر والجھبذ الناقد البصیر مولانا
حکیم الامة محمد اشرف علی التھانوی صاحب
المؤلفات الکثیرة بالغ عددھا
نحو خمسمائة مؤلف ما بین
کبیر و صغیر فالف طال بقاؤه

بیانِ شافی موجود ہے اور بعض علمائے ہند
کی مستقل تصانیف احادیث احکام کے متعلق
نہایت عجیب و بدیع طرز پر ہیں جن میں احادیث
احکام کا استیعاب کیا گیا ہے اور تمام
کتب حدیث کے مصادر سے انتخاب کرکے مبوب
کرکے جمع کر دیا گیا ہے اور ہر حدیث پر جرحًا وتعدیلاً
اور تقویۃً اور تضعیفاً کلام کیا گیا ہے۔ علامہ محدث
مولانا ظہیر احسن (شوق) نیموی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف
بالخصوص آثار السنن پر نظر ڈالیے جو دو لطیف جلدوں میں
لکھی گئی ہے جس میں کتاب الطہارۃ وکتاب الصلوٰۃ
کی احادیث جمع کی گئی ہیں اور مذاہب فقہاء کا اختلاف
اور ان کے دلائل اور ہر حدیث پر جرحًا وتعدیلاً
محدثانہ بہترین کلام کیا گیا ہے اور موصوف کا مقصد
تھا کہ اسی طرز پر تمام ابواب فقہیہ کی احادیث
جمع فرمائیں مگر موت اس تمنا کے درمیان حائل
ہوگئی یہ کتاب ہندوستان میں پریس میں چھپ چکی
ہے مگر قدر دان اہل علم میں اسکے نسخے ہاتھوں ہاتھ
نکل گئے اور اب اسکا ملنا بھی طبع ثانی سے پہلے دشوار
ہے۔ اسی طرح علامہ یکتا اور عالم بےنظیر شیخ المشائخ الہند
محدث اعظم قدوۃ العلماء صاحب نقد و بصیرت
حکیم الامۃ محمد اشرف علی تھانوی صاحب تصانیف کثیرہ
جنکی (چھوٹی بڑی) تصانیف کا عدد پانچ سو تک پہنچا ہے
حق تعالیٰ آپکی عمر دراز فرمائے آپنے بھی خدمت حدیث کا

كتاب (احياء السنن) وكتاب جامع الآثار في هذا الباب ويغني عن وصفها ذكر اسم مؤلفها العظيم وكلاهما مطبوع بالهند الا ان الظفر بهما اليوم بمكان من الصعوبة حيث نفدت نسخهما المطبوعة لكثرة الراغبين في اقتناء مؤلفات هذا العالم الرباني وهو الآن قد ناهز التسعين اطال الله بقاءه وهو بركة البلاد الهندية وله منزلة سامية عند علماء الهند حتى لقبوه حكيم الامة وهذا العالم الجليل قد اشار الى تلميذه وابن اخته المتخرج في علوم الحديث لديه المحدث الناقد والفقيه البارع مولانا ظفر احمد التهانوي زادت مآثره ان يستوفي ادلة ابواب الفقه بجمع احاديث الاحكام في الآداب من مصادر صعبة المنازل مع الكلام على كل حديث في ذيل كل صفحة بما تقتضي به صناعة الحديث من تقوية وتوهين واخذ ورد على اختلاف المذاهب فاشتغل هذا العالم الغيور بهذه المهمة الشاقة نحو عشرين سنة اشتغالا لا مزيد عليه حتى اتم مهمة بغاية من الاجادة بتوفيق الله سبحانه في عشرين جزءا لطيفا بقطع آثار السنن، وسمى كتابه هذا اعلاء السنن وجعل له جزءا خاصا مقدمة بديعة في اصول الحديث

کتاب (احیاء السنن) اور کتاب جامع الآثار خاص اہتمام فرمایا اور کتاب احیاء السنن اور آثار السنن اس باب میں تصنیف فرمائیں جنکے بہترین کتاب ہونے کیلئے صرف حضرت مصنف کا نام نامی کافی ہے یہ دونوں کتابیں بھی ہندوستان میں طبع ہوئیں مگر اب ان کے ایک نسخہ کا ملنا بھی سخت دشوار ہے کیونکہ اس عالم ربانی کی تصانیف عام طور پر مقبول ہیں شائقین کی کثرت کی وجہ سے سب نسخے مطبوعہ ختم ہوگئے علامہ موصوف کی عمر اسوقت تقریبًا نوے سال ہے حق تعالیٰ آپکی عمر دراز فرمائے۔ آمین۔ کیونکہ آپکا وجود دیار ہند کیلئے برکت عظیمہ ہے اور علماء ہند میں آپکی ایک خاص شان ہے اور اسی وجہ سے آپکا لقب عوام وخواص کی زبانوں پر حکیم الامت مشہور ہے اور حضرت ممدوح نے اپنے شاگرد اور بھانجے کو جنھوں نے علوم حدیث آپ ہی سے حاصل کئے اور ایک محدث ناقد اور فقیہ بارع ہیں یعنی مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی زادت مآثرہ کو ارشاد فرمایا کہ مذہب حنفیہ کے دلائل کی تکمیل تمام ابواب فقہیہ میں اس طرح کردیں کہ جس قدر کتب حدیث اسوقت میسر آئیں سب سے حنفیہ کے مستدلات کو ابواب فقہیہ کی ترتیب پر جمع فرمادیں اور ہر حدیث پر فن حدیث کے اصول کے مطابق جرح وتعدیل سے کلام کریں چنانچہ وہ عالم اس عظیم الشان خدمت میں تقریبًا بیس سال اسطرح مشغول رہے کہ اس سے زائد اشتغال آجکل ممکن نہیں یہانتک کہ اس اہم کام کو انتہائی خوبیوں کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہونچادیا جو آثار السنن کی تقطیع پر بیس جلدوں میں آئی ہے اور اس کتاب کا نام اعلاء السنن رکھا اور ایک مستقل جلد میں اس کتاب کا مقدمہ لکھا جو اصول حدیث کی ایک نادر کتاب ہے اور سچی بات یہ ہے کہ میں ان کے

نافعة للغاية في بابه والحق يقال اني دهشت
من هذا الجمع وهذا الاستقصاء ومن
هذا الاستيفاء البالغ في الكلام على كل حديث
بما تقتضي به الصناعة متنا وسندا من
غير ان يبدو عليه آثار التكلف في تائيد
مذهبه بل الانصاف رائده عند الكلام
على راء اهل المذاهب فاغتبطت به غاية
الاغتباط وهكذا تكون همة الرجال وصبر
الابطال اطال الله بقائه في خير وعافية
ووفقه لتاويل امثاله من المؤلفات النافعة
وقد طبع المؤلف حفظه الله نحو عشرة اجزاء
من ذلك الكتاب طبعا حجريا وقد نفدت
نسخ الاجزاء الاول واما طبع الباقي فيجري
بطبع بالغ فياليت بعض اصحاب المطابع الكبيرة
بمصر سعى في جلب الكتاب المذكور من مولفه
وطبع تمام الكتاب من اوله الى آخره بالحروف
الجميلة المصرية ولو فعل ذلك احدهم لخدم
العلم خدمة مشكورة وملاء فراغا في هذا الباب
ومن مشاهير علماء الهند ايضا ممن يعنون باحاديث
الاحكام علامة المحدث الشيخ مهدي حسن
الشاهجهانفوري المفتي حفظه الله فانه شرح كتاب
الآثار للامام محمد بن الحسن الشيباني في مجلدين ضخمين
كثر الله سبحانه من امثال هؤلاء الرجال ـ وهذه نبذة يسيرة من مآثر هؤلاء الاخوان [illegible]
(زاہد کوثری مصری)

اس جمع و استیعاب سے نیز ہر حدیث پر متناً و سنداً محدثانہ کلام سے
جو فن حدیث کا مقتضی تھا حیرت میں پڑ گیا کیونکہ اس میں جو کلام
کیا گیا ہے کسی جگہ اس میں تکلف کرکے اپنے مذہب کی تائید
نہیں کی گئی بلکہ ہر جگہ انصاف کو امام بنایا گیا ہے مجھے اس حسن
طرز تصنیف سے انتہائی غبطہ پیدا ہوا ایسے مردوں کی ہمت اور
بہادروں کی جفاکشی ایسی ہی ہونی چاہیے حق تعالیٰ خیر و عافیت
کیساتھ انکی عمر دراز فرمائے اور اس جیسی اور تالیفات نافعہ کی مز
توفیق عطا فرمائے اور مولف علامہ نے اس کتاب کی دس
جلدیں چھپوا کر شائع فرما دی ہیں جنمیں سے جلد اول کے نسخے
ختم ہو گئے اور باقی جلدوں کی طباعت نہایت سست رفتا
کے ساتھ جاری ہے کاش کہ بڑے مطابع والے حضرات مصر کے
صاحب اسکی کوشش کر لیتے کہ مولف سلمہ سے اسکا ایک نسخہ منگوا
عمدہ مصری ٹائپ پر چھپوا دیتے اور اگر کوئی صاحب ایسا کرتے
تو علم حدیث کی ایک مقبول خدمت کریں گے اور اس خدمت کی
ایک خالی جگہ کو پر کر دیں گے۔ نیز مشاہیر علمائے ہند میں سے جو
احادیث احکام کی خدمت میں مصروف ہیں علامہ محدث شیخ مف
مہدی حسن شاہجہانپوری بھی ہیں خدا تعالیٰ آپ کو محفوظ رکھے
انھوں نے امام محمد کی کتاب الآثار کی شرح فرمائی ہے حق تعا
آپ جیسے آدمی ہماری قوم میں اور زیادہ پیدا فرمائے۔
یہ ایک مختصر یادداشت ہے علمائے ہند کے
مخصوص آثار و خدمات علوم کی اور رغبت کرنے والو
ایسی ہی چیزوں میں رغبت کرنا چاہیے۔

اسپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ وَمَن يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ
یعنی جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا ہوگا وہ ایسا ہوگا گویا آسمان میں گرا دیا گیا ہو اور اسکو چڑیا درمیان میں سے اچک لے جائے یا ہوا اسکو کسی دور دراز میدان میں ڈالے جائے۔ پھر اسکے بعد اسکی روح بدن میں لوٹا دی جائیگی اور اسکے پاس بھی دو فرشتے آویں گے اور سوال کریں گے کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہیگا۔ ہا ہا مجھے کچھ خبر نہیں دریافت کریں گے کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہیگا کہ ہا ہا مجھے خبر نہیں۔ پوچھیں گے کہ یہ بزرگ جو تمھاری جانب مبعوث کئے گئے تھے ان کے متعلق تیرا کیا خیال ہے؟ وہ کہیگا کہ ہا ہا مجھے کچھ خبر نہیں۔ اس پر ایک پکارنے والا آسمان سے پکار کر کہے گا کہ میرا یہ بندہ جھوٹ بول رہا ہے اسکے لئے آگ کا بستر بچھاؤ اور دوزخ کیجانب دروازہ کھول دو چنانچہ اسکی تپش اور زہریلی ہوا آئیگی اور اسکی قبر کو تنگ کر دیا جائیگا جسکی وجہ سے اسکی پسلیاں دب کر چور ہو جائینگی اور ایک شخص نہایت وحشتناک شکل میں آئے گا اور کہے گا کہ تجھے تیرا وہ حال مبارک ہو جس نے تجھے یہ برا دن دکھایا اور یہی وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا (اور تو اسکا مذاق اڑاتا تھا) وہ کہیگا کہ آپ کون ہیں وہ جواب دیگا کہ میں تیرا برا عمل ہوں۔ وہ کہیگا کہ پروردگار قیامت نہ قائم فرمائیے گا۔ اے میرے مالک قیامت قائم نہ فرمانا (اتنا ہی بہت ہے اے اللہ اسی کا سہار نہیں)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ مومن کا جب آخری وقت ہوتا ہے تو اسکے پاس فرشتے ریشم کا کپڑا لیکر جس پر مشک کی نیز اور دوسری طرح طرح کی خوشبو لگی ہوتی ہے آتے ہیں چنانچہ اسکی روح بدن سے اس طرح آسانی سے نکل جاتی ہے جیسے آٹے سے بال نکلتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ ـــــ اے نفس مطمئنہ! چل اپنے رب کیجانب راضی اور مرضی ہو کر یعنی اپنے رب کی رحمت اور اسکے رضوان کیطرف چل۔ جب روح جسم سے نکل آتی ہے تو وہ اسکو اسی ریشمین خوشبو دار کپڑے میں رکھکر ریشم ہی کے کپڑے سے ڈھانک لیتے ہیں (اسطرح سے کمال حفاظت اور اکرام کے ساتھ) علیین لیجاتے ہیں۔ اور کافر کی موت کا وقت

جب قریب ہوتا ہے تو فرشتے موٹے ٹاٹ اور کمبل کا ٹکڑا لیکر آتے ہیں جسمیں انگارے
پڑے ہوتے ہیں چنانچہ اسکی روح بڑی مشکل سے نکلتی ہے فرشتے کہتے ہیں کہ اے
خبیث روح! چل نکل اپنے رب کی طرف کہ جو تجھ سے ناراض ہے اور تو وہاں
اپنا برا حال دیکھے گی یعنی اللہ کا عذاب اور اپنی ذلت و رسوائی دیکھے گی۔ غرض
اسکی روح جب بڑی مشکلوں سے نکلیگی تو وہ اسکو اسی ٹاٹ اور انگارے میں رکھیں گے
چنانچہ اسکے لئے ایک آواز ہوگی جیسے کوئی شے آگ پر ابلتی ہو اسکو ٹاٹ سے ڈھانک لیں گے
اور سجین میں لیجاکر ڈالدیں گے۔

فقیہ ابو جعفرؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ
مومن جب قبر میں اتارا جاتا ہے تو قبر اسکے لئے ستر ہاتھ وسیع کردیجاتی ہے اس پر
خوشبو چھڑکی جاتی ہے اور ریشم سے اسکو چھپا دیا جاتا ہے اب اگر اسکے پاس
کچھ قرآن ہوتا ہے تو بس اسکا ہی نور اسکے لئے کافی ہوجاتا ہے ورنہ اسکے لئے سورج
کی طرح کی روشنی اسکی قبر میں کردیجاتی ہے اور اسکی مثال دلہن کی سی ہوجاتی ہے۔
(جو خوشبودار کپڑوں میں لپٹی ہوئی پڑی رہتی ہے یہاں تک) کہ اسکو وہی جگاتا ہے جو
اسکا سب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ پس وہ اس طرح سے سوئے گا کہ جب اٹھے گا
تو اسکو ایسا معلوم ہوگا کہ ابھی اسکی نیند بھی پوری نہیں ہوئی ہے۔ اور کافر کی قبر کو اس پر
تنگ کردیا جائے گا یہاں تک کہ اسکی ایک طرف کی پسلیاں دوسری طرف ہوجائینگی اور
پیٹ میں گھس جائیں گی اور اس پر بڑے بڑے اژدہے مسلط کردیئے جائیں گے جو
مانند بختی اونٹ کی گردن کے ہوں گے جو اسکا گوشت اس طرح سے کھا ڈالیں گے کہ
ہڈی پر گوشت نہ رہ جائیگا۔ اسکے بعد اس پر عذاب کے فرشتے مقرر کئے جائیں گے جو گونگے
بہرے اور اندھے ہوں گے ان کے پاس لوہے کے گرز ہوں گے جس سے انکو بری طرح
ماریں گے نہ انکی چیخ و پکار سن سکیں گے نہ اس پر رحم کرسکیں گے نہ ہی اسکی حالت کو دیکھ سکیں گے
تاکہ اسکی پر ترس کھا سکیں۔ مزید براں یہ کہ اسکی پر آگ صبح و شام پیش کیجایا کرے گی۔

فقیہ ابو اللیث سمرقندی فرماتے ہیں کہ جو شخص عذاب قبر سے نجات چاہتا ہو

اس کو چاہیے کہ ان چار امور پر التزام رکھے اور ان دوسرے چار امور سے اجتناب کرے
پہلی چار چیزیں یہ ہیں نماز کی پابندی۔ صدقہ (زکوٰۃ) کی ادائیگی کرے۔ تلاوت قرآن
کرے اور تسبیح (یعنی ذکر اللہ کی کثرت رکھے کیونکہ یہ چیزیں قبر کو منور اور وسیع کر دیتی
ہیں۔ اور دوسری چار چیزیں یہ ہیں: کذب۔ خیانت۔ نمیمہ اور پیشاب سے احتیاط رکھے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیشاب سے احتیاط رکھا کرو اسلئے کہ عام طور سے عذاب قبر
اسی کی وجہ سے ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے
ارشاد فرمایا ہے کہ تمھارے لئے چار چیزیں بہت بڑی ہیں نماز میں کھیلنا۔ بوقت قرأت
قرآن کسی اور لغو کام میں مشغول ہونا۔ روزہ رکھکر فحش باتیں زبان سے نکالنا اور قبرستان میں
ہنسنا (ان چاروں امور کی قباحت اور شناعت ظاہر ہے اور ان میں سے ہر ایک
کام بالکل بے محل کیا گیا بلکہ تقاضائے وقت کے خلاف وقوع میں آیا جس کا برا ہونا
ظاہر ہے کیونکہ نماز ایک عبادت ہے خدا کے سامنے حاضری ہے اسوقت کھیل کیسا؟
تلاوت قرآن کے وقت انسان کو اپنے کان اور قلب کو استماع میں لگانا چاہیے
اسوقت دوسرے کام میں مشغولی کیسی وہ بھی لغو کام؛ روزہ کی غرض حصول تقویٰ
ہے اسکے ساتھ فسق و فحش کا کیا جوڑ؛ جسکے مناسب رونا ہے نہ کہ ہنسنا؛ واللہ اعلم
چنانچہ عبرت ہی کی جانب متوجہ فرمانے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے ارشاد فرمایا
کہ تمھیں ان قبروں کا ظاہری سکوت اور اس بستی کا نام شہر خموشاں ہونا دھوکے میں
نہ ڈالے کیونکہ ان قبروں کے اندر بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو غم سے پریشان ہیں
اور اسکی وجہ یہ کہ عذاب میں مبتلا ہیں (لیکن تمکو اسکی کچھ خبر نہیں کہ کہ ان پر کیا گذر رہی ہے)
اسی طرح سے سب قبروں کی ظاہری یکسانی اور برابری سے بھی دھوکا نہ کھا نا کہ اندر بھی سبکا
حال یکساں ہوگا ایسا نہیں ہے بلکہ اندرونی معاملات کے اعتبار سے ان میں باہم
بہت ہی تفاوت ہے۔ لہٰذا عقلمند وہ ہے جو کہ قبر میں جانے سے پہلے اپنے قبر میں
ہونے کو یاد رکھے (یعنی اسکے مطابق عمل کرے اور اسکی تیاری کر رکھے)۔
حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ جس شخص نے قبر کو اکثر و بیشتر یاد کیا تو وہ اس کو

(انشاء اللہ تعالیٰ) جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہی پائے گا اور جو اس سے یکسر غافل رہا تو اسے جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا پائیگا۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے ایک خطبہ (وعظ) میں فرمایا کہ اے اللہ کے بندو! موت کی فکر کرو موت کی جس سے ہم لوگ بچ نہ سکیں گے، اگر تم اسکے آتے وقت کھڑے رہے تو وہ تمکو پکڑ لے گی اور اگر اس سے بھاگے تو وہ دوڑا کر تمکو گرفتار کر لے گی حاصل یہ کہ اس سے مفر نہیں موت تو تمھاری پیشانیوں کے ساتھ بندھی ہوئی ہے لہٰذا اللہ کے بندو نجات کی فکر کرو، نجات کی، اور جو کچھ کرو جلدی کرو۔ جلدی اس لئے کہ تمھارے آگے یعنی سامنے تمھارا ایک اور تیز رو طالب تمھارے انتظار میں ہے اور سن لو کہ یہ قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ثابت ہوگی یا آگ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہوگا۔ اور یہ بھی کہ یہ قبر ہر دن تین بار پکار پکار کر کہتی ہے کہ لوگو! میں ایک تاریکی کا گھر ہوں اور ایک وحشت کی جگہ ہوں اور میں ایک کیڑے مکوڑوں کا مکان ہوں۔ اور یہ بھی سن رکھو کہ آج کے دن کے بعد ایک اور دن اس سے بھی زیادہ سخت آنیوالا ہے اور وہ ایسا دن ہوگا کہ بچہ اس میں بوڑھا ہو جائے گا اور بڑے بوڑھے مانند نشہ کے چکرائے ہوئے ہوں گے اور اسکی غایت شدت کی وجہ سے دودھ پلانیوالی عورت اپنے بچہ سے بے خبر ہو جائیگی اور ہر حاملہ عورت اپنے حمل کو ساقط کر دے گی اور تم عام لوگوں کو نشہ میں ڈوبا ہوا دیکھو گے حالانکہ نشہ وشہ نہیں ہوگا بلکہ اللہ تعالےٰ کا عذاب ہی اسدن بہت سخت ہوگا یہ اسی کا اثر ہوگا۔ پھر آپ نے فرمایا اور سنو اس دن کے بعد پھر ایک آگ ہوگی جسکی گرمی بہت ہی شدید ہوگی اور جسکی گہرائی بہت زیادہ ہوگی اور جس کے اندر جانے والوں کے زیورات لوہے کے ہونگے جس کے اندر پینے کے لئے پیپ اور کیچ لہو ملیگا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا وہاں شائبہ تک نہ ہوگا۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے اس وعظ کو سنکر تمام مسلمان رو پڑے اور بہت ہی روئے۔ اسکے بعد آپ نے ان کے زخم پر مرہم رکھتے ہوئے انذار کے بعد تبشیراً یہ) فرمایا کہ اور اس قیامت کے دن کے بعد ایک جگہ جنت بھی ہوگی جسکا عرض (پاٹ اور چوڑان) زمین اور آسمان

کے مجموعے کے برابر ہوگا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے متقین بندوں کے لئے بنایا ہے۔
اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے ہمکو عذاب الیم سے محفوظ رکھے اور دار نعیم میں ہمیں
اور تمھیں داخل فرمائے۔ آمین۔

حضرت اُسید بن عبدالرحمن رضؓ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات
پہونچی ہے کہ مومن جب مرجاتا ہے اور اسکو قبرستان لے جاتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ مجھے
جلدی لیچلو چنانچہ جب وہ قبر میں رکھدیا جاتا ہے تو وہ زمین اس سے گفتگو کرتی ہے
اور کہتی ہے کہ میں تو تجھ سے اسوقت سے محبت کرتی ہوں جبکہ تو میری پشت پر چلتا
پھرتا تھا اور اب آج تو تو میری گود ہی میں آگیا ہے اور مجھے پہلے سے بھی زیادہ
محبوب ہوگیا ہے۔ اور جب کافر مرتا ہے اور مرگھٹ لیجایا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ
ارے مجھے کہاں لئے جارہے ہو گھر واپس لے چلو چنانچہ جب اپنے ٹھکانے
لگا دیا جاتا ہے (اور اسکی جو بھی شکل ہو وہی اسکی قبر ہوتی ہے) تو زمین اس سے کہتی
ہے کہ مجھے تو تجھ سے اسی وقت سے نفرت تھی جبکہ تو میری چھاتی پر چلا کرتا تھا پس آج
تو میرے نزدیک پہلے سے بھی زیادہ مبغوض ہے۔

مروی ہے کہ حضرت عثمان بن عفانؓ جب کسی قبر پر جاتے تو بہت روتے
تھے عرض کیا گیا کہ حضرت آپ کے سامنے جنت دوزخ کا تذکرہ ہوتا ہے اور آپ
اسقدر نہیں روتے جتنا کہ قبر کو دیکھکر آپ روتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے سب سے پہلی منزل
ہے اگر انسان اس منزل میں نجات پاگیا تو آگے کی دوسری منزلیں بھی اسکے لئے
آسان ہو جائیں گی اور اگر (خدا نخواستہ) اسی میں ناکام رہا تو اگلی دوسری منزلیں
اس سے کہیں زیادہ سخت اور دشوار ہونگی چنانچہ حضرت عبدالحمید بن محمود مغولی سے
مروی ہے کہ میں ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک جماعت
آپ کے پاس آئی اس نے بیان کیا کہ ہم لوگ حج کے قصد سے نکلے تھے ہم سے
ساتھ چلا ایک ہمارا ساتھی بھی تھا یہاں تک کہ ایک ایسے قبیلے میں پہونچے کہ انکی پیشانیاں

چوڑی چوڑی تھیں اسی جگہ ہمارے اس ساتھی کا انتقال ہوگیا۔ ہم لوگوں نے اسکی بستی میں اسکی تجہیز و تکفین کی اور دفن کرنے کیلئے جب قبر کھودی تو اس میں ایک اژدھا دیکھا جو پوری قبر کو گھیرے ہوئے تھا ہم نے اس جگہ کو چھوڑ دیا اور دوسری جگہ قبر کھودی وہاں بھی یہی نقشہ کہ قبر کے اندر ساری قبر کو گھیرے ہوئے ایک سانپ کو دیکھا چنانچہ ہم اپنا وہ مردہ اسی طرح سے غیر مدفون حالت میں چھوڑ کر آپکی خدمت میں بھاگے ہوئے آئے ہیں کہ ایسی صورت میں ہم کیا کریں، حضرت ابن عباسؓ نے یہ سنکر فرمایا کہ اے بھائی وہ اسکا وہ عمل ہے جو زندگی میں وہ کیا کرتا تھا (وہ اس سے جدا ہونے والا نہیں جاؤ اسکو اسی طرح سے کسی ایک قبر میں (جس میں چاہو) دفن کردو خدا کی قسم اگر تم سارے روئے زمین اسکے لئے کھود ڈالتے تو ہر جگہ یہی حال پاتے۔ ہاں اتنا کرنا کہ اسکی قوم اور خاندان کے لوگوں کو اس تفصیل سے مطلع کر دینا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر ہم لوگ واپس گئے اور ایک قبر میں اسے دفن کر دیا اور جب ہم حج سے فارغ ہوکر اپنے وطن واپس ہوئے تو ہم اس شخص کے گھر گئے اور اسکا سامان جو ہم لوگوں کے ساتھ تھا واپس کیا اور ہم نے اسکی بیوی سے پوچھا کہ مرحوم کیا عمل کرتے تھے کوئی خاص بات معلوم ہو تو بتلاؤ اس نے کہا کہ میرے شوہر گندم وغیرہ کی تجارت کرتے تھے اور روزانہ گھر کے خرچ کے لئے بکری کے غلہ کے ڈھیر یا بورے وغیرہ میں سے اناج نکالکر اسی مقدار میں گھر سے نکالی لکڑی کا چورا اور غلہ کا بناون (کوڑا کرکٹ وغیرہ) اسمیں ڈالدیتے تھے۔

فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عذاب قبر کا سبب خیانت بھی ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ اس روایت میں زندوں کے لئے بہت بڑی عبرت اور نصیحت ہے کہ وہ خیانت اور بد دیانتی سے پرہیز کریں۔

کہا گیا ہے کہ زمین ہر دن میں پانچ بار یعنی پانچ عنوان سے ندا کرتی ہے۔ ایک کہ وہ پکار کر یہ کہتی ہے کہ اے ابن آدم! تو آج جو میرے اوپر چل پھر رہا ہے تیرا انجام یہ ہونا ہے کہ ایک دن تو میرے پیٹ میں ہوگا۔ دوسرا اعلان یہ کرتی ہے کہ اے ابن آدم آج کے دن تو میری پشت پر سوار ہوکر خوب کھا پی رہا ہے اور گھمر سے اترا رہا ہے یاد

کہ کل کے دن میرے پیٹ میں تجھے کیڑے مکوڑے کھائیں گے۔ تیسرا اعلان یہ کرتی ہے کہ اے ابن آدم! آج کے دن تو میری پشت پر سوار ہو کر خوب ہنس رہا ہے یہ سمجھ رکھ کہ کل کو تجھے میرے پیٹ کے اندر آکر رونا پڑے گا۔ چوتھی بات وہ یہ کہتی ہے کہ اے ابن آدم! تو آج میری پیٹھ پر سے ہنس رہا ہے کل کو تجھے میرے پیٹ میں مغموم وغمگین ہونا پڑے گا۔ پانچواں اعلان وہ یہ کرتی ہے کہ اے ابن آدم! تو آج میری پیٹھ پر وہ گناہ جو کر رہا ہے تو کل کو میرے پیٹ میں آکر تجھے اسکا خمیازہ بھگتنا پڑیگا یعنی تو عذاب دیا جائے گا۔

حضرت عمرو بن دینارؓ سے مروی ہے کہ مدینہ میں بستی کے کنارہ ایک شخص کی بہن رہتی تھی وہیں وہ بیمار ہوئی یہ شخص اسکی عیادت کو جایا کرتا تھا پھر اسکا انتقال ہوگیا اس شخص نے اسکی تجہیز و تکفین کی اور قبر میں اسکو دفن کرکے اپنے گھر چلا آیا یہاں آکر اسے یاد آیا کہ اسکی ہمیانی (تھیلی یا پرس) قبر کے اندر ہی رہ گیا ہے۔ اس نے ایک اور شخص کو اپنی مدد کے لئے لیا اور اسکے قبر کے پاس آیا اور اسکی قبر کو کھولا چنانچہ وہ پرس تو فوراً مل گیا مگر اس نے اس نئے آدمی سے کہا کہ تم ذرا ادھر ہٹ جاؤ تو میں اپنی بہن کو ایک نظر پھر دیکھ لوں کہ کس حال میں ہے۔ اسکے بعد ذرا سا اسکی لحد کو کھولا تو دیکھا کہ قبر آگ کے شعلوں سے بھری ہوئی ہے فوراً اسکو بند کردیا اور اپنی ماں کے پاس آیا اور ماں سے دریافت کیا کہ ماں! بہن زندگی میں کیا عمل کیا کرتی تھی؟ اس نے کہا اپنی بہن کا حال مت پوچھو اس نے تو اپنے کو ہلاک ہی کر رکھا تھا۔ اس شخص نے کہا آخر کیا عمل کرتی تھی کچھ بتاؤ تو سہی؟ ماں نے کہا بیٹا! ایک تو وہ نماز میں بہت سستی کرتی تھی اکثر و بیشتر قضا ہی کر دیتی تھی دوسرے پورے طور سے طہارت بھی نہیں کیا کرتی تھی اور اسی حالت میں نماز پڑھ لیتی تھی۔ اور ایک سب سے بڑی عادت اسکی یہ تھی کہ رات کے وقت پڑوسیوں کے دروازوں پر جا کر اس سے کان لگا کر کھڑی ہوتی اور انکی باتیں سنکر دوسروں سے آکر بیان کرتی تھی یعنی وہ دوسروں کی باتیں اسی لئے سنتی تھی کہ اسکے ذریعہ چغلی کرے اور لگائی بجھائی کا کام کرے یہی نمیمہ

سبب ہوا اسکے عذاب قبر کا لہٰذا جو شخص عذاب قبر سے بچنا چاہے اسکو لازم ہے کہ چغلی سے
خاصکر اور عام طور سے سب گناہوں سے بچے تاکہ وہ اسکی وجہ سے عذاب قبر سے بھی محفوظ
رہے اور منکر نکیر کا سوال جواب بھی اسپر آسان رہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ
یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ یعنی اللہ تعالیٰ
اسی قول ثابت یعنی کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ذریعہ سے ایمان والوں کو ایمان
پر ثابت اور برقرار رکھیں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی (اور ظاہر یہی ہے کہ کلمہ گو انسان
خدا تعالیٰ کی معصیت سے دور ہی رہیگا)۔ چنانچہ حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مسلم سے قبر میں سوال ہوگا تو وہ یہی کہیگا کہ
اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ ۔ یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے اس
ارشاد سے کہ یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ
اور جو شخص کہ مومن مخلص ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا مطیع ہوگا اسکے لئے یہ تثبت تین وقت
ہوگی ۔ ایک! تو اسوقت جب وہ ملک الموت کو دیکھے گا اور گھبرا جائے گا تو یہی خدائی
تثبت اسکی دست گیر ہوگی ۔) دوسرے۲ جب قبر میں منکر و نکیر آکر اس سے
سوال کریں گے اسوقت بھی انھیں دیکھکر اول وہلہ میں انسان خوف زدہ ہو جائے گا
مگر یہی تثبت اسکو سنبھال لے گی) اور تیسرے۳ اسوقت جب محشر میں حساب کتاب
کے وقت اس سے کوئی بات پوچھ لی جائے گی (اسوقت بھی اسچھے اچھوں کو سر سے
پاؤں تک پسینہ آجائے گا مگر اللہ تعالیٰ کا یہی فضل اور تثبت اسکا سہارا ہوگا)۔
پھر وہ تثبت جو ملک الموت کے دیکھنے کے وقت ہوگی وہ تین طرح کی ہوگی ایک تو یہ کہ
اللہ تعالیٰ اس کو کفر سے محفوظ رکھیں گے اور توحید پر وہ آخر دم تک قائم رہے گا
یہاں تک کہ اسی حالت اسلام پر اسکی روح پرواز کرے گی ۔ دوسرے یہ کہ فرشتے
اسکو رحمت کی بشارت دیں گے ۔ تیسرے یہ کہ جنت میں سکا جو ٹھکانا ہوگا وہ اسکو دکھلا
جائے گا (ان سب امور کا موجب تقویت وتسلی ہونا ظاہر ہے)۔

(باقی آئندہ)

گفت اے موسیٰ دہانم دوختی   وز پشیمانم زجانم سوختی

(اس نے کہا کہ اے موسیٰ آپ نے تو میرا منہ ہی بند کردیا اور مارے شرم کے مجھے سوختہ جان بنا دیا)

وحی آمد سوئے موسیٰ از خدا   بندۂ مارا چرا کردی جدا

(اتنے میں حضرت موسیٰؑ پر حق تعالیٰ کی جانب سے وحی آئی کہ اے موسیٰ تم نے میرے بندے کو مجھ سے کیوں جدا کردیا)

تو برائے وصل کردن آمدی   نے برائے فصل کردن آمدی

(تمکو تو میں نے وصل وصال کیلئے بھیجا تھا نہ کہ فصل وانقطاع کیلئے۔ یہ تم نے کیا کیا ؟)

حضرت موسیٰؑ نے جو یہ سنا تو گھبرا گئے اور جلدی سے آکر چرواہے سے معافی چاہی یہاں چرواہے کی عجیب حالت تھی، موسیٰ علیہ السلام نے جو معافی چاہی تو اس نے جواب دیا کہ اے موسیٰ ایسا تازیانہ لگا ہے کہ میں بڑی دور پہونچ گیا۔

ع۔ آفریں بر دست وبر بازوئے تو

اس جملہ حکایت سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ اگر زبان پر بوجہ کم سمجھی اور کم عقلی کے گستاخانہ الفاظ بھی ہوں لیکن محبت سے معمور ہو تو الفاظ پر نظر نہیں ہوتی لیکن یہ ضرور ہے کہ ان فروگذاشتوں کی معافی انھیں لوگوں کے لئے ہے کہ جن کو تصحیح پر قدرت نہیں ہے ورنہ اگر قدرت کے باوجود ایسا کرے تو ضرور گنہگار ہوگا۔

۹۶۔ تصحیح الفاظ کیلئے صرف کتابیں پڑھنا کافی نہیں کسی قاری سے مشق کرنا ضروری ہے اور بعض لوگوں کے ایک نامعقول عذر کی تردید

افسوس ہے کہ اسوقت اس امر یعنی تصحیح الفاظ کی طرف سے ایسی بے توجہی ہے کہ لوگ اسکو بالکل ضروری نہیں سمجھتے اکثر لوگ پوری درسیات ختم کر جاتے ہیں لیکن انکو قرآن پڑھنے کا سلیقہ نہیں ہوتا۔ سمجھتے ہیں کہ صرف کتابوں میں صفات حروف ومخارج پڑھ لئے ہیں اس سے زیادہ اور کیا چاہیئے حالانکہ یہ بالکل غلط خیال ہے۔ قرآن کا پڑھنا اسوقت تک نہیں آتا جبتک کہ خاص کر کسی سے اسکو سیکھا جائے، نری درسیات سے

پڑھ نہیں ہوتا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب ہم نے مشق نہیں کی تو ہمکو غلط پڑھنا جائز ہونا چاہیئے اور ہم کو معذور سمجھنا چاہیئے۔ لیکن یہ عذر ایسا ہے کہ میں نے سیپارہ پڑھنے والے ایک طالب علم سے کہا کہ حاجی جی کو بلالا۔ وہ حافظ جی کو بلالایا۔ میں نے کہا یہ کیا حماقت ہے کہاں حافظ جی کہاں حاجی جی؟ ان کے تو حروف بھی الگ الگ ہیں تو کہتا ہے جی میں نے مخارج کی مشق نہیں کی ہے۔ تو کیا یہ عذر قبول ہو سکتا ہے؟ تو جیسا یہ شخص اس غلطی سے بچ سکتا تھا اسی طرح جب مشق ممکن ہے تو ایسے اغلاط سے انکو بچنا ممکن ہے۔ صاحبو! یہ سب بہانے ہیں بات اصلی وہی ہے کہ خدا کی محبت اور اس کا خوف دل سے جاتا رہا۔ اگر آج یہ اشتہار دیدیا جائے کہ جو شخص مخارج حروف صحیح کرکے سنادے اسکو فی حروف پانچ روپئے ملیں گے تو آج ہی شہر کے شہر قرات شروع کردیں اور کچھ نہ کچھ تصحیح کرکے انعام لینے کھڑے ہوجائیں لیکن افسوس ہے کہ خدا کی رضا کے لئے امنگ نہیں پیدا ہوتی۔ یہ تو تفریط تھی متعلمین کی۔

۹۷۔ جسے تصحیح الفاظ پر قدرت نہ ہو وہ جس طرح پڑھ سکے جائز ہے

اب افراط سنئے بعض معلمین و مصلحین کا کہ جن سے بالکل نہ ہو سکے وہ ان کو بھی مجبور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بدون اسکے قرآن پڑھنا ہی بے فائدہ ہے۔ جیسا مشہور ہے کہ ایک پیر جی صاحب نے ایک دیہاتی سے پوچھا کہ روزہ کی نیت بھی یاد ہے اسکو چونکہ کوئی خاص عبارت یاد نہیں تھی اس لئے اس نے کچھ نہیں بتلائی۔ پیر جی نے فرمایا کہ بے نیت روزہ نہیں ہوتا دیکھ روزہ کی نیت یوں کر بصوم غدٍ نویت اس بیچارے نے کاہے کو کبھی اس قسم کے الفاظ سنے تھے فوراً تو یاد نہ کر سکا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے دن روزہ نہ رکھا ان ہی بزرگ نے پوچھا تو یہ کہا کہ بلا نیت روزہ نہیں ہوتا اور نیت یاد نہیں ہوتی۔ غرض جو لوگ صحیح پڑھ سکتے ہیں وہ تو صحیح پڑھیں اور جو لوگ اس پر قادر نہیں ان کو جس طرح پڑھ سکیں جائز ہے۔ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ صاحب ہماری آواز چونکہ اچھی نہیں اس لئے ہم نہیں پڑھتے۔ سو ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ تحسین صوت اسکو نہیں کہتے کہ

محبوب راگنی سے گا کر پڑھا جاوے۔ تحسین صوت کے معنی جیسا بزرگوں سے منقول ہے
یہ ہیں کہ سننے والے کو اسکی آواز سنکر یہ معلوم ہو کہ اسکے دل پر کسی با عظمت کا رعب چھایا ہوا ہے

۹۸۔ عشرۂ اخیرہ کے فضائل اور ضعفاء اور اقویاء کے لئے اس میں عبادت کرنے کا دستورالعمل

جب قرآن ایسا مشرف و معظم ہے تو جس ماہ میں اسکا نزول واقع ہوا ہے وہ بھی معظم ہوگا بالخصوص وہ عشرۂ خاص ماہ رمضان کا کہ جس میں شب قدر ہے کیونکہ رمضان کو جب قرآن کی وجہ سے شرف حاصل ہوا تو رمضان کا وہ حصۂ خاص جسمیں اسکا نزول ہوا ہے دوسرے حصوں کی نسبت اشرف ہوگا اسلئے کہ دوسرے حصوں میں شرف اس حصہ کی بدولت آیا ہے۔ پس جب نزول شب قدر میں ہوا ہے اور شب قدر جیسا کہ حدیثوں سے ثابت ہے عشرۂ اخیرہ میں ہوتی ہے تو عشرہ اخیرہ بقیہ حصۂ رمضان سے ضرور افضل ہوا۔ ایک فضیلت تو عشرۂ اخیرہ کی اس نزول قرآن سے ہوئی، دوسری فضیلت اسکی اس سے ہے کہ اس میں شب قدر ہے جسکی فضیلت کے لئے خدا تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ (آپ کو معلوم ہے کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ایک ہزار مہینوں (کی راتوں) سے بڑھکر ہے) کیونکہ حدیثوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شب قدر عشرہ اخیرہ کی طاق راتوں میں ہے یعنی ۲۱-۲۳-۲۵-۲۷-۲۹- اور بعض حدیثوں میں مطلق عشرۂ اخیرہ بھی آیا ہے۔ دونوں کے ملانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یا تو ایک حدیث دوسری کی تفسیر ہے اور یا تو اکثر طاق راتوں میں ہوتی ہے لیکن کبھی کبھی جفت راتوں میں بھی ہو جاتی ہے نیز بعض لوگوں کو جفت راتوں میں بھی ہونا مکشوف بھی ہوتا ہے تو قوی اور تندرست لوگوں کو تو یہ مناسب ہے کہ وہ اس عشرہ کی ہر رات میں اور شبوں سے زیادہ عبادت کریں اور ضعفاء کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ کم از کم طاق راتوں میں ضرور جاگ لیں۔ صاحبو! ایسی برکت اور خیر کی چیز ہے

کہ اس سے محروم ہوجانا گویا تمام خیر سے محروم ہوجانا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے من حرم لیلۃ القدر فقد حرم الخیر کلہ (جو شخص لیلۃ القدر سے محروم رہا وہ ہر قسم کی خیر سے محروم رہا)

۹۹۔ لیلۃ القدر کی فضیلت اکثر حصہ شب میں جاگنے سے بھی حاصل ہوجاتی ہے اور تمام رات جاگنے کی زیادہ فضیلت اور ترغیب

لیکن اس میں بعض لوگ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اگر جاگا جاوے تو تمام شب جاگا جاوے اگر تمام شب نہ جاگا جاوے تو کچھ فائدہ نہ ہوگا یہ خیال بالکل لغو ہے۔ اکثر حصہ شب میں بھی جاگ لے تب بھی لیلۃ القدر کی فضیلت حاصل ہوجاتی ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ اگر ساری رات بھی جاگ لیا جاوے تو کیا مشکل ہے۔ صاحبو! رمضان سال بھر کے بعد آتا ہے آپ کو معلوم ہوگا کہ پچھلے سال رمضان میں بہت سے لوگ ایسے تھے کہ وہ اسوقت دنیا میں نہیں رہے ہم کو کیا خبر ہے کہ آئندہ رمضان تک کس کس کی باری ہے اسلئے اگر ایسی بڑی نعمت حاصل کرنے کے لئے کوئی ایک دو رات جاگ ہی لیا تو کیا دقت کی بات ہے۔

۱۰۰۔ اگر تمام رات عبادت کرنیکی ہمت نہ ہو تو بہتر ہے کہ اس کیلئے اخیر شب تجویز کی جاوے اور اخیر شب کی خوبیاں۔

لیکن خیر اگر تمام رات کی ہمت نہ ہو تو اکثر حصہ کو تو چھوڑنا ہی نہ چاہیئے اور بہتر ہے کہ یہ حصہ اخیر شب کا تجویز کیا جاسئے کیونکہ اول تو اسوقت معدہ کھانے سے پُر نہیں ہوتا دعا میں جی لگتا ہے۔ دوسرے حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ اخیر شب میں روزانہ اپنے بندوں پر رحمت خاص متوجہ فرماتے ہیں اسکے علاوہ اخیر شب میں ویسے بھی سکون ہوتا ہے اور اس میں ہر شب شریک ہے۔

۱۰۱۔ شب قدر کو کیسا شخص پا سکتا ہے

کسی نے خوب کہا ہے من لم یعرف قدرالیلۃ لم یعرف لیلۃ القدر اور اس قول کی وجہ یہ ہے کہ لیلۃ القدر انھیں راتوں میں سے کسی رات میں ہوگی تو جو شخص راتوں کی قدر کرے گا وہ شب قدر بھی پاوے گا۔ جو بیقدری کر کے خواب غفلت میں گزارے گا وہ حسب عادت لیلۃ القدر سے بھی محروم رہے گا اسلئے کہ بعضے بزرگوں نے کہا ہے من احیی السنۃ کلھا ادرک لیلۃ القدر (جس شخص نے تمام سال شب بیداری کی اس نے شب قدر کو پالیا) کیونکہ جب سال بھر تک برابر شب بیداری کرے گا تو لیلۃ القدر میں عبادت ضرور ہو جاوے گی کہ انھیں راتوں میں ایک رات وہ بھی ہے۔ بوستان میں حکایت ہے کہ کسی شہزادے کا ایک لعل شب کے وقت کسی جگہ گر گیا تھا اس نے حکم دیا کہ اس مقام کی تمام کنکریاں اٹھا کر جمع کریں اس کا سبب پوچھا تو کہا کہ اگر کنکریاں چھانٹ کر جمع کیجاتیں تو ممکن تھا کہ لعل ان میں نہ آتا اور جب ساری کنکریاں اٹھائی گئی ہیں تو لعل ضرور آگیا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

اے خواجہ چہ پرسی زشب قدر نشانی ہر شب شب قدر است اگر قدر بدانی

۱۰۲۔ رمضان کے عشرۂ اخیرہ خاصکر ستائیسویں رات میں ضرور بیدار رہنا چاہیئے اگر اسمیں شب قدر نہ ہوئی تب بھی امید ہے کہ شب قدر کا ثواب ملے گا۔

لیکن خیر ایسے باہمت لوگ تو اسوقت کہاں ہیں کہ وہ اس گوہر بے بہا کی تلاش میں سال بھر شب بیداری کریں مگر رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں تو ضرور ہی بیدار رہنا اور عبادت کرنا چاہیئے کیونکہ ان راتوں میں شب قدر کا ہونا اغلب ہے اور اگر کوئی شخص نہایت ہی کم قدر اور کم ہمت ہو تو وہ ستائیسویں رات کو تو ضرور ہی بیدار رہے کہ وہ شب اکثر شب قدر ہوتی ہے اور میں کہتا ہوں کہ اگر وہ شب اتفاق سے شب قدر

نہ بھی ہوئی تو تم نے بہ گمان شب قدر اس میں عبادت کی تو انشاء اللہ تمکو شب قدر ہی کا ثواب عطا ہوگا اور یہ کوئی گھڑی ہوئی بات نہیں ہے حدیث میں اسکی اصل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انما الاعمال بالنیات (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے) ممکن ہے اس کلیہ سے کسی کو تشفی نہ ہو تو دوسری حدیث موجود ہے حضور ارشاد فرماتے ہیں الصوم یوم تصومون والفطر یوم تفطرون والاضحیٰ یوم تضحون جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر ایک شخص نے نہایت کوشش سے رمضان کے چاند کی تحقیق کی اور اس تحقیق کی بنا پر روزے رکھنا شروع کر دیئے پھر ختم رمضان پر عید کے چاند کی ایسے ہی چھان بین کی اور اسکی بنا پر عید کر لی اسی طرح عید اضحیٰ میں بھی کیا اور چند دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ تینوں تحقیق خلاف واقع تھیں تو اس صورت میں دل شکستہ نہ ہونا چاہیئے بلکہ جس دن روزہ رکھا وہی دن عنداللہ باعتبار قبول روزہ کا تھا اور جس دن عید کی وہی دن عید کا تھا یعنی روزہ اور عید دونوں مقبول ہیں۔ پس اسی طرح میں کہتا ہوں کہ اگر شب قدر کی نیت سے عبادت ہوئی ہے اور اتفاق سے وہ شب قدر نہ ہوئی تو ثواب شب قدر کا ملجاوے گا۔ صاحبو! اس تقریر کے بعد تو بہت ہی آسان معاملہ ہوگیا اب بھی اگر ہمت نہ کیجاوے تو غضب ہے۔ یہ دوسری فضیلت تھی عشرۂ اخیرہ کی۔

۱۰۳۔ رجوع بجانب سرخی (عشرہ اخیرہ کے فضائل)

تیسری فضیلت اس عشرہ میں یہ ہے کہ اس میں اعتکاف مشروع ہے اور ممکن ہے کہ یہ پہلی فضیلت کا تتمہ ہو جیسا کہ بعض نے کہا کہ اعتکاف شب قدر ڈھونڈھنے کیلئے ہے اور ممکن ہے کہ یہ مستقل فضیلت ہو جبکہ اعتکاف کو دوسری حکمتوں سے بھی مشروع کہا جاوے۔ خیر جو کچھ بھی ہم کو اس سے کیا غرض ہمکو کام کرنا چاہیئے۔ احکام کے حکم اور مصالح کی تلاش اور کاوش ہمارا کام نہیں کیونکہ یہ علوم فکریہ نہیں ہیں کہ سوچ اور غور کرنے سے سمجھ میں آجاویں گے۔ یہ الہامی علوم ہیں خدا جس کو چاہے دے اسلئے جب تک شرح صدر نہ ہو جائے کسی ایک کی تعیین نکرنا چاہیئے دونوں احتمال ہیں۔

۱۰۴۔ اعتکاف کے دو درجے ہیں، اور اسکا بیان کہ معتکف کو ہروقت نماز کا ثواب ملتا رہتا ہے

اور اس اعتکاف میں دو درجے ہیں، ایک درجہ کمال کا ہے وہ تو یہ ہے کہ ۲۰ تاریخ
بل از مغرب اعتکاف میں بیٹھے اور پھر عید کا چاند دیکھکر باہر نکلے اور دوسرا درجہ اس سے
ہے اور وہ یہ ہے کہ دس دن سے کم ہو لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اگر درجۂ کمال حاصل نہو
ناقص درجہ کے حاصل کرنے سے فضیلت حاصل نہیں ہوتی اگر اُس قدر نہو گی تو کچھ تو
رور ہو جاویگی۔ صاحبو اگر دس دن نہ ہو سکے نو دن سہی، اسقدر بھی نہ ہو سکے سات دن
ہی۔ غرض جس قدر بھی ہو سکے اور جتنے دن بھی ہو سکے چھوڑنا نہیں چاہیئے۔ اور ایک
ہت بڑی فضیلت اعتکاف کی یہ ہے کہ معتکف کو ایام اعتکاف میں ہروقت وہی ثواب
تا ہے جو کہ نمازی کو نماز میں ملتا ہے دلیل اسکی یہ حدیث ہے لایزال احدکم
الصلوٰۃ ما انتظر الصلوٰۃ جسکا ماحصل یہ ہے کہ اگر مسجد میں بیٹھکر نماز کا انتظار
کیا جاوے تو وقت انتظار میں بھی وہی ثواب ہوتا ہے جو کہ وقت ادائے الصلوٰۃ میں ہوتا
ہے اور ظاہر ہے کہ معتکف جب ہروقت مسجد میں رہے گا تو اسکو صلوٰۃ کا انتظار ضرور
ہے گا اگر یہ سو ویگا بھی تو اس نیت سے کہ اٹھکر فلاں نماز پڑھنی ہے کوئی کام بھی
ے گا تو اس نیت کے ساتھ کہ فلاں نماز تک یہ کام ہے۔ غرض اسکا سونا جاگنا،
ٹھنا اٹھنا، ہر ہر حرکت صلوٰۃ کے حکم میں لکھی جاویگی۔ صاحبو! اس سے زیادہ اور کیا فضیلت ہوگی۔

۱۰۵۔ رجوع بجانب (عشرۂ اخیرہ کے فضائل الخ)

یہ تقریر تو اس پر بنی تھی کہ عشرۂ اخیرہ میں ایک فضیلت اعتکاف سے ہوئی اور
ی کہا جا سکتا ہے کہ اعتکاف میں جو فضیلت آئی ہے وہ عشرۂ اخیرہ کی وجہ سے
ہ کرتا دافضل ہی ہو جاتی کی زیادہ فضیلت ہوتی ہے لیکن ہم کو کچھ مضر نہیں کیونکہ بھی

زمانہ میں بالذات ہی فضیلت ہوتی ہے جیسا کبھی بالغیر بوجہ اسکے مظروف کے ہوتی ہے
پس خواہ اعتکاف میں عشرہ کی وجہ سے فضیلت ہو یا عشرہ میں اعتکاف کی وجہ سے
دونوں صورتوں میں اعتکاف کی فضیلت ثابت ہے ہم کو اسکا حاصل کرنا ضروری
ہے اس کرید کی ضرورت نہیں کسی نے خوب کہا ہے ؎

بخت اگر مدد کند دامنش آورم بکف　　گر بکشد زہے طرب ور بکشم زہے شرف

(مقدر اگر یاری کرے تو اسکا دامن تو پکڑ ہی لوں پھر اگر وہ کھینچے تو سبحان اللہ اور اگر میں کھینچوں تو کیا کہنا)

صاحبو! چار دواؤں کا مرکب آپ کے مرض کو مفید ہے آپ کو اسے استعمال
کرنا چاہیئے اس تفتیش کی ضرورت نہیں کہ اِس دوا سے اس میں قوت بڑھی یا اُس سے
اس میں یہ تفتیش دوسرے کا کام ہے جو اس فن کو من حیثیت الفن حاصل کرے
مریض کا کام صرف استعمال ہے ؎

کارکن کار بگذر از گفتار　　کاندریں راہ کار باید کار

(کام کر کام بات کرنا چھوڑ دو اسں لیئے کہ اس راہ میں کام چاہیئے کام)

قدم باید اندر طریقت نہ دم　　کہ اصلے ندارد دم بے قدم

(طریقت میں قدم چاہیئے بات نہیں کیونکہ جب قول میں عمل کی شرکت نہ ہو وہ کس کام کا)
(عمل ۱۹۱)

۱۰۔ والدین کی خدمت کی فضیلت اور اسکے ترک پر ملامت خاصکر جبکہ بوڑھے ہوں، اور اسکی شکایت کہ آدمی اکثر انکی تنگ مزاجی سے تنگ ہوتے ہیں، اور اس کی وجہ

حدیث میں آیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہؓ
کے مجمع میں فرمایا رغم انفہٗ، رغم انفہٗ، رغم انفہٗ صحابہ یہ الفاظ سنکر
گھبرا گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کون شخص؟ آپ نے فرمایا کہ ایک تو وہ شخص
کہ اپنی زندگی میں بوڑھے ماں باپ کو پا وے اور انکی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کرے

Regd. No. L 279/AD-111

Monthly WASIYATUL IRFAN JAN. 1983

23, Buxi Bazar, Allahabad-3

مجموعۂ تالیفات مصلح الامۃ

Rs. 30/-

Rs. 24/-

دینی اصلاحی ماہوار رسالہ

وصیۃ العرفان

شمارہ ۲ فروری ۱۹۸۳ء جلد ۶

مکتبہ وصیۃ العلوم ۲۲۳ بخشی بازار
الٰہ آباد

حامل تعلیمات تصوف و احسان ماہنامہ افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

وصیۃ العرفان

الٰہ آباد

چندہ ششماہی عـــہ ۱۲ بارہ روپئے

چندہ سالانہ عـــہ ۲۲ بائیس روپئے

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی

جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ دو روپئے ۲/-

مدیر: عبد المجید عفی عنہ

شمارہ ۲	ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ مطابق فروری ۱۹۸۳ء	جلد ۶

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

ماہ فروری ۸۳ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔ گذشتہ مہینہ ہی میں عرض کرتا لیکن پیش لفظ کے طویل ہوجانے کے سبب نہ لکھ سکا کہ امسال مضامین رسالہ کا نظام انشاء اللہ تعالیٰ یہ ہوگا کہ پہلے فارم میں (یعنی ۸ صفحات کے اندر) حضرت مصلح الامۃؒ کی تعلیمات اور ارشادات کا سلسلہ رہے گا۔ دوسرے فارم میں مکتوبات اصلاحی پیش ہوتے رہیں گے۔ تیسرے فارم میں حالات مصلح الامۃؒ (سوانح) حسب دستور شایع ہوتے رہیں گے چوتھے فارم میں ثمرات الاوراق سے ناظرین کرام لطف اندوز ہوا کریں گے۔ پانچویں فارم کے ذریعہ کتاب تنبیہ الغافلین مولفہ فقیہ ابو اللیث ثمرقندیؒ کا ترجمہ اردو میں ملاحظہ فرما کر احباب انشاء اللہ تعالیٰ اپنے قلب کی تنویر کا سامان فراہم کرسکیں گے اور چھٹے یعنی آخری فارم میں معمول کے مطابق حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی کتاب "الرفیق فی السواء الطریق" المعروف بہ کیل یوسفی کا مطالعہ کرکے اپنے لئے اصلاح باطن کی آسان ہدایات اور مجرب نسخے حاصل کرسکیں گے۔

اس طور پر الحمد للہ یہ رسالہ اپنے ظاہر کے مطابق تصوف واحسان کے مضامین پر مشتمل ہوکر اور حضرت مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کے افادات کا ترجمان بنکر صحیح معنوں میں ایک دینی اخلاقی اور اصلاحی رسالہ ہے اور اپنے ظاہر و باطن کی اس یکسانیت کے ساتھ ساتھ الحمد للہ جس شان کے ساتھ شروع ہوا تھا آج بھی اسی حال پر قائم ہے فالحمد للہ علیٰ ذلک۔ یہ محض حق تعالیٰ کا فضل وکرم ہے اور حضرت مخدوم ومحترم قاری محمد مبین صاحب جانشین مصلح الامۃ قدس سرہٗ کی توجہ اور اخلاص نیز احباب ناظرین کی طلب وشوق کا ثمرہ ہے کہ رسالہ ہذا کو یہ استقامۃ حاصل ہے ورنہ تو دنیا میں ایک سے ایک بڑھکر فاضل اور مضمون نگار موجود ہیں اور اہل قلم سے بھی دنیا خالی نہیں لیکن مقبولیت خدا کی طرف سے ہوا کرتی ہے وہ کسی کے بس کی بات نہیں ہے ؎

شعاع مہر خود بیتاب ہے جذب محبت سے　　　حقیقت ورنہ سب معلوم ہے پرواز شبنم کی

رسالہ کا چندہ ۸۳ء سے 22/= روپیہ ہوگیا ہے احباب سے گذارش ہے کہ اس کو پیشگی ہی عنایت فرماویں — تالیفات مصلح الامۃ اول ۔ سوم ۔ چہارم ۔ نسبۃ صوفیہ ۔ مناجات مقبول کریں، دفتر میں موجود ہیں طلب فرما سکتے ہیں۔ خرچ ڈاک بذمہ خریدار ہوگا۔ والسلام

24/= 30/= 46/= 2/= 3/=

(ادارہ)

(۹۴- ایک محدث کا شوق تحصیل فقہ کی جانب)

فرمایا کہ ـــــ بدائع صنائع میں صلوٰۃ المسافر کے باب میں بیان کیا ہے کہ فقہ کا مسئلہ ہو کہ حاجی اول عشرۂ ذی الحجہ میں جب مکہ میں داخل ہوا اور پندرہ دن ٹھیرنے کی نیت کر لے یا ایام عشر سے قبل ہی مکہ آ جاوے اور اتنے دنوں قبل آ وے کہ آٹھویں ذی الحجہ یعنی یوم الترویۃ پندرہ دن سے کم رہ گیا ہوا ور آ کر وہ مکہ میں اقامۃ کی نیت کر لے تو اسکی نیت صحیح نہیں ہے یعنی وہ مقیم نہ ہوگا مسافر ہی رہے گا کیونکہ اوپر ذکر کی ہوئی دونوں صورتوں میں اسکو پندرہ دن سے پہلے ہی مکہ چھوڑنا ناگزیر ہے اور عرفات کو جانا ضروری ہے۔ لہٰذا پندرہ دن کے قیام کی نیت صحیح نہ ہوگی تو وہ مقیم بھی نہ ہوا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یہی مسئلہ حضرت عیسیٰ بن ابان ؒ کے فقہ حاصل کرنے کا محرک ہوا تھا وہ اس طرح سے کہ وہ تو حدیث کی تحصیل میں مشغول تھے وہ خود فرماتے ہیں کہ مجھے حج کا اتفاق ہوا میں مکہ شریف پہونچا اور ابھی ذی الحجہ کا پہلا عشرہ تھا میرے ہمراہ میرا ایک اور رفیق بھی تھا ہم دونوں نے یہاں ایک ماہ ٹھیرنے کا قصد کیا چنانچہ میں نے نماز پوری پڑھنی شروع کر دی (یعنی مقیم کی طرح پوری نماز پڑھنے لگا کہ مجھے ایک ماہ ٹھہرنا تھا) اسی درمیان میں مجھے ابو حنیفہؒ کے کوئی شاگرد ملے (ان سے صورت حال کا تذکرہ آگیا) انھوں نے فرمایا کہ تم نے غلطی کی تمھیں نماز پوری نہ پڑھنی تھی بلکہ قصر کرنا چاہیے تھا اسلئے کہ ابھی ہفتہ عشرہ ہی کے بعد تمکو یہاں سے منیٰ پھر وہاں سے عرفات چلا جانا ہے (تو تم اس حالت میں پندرہ دن قیام کی نیت کر کیسے سکتے ہو نیت ہی صحیح نہ ہوگی پس تم مقیم ہی نہ ہو گے لہٰذا تمھارا یہ نماز کا اتمام کرنا غلط ہوا)

خیر پھر جب میں منیٰ سے مکہ واپس آیا تو میرے ساتھی کو ایسی کچھ ضرورت درپیش ہوئی کہ اس نے فوراً ہی مکہ سے چلا جانا چاہا اور میں نے بھی ارادہ کر لیا کہ میں بھی اسکے ساتھ چلا جاؤں گا یہ خیال کر کے میں اب مکہ میں نماز قصر ہی ادا کرنے لگا (کہ اب تو مجھے ایک ماہ رہنا نہیں ہے لہٰذا پوری نماز کیوں پڑھوں) پھر ابو حنیفہ کے ان شاگرد

صاحب سے ملاقات ہوئی انھوں نے فرمایا کہ یہ تم نے جواب قصر پڑھی ہے غلطی کی تم اپنی پہلی ایک ماہ کی نیت کی رو سے منیٰ سے واپس آنے کے بعد اب مکہ میں مقیم ہو گئے تھے لہٰذا نماز کا اتمام ہی کرنا چاہیئے تھا رہا تمہارا خیال بدل اور دوست کے ہمراہ چلے جانے کا عزم تو پہلی نیتِ اقامۃ اس عزمِ سفر سے ختم نہ ہوگی بلکہ وجودِ سفر اور مکہ کی آبادی سے باہر نکل جانے پر ختم ہوگی لہٰذا اب تم جبکہ مکہ میں ہو اپنی سابق نیت کی رُو سے نماز پوری ہی پڑھو۔

حضرت عیسیٰ بن ابانؒ محدث فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کہا کہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ میں نے بھی ایک مسئلہ میں دو مرتبہ ٹھوکر کھائی لہٰذا مجھے تو فقہ حاصل کرنا چاہیئے۔ چنانچہ میں سفر حج سے واپس آنے کے بعد امام محمدؒ کی خدمت میں گیا اور علم فقہ حاصل کیا۔

۹۴۔ اتباعِ شیخ کا درجہ اور اتباعِ سنّت کا مقام

فرمایا کہ ــــــ آج دین کو جو نقصان پہونچ رہا ہے وہ ترک سنت کیوجہ سے لوگوں نے طریقِ سنت کو بالکل چھوڑ ہی دیا اور اسکی جگہ مشائخ کی سنت سب نے لے لی۔ رسوم مشائخ کو دانتوں سے پکڑے ہوئے ہیں اور اس پر عکوف کئے ہوئے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کہ اصل طریقِ موصل الی اللہ تھا اس کی جانب اصلاً التفات نہیں ہے۔

پس جب اصل راستہ ہی کو چھوڑ دیا گیا اور کتاب وسنت کی جگہ باپ دادا کا طریقہ اور مشائخ کے رسوم کو کر دیا گیا تو ظاہر ہے کہ پھر دین کہاں رہا؟ اب ان باتوں پر عمل تو الگ رہا دیکھتا ہوں کہ لوگوں کو کتاب وسنت کا علم تک نہیں حالانکہ عمل کے لئے ضروری ہے کہ پہلے آدمی کو انکا علم ہو اور کتاب وسنت میں تبحر ہو۔

علامہ شعرانیؒ نے فرمایا اور حق یہ ہے کہ فقہ میں مشغول ہونا فضول اور بیکار بات نہیں ہے بلکہ وہ تو طریق کا اساس ہے اسلئے کہ اہل طریق کی شان یہ ہے کہ انکی جمیع حرکات

وسکنات کتاب وسنت پر چھا رہوں اور یہ بدون تبحر علم حدیث وفقہ وتفسیر کے معلوم ہوتا نہیں (طرلی ص۱۲۱)

علم تفسیر کتب تفسیر سے حاصل ہوگا اور علم حدیث کتب حدیث اور فقہ تو کتاب وسنت سے ماخوذ ہی ہے تاہم اسکے مراجعت کی حاجت اسلئے ہوتی ہے کہ بعض دفعہ فقہاء کی نظر ایسی بات کی جانب جاتی ہے کہ دوسرے کی وہاں تک رسائی نہیں۔

اب دیکھئے علامہ شعرانی تو یہ فرما رہے ہیں کہ اہل طریق کیلئے علم تفسیر وحدیث وفقہ میں تبحر ضروری ہے اور آج حال یہ ہے کہ ان سب چیزوں سے ذرا تعلق نہیں جسکا نتیجہ یہ ہے کہ ایک طرف اگر ذرا کچھ چلتے ہیں تو دوسری جانب سے ہٹ جاتے ہیں ایک کام کرتے ہیں تو دوسرے بہت سے کاموں سے فروگذاشت ہو جاتی ہے ایک جہت پیش نظر رہتی ہے تو بہت سی جہتیں رہ جاتی ہیں۔ چنانچہ اس زمانہ میں لوگ کمال کو جو نہیں پہونچتے وہ اپنے اسی نقص کی وجہ سے کہ کتاب وسنت کا علم بھی نہیں ہوتا تو پھر عمل کیونکر ہو۔

اسی مضمون کو پھر اس عنوان سے بیان کرتا ہوں کہ مشائخ مستقل نہیں ہیں بلکہ انھیں جو چیزیں بھی حاصل ہوتی ہیں وہ بحکم صدق التبعیۃ حاصل ہوتی ہیں نہ بحکم استقلال۔ اور استقلال کا مطلب یہ ہے کہ بدون اتباع شرع۔ چنانچہ صاحب روح المعانی نے فرمایا ہے کہ آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ میں استبداد بالعمل سے ممانعت کی گئی ہے یعنی یہ کہ آدمی دین میں جو چاہے عمل اپنی طبیعت سے (استقلال) سے اور کتاب وسنت کی طرف رجوع نہ کرے۔ لیکن دیکھا جاتا ہے کہ مشائخ کا عمل ایسا ہوگیا ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ مستقل ہیں چنانچہ انکی سنت واجب العمل بنا لی گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بالکل متروک ہوگئی اس کے متعلق کہتا ہوں کہ یہ استقلال اتباع کی بالکل ضد ہے یعنی اتباع ہی فوت ہوتی ہے تب ہی تو مستقل سمجھا جاتا ہے سارے انسان کیا عوام کیا خواص سب ہی مکلف ہیں

اسکے کہ کتاب وسنت کا اتباع کریں اور اپنے کو مستقل نہ جانیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں کتاب پر اسکی مذمت آئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (اس طرح سے ان اہل کتاب میں سے ایک جماعت نے کتاب اللہ کو اپنے پس پشت ڈال دیا گویا وہ اسکو جانتے ہی نہیں ہیں) اسکی تفسیر میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ :- وقد شبہ ترکھم کتاب اللہ تعالیٰ واعراضھم بحالۃ شئ یُری بہ وراء الظھر والجامع عدم الالتفات وقلۃ المبالاۃ (یعنی ان لوگوں کے کتاب اللہ ترک کر دینے کو اور اس سے بالکلیہ اعراض کرنے کو ایک ایسی شے سے تشبیہ دی جیسے ناپسندیدگی اور قلت التفات کے سبب پس پشت ڈالدیا جائے)۔ ایک اور مقام پر نبذ میثاق کے یہ معنی بیان فرمائے کہ لم یراعوہ ولم یلتفتوا الیہ فان النبذ وراء الظھر تمثیل واستعارۃ لترک الاعتداد وعدم الالتفات وعکسہ جعل الشئ نصب العین ومقابلھا (روح المعانی ص۱۳۳ ج ۴) (یعنی انھوں نے عہد کی رعایت نہیں کی اور اسکی جانب توجہ تک نہیں کیا اسلئے نَبَذَ وراء ظھرھم یہ ایک تمثیل اور استعارہ ہے لاپرواہی اور عدم توجہی سے اسی کو پس پشت ڈالنا کہتے ہیں اور اسکے بالمقابل نصب العین بنانا بولا جاتا ہے یعنی کسی شئے کو ہر وقت پیش نظر رکھنا)

اس سے (یعنی نبذ کی مذمت سے) معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کو اور اسی طرح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت نظروں کے سامنے رکھنا اور نصب العین بنانا مؤمن کے لئے ضروری ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اتباع بالسنۃ اور عمل بالسنۃ بدون اسکے ممکن ہی نہیں ہے اور نصب العین بنانے کا مطلب یہ ہے کہ کتاب اللہ کے احکام اور ہر موقع کے متعلق سنت کا علم صحیح انسان کو مستحضر رہے۔ لیکن میں اسکے ساتھ ساتھ اتنی بات اور کہتا ہوں کہ کتاب وسنت کا اتباع محض ان کے علوم کے مستحضر رہنے سے نہ ہو جائیگا بلکہ اسکے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنے نفس کو جو کہ کتاب وسنت کے مزاحم اور اس سے متصادم ہوتا ہے ختم کرے اور نفس کے

ختم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نفس کے حظوظ اور اسکی خواہشات اور اسکے اغراض اور ہے شہوات کو کتاب و سنت کے مقابلہ میں پامال کر دے یا اسلئے کہ پیروی دو ہے ایک نفس کی پیروی اور ایک سنت کی پیروی۔ لہٰذا کسی کو سنت کی پیروی حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ نفس کی پیروی کو ترک نہ کر دے اور جس قدر نفس کی پیروی کو چھوڑتا جائے گا اسی قدر سنت سے اسکا تعلق بڑھتا جائیگا کیونکہ راہ سنت سے ہٹانے والی چیز یہی نفس ہے اسی کے کید و خداع کے نہ پہچاننے کی وجہ سے آدمی طرح طرح کی گمراہیوں میں پڑا رہتا ہے۔ مکتوبات معصومیہ میں اس مضمون کو بہت عمدہ بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ :-

ممکن از کمالِ نادانی ذات خود را فراموش ساختہ است و از شرارت و نقص ذاتی خود چشم بستہ۔ بکمالات عاریتی خود را خیر و کامل خیال کردہ است و مبدأ خیرات دانستہ و بنیاد در از زیں بے بنیاد نہادہ و ازیں رہگذر دعویٰ ہمسری بمولائے خود جل شانہٗ پیدا کردہ رعونت و انانیت اماره ازیں جا ناشی گشتہ

انسان اپنے کمال نادانی کی وجہ سے اپنی ذات کو فراموش کئے ہوئے ہے اور اپنی شرارت اور نقص ذاتی کی نہار پر حقیقت کی آنکھ بند کر کے اپنے عاریتی کمال کی وجہ سے خود کو بہتر اور کامل گمان کئے ہوئے ہے اور خود کو تمام خیرات کا مبدا سمجھے ہوئے ہے اور اور اپنے کمالات کی بنیاد اپنے اس بے بنیاد وجود پر رکھے ہوئے ہے اور اسی جہت سے اپنے مولیٰ تعالیٰ کیساتھ ہمسری کا دعویٰ کئے ہوئے ہے اور نفس امارہ کی انانیت اسی جگہ سے اسکے اندر راہ پائے ہوئے ہے

یہاں تک تو یہ فرمایا کہ جملہ نقائص کا سرچشمہ نفس کی خود فراموشی ہے آگے نا ہونے پر اسکے کمال کا مرتب ہونا بیان فرماتے ہیں

و چوں بسابقۂ عنایت سالک بر عدمیت ذاتی خود اطلاع یابد و صفات کمال را پرتو کمالات او یقین نماید و ایں کمالات را درست اصل حوالہ کند و خود را کہ مراٰۃ ایں کمالات و تعالیٰ محض یابد و عدم صرف جید بقتضائے حقیقی شرف شود و انانیت امارہ وارہد و ناماتہ

اور جب حق تعالیٰ کی عنایات سابقہ کی بدولت سالک اپنی عدمیت ذاتی پر مطلع ہو جاتا ہے اور اب اپنے کمالات کو اسکے کمالات کا پرتو یقین کرنے لگ جاتا ہے اور ان سب کمالات کو اپنے اصل کے حوالہ کر دیتا ہے اور خود اپنے کو کہ وہ ان کمالات کا آئینہ تھا خالی محض سمجھ لیتا ہے اور عدم محض گمان کر لیتا ہے تو مقتضائے حقیقی کے ساتھ متصف ہو جاتا ہے

بتدریج باطمینان رسد - این زمان نعمت درحق او تمام شود -
المولوی قدس سرہٗ
چوں بدانستی کہ ظل کیستی
فارغی گر مُردی و در زیستی
(مکتوبات معصومیہ ص ۲۷۳)

اب نفس امارہ کی انانیت سے چھٹکارا پاجاتا ہے اور پھر اسی طرح آہستہ آہستہ مطمئنہ کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے اور اب سوقت نعمت اسکے حق میں تمام ہوجاتی ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎
جب تم جان لو کہ تم کس کے ظل اور سایہ ہو تو تم فارغ ہو خواہ مرجاؤ یا زندہ رہو۔

غرض اتباع سنت جو آج نہیں ہورہی ہے تو اسلئے کہ دو مانع موجود ہیں ایک تو خود انسان کا نفس کہ وہ چلنے نہیں دیتا اور دوسرے جہل جس کا کرشمہ یہ ہے کہ اس نے یہ سمجھا رکھا ہے کہ مشائخ پیرو مقلد اور متبع نہیں بلکہ مستقل ہیں۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ ناظرین نے ملاحظہ فرمایا حضرت مصلح الامۃؒ نے جن اہم امور کیجانب امت کو متوجہ فرمایا ہے اور قوم کے جن مخصوص امراض کیجانب انھیں توجہ دلائی منجملہ انکے ایک یہ چیز کھلی کھلی کہ آج علماء ومشائخ کو لوگوں نے مستقل سمجھ رکھا ہے اور بعض لوگوں کے حالات سے کچھ ایسا پتہ چلتا ہو کہ شاید ان حضرات نے بھی خود کو مستقل ہی قرار دے رکھا ہے کیونکہ آج رواج ایسا ہی کچھ ہوگیا ہے کہ عام لوگوں کی زبان سے ہمارے علماء کا طریقہ اور شیخ کا مسلک یہی الفاظ سنے جاتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور شریعت کا مسئلہ اسکا زبان پر گویا چرچا ہی نہیں رہگیا ہے اور اس چیز کا موجب نقصان اور خسران ہونا ظاہر ہے کہ یہی آج ہمارے معاشرہ میں نزاع و خلاف کا ذریعہ بن رہا ہے اور اسی کو لیکر لوگ دین و شریعت سے دور ہوتے جارہے ہیں۔
حضرت مصلح الامۃؒ نے قوم کی اس دکھتی ہوئی رگ کو پکڑا اور فرمایا کہ یہ علما اور مشائخ مستقل نہیں ہیں بلکہ پیرو اور متبع ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ اصل متبوع و مطاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ کسی عالم یا شیخ کی عظمت و احترام بقدر اسکے متبع سنت ہی ہونے کے ہوگا۔ اس مسئلہ کو حضرت مصلح الامۃؒ نے جس شدومد سے بیان فرمایا ہے اس انداز پر کسی دوسرے نے کم بیان کیا ہے۔ لوگوں نے علماء و مشائخ پر تنقید کی ہے تو ان سے متنفر تو کردیا ہے لیکن حضرت والا نے جہاں غیر عاملین بالسنۃ پر نکیر فرمائی ہے وہیں عامل بالسنۃ کا لوگوں کو عاشق و شیدا بنا دیا ہے۔ حضرت والا کا یہ اعتدال عدیم المثال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم)

(مکتوب نمبر ۳۰۲)

حال : احقر خدمت اقدس میں عرض رسا ہے کہ ہفتہ عشرہ قبل ایک لڑکی کا عقد کیا جس میں کچھ دنوں تک تو مشغول تھی اسوجہ سے کوئی خط نہ لکھ سکا جس سے حضرت والا کی خیر و عافیت معلوم ہوتی ۔ امید کہ حضرت والا اپنی خیر و عافیت سے مشرف فرمائیں گے ۔ بحمد اللہ تعالےٰ تقریب عقد بحسن و خوبی انجام پاگئی ۔ خیال ہوتا تھا کہ اہل دنیا کے ساتھ معاملہ پڑے گا اور میرے پاس دنیا ہے نہیں تو کیا صورت پیش آئیگی ؟ اس سلسلہ میں رجوع الی اللہ اس صورت سے کرتا رہا کہ اے اللہ دنیا دار اپنی تقریبات میں بڑے بڑے دنیا دار کو مدعو کرتے ہیں اپنی عزت افزائی کے لئے ، اور ہمارے لئے آپ سے بڑھکر بلکہ آپکے سوا کوئی نہیں ہے اسلئے میں اپنی تقریب میں آپ کی شرکت چاہتا ہوں ۔ اور جس کے معاملہ میں آپ شرکت فرمالیں وہ ذلت و رسوائی سے یقیناً بچ جائے گا ۔ اکثر اوقات انھیں جملوں کے ساتھ اللہ سبحانہٗ کو مخاطب کرتا رہتا تھا ۔ اور بخیر و خوبی انجام پاگیا اور شرکت کا بھی احساس ہوا جس سے بیحد مسرت ہوئی ۔ **تحقیق** : الحمد للہ

حال : حضرت ہم تو آپ کے احسانات کا بھی شکریہ ادا کرنے سے اپنے کو عاجز پاتے ہیں چہ جائیکہ اللہ سبحانہٗ کا شکریہ ادا کرسکیں ۔ **تحقیق** : بیشک

حال : حضرت آپ کے لئے تو ہمارے جیسے سیکڑوں ہیں مگر ہمارے لئے تو صرف آپ ہی ہیں اسلئے دست بستہ عرض ہے کہ احقر اگرچہ مسافت بعیدہ پر ہے مگر توجہ کے قریب ہونا ممکن ہے اسلئے توجہ میں قریب رکھا جائے ۔ **تحقیق** : ضرور

حال : تو ہماری آخرت کے ساتھ دنیا بھی سنور جائیگی ۔ دل تو یہی دعا نکلتی ہے بے ادبی معاف فرمائی جائے کہ

آپ سلامت رہیں ہزاروں برس ہر برس کے ہوں دن پچاسوں ہزار

شہ سوار جانا حشر آپ کے ساتھ فرمائیں ۔ آمین

تحقیق : آمین [illegible]

(مکتوب نمبر ۳۰۴)

حال : السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ مزاج گرامی ۔ تحقیق : الحمد للہ بخیریت ہوں
حال : احقر بفضلہ تعالیٰ عافیت سے ہے ۔ عرصہ ہوا کرامت نامہ صادر ہوکر موجب تسلی ہوا۔
فجزاکم اللہ خیرا لجزاء ۔ تحقیق : اللہ تعالیٰ ہمیشہ مسرور رکھے ۔

حال : عرصہ سے قلب میں یہ خیال جاگزیں تھا اور ہے کہ اپنی استطاعت اور استعداد کے موافق خواہ اقل ہی کیوں نہ ہو کلام اللہ کے معانی و مطالب میں غور و خوض کرتے ہوئے تلاوت کرنا چاہیئے یا اگر تلاوت کے لئے روانی ہی کا طریقہ رہے مگر اسکے علاوہ تدبر فی القرآن ضرور کرنا چاہیئے ورنہ وَقَالَ الرَّسُولُ يَارَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا (اور رسول (اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کہیں گے کہ اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو بالکل چھوڑ رکھا ہے) کے وعید میں آنے کا خطرہ ہے جبکہ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ عدم تدبر فی القرآن بھی ہجران میں داخل ہے اگرچہ اوروں کے لحاظ سے اخف ہی سہی مگر ہے ضرور ۔ اور قلب کو گونہ یہ خیال ہوتا ہے کہ اس طرح سے پڑھنے میں مقدار تلاوت بہت ہی کم ہوگی تو اسکے متعلق حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ کا ایک ارشاد دیکھکر بہت تسکین ہوئی ۔ بعض عارفوں نے کہا ہے کہ ہمارے لئے ہر جمعہ میں ایک ختم اور ہر مہینے میں ایک ختم اور ہر سال میں ایک ختم ہے اور امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ میرے لئے ایک ختم ہے تیس برس ہوئے اس سے فرصت نہیں پاتا ۔ اور پھر فرماتے ہیں کہ ایک آیۃ سوچکر پڑھنا ساری رات میں دو ختم کرنے سے بہتر ہے ۔

حضرت والدی العلامؒ اپنے رسالہ میں نقل فرماتے ہیں وعن زائدۃ قال صلیت مع ابو حنیفہ فی المسجد العشاء وخرج الناس ولم یعلم انی فی المسجد فقام فافتتح الصلوٰۃ فقرء حتی بلغ ھذہ الایۃ فمن اللہ علینا ووقانا عذاب السموم فلم یزل یردد ھا حتی اذن المؤذن لصلوٰۃ الصبح ۔ ونقل ایضا بعد عدۃ اسطر ۔ وعن القاسم بن معن ان اباحنیفہ قام لیلۃ بھذہ الایۃ بل الساعۃ ادھیٰ وامر فلم یزل یرددھا ویبکی

...خشوع (حضرت زائدہؒ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہؒ کے پیچھے مسجد میں عشاء کی
نماز پڑھی جب سب لوگ چلے گئے اور ابو حنیفہؒ نے میرا بھی ہونا نہ جانا تو پھر کھڑے ہو کر نماز کی
نیت باندھی یہاں تک کہ اس آیت پر پہونچے فمن اللّٰہ علینا ووقانا عذاب السموم
یعنی اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحم فرما دیا اور ہم کو دوزخ کے سخت عذاب سے بچالیا۔ تو اسکو
بار بار دہراتے رہے یہاں تک کہ مؤذن نے فجر کی اذان آکر دی۔ اسی طرح سے قاسم بن معن
سے مروی ہے کہ ایک شب ابو حنیفہؒ نے نماز میں یہ آیت پڑھی بل الساعۃ ادھیٰ وامر یعنی قیامت
کا دن بہت ہی زیادہ پریشان کن اور ڈراؤنا اور کڑوا ہوگا۔ اور اسی کو بار بار پڑھتے رہے
روتے رہے اور آہ وزاری کرتے رہے۔)

اسی کے قریب حضرت مولانا گنگوہیؒ کا ایک واقعہ ایک مقام پر دیکھنے میں آیا کہ
حضرت ایک شب میں بعد عشاء سورۂ طارق کی یہ آیت یَوْمَ تُبْلَی السَّرَائِرُ فَمَا لَهُ مِنْ
قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ جس دن کا امور مخفی ظاہر کردیئے جائیں گے پس انسان کے لئے نہ کوئی قوت ہوگی نہ کوئی مددگار ہوگا
پڑھتے تھے اور روتے تھے یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔

حضرت گنگوہیؒ کے ذکر آجانے سے اس تحریر کے لکھتے وقت آنکھوں میں بیاختہ
آنسو آگئے۔ اب آپ سے نہایت لجاجت اور عاجزی سے عرض ہے کہ حضرت بس دعا
فرمائیں۔ اس ناکارہ کو بھی ان حضرات صالحین ومقبولین کے طفیل میں قرآن سے ویسا ہی
تعلق اور لگاؤ پیدا ہو جائے۔ تحقیق: دعا کرتا ہوں

...: اور خوب خشوع وخضوع کے ساتھ رو رو کر اس کلام مبارک کے پڑھنے کی توفیق برابر
...ب ہوتی رہے۔ گا ہے گا ہے یہ کیفیت نصیب ہو جاتی ہے مگر بندہ چاہتا ہے کہ
...کی تلاوت کا شرف نصیب ہو تو رونے کی بھی سعادت سے نوازا جاؤں مگر اپنی
...سی اور شقاوت کے باعث اس سے محروم رہتا ہوں۔ ہاں یہ امر بندہ نے آزمایا ہے
...عذاب و وعید و تہدید کو تکرار کرنے سے ضرور رقت طاری ہوتی ہے اسی لئے
بندہ کی اگر وقت کافی رہتا ہے تو اس امر کی کوشش کرتا ہوں کہ خوب ترتیل اور تکرار
...ای قسم کی آیتوں کو پڑھا جائے تاکہ قلب کا زنگ صاف اور ذکر ہو جائے۔

لیکن قویٰ اب پہلے سے کچھ انحطاط پذیر ہو جانے سے پہلے کی طرح خوب دیر تک پڑھنے سے قدرے قاصر ہو رہا ہوں زیادہ دیر تک پڑھنے سے سر میں درد اور بوجھ سا معلوم ہونے لگتا ہے اسلئے کم ہی پر اکتفا کر لیتا ہوں کہ خیر العمل ما دیم علیہ (سب اعمال سے اچھا وہ عمل ہے جس پر دوام اختیار کیا جائے) حضورؐ کا فرمان گرامی ہے۔ اب حضرت والا سے دردمندانہ اور مستمندانہ التجا ہے کہ اس ناہنجار اور نالائق کو بھی اپنے ساتھ کھینچ کھانچ کر اور بچا دھکا کر بارگاہ تک لگا دیں۔ **تحقیق:** ضرور

حال: مجھے امید قوی ہی نہیں یقین ہے کہ آپ جیسے حضرات کے ساتھ تعلق رکھنے والے اصحاب بشرطیکہ خلوص وللّٰہیت سے ہو دین و دنیا دونوں جگہ کامیاب رہینگے۔ **تحقیق:** بیشک

(تحقیق)

آپ نے اس دفعہ تلاوت کے متعلق کچھ تحریر فرمایا ہے بعینہٖ یہی کم وکیف کا خیال بہت سے لوگوں کے اذہان میں ہے چنانچہ بعض لوگوں نے امسال رمضان شریف میں مجھے لکھکر دیا اسکے بعد سے میں نے مجلس میں اسکا مسلسل بیان شروع کیا اور بحمداللہ حاضرین کی سمجھ میں یہ بات آگئی اور قلب میں اتر گئی کہ اصل مقصود تلاوت سے دلی تلاوت ہے۔ جس تلاوت کی مدح آئی ہے اور جسکا حکم ہے اور جسکی تحریض کتاب وسنت میں وارد ہے وہ لسانی تلاوت نہیں ہے بلکہ قلبی اور دلی ہے۔ اور دلی تلاوت سے مراد معانی میں تدبر کر کے تلاوت کرنا نہیں ہے۔ اسلئے کہ اگر بالذات قاری ادھر ملتفت ہو جائیگا تب تو اس سے تلاوت ہی ہو چکی۔ نیز یہ کہ اس صورت میں تو گویا یہ تلاوت اہل علم کے ساتھ مخصوص ہو جائیگی حالانکہ تلاوت کا حکم ہر عامی۔ عالم۔ عربی عجمی سب کو ہے۔ اسلئے میں ان لوگوں سے یہ کہتا ہوں کہ آدمی فہم وتدبر کے لئے ایک وقت مقرر کرے اور ایک دوسرا سلسلہ بھی رہے جس میں صرف تلاوت کی جائے اس میں معانی کیطرف بالقصد توجہ نہ ہو بلکہ توجہ الی اللہ کا قصد اور استحضار التفات تام ہو۔ تلاوت سے تقرب الی اللہ مقصود ہو جیسا کہ صاحب بیضاویؒ اتل ما اوحی الیک من الکتاب کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تقربًا الی اللہ تعالیٰ بقرأتہ وتحفظا لالفاظہ واستکشافا لمعانیہ

اس میں تصریح ہے کہ مقصد تلاوت سے تقرب الی اللہ ہونا چاہیئے اصل غرض یہی ہے تحقیقات اور معانی کا انکشاف اسی تلاوت کی بدولت حاصل ہو جاتا ہے بعد مناسبت بسیار

+ صبح المنیر سے یہ مضمون نقل کرتا ہوں جو میرے دعا کی سند ہے۔ فرماتے ہیں ' نماز میں اگر آیات قرآنی کو سمجھکر پڑھے تو اسکی بہتری میں کلام نہیں لیکن نہ سمجھے (یہاں اصل عبارت یونہی ہے معلوم ہوتا ہے کچھ چھپنے سے رہ گیا ہے) تاہم نفس نماز میں اس سے کوئی خرابی نہیں پیدا ہوتی۔ نماز ایک عبادت ہے اور اس کا اصل مقصود خشوع و خضوع پیدا کرنا ہے اور وہ آیات کا مطلب نہ سمجھنے سے بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ ایک بے علم جو آیات کو کلام اللہ سمجھکر پڑھ لیتا ہے دل سے خدا کی طرف متوجہ رہتا ہے خشوع و خضوع اس پر غالب ہوتی ہے اسکی نماز اس عالم کی نماز سے ہزار گنا بہتر ہے جو آیات کو پڑھکر معانی کی تحقیق اور مسائل کے استخراج میں پھنس جاتا ہے اور عبادت کے وقت علمی تحقیقات کرنے لگتا ہے ۔ (سے شاید عبارت یوں ہو ۔ بہتری میں کلام نہیں لیکن معنی نہ سمجھے تو یہ حال گو اس کم رتبہ ہے تاہم)

(مکتوب نمبر ۳۰۴)

حال: اس ناچیز کی درخواست پر حضور نے عرصہ ہوا اپنی غلامی میں قبول کر کے بیعت کی رحمت سے اس ناکارہ کو بھی فیضیاب فرمایا۔ حضور کا حکم ہے کہ اپنی اپنی حالت سے ہمکو مطلع رکھیں۔ تحقیق: ہاں ہے۔

حال: لہٰذا یہ ناکارہ پہلی مرتبہ اس سلسلہ میں جرأت کر رہا ہے۔ حضرت قاری ... صاحب سے جان پہچان ہونے کے بعد انکی توجہ میری طرف ہوئی اور انکی صحبت کے اثر سے مجھے خود بخود تمنا شریعت حضور سرور کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پابندی کی پیدا ہوئی اور درخواست کرنے پر موصوف نے دوازدہ تسبیح کے وظیفہ کی پابندی کو فرمایا جس پر میں قائم ہوں بعد نماز تہجد درود شریف ... ۵ مرتبہ پڑھتا ہوں تلاوت کلام مجید کر کے نماز اشراق پڑھنے کے بعد پھر دنیا کے کام میں لگ جاتا ہوں۔ تحقیق: الحمدللہ۔

حال: مجلس بابرکت میں اکثر و بیشتر حاضر ہوتا ہوں۔ تحقیق: مرغوب

حال: حضور کی مجلس کی برکت سے قضا عمری پڑھنے لگا ہوں۔ تحقیق: الحمد للہ۔
حال: دل میں اب سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی ماسوا کا تصور باقی نہیں رہا۔ تحقیق: الحمد للہ
حال: میں مسلمانوں کے گھر پیدا ہوا تھا اور مسلمان تھا لیکن حضور والا کی صحبت کے اثر سے اب یہ راز دل پر منکشف ہو گیا کہ دین کیا ہے۔ تحقیق: بارک اللہ
حال: پہلے جو تصور دل میں تھا وہ تصور ٹھیک نہیں تھا سراسر نافرمانی اور من مانی پر منحصر تھا۔
تحقیق: بیشک بیشک یہی عام حالت ہماری ہے۔ خوب نقشہ کھینچا۔ آپ کے اس مضمون سے بہت لطف آیا جزاکم اللہ تعالیٰ۔ (وجہ لطف یہ کہ نافرمانی کی شرح من مانی معناً و وزناً بہت خوب ہے)
حال: پچھلی نافرمانیوں پر اس ناکارہ کو اللہ تعالیٰ کی جناب میں شرمندگی ہے۔ اور توبہ و استغفار میں لگا رہتا ہوں۔ حرام و حلال میں تمیز ہو چلی ہے۔ تلاوتِ کلام مجید میں دل لگنے لگا ہے اور ہر دفعہ دہرانے میں نئی لذت ملتی ہے۔ کبھی دل اللہ تعالیٰ کی طرف کھنچ جاتا ہے ایک عجب کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ تحقیق: الحمد للہ
حال: لیکن یہ حالت چند منٹ تک رہتی ہے۔ تحقیق: یہ بھی غنیمت ہے۔
حال: اختیاری نہیں ہے جذباتی ہے۔ تحقیق: بہت خوب ہے۔
حال: ابھی تک غفلت دور نہیں ہو سکی ہے یہ میرے بس کی بات نہیں اللہ تعالیٰ کے کرم پر ہے۔ حضرت والا کی نظر عنایت سے امید ہے کہ یہ غفلت ایک دن دور ہو جائیگی
تحقیق: انشاء اللہ تعالیٰ ہو جائیگی۔
حال: بہت ادب سے درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں حضور میری اور متعلقین کی اصلاح کے لئے دعا فرمائیں۔ تحقیق: دل سے دعا کرتا ہوں۔

(مکتوب نمبر ۳۰۵)

حال: خاکسار نے علاوہ عجب خودی کے دیگر امراض کے بیان کی اجازت طلب کی تھی چنانچہ آنجناب نے اجازت سے مشرف فرمایا۔ حضرت والا بظاہر کو بظاہر کچھ ایسا فراموش کر چکا ہوں گویا عجب دنیا میں کوئی چیز ہی نہیں۔ مگر بدنگاہی کا مرض کچھ ایسا دامنگیر ہے

کہ شیطان حیلہ سازی کرتا ہے کہ بدفعلی تو کرنے سے رہا دیکھنے کیوں باز رہتا ہے
اور ایسے وقت العینان تزنیان الحدیث (دونوں آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں ۔
کے تصور کو فراموش کردیتا ہے حضرت اقدس معالجہ فرماکر ممنون فرمایئے۔

حضرت والا آزار رسانی معاف فرمائیں مشہور ہے کہ مظاہر علوم میں تنخواہ نہایت قلیل ہوتی ہے ۔ یہ شرف بحمد اللہ حاصل ہے کہ مظاہر علوم سہارنپور میں تدریس عربی کی خدمت بجالا رہا ہوں مگر قلت معاش نے شکستہ میاں کردیا ہے عرض یہ ہے کہ دعاء فرمائیں ۔ اور کچھ نصائح ایسی فرمائیں جو فراخ دستی سے متعلق ہوں ۔ امید ہے کہ دستگیری فرمایئے گا

تحقیق : آپ نے اس دفعہ جس مرض کے متعلق لکھا ہے اسکی بھی اصلاح بہت آسان تھی کہ ان نصوص کیجانب جن میں اسکی مذمت اور وعید آئی ہے متوجہ کردیا جاتا لیکن آپ نے جب یہ لکھدیا کہ العینان تزنیان وغیرہ کی روایات بھی پیش نظر ہیں لیکن قلب ان سے اثر نہیں لیتا تو اسوقت معاملہ ذرا سخت ہوجاتا ہے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ اب ایسے لوگوں کو کیا لکھوں شریعت ذریعہ تھی برائیوں سے باز رکھنے کا اس سے تو اثر لیا نہیں پھر اب کیا کیا جائے ؟ چنانچہ ایسے لوگوں کو میں طریقت کے قاعدے سے ایک بات بتاتا ہوں لیکن اس سے پہلے دو بات اور سن لیجئے ایک تو یہ کہ لوگ کسی کو اہل علم سمجھتے ہوں اس سے دین حاصل کرتے ہوں اور خود اسکا باطن اپنے ظاہر کے اسقدر خلاف ہو تو سوچئے کس قدر قبیح امر اور غیرت کی بات ہے اسی کے متعلق ابن کثیر میں ہے کہ قال موسیٰ علیہ السلام لبنی اسرائیل مالکم تاتونی علیکم ثیاب الرہبان و قلوبکم قلوب الذئب البسوا ثیاب الملوک والینوا قلوبکم بالخشیۃ ۔ وقال الحسن ان قوما جعلوا الکبر فی قلوبھم والتواضع فی ثیابھم (حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ کیا حال ہے کہ تم میرے پاس اس حال میں آتے ہو کہ تمہارے اوپر عباد کے کپڑے ہوتے ہیں اور تمہارے قلوب بھیڑیئے کے ہوتے ہیں سنو کپڑے چاہے بادشاہوں کے سے پہنو لیکن اپنے قلوب کو خوف و خشیت سے لبریز کرلو اسکو ۔ نیز حضرت حسن فرماتے ہیں کہ ایک قوم ایسی بھی ہے کہ انکے قلوب میں تو کبر بھرا ہوتا ہے اور لباس سے تواضع ٹپکتی ہے) ۔ انسان اسی پر غور کرے تب بھی بہت کچھ درست

کہ شیطان حیلہ سازی کرتا ہے کہ فعل ذکر نہ ہو جائے۔ دوسری بات یہ کہ جیسا آپ نے لکھا ہے کہ شیطان حیلہ سازی کرتا ہے کہ فعل ذکر نہ ہو جائے۔ دوسری بات یہ کہ جیسا آپ نے لکھا ہے
رہا دیدار کرنے کیوں باز رہتا ہے تو اسکے متعلق اول تو سنیئے کہ جن لوگوں سے بدفعلی کا صدور ہوتا ہے تو اسکی بھی ابتداء
بدنظری ہی سے ہوتی ہے اور یہی مقدمہ بنتا ہے بدفعلی کا پھر کوئی غیر معصوم اپنے اوپر اطمینان کیسے کر سکتا ہے کہ
میرے لئے یہ منجر الی الفعل نہ ہو جائے۔ ثانیاً یہ کہ اسی قسم کا اپنا مرض ایک شخص نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا تھا کہ
خیال ہوتا ہے کہ دیکھ لو اس میں مجاہدہ ہے۔ حضرتؒ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ جلدی اپنی خبر لو اور اس حال سے نکلو
ورنہ عنقریب الحاد کا دروازہ کھٹکھٹاؤ گے۔ بہرحال میں طریق کی رو سے آپسے جو کہنا چاہتا تھا اب اسکو سنیئے
اسکو تو مانیئے گا وہ یہ کہ بزرگوں نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص ایک عورت پر عاشق ہو گیا تھا اسکے پیچھے پیچھے
جا رہا تھا عورت نے اسکو آتے دیکھکر اس سے کہا کہ میرے پیچھے کیا آرہے ہو میرے پیچھے میری بہن آرہی ہے وہ مجھ سے
خوبصورت اور حسین ہے اسنے جب یہ سنا تو پیچھے مڑکر دیکھنے لگا عورت نے زور کا ایک طمانچہ رسید کیا اور کہا کہ تجھ

محبت کا دعویٰ اور میرے غیر پر نظر ؎

گفت اے ابلہ اگر تو عاشقی　　　　در میان دعوئے خود صادقی

اس نے کہا اے بیوقوف اگر تو میرا عاشق تھا اور اپنے دعویٰ عشق میں صادق تھا

پس چرا بر غیر افگندی نظر　　　　ایں بود دعویٰ عشق اے بے ہنر

تو میرے غیر پر کیوں نظر ڈالی کیا عاشقی اسی کا نام ہے اے نادان

اسی طرح آپسے کہتا ہوں کہ جب محبوب مجازی میں اسدرجہ غیرت ہوتی ہے تو محبوب حقیقی کی غیرت کا
پوچھنا ہی کیا اللہ تعالیٰ بھی غیرت فرماتے ہیں اس بات سے کہ کوئی انکا طالب اور محب ہونیکا دعویٰ کر
اور غیر پر نظر کرے۔ آپ نے جب طریق میں قدم رکھا ہے تو ظاہر تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعویٰ محبت
ہے پھر آئین محبت اسکی کب اجازت دیتا ہے کہ ماسوا محبوب کسی اور پر آدمی نگاہ بھی کرے جب
سے محب کو محبوب پر غیرت ہوتی ہے اسپر کہ وہ دوسرے سے تعلق رکھے "با ما یتما نمی پسندم" اسیطرح
محبوب کو بھی اپنے محب پر غیرت آتی ہے کہ وہ اسکے سوا کسی اور کو دیکھے۔ اس مضمون کو سمجھ لیجئے اور
مجھے اطلاع دیجئے کہ بات سمجھ میں آئی یا نہیں۔

فراخ دستی کیلئے دعا کرتا ہوں۔ بہرحال اسوقت جس جگہ پر آپ ہیں وہاں بھی ترقی
مواقع زیادہ ہیں گو آمدنی کم ہے۔ کسی طرح سے کام چلائیے آئندہ اللہ مالک ہے

چنانچہ واپسی کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد حکیم فخرالدین صاحب جعفری نے سفرِ آخرت فرمایا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ حضرت والاؒ کو انکی فرقت اور جدائی کا بڑا قلق ہوا فرماتے تھے کہ افسوس اتنے زمانے کے بعد ایک ہی تو طبیب ایسا ملا تھا جسکی تشخیص اور تجویز پر اطمینان کیا جا سکتا تھا اللہ کو ان سے بس اسی قدر استفادہ منظور تھا تاہم حکیم صاحب کے علاج سے ایک کلی نفع حضرت اقدس کو یہ ہوا کہ پھر اور دوسرے اطباء کے لئے علاج کی راہ کھل گئی یعنی پھر اور حضرات نے بھی مقوی دماغ اور مقوی قلب دوائیں حضرت کو استعمال کرائیں۔ چنانچہ مانیکلاں کے حافظ حامد صاحب جو حضرتؒ سے تعلق رکھتے تھے انھوں نے غالباً حکیم بہاء الدین صاحب ٹونکی کا ایک معجون مقوی دماغ جو اس وقت تقریباً ساڑھے تین سو میں تیار ہوتا تھا اہتمام کے ساتھ تیار کرا کے خود حضرت کی خدمت میں پیش کیا حضرت نے حکیم بہاء الدین صاحب کا نام سنکر کہ وہ بھی ایک حاذق اور مشہور طبیب تھے اسے استعمال فرمایا چنانچہ اپنے لئے اسکو نہایت مفید پایا اسلئے ان حافظ صاحب سے اسکا نسخہ ہی طلب فرمایا اور جب وہ معجون ختم ہو گیا تو خود حکیم بشیر الدین صاحب یا کبھی حکیم نثار احمد صاحب کے زیرِ اہتمام اسے تیار کرا کے بہت دنوں تک استعمال فرماتے رہے (یہ نسخہ حضرت اقدس کی بیاض میں بھی درج ہے) اسی طرح سے جناب حکیم فخرالدین صاحب کے بھی متعدد نسخے درج بیاض ہیں) اسطرح سے اللہ تعالیٰ نے حکیم صاحب کی جدائی کے بعد بھی انکے فیض کو جاری رکھا مگر یہ بھی صحیح ہے کہ والفضل للمتقدم۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ درحقیقت حکیم صاحبؒ کا یہاں الہ آباد کے لوگوں پر احسانِ عظیم ہوا کہ اس طبیبِ جسمانی نے اپنے علاج کے واسطے سے اہلِ الہ آباد کو ایک طبیبِ روحانی سے روشناس کرا دیا۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء فی الدنیا والآخرہ۔

الغرض الہ آباد کے حکیم صاحب جناب مولانا شاہ حکیم سید فخرالدین صاحب جعفریؒ کے علاج سے حضرت والا کا ایک قدیمی مرض نزلہ کا ازالہ ہی ہو گیا۔ جناب حکیم صاحب موصوف عالم بھی تھے اور شیخ بھی اور سادات میں سے تھے ایک واسطے کے بعد انکا سلسلہ چلا سے حضرت حاجی صاحب مہاجر مکی قدس اللہ سرہٗ سے ملتا تھا یعنی حضرت حاجی صاحب

کے کوئی خلیفہ تھے مولانا بخاریؒ حکیم صاحب موصوف انھیں کے خلیفہ اور مجاز تھے
ہمارے ایک دوست بھائی انیس احمد پرفاصوی کہتے تھے کہ حکیم صاحب موصوف پہلے
حضرت مولانا شاہ محمد حسین صاحب الٰہ آبادیؒ خلیفہ حضرت حاجی صاحب نوراللہ مرقدہ سے
متعلق تھے ان کے وصال کے بعد حضرت بخاریؒ سے بعد میں بیعت فرمائی اور ان کے
مجاز ہوئے ۔ الٰہ آباد تو دوائر کا مجموعہ ہی ہے یہاں کے بارہ دائرے مشہور ہی تھے چنانچہ
آپ کا دائرہ بحمداللہ نہایت معتدل اور حق پرست اور حق پسند دائرہ تھا اسی لئے بہت
سے مسائل میں خصوصًا رمضان اور عید کے چاند کے مسئلہ میں حضرت حکیم صاحب موصوف
کی بھی تقریبًا وہی پوزیشن تھی جو آج ہماری خانقاہ شاہ وصی اللّٰہی کی ہے ۔ اسی لئے
حضرت والاؒ کو حکیم صاحبؒ سے بہت محبت تھی اور حکیم صاحب کو حضرت اقدسؒ سے
بیحد عقیدت تھی ۔ رسوم و بدعات کی تاریکی میں نہایت خاموشی اور گمنام مسلک کیساتھ
حکیم صاحب الٰہ آباد میں اپنا کام کر رہے تھے حضرت اقدس کی ملاقات کے بعد اہل الٰہ آباد
کو معلوم ہوا کہ حکیم صاحب تو پورے طور سے ہمارے ہم مسلک ہی نہیں بلکہ ہمارے ہم سلسلہ
بھی ہیں اس سے بہت مسرت ہوئی اور حکیم صاحب کے بہت سے لوگوں نے حکیم صاحب کی
وفات کے بعد حضرت اقدس سے عقیدت مندانہ تعلق باقی رکھا ۔

صحت کے بعد حضرت والاؒ وطن میں بدستور کام کرتے رہے یہاں تک کہ ہجرت کا واقعہ
پیش آگیا چنانچہ وطن سے ہجرت فرما کر گورکھپور میں مولوی نثار اللہ صاحب مرحوم کی کوٹھی میں
قیام فرمایا تو وہاں بھی صحت ہی رہی اور دینی اصلاح کا کام خوب شباب پر رہا ۔
لیکن تا کے اللہ تعالیٰ ہی کو منظور ہوا کہ خود حضرتؒ ہی کا شباب شیبہ سے بدل جائے
تو حضرت والاؒ ایک بار پھر بیمار ہوئے اور ایسے بیمار ہوئے کہ میں نے تو حضرت اقدس میں
کا ویسا بیمار ہونا نہ اس سے قبل کبھی دیکھا تھا نہ اسکے بعد کبھی ویسے بیمار ہوئے ۔ زکام
بخار تو عام مرض ہی ہے ابتداءً اسی کا حملہ ہوا پھر بخار کا سلسلہ طویل ہوا اور غالبًا کچھ
اسہال کی بھی تکلیف رہی ، غذا بھی تقریبًا بند سی ہو گئی ۔ اِدھر غذا بند اُدھر اسہال
اسکی وجہ سے کمزوری بڑھ گئی اور طبیعت نڈھال سی رہنے لگی ۔ اسباق و مجلس بند ہو گئی

اوقات مجلس میں تو لوگ اسی طرح سے آتے اور کبھی طبیعت بشاش ہوتی تو مصافحہ کرکے
ورنہ باہر ہی سے خیریت مزاج دریافت کرکے چلے جاتے۔ ادھر یہ ضعف بڑھتا ہی گیا اور
نقاہت تک کی نوبت آپہونچی۔ اسباق کے لئے حضرتؒ والا نے مکرمی مولانا عبدالوحید صاحب فتحپوری
کو (جو مدرسہ اسلامیہ فتحپور (ہسوہ) کے صدر مدرس اور حضرتؒ کے خادم تھے) بلوایا ان سے
فرمایا کہ بچوں کے سبق کا میری علالت کی وجہ سے حرج ہو رہا ہے اسباق کا نظام
آپ کے متعلق کرتا ہوں اور اثنا رقیام میں کبھی کبھی راقم الحروف کے واسطے سے (کہ میری
مولانا موصوف سے سابق سے بے تکلفی بھی تھی کیونکہ فتحپور تال نرجا کی حاضری سے قبل میں بھی
فتحپور (ہسوہ) ہی کے مدرسۂ اسلامیہ میں مدرس تھا اور حضرت مولانا شاہ ابرار الحق مدظلہ کے
مدرسہ اسلامیہ فتحپور سے تعلیمی تعلق منقطع فرما لینے پر والد صاحب مرحوم سے دیرینہ تعلقات
کی بنا پر مولانا عبدالوحید صاحب فتحپوری ہی نے مجھے سہارنپور سے یہاں مدرسی کیلئے
بلایا تھا اس لئے مولانا سے راقم کے بھی نیازمندانہ اور خادمانہ تعلقات پہلے سے تھے جبکی بنا پر
باہم بے تکلفی تھی چنانچہ میرے واسطے سے) مولانا موصوف کے پاس کہلا بھیجا کہ میں چاہتا ہوں
کہ آپ کچھ دنوں مستقل طور سے میرے پاس رہیں اس میں یہاں بچوں کا بھی نفع ہوگا کہ انکی تعلیم
کے جاری رہنے کی ایک سبیل نکل آئیگی اور انشاء اللہ طویل قیام وصحبت کیوجہ سے آپکو
بھی نفع ہوگا۔ رہا معاش کا مسئلہ تو جو خدمت آپکی مدرسہ کر رہا ہے وہ میں کر دیا کروں گا اگر آپ
اپنی جگہ وہاں کسیکو تجویز فرما سکتے ہوں تو انتظام کر دیجئے اور یہاں آجائیے۔ لیکن مولوی صاحب
موصوف اپنے بعض اعذار واقعیہ کی بنا پر فتحپور کے قیام کو ترک کرنے پر تیار نہ ہوئے
اس سے قبل وطن میں بھی حضرت نے اسی نوع کا خیال ظاہر فرمایا تھا تو مولوی صاحب موصوف
نے اپنی والدہ کی تنہائی اور انکے ضعف کا عذر فرما دیا تھا۔

سچ عرض کرتا ہوں مولانا موصوف کی اس قسمت پر رشک آتا تھا کہ یہاں طالب ہی
مطلوب نظر آتا تھا لیکن کسی وجہ سے بھی سہی اسکا موقع نہ ہوسکنے پر افسوس بھی ہوا اور
افسوس بھی اس پر کم ہوا کہ مولوی صاحب کچھ ہو جاتے بلکہ اس سے زیادہ اسکا ہوا کہ حضرت
اقدسؒ نے جو جواہر پارے بکھیرے تھے جسکا کچھ نمونہ آپ نے رسالہ کی اٹھارہ سالہ خدمات

خدمات میں ملاحظہ فرمایا ہے ان جواہرات کا شناسا اور قدردان صحیح معنی میں مولانا موصوف ہی ہوسکتے تھے ان کو جمع بھی فرماسکتے تھے اور تقسیم بھی فرماسکتے تھے، آخر علوم ظاہری میں حضرت مولانا علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کی "تقریر بخاری شریف" آپ نے لکھی ہی اور وہ ہند پاک ہر دو جگہ طبع ہوئی اور مقبول ہوئی۔ اسی طرح سے اگر حضرت مصلح الامتؒ جیسے شیخ کامل کو بھی ایسا ہی کوئی شاگرد رشید مل جاتا تو شاید آپ حضرات اب سے زیادہ لطف اندوز ہوتے، پس اس افسوس میں ان کے نفع سے زیادہ اپنی خودغرضی شامل تھی۔ بہرحال خدا کو جو منظور تھا وہ ہوا اب تو اسی پر راضی رہنا ہے اور قدر مقدور ہی پر قناعت کرنا ہے

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس کاہل اور جاہل اور ظلوم وجہول کے لئے جس سے علم اور مجاہدہ تو کچھ ہونے والا نہ تھا اللہ تعالیٰ نے یہ سبیل نکالدی کہ تو ہماری دعوت میں ہمارے مہمانوں کو کھانا کھلا اور سن! کھانا یہیں کھا کر جانا (یعنی حضرت اقدسؒ کے علوم ومعارف کے ضبط کرنے اور لوگوں کے لئے ان سے مستفید ہونیکا واسطہ بنایا اور انشاء اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں راقم کو بھی اسکی وجہ سے سرخروی فرمادیں گے) بہرحال یہ بھی تھا انکا کرم میں تو اس قابل نہ تھا۔

الغرض مولانا موصوف نے کچھ دنوں کے لئے اسباق جاری کردیئے جہانتک یاد پڑتا ہے کہ انکے مستقل شرکا، حضرت قاری محمد مبین صاحب مدظلہٗ۔ مولوی قمرالزمان صاحب مدظلہٗ، مولانا محمد حنیف صاحب۔ مولوی محمد یونس صاحب۔ مولوی منظورالوحید صاحب۔ مولوی انوارالغنی صاحب تھے ___ اور کبھی مولوی بشیرالدین صاحب یا مولانا عبدالحلیم صاحب وغیرہ بھی شریک ہو جاتے تھے۔ یہ تو زمانہ علالت کے اسباق کا حال تھا اور مجلس کا سلسلہ بھی اس طرح چلتا رہا کہ زمانۂ علالت میں بھی لوگ تو برابر آتے رہے اور کبھی کبھی یہ ہوتا کہ حضرتؒ کی طبیعت کچھ شگفتہ ہوتی تو دریافت فرماتے کہ باہر مجلس میں لوگ آتے ہیں؟ عرض کیا جاتا جی ہاں لوگ برابر آرہے ہیں اور خیریت مزاج والا دریافت کرکے چلے جاتے ہیں یہ سنکر کبھی تو یہ فرمادیتے کہ ہاں لوگوں سے کہو کہ میری صحت کیلئے دعا کریں ___ اور کبھی یہ فرماتے کہ جاکر لوگوں سے کہو کہ ___ تمھارا پیر بیمار ہوا اور تم ہی لوگوں کی وجہ سے بیمار ہو جاتے یہ کیسا ہے؟ مطلب یہ ہوتا تھا کہ میری اس علالت وضعف ونقاہت کا اصل سبب

آپ ہی لوگ ہیں۔ آپ کی بدحالی کا مسلسل تجربہ کرتے کرتے اور مشاہدہ کرتے کرتے دل ودماغ معطل ہوگیا ہے جسکی وجہ سے بیمار پڑگیا ہوں کچھ آپ لوگوں کو بھی اسکی غیرت ہے یا نہیں؟ غرض اسی قسم کی باتیں فرماتے کہ جسکا ایک جملہ ایک مجلس کا کام کرجاتا اور حساس طبیعتوں پر ایک تازیانہ ہی تو لگ جاتا تھا۔

لیکن اسباق کا یہ نظم زیادہ دنوں نہ چل سکا مولوی صاحب موصوف چند یوم بمشکل قیام کرسکے اور پھر اپنے مدرسہ نیز خانگی ضروریات سے مجبور ہوکر فتحپور (ہسوہ) واپس ہوگئے اسکے بعد غالباً کچھ دنوں کے لئے یہ سعادت مولانا عبدالحلیم صاحب مدظلہٗ کے حصہ میں آئی مگر انکا رشتہ بھی ایک دوسرے مدرسے سے جڑا ہوا تھا بالآخر وہ بھی تشریف لے گئے ادھر حضرت اقدس کی حالت روز بروز بگڑتی ہی گئی یہاں تک کہ کبھی کبھی دیر دیر تک غشی اور ظاہری غفلت سی طاری رہنے لگی ایسی حالت میں اگر سبق ہوتا بھی تو لوگ اسکے لئے ذہناً مستعد نہ تھے۔ حضرت والا کے گھر کے لوگ پریشان، مولوی نثار اللہ صاحب اور مولوی امجد اللہ صاحب پریشان، اہل مجلس پریشان، طبیب ڈاکٹر سب حیران کہ کوئی دوا کام نہیں کررہی ہے یہاں تک کہ ایک شب تو ایسا محسوس ہوا کہ شاید یہ حضرت کی زندگی کی اب آخری شب ہے۔ ڈاکٹر نے کہا کہ بدن میں پانی کا حصہ بالکل خشک اور ختم ہوچکا ہے اسلئے فوراً گلوکوز کے بوتل چڑھانے کی ضرورت ہے اسکے انتظام میں اندر باہر کچھ اسطرح سے بھاگ دوڑ ہوئی کہ عورتوں نے محسوس کیا کہ شاید حضرت والا کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہوگئی ہے یا خدانخواستہ حضرت پر نزع کا عالم طاری ہے کہ قاری صاحب وغیرہ اس قدر پریشان نظر آرہے ہیں۔ یہ خیال کرکے انھوں نے تو رونا دھونا شروع کردیا رونا سنکر رونا آتا ہی ہے انکو روتا دیکھکر مولوی امجد اللہ صاحب کے گھرانے کے لوگ بھی شریک ہوگئے غرض اندر ایک کہرام سا مچ گیا یہاں باہر کے لوگوں کو فرصت ہی نہیں تھی کہ اندر صحیح حال سے باخبر کریں اور کوئی جاکر کرتا بھی تو کیا کرتا۔ حضرت کے پاس ڈاکٹر گلوکوز چڑھانے کے لئے آیا اور سوئی چبھوئی تو رگ ہی نہ ملی ایک ہاتھ کو چھوڑ دوسرے میں چبھویا وہاں بھی نہ مل سکی۔ اسی طرح سے دونوں پیروں میں چبھویا وہاں بھی نہ مل سکی تو اس سے نروس (پریشان)

ورنا امید سا) ہو کر اسپتے ہاتھ کو اپنی پیشانی پر مار لیا جسکی وجہ سے دیکھنے والا ہر فرد بشر رو دیا لیکن شیخ سامنے تھا' بیہوش تھا تو کیا اسکا ادب اسکے سامنے سسک سسک کے رونے سے بھی مانع تھا۔ سب کے ہاتھ میں رومال اور آنکھ میں آنسو تھے۔ دل حق تعالے کی جانب راجع اور زبان پر یہ الفاظ جاری تھے کہ یا اللہ! رحم فرما۔ اے کریم! کرم فرما۔ یا اللہ! ہمارے شیخ کو صحت عطا فر۔ یا اللہ ہمیں اتنی جلدی روحانی یتیم نہ بنا۔ یا اللہ ہمارے حال پر رحم فرما۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ادعونی استجب لکم اور فمن یجیب المضطر اذا دعاہ کے فرمانے والے نے لوگوں کی اسوقت کی دعار کو کیسا کچھ سنا ہوگا۔ دعار قبول ہوگئی اور ڈاکٹر کا ہاتھ ایک رگ پر پڑ گیا' اس میں سوئی لگائی ٹیوب سے کنکشن قائم کرکے اسٹینڈ پر بوتل لٹکائی اور رات بھر کے لئے ایک کمپا ؤنڈر کو مقرر کرکے وہ تو چلا گیا۔ خدام والا نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ رات بھر چار چار آدمیوں کی جماعت کی جاگنے کی باری مقرر کی گئی اور صرف چار آدمیوں کی پہلی جماعت کمرہ میں باقی رہی اور بقیہ سب لوگ باہر جاکر دعار وتلاوت وغیرہ میں مشغول ہوگئے۔ اور چار کیا اندر باہر ملاکر تقریباً چالیس آدمی ساری رات جاگتے ہی رہے اور جہاں ایک بوتل ختم ہوگئی تو دوسری بوتل بدل دی گئی پھر دوسری کے بعد تیسری بدلی گئی' اور اب کسی کسی وقت حضرت والا سوتے سوتے ذرا زور کی سانس لے لیتے یا کبھی جس ہاتھ یا پیر میں سوئی لگی تھی اسکو حرکت دینے کی کوشش فرماتے لیکن مستعد خدام متعین تھے کام بگڑنے نہیں دیا یہاں تک کہ فجر کیوقت خود حضرت والا نے بھی آنکھ کھولدی اور یہ سارا منظر ملاحظہ فرماکر پھر آنکھ بند کرکے خاموش لیٹے رہے اس طور پر گویا خود ہی احتیاط کرنے میں شریک ہوگئے

الحمدللہ حاضرین کا اطمینان اور زیادہ ہوگیا۔ فجر کی نماز میں بھی بڑے ہی عاجزانہ طور سے حضرت کی صحت کے لئے اہتمام کیساتھ دعار ہوئی۔ اندر صاحبزادیوں کے پاس کہلا دیا گیا کہ الحمدللہ حضرت والا کی طبیعت اچھی ہے۔ ان سب نے بھی جس طرح آنسوؤں سے دعار کی تھی اسی طرح سے آنسوؤں ہی سے اللہ تعالیٰ کے اس انعام کا شکر ادا کیا فرق یہ تھا کہ پہلا آنسو گرم تھا اور یہ ٹھنڈا کہ وہ غم کے آنسو تھے اور یہ مسرت کے قطرات تھے جو آنکھوں سے نکل رہے تھے۔

حضرت مصلح الامۃ کی ایک عظیم الشان کرامت اور استقامۃ علی الدین کی حیرت انگیز مثال

دوسرے دن صبح کو جب ڈاکٹر صاحب تشریف لائے (غالباً یہ ڈاکٹر لہری تھے جو گورکھپور کے ایک مشہور اور مولوی امجد اللہ صاحب کے فیملی ڈاکٹر تھے) اور انھوں نے رات کی حالت کے برخلاف حضرت والا کو آنکھ کھولے ہوئے اور آہستہ آہستہ بات بھی کرتے ہوئے دیکھا تو مارے خوشی کے پھولے نہ سمائے اور اسی ترنگ میں آکر یہ جملہ کہا کہ کہئے مولانا صاحب کیسی طبیعت ہے؟ حضرت نے لطیف مسکراہٹ کے ساتھ آنکھوں اور اور ہاتھوں کے اشارہ سے فرمایا کہ الحمدللہ اچھی ہے اس پر بھلے مانس نے یہ کہدیا کہ — مولانا صاحب! آپ تو رات چلدئیے ہوتے میں نے آپ کو بچالیا — اب چاہے اس نے ازراہِ عجب یہ کہا ہو یا اپنی بدعقیدگی کے ماتحت ایسا کہدیا ہو یا یہ سمجھکر کہا ہو کہ یہ اس سے بہت خوش ہوں گے اور شاید مجھے انعام ہی مل جائے۔ بہرحال جیسے ہی اسکے منھ سے یہ الفاظ سنے حضرتؒ پر تو جو گذرنی تھی گذر گئی، چہرہ کا رنگ فوراً بدل گیا اسکی جانب سے منھ دوسری جانب پھیرلیا۔ اسکے بعد ڈاکٹر تو ادھر نسخہ لکھکر اور دوا کے استعمال کا طریقہ بتلاکر رخصت ہوا ادھر حضرت والا نے فوراً مولوی امجد اللہ صاحب کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ مولوی امجد اللہ! میں تمھارے اس ڈاکٹر کا علاج اب نہیں کرونگا سن لیا! - انھوں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا بس اب جاؤ کوئی اور انتظام علاج کا کرو ہم لوگوں نے ڈاکٹر کی وہ بات بھی سنی تھی اسلئے اس منع فرمانے کا منشاء تو سمجھ میں آ ہی گیا تھا لیکن دشواری یہ تھی کہ اب کیا کیا جائے؟ اگر ممانعت کے بعد اسکا علاج جاری رکھا جاتا ہے تو علم ہونے پر ہم لوگوں کا حشر کیا ہوگا اور علم کا ہو جانا بعید نہ تھا بوقت استعمال دریافت ہی فرمالیتے کہ کیسی دوا ہے؟ پھر کیا جواب ہوتا اگر کذب بیانی کیجاتی تو شیخ کے ساتھ معاملہ اور شیخ کی تعلیم نے اسکی اجازت نہیں دی پھر دوسرے کسی طبیب

کا علاج ہو تو کس کا ہو بہرحال یہ وہ دشواریاں تھیں جو متعلقین علاج کو اسوقت پیش آرہی تھیں اور اسی نسخہ کو دوسرے ڈاکٹر کے ہاتھ سے لکھوا کر دوا لاکر پلانے میں علاوہ کذب کے خداع کی صورت بھی تھی اسلئے حضرت کے معاملہ میں کسی کی ہمت نہ پڑی ۔ اگر کسی نے ان میں سے کسی بات کا مشورہ بھی دیا تو اور لوگ تیار نہ ہوئے ۔ بہرحال اس مدعی ڈاکٹر کا علاج تو ترک ہی کر دیا گیا اور پھر کسی دوسرے کا علاج کیا گیا اور شاید التباس سے بچنے کے لئے حضرت والا نے نوعیت علاج ہی بدل دی یعنی بجائے ایلو پیتھک کے یونانی یا ہومیو پیتھک علاج ہونے لگا اور اللہ تعالیٰ نے شفا دی اور واذا مرضت فھو یشفین کا عقیدہ عین الیقین بنکر ہم سبکے سامنے آگیا کہ بیمار کرنا اور شفاء دینا شافی مطلق ہی کے ہاتھ میں ہے دوا علاج تو واسطہ محض ہیں ۔ حضرت اقدسؒ نے طے فرمالیا تھا کہ ایسے مدعی مشرک کا علاج کرنے سے مرجانا بہتر ہے تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس کا صلہ بصورت صحت عطا فرمایا ۔ سچ ہے ؂

تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں می دہد یزداں مراد متقیں

(راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت اقدس نے اس موقع پر جس توکل اور تفویض اخلاص اور اپنی دینی غیرت کا ثبوت دیا وہ تو حضرت ہی کا حصہ تھا اللہ تعالیٰ حضرت کی برکت سے ہم خدام کے قلب کو بھی اپنی محبت سے بھر دے اور ہمکو صدق توکل کی دولت سے نوازے اور دینی و ایمانی غیرت سے ہمارے قلوب کو بھر دے بلا شبہ کسی بزرگ کے کمالات باطنی کے ظہور کے یہی مواقع ہوتے ہیں اور کسی اللہ والے کے دینی استقامت کے یہی نمونہ ہوا کرتے ہیں ۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ جسے مشہور فرماتے ہیں اور جسکو اپنا مقرب خاص بناتے ہیں وہ یونہی نہیں بناتے بلکہ اسکی جانب سے بھی کوئی معاملہ دیکھتے ہیں تب اسے مقبول فرماتے ہیں)

حضرتؒ والا نے ہر طرح قولاً فعلاً اور حالاً اپنے لوگوں کو نفاق سے بچا کر اخلاص تک پہونچانا چاہا اور رسم سے نکالکر حقیقت تک لیجانا چاہا ۔ شہرت سے نکالکر کام پر لگانا چاہا لیکن جنھیں سیکھنا تھا انھوں نے سیکھا اور جنھیں نہ سیکھنا تھا نہ سیکھا

۵۶۔ قلت و کثرت کی جنگ عظیم

غزوہ موتہ میں حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کا خطبہ

ملک شام کے مضافات شہر بلقا میں بیت المقدس سے تقریباً دو منزل کے فاصلہ پر ایک مقام موتہ کے نام سے موسوم ہے اہل روم اور مسلمانوں کی سب سے پہلی جنگ عہد نبوت میں اس جگہ واقع ہوئی ہے اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تین ہزار مسلمانوں کا لشکر زیر قیادت حضرت زید بن حارثہؓ روانہ فرمایا تھا۔ یہ خدائی لشکر جب ارض معاون پر پہونچا تو معلوم ہوا کہ ہرقل بادشاہ روم ایک لاکھ مسلح فوج لیکر میدان میں اترا ہے۔ اور اس پر مزید یہ ہوا کہ قبائل لخم وجذام وغیرہ کی مجموعی طاقتیں اپنی ایک لاکھ جمعیت کے ساتھ اسکی کمک کے لئے پہونچ گئیں۔ اب گویا تین ہزار بے سامان مسلمانوں کا مقابلہ دو لاکھ مسلح فوج کے ساتھ پڑ گیا۔ اسوقت مسلمان اس فکر میں پڑے کہ کیا کرنا چاہیئے بعض کی رائے ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قاصد بھیجکر اطلاع دیں کہ یا تو ہمارے لئے ایک اور کمک بھیجی جاوے یا جو ارشاد ہو اس پر عمل کیا جاوے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ بھی شریک لشکر تھے مسلمانوں کی سراسیگی دیکھکر کھڑے ہوگئے اور ذیل کا مختصر خطبہ دیا جس میں واضح کردیا کہ اسلامی جہاد اور ملکی لڑائیوں میں آسمان و زمین کا فرق ہے مسلمان کبھی کثرت اور سامان کا بھروسہ نہیں کرتے ہم اس خطبہ کے اصل عربی الفاظ مع ترجمہ نقل کرتے ہیں۔

یا قوم واللہ ان الذی تکرھون للتی خرجتم لھا تطلبون الشھادۃ وما نقاتل الناس بعدۃ ولا قوۃ ولا کثرۃ وما نقاتلھم الا بھذا	اے میری قوم واللہ تم جس چیز کو اسوقت ناگوار سمجھ رہے ہو وہی تو وہ چیز ہے جس کی طلب میں تم گھر سے نکلے تھے یعنی شہادت۔ اور ہم تو کسی وقت بھی ساز و سامان یا قوت

الدین الذی اکرمنا اللہ تعالیٰ به فانطلقوا وانما هی احدی الحسنیین اما ظهروا واما شهادة (عیون الاثر لابن سید الناس ج۲ ص۱۵۳) یا کثرت کے بھروسہ پر دنیا سے نہیں لڑتے بلکہ محض اس دین کے بھروسہ پر لڑتے ہیں جس کے ذریعہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے۔ اگے بڑھو دو بھلائیوں میں سے ایک تو ایک ضرور ہے یا فتح یا شہادت۔

اس خطبہ نے مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونک دی اور بھولا ہوا سبق یاد دلا دیا اور یہ تین ہزار کا دستہ دو لاکھ رومی فوج پر ٹوٹ پڑا اور انجام وہ ہوا جو دنیا نے دیکھ لیا آج ہمارے روشن خیال حضرات کو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ دین و متانت اور اتباع شریعت کو جنگ و جہاد اور سیاست و سیاسیات میں کیا دخل ہے لیکن جو حضرات اسلام میں سب سے پہلے اس میدان میں اترے اور جو اسلامی سیاست کے معلم اول تھے اور جنھوں نے مہینوں اور ہفتوں میں دنیا کا جغرافیہ بدل ڈالا اس حقیقت سے اپنے تجربہ کی بنا پر واقف تھے اور اسی کی تبلیغ فرماتے تھے

کاش آج بھی مسلمان بیدار ہوں اور انگریزوں و ہندوؤں کی بیہودہ سیاست کا ہار گلے سے اتار کر خالص اسلامی سیاست پر نظر ڈالیں اور ان ماہرین سیاست کے نقش قدم پر چلیں جنکی کامیاب سیاست کا لوہا آج بھی مشرق و مغرب۔ یورپ و ایشیا میں مانا ہوا ہے

۵۔ حضرت فضالہ کا اسلام، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ایک دن میں اخلاقی کایا پلٹ

فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طواف میں مشغول تھے فضالہ ابن عمیر لوح اس قصد سے طواف میں داخل ہوئے کہ اچانک فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے دلی خیال کا انکشاف ہو گیا۔ جب طواف کرتے فضالہ آپؐ کے قریب آئے آپؐ نے فرمایا تمھارا نام فضالہ ہے عرض کیا بیشک یا رسول اللہ میرا ہی نام فضالہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم دل میں کیا سوچ رہے ہو؟ فضالہ نے بات ٹالنے کیلئے کہا کچھ نہیں میں تو ذکر اللہ میں مشغول تھا آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کریمانہ اخلاق سے ان کے دلی راز کا افشا نہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ خدا تعالےٰ سے استغفار کرو اور اسکے ساتھ ہی اپنا دست مبارک فضالہ کے سینہ پر رکھدیا۔ فضالہؓ کہتے ہیں کہ "واللہ آپؐ نے جس وقت اپنا دستِ مبارک میرے سینے سے اٹھایا تو دنیا کی کوئی چیز میرے قلب میں آپؐ سے زیادہ محبوب نہ تھی" — فوراً مشرف بہ اسلام ہوئے اور وہی فضالہ جو قتل رسول کے مجرم بننے کیلئے حرم میں داخل ہوگئے تھے، اسیر حُبّ رسول ہوکر واپس ہوتے ہیں، اور صرف اسی ایک زیارت کا وہ گہرا رنگ لیکر جاتے ہیں کہ جاہلیت وکفر کے تمام اخلاق وعادات ایک دم چھوٹ جاتے ہیں۔

اپنے گھر واپس آئے تو یہاں ایک عورت سے انکی شناسائی اور تعلق تھا جس کے پاس جایا کرتے تھے وہ مل گئی اس نے کچھ باتیں کرنا چاہیں اسوقت فضالہؓ (صبغۃ اللہ) کے گہرے رنگ میں رنگے جاچکے تھے اور قدیم پرانی محبت، تقاضائے نفسانی سب ایک نبی کے قدموں پر نثار کرآئے تھے، فوراً اسکے جواب میں یہ اشعار پڑھے

قَالَتْ هَلُمَّ اِلَى الْحَدِيْثِ فَقُلْتُ لَا ‏ يَابٰى عَلَيْكِ اللهُ وَالْاِسْلَامُ

(محبوبہ نے کہا کہ آؤ بات چیت کریں۔ میں نے کہا ہرگز نہیں اللہ اور اسلام اس سے منع کرتا ہے)

لَوْمَا رَاَيْتِ مُحَمَّدًا وَ قَبِيْلَهٗ ‏ بِالْفَتْحِ يَوْمَ تَكَسَّرُ الْاَصْنَامُ

(اگر تم فتح مکہ کے دن محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے قبیلہ کو دیکھتیں جبکہ بت توڑے جارہے تھے)

لَرَاَيْتِ دِيْنَ اللهِ اَضْحٰى بَيِّنًا ‏ وَالشِّرْكُ يَغْشٰى وَجْهَهُ الْاَظْلَامُ

(تو کھلی آنکھوں دیکھ لیتیں کہ اللہ کا دین واضح ہوگیا اور کفر و شرک کے چہرے پر سیاہی چھاگئی)

اللہ اللہ کیا نظر فیض اثر تھی کہ جو کام عمر بھر کی ریاضت و مجاہدے سے حاصل نہیں ہوسکتا وہ ایک نظر میں ہوگیا ؎

دل میں سماگئی ہیں قیامت کی شوخیاں ‏ دو چار دن رہے تھے کسی کی نگاہ میں

لہ ۔ عیون الاثر لابن سید الناس ص۱۶۳ جلد ۲۔

۸۵- دربار نبوت کی حاضری کا ایک عجیب واقعہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ بعد الوفات

یہ واقعہ جو نقل کیا جاتا ہے کوئی خواب یا افسانہ نہیں صحیح اور سچا واقعہ ہے جو محدثانہ اسناد صحیح کیساتھ نقل کیا گیا ہے۔ نویں صدی ہجری کے مشہور ومعروف علامہ عبدالعزیز مکی اپنے رسالہ (فیض الجود علی حدیث شیبتنی ہود) میں عارف باللہ سیدی عبداللہ ابن سعد یافعی کی کتاب نشر المحاسن کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں اور حضرت یافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ مجھے صحیح اسناد کے ساتھ پہونچا ہے اور اس زمانہ میں بہت مشہور ہوا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ عارف باللہ شیخ ابن الزعب یمنی رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ ہمیشہ اپنے وطن سے سفر کرکے اول حج ادا کرتے پھر زیارت رسول اللہ کیلئے حاضر ہوتے حاضری دربار کے وقت والہانہ اشعار قصیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے مصاحبین حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی شان میں لکھکر روضۂ اقدس کے سامنے پڑھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حسب عادت وہ قصیدہ پڑھکر فارغ ہوئے تو ایک رافضی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ آج میری دعوت قبول کیجئے حضرت شیخ نے از روئے تواضع اور اتباع سنت دعوت قبول فرمائی۔ آپ کو اسکا حال معلوم نہ تھا کہ یہ رافضی ہے اور صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی مدح کرنے سے ناراض ہے آپ حسب وعدہ اسکے مکان پر تشریف لے گئے، مکان میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنے دو حبشی غلاموں کو اشارہ کیا جنکو پہلے سمجھا رکھا تھا وہ دونوں اس ولی اللہ کو لپٹ گئے اور آپ کی زبان مبارک کاٹ ڈالی اسکے بعد اس کمبخت رافضی نے کہا کہ جاؤ یہ زبان ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہم) کے پاس لیجاؤ جنکی تم مدح کیا کرتے ہو وہ اسکو جوڑ دیں گے۔

شیخ موصوف کٹی ہوئی زبان ہاتھ میں لئے روضۂ اقدس کی طرف دوڑے اور وجہ مبارک کے سامنے کھڑے ہوکر اپنا واقعہ ذکر کیا اور روئے جب رات ہوئی تو خواب میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

آپؐ کے ساتھ آپ کے صاحبین حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم بھی اس واقعہ سے غمگین صورت میں تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شیخ کے ہاتھ سے کٹی ہوئی زبان اپنے دست مبارک میں لی اور شیخ کو قریب کرکے زبان انکے منہ میں اپنی جگہ پر رکھدی۔ یہ خواب دیکھکر شیخ بیدار ہوئے تو دیکھتے ہیں کہ زبان بالکل صحیح و سالم اپنی جگہ پر لگی ہوئی ہے دربار نبوت کا یہ کھلا ہوا معجزہ دیکھکر اپنے وطن واپس آگئے۔

سال آئندہ پھر حج کے بعد مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور حسب قاعدہ قصیدہ مدحیہ روضۂ اقدس کے سامنے پڑھکر فارغ ہوئے تو پھر ایک شخص نے دعوت کیلئے درخواست کی۔ شیخ نے پھر توکلاً علی اللہ قبول فرمائی اور اسکے ساتھ مکان میں داخل ہوئے تو وہی پہلے دیکھا ہوا مکان معلوم ہوا۔ خداوند تعالیٰ کے بھروسہ پر داخل ہوئے اس شخص نے نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ بٹھایا اور تکلف کے کھانے کھلائے کھانے کے بعد یہ شخص شیخ کو ایک کوٹھری میں لے گیا وہاں دیکھا کہ ایک بندر بیٹھا ہوا ہے اس شخص نے شیخ سے کہا کہ آپ جانتے ہیں یہ بندر کون ہے؟ فرمایا نہیں اس شخص نے عرض کیا کہ یہ وہی شخص ہے جس نے آپ کی زبان قطع کی تھی حق تعالیٰ نے اسکو بندر کی صورت میں مسخ کردیا ہے، یہ میرا باپ ہے اور میں اسکا بیٹا ہوں۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات باہرہ کے سامنے یہ کوئی بڑی چیز نہیں لیکن اس سے یہ امر اور ثابت ہوا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح روضۂ اقدس میں زندہ تشریف فرما ہیں اسی طرح آپ کے معجزات کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ اس قسم کے واقعات ایک دو نہیں سیکڑوں کی تعداد میں امت کے ہر طبقہ کو پیش آتے رہتے ہیں۔

ایک اور واقعہ عجیبہ

ابوعبداللہ الجلاء رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سال میں بہت مفلس فاقہ زدہ تھا اتفاقاً مدینہ طیبہ کی حاضری نصیب ہوئی میں روضۂ اقدس کے سامنے

حاضر ہوا سلام کے بعد میں نے عرض کیا کہ میں فاقہ رسیدہ ہوں اور آج آپ کا
مہمان ہوں۔ وہاں سے فارغ ہو کر آیا تو رات کو سو گیا خواب میں جمالِ مبارکؐ کی زیارت
سے مشرف ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے مجھے
روٹی عطا فرمائی میں نے خواب ہی میں کھانا شروع کر دیا کچھ حصہ کھایا تھا کہ آنکھ کھل گئی
دیکھتا ہوں کہ بچی ہوئی روٹی میرے ہاتھ میں ہے۔ (فیض الجود مذکور ص۲۹)

۶۰۔ امیر المومنین ولید بن عبدالملک کے دربار میں جھوٹی خوشامد کی سزا

ولید بن عبدالملک کے عہد حکومت میں ایک شخص نے انکی خوشامد کیلئے ایک موضوع حدیث
گھڑی اور موضوع سند کے ساتھ انکے سامنے پیش کی جسکا مضمون یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ جب
کسی بندہ کو خلیفہ اور امیر المومنین بناتے ہیں تو اسکی حسنات لکھی جاتی ہیں اور سیئات
نہیں لکھی جاتیں"

ولید بن عبدالملک نہ کوئی ولی تھے نہ متقی نہ صلحاء و اتقیاء کے طبقہ میں انکا
شمار ہوتا ہے مگر عہد نبوت کی قربت کی برکت کا اثر سب میں تھا۔ یہ حدیث سنی تو
فوراً کہا کہ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ یہ حدیث نہیں ہو سکتی کیونکہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے

يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ	اے داؤد (علیہ السلام) ہم نے آپکو زمین کا خلیفہ بنایا ہے سو آپ لوگوں میں جنکا فیصلہ کریں حق کے ساتھ کریں اور خواہشات کا اتباع نہ کریں کہ اتباع ہوئی آپ کو اللہ کے راستہ سے گمراہ کر دیگا۔ بیشک جو لوگ اللہ کے راستہ سے گمراہ ہوتے ہیں ان کیلئے سخت عذاب ہے اسلئے کہ وہ بھول گئے دن حساب کو۔

اس آیت میں حضرت داؤد علیہ السلام جیسے اولوالعزم نبی کو خلیفہ بنانے کے ساتھ
یہ ارشاد ہے کہ اگر (بالفرض) خلافِ حق فیصلہ کریں گے تو عذاب شدید کے مستوجب ہونگے
پھر کسی دوسرے انسان کا کیا پوچھنا (فتح الباری بتوضیح ص۹۰ جلد ۱۳)

الغرض ولید بن عبد الملک نے سمجھ لیا کہ یہ روایت اس نے محض میری خوشامد کیلئے گھڑی ہے تو بجائے خوش ہونے کے اسکے خلاف کیا اور یہ شخص جو دین کو دنیا کے بدلے بیچنا چاہتا تھا دنیا میں بھی خائب و خاسر رہ گیا۔ نعوذ باللہ منہ۔
تنبیہ: اس واقعہ سے اس ارشاد کی تصدیق ہوئی جو حضرت صدیقہؓ نے حضرت معاویہؓ کے ایک خط کے جواب میں لکھا تھا کہ جو شخص کسی مخلوق کو راضی کرنے کے لئے خالق کو ناراض کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس شخص کو ایذا و تکلیف دینے کے لئے اسی مخلوق کو اس پر مسلط فرما دیتے ہیں (اخرجہ الترمذی)

۶۱۔ اللہ والوں کی موت

حضرت ربعی بن حراش تابعیؒ کے بھائی کا عجیب و غریب واقعہ

حضرت ممدوح بھی طبقہ تابعین میں سے ہیں آپ کے ایک بھائی (جنکا نام ذکر نہیں کیا گیا) بڑے عابد تھے ربعی بن حراش فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں کسی ضرورت سے شہر سے باہر گیا تھا وہاں سے واپس آیا تو میری بیوی نے کہا کہ اپنے بھائی کی خبر لو انکا آخری وقت ہے میں فوراً اپنے گھر سے نکلا اور دوڑتا ہوا بھائی کے مکان پر آیا یہاں پہونچا تو معلوم ہوا کہ یہ مسافر آخرت پہلی منزل سے گذر چکا ہے حسب دستور گھر والوں نے انکی لاش پر چادر ڈالدی تھی میں انکے سرہانے بیٹھکر رونے لگا انھوں نے دفعۃً چادر کے اندر سے ہاتھ نکالا اور چادر چہرہ سے ہٹا دی اور کہا السلام علیکم۔ میں نے حیرت سے کہا بھائی موت کے بعد یہ زندگی کیسی؟ فرمایا ایسا بھی ہوتا ہے۔ میں نے اپنے پروردگار کی زیارت کی اس نے بڑی رحمت اور عظیم الشان نعمتوں سے میرا استقبال فرمایا اور مجھے جنت کے سبز ریشمی کپڑے پہنائے۔ پھر تین مرتبہ فرمایا کہ میں نے آخرت کے معاملہ کو اس سے کہیں آسان پایا جیسا تم لوگ سمجھتے ہو اور پھر تین مرتبہ فرمایا فاعملوا ولا تغتروا (یعنی عمل کرتے رہو اور دھوکہ نہ کھاؤ) پھر فرمایا کہ میں نے

سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی آپ نے قسم کھائی کہ اسوقت تک نہ جائیں گے
جب تک کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہو جاؤں اسلئے آپ لوگوں کو چاہیئے کہ میری تجہیز
بہت ہی جلد کردیں۔ یہ تمام گفتگو کرنے کے بعد فوراً پھر موت طاری ہوگئی۔
(صفوۃ الصفوۃ لابن الجوزی ص۱۹ ج۳)

۶۲۔ ربعی بن حراش کا صدق اور اسکی برکات

حضرت ربعی بن حراش جن کا ذکر ابھی گذرا ہے بچپن سے صدق وصفائی میں مشہور تھے تمام عمر کوئی جھوٹ آپ کی زبان پر نہیں آیا۔

ایک مرتبہ ایک عجیب اتفاق پیش آیا کہ ان کے دو صاحبزادے حجاج بن یوسف کے (جو امت کا سب سے زیادہ ظالم مشہور ہے) معتوب تھے اور اس کی ظالمانہ سختیوں سے واقف تھے اسلئے روپوش ہوکر دن گذار رہے تھے۔ حجاج کو کسی نے بتلایا کہ ان کے والد کبھی جھوٹ نہیں بولتے انہی سے ان لڑکوں کا پتہ دریافت کرو چنانچہ آپ کی خدمت میں فوراً آدمی بھیجکر دریافت کیا۔ آپ نے بے تامل فرمادیا کہ دونوں گھر کے اندر ہیں۔

اولاد کی جان جاتی ہے اور والد شفیق ایک کلمہ خلاف واقع فرمادینا گوارا نہیں کرتے۔ اس موقع میں سچ پر قائم رہنا کوئی معمولی کام نہ تھا لیکن سچائی کو بھی حق تعالےٰ نے وہ برکات عطا فرمائی ہیں کہ آخرت سے پہلے دنیا ہی میں اسکے آثار وبرکات کا ظہور ہو جاتا ہے۔

حضرت ربعی بن حراشؒ کی اس حیرت انگیز راست گوئی سے حجاج بن یوسف جیسا سخت دل بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور کہا کہ ہم نے آپ کی سچائی کی وجہ سے ان دونوں کا جرم معاف کردیا۔

(صفوۃ الصفوۃ ص۱۹ ج۳)

اور وہ تثبیت جو کہ قبر میں ہوگی وہ بھی تین طرح پر ہوگی ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسے صحیح جواب کی تلقین کیجائے گی چنانچہ وہ خدا کی مرضی کے مطابق جواب دے گا دوسرے یہ کہ اسکے قلب سے خوف و وحشت اور ہیبت ختم کردی جائیگی (لہٰذا وہ نڈر ہوکر اطمینان کے ساتھ جواب دیگا) تیسرے یہ کہ اسکو وہیں سے اسکا جنت کا ٹھکانا دکھا دیا جائے گا (جسکی وجہ سے قبر بھی گویا روضۃ من ریاض الجنۃ جنت کا ایک حصہ ہی ہوجائیگی اسی طرح سے وہ تثبت جو محشر میں بوقت حساب ہوگی وہ بھی تین طور سے ہوگی۔ ایک یہ کہ جو سوال اس سے کیا جائے گا اسکا جواب بھی خدا تعالیٰ کی جانب سے القا ہوجائیگا دوسرے یہ کہ حساب میں نرمی اور آسانی کیجائیگی۔ تیسرے یہ کہ اسکی لغزش اور خطایا کو درگذر فرما دیا جائے گا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ تثبت تین نہیں بلکہ چار مقامات پر ہوگی ایک تو موت کے وقت۔ دوسرے قبر میں چنانچہ وہ بے خوف ہوکر جواب دے سکیگا۔ تیسرے قیامت میں حساب کے وقت اور چوتھے پل صراط سے گذرتے وقت چنانچہ اسکی وجہ سے مومن اس پر سے ایسی تیزی سے گذر جائیگا جیسے بجلی کوند جاتی ہے

قبر کے سوال وجواب پر شبہ اور اسکا جواب

(فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں کہ) اگر کوئی شخص یہ کہے کہ قبر میں سوال کس طرح ہوگا تو اسکا ایک اصولی جواب تو یہ ہے کہ علماء اسلام نے یہ بیان فرمایا ہے باقی اسکی تفصیل میں ان میں اختلاف ہوا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ سوال صرف روح سے ہوگا جسم سے نہیں اس صورت میں روح صرف اسکے سینہ اور قلب میں داخل کیجائیگی۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ نہیں بلکہ روح اس کے بدن میں مونڈھوں تک ڈالدی جائیگی۔ اور ان اقوال میں سے ہر قول مؤید بالآثار اور اہل حق کے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ انسان قبر کے سوال کا تو قائل اور معتقد ہو (حدیث میں آتا ہے والسؤال حق) باقی اسکی کیفیت کیا ہوگی اسکے چکر میں نہ پڑے

بلکہ یوں کہہ دے کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اسکی کیفیت کیا ہوگی؟ (جو بھی کیفیت ہو ہمارا دنیا میں اسپر ایمان ہے) اور آخرت میں جب اسکا مشاہدہ کرلیں گے تو معلوم ہی ہو جائے گا۔ اب اگر کوئی شخص منکر و نکیر کے سوال ہی کا منکر ہے تو اسکا یہ انکار دو طرح کا ہو سکتا ہے۔ یا تو وہ اسکا قائل ہوگا کہ ایسا عقلاً ناممکن ہے ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ عام طور سے طبعی حالات کے خلاف ہے یا اسکا قائل ہوگا خیر ایسا ہو تو سکتا ہے کوئی محال بات نہیں ہے مگر یہ کہ ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ اگر وہ پہلی بات کا قائل ہے کہ ناممکن ہے تو اسکے اس عقیدے کی شاخیں دور تک پھیلی ہوئی ملیں گی۔ سلسلۂ نبوت معطل قرار پا جائے گا اور تمامی معجزات کا یکسر انکار کرنا پڑے گا کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام انسان اور بشر ہی تھے اور انکی طبائع بھی بالکل ویسی ہی تھیں جیسی دوسرے عام انسانوں کی ہوا کرتی ہیں حالانکہ انھوں نے فرشتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا (جبکہ دوسروں نے نہیں دیکھا) ان پر وحی نازل ہوئی۔ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے لئے دریائے نیل میں راستہ بنا۔ ان کے عصا نے اژدھا سانپ کی صورت اختیار کی یہ سب امور کیا طبعیات کے موافق ہیں (پھر چاہیئے تو یہ کہ خلاف طبعیۃ ہونے کیوجہ سے سب ہی کا انکار کر دیا جائے) لہٰذا سمجھ لو کہ جو شخص اس معنی کر منکر و نکیر کے سوال فی القبر کا منکر ہوگا (کہ یہ خلافِ طبعیۃ اور مخالفِ عقل ہے اسلئے ناممکن ہے) تو وہ اسلام سے بالکل خارج ہو جائے گا۔ اور اگر اسکی مراد یہ ہے کہ ہاں ممکن تو ہے لیکن ثابت نہیں ہے تو ہم نے اپنے سابق بیان میں اتنی روایات بیان کردی ہیں جنھیں ایک سننے والے کے لئے قناعت کا پورا سامان موجود ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں بھی اسپر دلیل موجود ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى یعنی جو شخص میرے ذکر سے اعراض کرے گا اسکے لئے تنگ معیشت ہوگی اور اسکو ہم بروز قیامت اندھا اٹھائیں گے۔ مفسرین کی ایک جماعت اسطرف گئی ہے کہ معیشت ضنک سے مراد قبر میں منکر و نکیر کا سوال ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ یعنی اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھتے ہیں ان لوگوں کو جو ایمان والے ہیں قول ثابت کے ذریعہ سے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔

حضرت فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ اپنی سند کے ساتھ حضرت سعید بن المسیبؓ سے اور وہ حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب مومن قبر میں داخل ہوتا ہے تو اسکے پاس دو مفتون کر دینے والے فرشتے آتے ہیں اسکو اسکی قبر میں بٹھاتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں اور یہ مردہ دفن کرکے جانیوالوں کے پیر کی آواز بھی سنتا رہتا ہے۔ وہ سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے اور تمھارے نبی کون ہیں؟ وہ اسکے جواب میں کہتا ہے کہ اللہ میرا رب ہے۔ میرا دین اسلام ہے اور ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ جواب سنکر وہ دونوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ تجھے ثبات عطا فرمائے اچھا خوب آرام کے ساتھ اب سو رہو۔ یہی معنی ہیں اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد کے کہ یثبت اللّٰہ الذین اٰمنوا بالقولِ الثابت فی الحیاۃ الدنیا و فی الاخرۃ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ انکو کلمۂ حق پر ثبات و دوام عطا فرمائیگا۔ اور ظالمین یعنی کافرین کو ہدایت نہ دے گا یعنی انھیں قول حق کی توفیق نہ دے گا چنانچہ جب کوئی کافر یا منافق قبر میں جاتا ہے تو وہ دونوں فرشتے اس سے بھی یہی سوالات کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور تیرا نبی کون ہیں؟ وہ جواب میں کہتا ہے کہ مجھے کچھ خبر نہیں۔ وہ فرشتے کہتے ہیں خدا کرے تو کبھی واقف نہ ہو اور اسکے بعد اسکو ہتھوڑے سے مارتے ہیں اور اسکی آواز کو سب سنتے ہیں سوا جن و انس کے

حضرت ابو حازمؒ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں انھوں نے کہا کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اے عمر تمھارا کیا حال ہوگا جبکہ تمھارے پاس دو مفتون کر دینے والے فرشتے آئیں گے جنکا نام منکر و نکیر ہوگا (نہایت ہی ڈراؤنے اور نہایت وحشتناک جنکو دیکھکر انسان فتنہ میں پڑ جائے گا) سیاہ رنگ کے ہوں گے

آنکھیں نیلگوں ہونگی۔ اپنے سامنے کے بڑے بڑے دانتوں سے زمین کریدتے ہوں گے اور ان کے لمبے لمبے بال ہونگے جو زمین تک لٹکے ہونے کی وجہ سے انکے قدموں سے ٹکراتے ہوں گے۔ انکی آواز جیسے بجلی کی کڑاک، انکی آنکھوں کی چمک جیسے بجلی کی چمک ہوتی ہے (ایسے وحشتناک منظر میں انھیں دیکھکر تم لوگوں کا کیا حال ہوگا؟) حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا ہمارے اندر ویسی ہی عقل ہوگی جیسی آج یہاں دنیا میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں ہاں عقل تو ہوگی۔ عرض کیا کہ بس پھر کیا ہے انشاء اللہ ہم ان دونوں سے نپٹ لیں گے۔ یہ جواب سنکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمر موفق ہیں یعنی خدا کی جانب سے صحیح بات انکے قلب میں ڈالی گئی ہے۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ یہ گفتگو تو حضرت عمرؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اور راوی ابن عمرؓ ہیں تو شاید سہواً یہاں اتنا رہ گیا ہو کہ "ابن عمرؓ نے حضرت عمرؓ سے نقل کیا کہ انھوں نے فرمایا کہ آپؐ نے فرمایا کہ" اے عمر! کیا حال ہوگا الخ واللہ اعلم)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر میت کے لئے (بوقت مرگ) ایک شور ہوتا ہے جس کو پاس والا ہر جاندار سنتا ہے سوا انسان کے اگر انسان اسے سن لے تو بیہوش ہو جائے۔ اور یہ فرمایا کہ جب میت کو لوگ قبرستان کی طرف لیجاتے ہیں تو اگر وہ ایمان والا اور صالح ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ مجھے جلدی لے چلو، جلدی لے چلو، اگر تم اس راحت و آرام کو جانتے ہوتے جو مجھے ملنے والا ہے تو تم مجھے اس سے منع کرنا پسند نکرتے۔ اور اگر غیر صالح ہوا تو وہ کہتا ہے کہ ارے مجھے اتنی جلدی جلدی کیوں لئے جا رہے ہو اگر تم لوگوں کو معلوم ہوتا کہ تم مجھے کہاں لئے جا رہے ہو تو شاید اسقدر جلدی نکرتے (مجھ پر رحم کرتے ہوئے)۔

چنانچہ جب اس مومن صالح کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو اسکے پاس دو فرشتے سیاہ رنگ کے نیلگوں آنکھوں والے سرھانے کیجانب سے آتے ہیں تو اسکی نماز آڑے آتی ہے اور کہتی ہے کہ ادھر سے تو میں نہ جانے دوں گی کیونکہ اس نے

بہت سی راتیں شب بیداری کے ساتھ گذاری ہیں محض اس دن کا خوف کر کے۔ یہ سنکر وہ اسکی پائنتی سے آنا چاہیں گے وہاں اسکے والدین موجود ہوں گے وہ کہیں گے ہم ادہر سے نہ جانے دیں گے میرا یہ بچہ دنیا میں ہماری خدمت کیا کرتا تھا۔ پہروں ہمارے پاس کھڑا رہتا تھا محض اسی دن کا خوف کرتے ہوئے۔ چنانچہ پھر وہ اسکے داہنی جانب سے آنا چاہیں گے وہاں اسکا صدقہ اور خیرات جو اس نے زندگی میں خدا کے لئے اور اس وقت سے ڈر کر کیا ہوگا آموجود ہوگا اور کہے گا نہ ہم ادہر سے نہ جانے دیں گے۔ چنانچہ وہ فرشتے پھر اسکے بائیں جانب سے اسکے پاس جانا چاہیں گے وہاں اسکا روزہ موجود ہوگا وہ روکے گا کہ واہ خوب اس غریب نے زندگی میں اپنے کو بھوکا پیاسا اسی دن کا خوف کر کے رکھا تھا اور پھر یہ مصیبت آج اسکے سر باقی ہی رہی۔ میں ادھر سے تم کو نہ آنے دونگا۔

پھر اس سے کہا جائے گا کہ ان بزرگ کو بھی تم جانتے ہو جنکی یہ تعلیمات تھیں تمہارا ان سے بھی کچھ تعلق رہا ہے؟ وہ کہے گا کہ میں سمجھا نہیں کہ تم کس کے بارے میں دریافت کرنا چاہتے ہو؟ کہا جائیگا اجی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مراد ہیں آپ کے متعلق کہتا ہوں کہ تمہارا کچھ ان سے بھی ربط و تعلق دنیا میں رہا ہے؟ وہ کہیگا کہ ارے آپ ہی تو ہمارے پیشوا اور رہنما و رہبر ہوئے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ وہ لوگ کہیں گے بس بس معلوم ہو گیا تم مومن ہو مومن ہی رہے اور مومن ہی مرے۔ پھر اسکی قبر میں وسعت کر دیجاتی ہے اور خدا تعالیٰ کی ہر قسم کی رحمت و کرامت بکھیر دی جاتی ہے۔

ہم اپنے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے طاعت کی توفیق اور معصیت سے عصمت کا سوال کرتے ہیں کہ ہم کو ان بیجا خواہشات سے بچائے جو ضالہ بھی ہوں اور مضلہ (گمراہ کن) بھی اسی طرح سے غفلت سے ہمیں محفوظ رکھے اور عذاب قبر سے بھی۔ اور یہ اسی لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی عذاب قبر سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے وہ فرماتی ہیں کہ ہم پہلے

عذاب قبر سے واقف نہ تھے یہاں تک کہ ایک دن ہمارے یہاں ایک یہودیہ آئی ا
کچھ مانگا میں نے اسے کچھ خیرات دیدیا اس نے دعا دیتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ
تمکو عذاب قبر سے بچائے میں نے اسوقت تو اپنے دل میں کہا کہ یہ بھی یہودیوں کی خرا
میں سے ایک خرافات ہے۔ استنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکان میں تشریف
لائے تو میں نے سارا واقعہ عرض کیا اسپر آپؐ نے فرمایا کہ ہاں اس نے صحیح کہا قبر کا
حق ہے۔

(ان سب روایتوں کو بیان کرنے کے بعد مولف ابوالليث ثمرقندیؒ فرماتے ہ
ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے عذاب قبر سے پناہ مانگے اور قبر کے
اس میں داخل ہونے سے پہلے تیاری کرے اعمال صالحہ کے ذریعہ سے اس لئے
جب تک وہ زندہ ہے اور دنیا میں ہے اسکے لئے یہ معاملہ آسان ہے ورنہ جب قبر
چلا جائے گا تو تمنا کرے گا کہ کاش اسکو ایک نیکی کرنے کا موقع مل جاتا مگر نہ ملے
جسکی وجہ سے قلب میں ایک حسرت اور ندامت باقی رہے گی۔ اسلئے عاقل
چاہئے کہ وہ موت اور موتیٰ کے معاملات میں آج ہی سے فکر کرے اسلئے کہ مر
قبر میں تمنا کرے گا کہ اسکو صرف دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت دے دی جا۔
اور ایک زبان سے کلمہ طیبہ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے کی اجازت دیدی جا۔
مگر اجازت نہ ہوگی اسی طرح سے ایک بار سبحان اللہ کہنا چاہیں گے اور نہ کہہ سکیں
اس پر وہ زندہ لوگوں کے حالات پر تعجب اور افسوس کریں گے کہ کسقدر غضب
بات ہے کہ آج ہمیں بہ ہزار تمنا بھی یہ موقع نہیں مل رہا ہے اور یہ زندہ لوگ
غفلت میں اپنے اوقات اور حاصل شدہ فرصت گذار رہے ہیں۔ لہٰذا اے انسان
اپنے اوقات کو اب نہ ضائع کر اسلئے کہ تیرا یہ وقت تیرا راس المال (اصل پونجی)
ہے اسلئے جب تو راس المال کو محفوظ رکھے گا تو نفع بھی اس سے حاصل کر سکتا
اور جب اصل پونجی ہی کو تو کھو دے گا تو نفع اس سے تجھے خاک حاصل ہو سکے
اور یہ سمجھ لے کہ یہاں دنیا میں آج آخرت کی پونجی تیری نظروں میں کا سدا دب تو

ے کوئی اسکا پوچھنے والا نہیں اسلئے سستی بھی ہے لیکن ہمیشہ وقت یکساں
ں رہے گا ایک وقت ایسا آئے گا کہ وہی آخرت کی چیزیں (اعمال صالحہ) عزیز
با وقعت ہو جائیں گی لہذا عقلمند وہ ہے جو ارزانی کے دور میں وہ چیزیں خریدلے
انی کے دور میں زیادہ دام سے فروخت ہوں اور اسکو نفع حاصل ہو لہذا تو بھی
دنیا کی اس کساد بازاری میں سامان آخرت خرید لے اور جمع کرلے تاکہ کل
ت کے بازار میں جبکہ یہی سودا بیش قیمت ثابت ہوگا تیرے کام آوے ورنہ
دن تو اسے نہ حاصل کر سکیگا۔

اللہ تعالےٰ سے ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ ہمکو توفیق بخشے کہ ہم فقر اور حاجت
زمانے کیلئے یعنی قیامت کے لئے آج ہی سے تیاری کر سکیں اور ہمیں ان لوگوں
سے نہ بنائے جو عمل نہ ہونے کی وجہ سے یا معاصی کا انبار سر پر لدے ہونے
باعث اسدن نادم ہوں اور اسکی وجہ سے پھر سے دنیا میں لوٹا دیئے جانے کی
ریں حالانکہ اسکی شنوائی ہونے والی نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہم پر سکراتِ موت (جانکنی
ی) اور عذاب قبر کو آسان فرمائے ہم پر بھی اور تمام مسلمین و مسلمات پر بھی۔

یارب العالمین بلاشبہ آپ ارحم الراحمین ہیں اور آپ ہمکو کافی ہیں اور اچھے
از ہیں اور برائیوں سے رکنا اور طاعات کی توفیق ہونا ممکن نہیں سوائے
علی و عظیم کی توفیق کے۔

باب چہارم

(قیامت کی ہولناکیوں اور اسدن کی پریشانیوں کا بیان)

فقیہ ابو اللیث سمرقندی اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے
ہ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا قیامت کے دن
بیب کو اسکا محبوب (دنیوی) یاد آوے گا؟ آپؐ نے فرمایا تین مقامات پر کوئی

ی کو یاد نہیں کرے گا ایک میزان پر اعمال تلتے وقت کہ اسوقت تمام تر وہی نظر میں
ہے گی کہ نیکیوں کا پلہ بھاری ہوتا ہے یا ہلکا۔ دوسرے اسوقت جبکہ سب کے
عمال نامے اڑائے جائیں گے اسوقت یہ فکر ہو گی کہ دیکھا چاہیئے کہ وہ داہنے ہاتھ
ں آتا ہے یا بائیں ہاتھ میں۔ اور تیسرے اسوقت جب دوزخ سے ایک گردن نکلیگی
پس سب لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیگی اور جہنم کی جانب انکو پھینکدیگی اور جہنم پر
ایک پل بنا ہوگا جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا جس پر دونوں کے
آنکڑے اور کانٹے لگے ہونگے اور لوگ اس پر سے گذر رہے ہونگے کوئی تو ایسا گذر جائیگا
جیسے بجلی کوند جاتی ہے اور کوئی ایسا جیسے باد صرصر چلتی ہے۔ چنانچہ کوئی مسلّم نجات
پانے والا اور کامیاب ہو جائے گا اور کسی کے کچھ خراش لگ جائیگی (لیکن پار وہ بھی
ہو جائے گا) اور کوئی منہ کے بل جہنم میں گر جائے گا۔

فقیہ ابوالليثؒ اپنی سند سے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (دو یا تین) بار جو صور پھونکا جائے گا کہ ایک سے
سب لوگ مر جائیں گے اور دوسرے سے سب زندہ ہو کر حشر میں جمع ہوں گے تو
ان) دونوں پھونکوں نفخوں میں چالیس سال کا وقفہ ہوگا پھر (جب خدا کو منظور ہو گا کہ لوگ دوبارہ
زندہ ہوں تو) اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرمائیں گے جو ایسا ہو گا جیسے مردوں کی
منی ہوتی ہے پس اسکی وجہ سے لوگ زمین سے اس طرح سے اٹھیں گے جیسے سبزہ
(بارش سے) اُگا کرتا ہے۔ فقیہؒ کہتے ہیں مجھے کسی ثقہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے
مختلف سندوں سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ
جب آسمان وزمین کے خلق سے فارغ ہوئے تو صور کو پیدا فرمایا اور اسے اسرافیل کو
دیا چنانچہ اسی وقت سے وہ اسکو منہ میں لگائے عرش کی جانب نظر جمائے کھڑے ہوئے
ہیں کہ کب حکم ہو اور فوراً وہ اسے پھونکیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے
ہیں کہ یہ سنکر میں نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ صور کیا چیز ہے؟ آپؐ نے
فرمایا کہ وہ نور سے بنی موٹی سینگ کی شکل کی ایک شے ہے۔

حضورؐ نے بوڑھے کی قید اسلئے بڑھادی کہ اگر ماں باپ خود جوان ہیں تو اول تو اس کے محتاج نہیں ہونگے جیسے کہ اسکے ہاتھ پیر چلتے ہیں انکے بھی ہاتھ پیر چلتے ہیں دوسرے اسوقت انکی خدمت سے دل بھی نہیں گھبراتا اسلئے اگر انکی کچھ خدمت بھی کردی تو کچھ بڑی بات نہیں بخلاف بوڑھے ماں باپ کے کہ وہ اسکے محتاج ہوتے ہیں اور چونکہ اکثر قویٰ بالکل کمزور ہوجاتے ہیں خود کچھ بھی نہیں کر پاتے اور اکثر کام مرضی کے موافق نہیں ہوتے تو تنک مزاج بہت ہوجاتے ہیں اسلئے ایسے ماں باپ کی خدمت کرنا بوجہ انکی معذوری کے ضروری ہوا اور انکی تُنک مزاجی سے تنگ ہوجانا اور نافرمانی کرنا گناہ کبیرہ ہے بلکہ اکثر آدمی تنگ ہونے لگتا ہے جسکی بڑی وجہ یہ ہوتی کہ وہ اپنے زمانہ طفولیت اور عالم احتیاج کو بھول جاتا ہے کہ اسوقت والدین نے کیسے کیسے ناز اٹھائے ہیں اگر وہ یاد رہیں تو بڑا نفع ہو۔

حکایت: ایک بنئے کی حکایت مشہور ہے اس نے اپنے بڑھاپے میں ایکمرتبہ اپنے ایک لڑکے سے دریافت کیا کہ بھائی یہ دیوار پر کیا چیز بیٹھی ہے صاحبزادہ اول تو اس پر دل میں بہت خفا ہوئے کہ اس لغو سوال کی آپ کو ضرورت ہی کیا تھی مگر تہذیب سے کام لیکر تبلادیا کہ ابا جان کوا ہے۔ بنئے نے پھر پوچھا کہ بھائی یہ دیوار پر کیا چیز بیٹھی ہے، صاحبزادہ نے کہا ابھی تو تبلادیا تھا کہ کوا ہے تیسری باراسنے پھر پوچھا تو صاحبزادہ نے بگڑ کر جواب دیا کہ تمھارا تو دماغ چل گیا ہے چپکے پڑے رہو۔ اس پر بنئے نے اپنا بہی کھاتہ منگایا اور کھولکر دکھلایا کہ صاحبزادے دیکھو تم نے اپنے بچپن میں ایک سو بار مجھ سے یہی سوال کیا تھا اور میں نے ہر مرتبہ محبت سے جواب دیا تھا تم دو ہی بار میں گھبرا گئے۔

۱۰۷۔ بوڑھے ماں باپ کی تنک مزاجی سے تنگ ہونیکو جو منع کیا جاتا ہے اسپر شبہ اور اسکا جواب، اور قرآن کے کلام الٰہی ہونیکی ایک لطیف دلیل

لیکن شاید کوئی یہ کہے کہ صاحب بوڑھوں کی تنک مزاجی سے ناگواری تو امر طبعی

ہے اگر اس پر بھی باز پرس ہے تو سخت مشکل کی بات ہوگی تو اسکا جواب یہ ہے کہ امور طبعیہ پر خدا تعالیٰ نے کہیں باز پرس نہیں فرمائی باز پرس امور اختیاریہ میں ہے کلام مجید اس شبہ کا خود ازالہ فرما رہا ہے پارہ سبحان الذی میں حقوق والدین کو ذکر فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے ربکم اعلم بما فی نفوسکم ان تکونوا صالحین فانہ کان للاوابین غفورا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ والدین کی ہر وقت کی تنگ مزاجی سے جو گھبراہٹ تمھارے دلوں میں پیدا ہوگئی ہے یہ تو امر طبعی ہے اگر کوئی خشک کلمہ منھ سے نکل جاوے اس میں معذور ہو لیکن خدا تعالیٰ دل کی نیت کو جانتا ہے اگر دل میں انکی اطاعت ہے اور غالب تم میں صلاحیت ہے تو ایسی بے اعتنائی سے معذرت کرنے کو بخشدیتا ہے۔ صاحبو! ظاہر نظر میں اس جگہ پر یہ آیت بالکل بے جوڑ معلوم ہوتی ہے لیکن تقریر بالا سے سمجھ میں آگیا ہوگا کہ مضمون بالا سے کسقدر چسپاں ہے اگر غور کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ قرآن کے کلام اللہ ہونے کی یہ بھی ایک بہت بڑی دلیل ہے کہ اس میں ہر ہر بات کے وہ وہ مخفی پہلو لئے گئے ہیں کہ دوسرے کے کلام میں اسقدر رعایات ممکن نہیں۔ اسی طرح کلام مجید کی تمام آیتیں ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ لوگ کلام اللہ کو رسمی طور پر پڑھتے ہیں اور دیکھتے ہیں اسکے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔

۱۰۸۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنکر درود نہ پڑھنے پر ملامت

ایک شخص تو رغم انفہ کا محل یہ ہوا اور دوسرا وہ جس کے سامنے میرا نام آوے اور وہ درود نہ پڑھے۔

۱۰۹۔ رمضان میں توبہ اور اعمال صالحہ کرنا موجب مغفرت ہیں اور ان کے ترک پر ملامت اور اسکا بیان کہ مغفرت کا حاصل کرنا ہر شخص کے اختیار میں ہے

تیسرے وہ شخص کہ رمضان شریف آئے بھی گذر بھی اور اس نے اپنی مغفرت نکرائی، یعنی ایسے عمل اور توبہ نہ کرلی جس سے گناہ معاف ہو جاتے۔ ایک دوسری حدیث میں بھی مغفرت سے رمضان کے تعلق کی نسبت ارشاد ہوتا ہے هوشهر اوله رحمة واوسطه مغفرة واٰخره عتق من النيران (رمضان ایک ایسا مہینہ ہے جسکا اول (عشرہ) رحمت ہے، دوسرا مغفرت ہے اور تیسرا جہنم سے رہائی ہے) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رمضان کا مہینہ سراپا رحمت و برکت ہے۔ پس اس میں انسان اپنی مغفرت کا سامان کرے اور مغفرت حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ نیک عمل کرے اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ مغفرت کی تحصیل امر اختیاری ہے چنانچہ خدا تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں وَسَارِعُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ ٥ جسکا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کی مغفرت اور اسکی جنت کی طرف دوڑو جسکو متقی لوگوں کے واسطے تیار کیا گیا ہے تو جو شخص اس رستہ پر چلے گا اور اس مقرر شدہ قانون پر عمل کرے گا وہ مغفرت کو حاصل کرے گا جو شخص ایسا نہ کریگا وہ محروم رہے گا۔ پس معلوم ہوا کہ مغفرت کا حاصل کرنا خود ہمارے اختیار میں ہے اور اگر ہم چاہیں اسکو خود حاصل کر سکتے ہیں کہ متقی بنجاویں

۱۱۰۔ بے علم واعظوں کی غلطی اور اسکا بیان کہ خدا تعالیٰ کے یہاں ہر کام کا ایک قانون مقرر ہے

اس موقع پر بے علم واعظوں کی ایک غلطی کا بیان کرنا بہت ضروری ہے کہ وعظوں میں کہا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی ذات بالکل بے پروا ذات ہے وہ چاہے تو ایک نکتہ میں بخشدے اور چاہے تو ایک نکتہ میں جہنم بھیجدے اور یہ بات ایسے طور سے کہتے ہیں جس سے لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کے کوئی مقرر شدہ قانون نہیں بلکہ یوں ہی اناپ شناپ بے تکے طور پر جو چاہتے ہیں

کر دیتے ہیں اس قسم کے مضامین سننے سے اکثر لوگ بالکل مایوس ہو جاتے ہیں
اور عبادت و ریاضت سب چھوڑ بیٹھتے ہیں اسلئے کہ وہ ڈرتے ہیں کہ خدا جانے
کس نکتہ پر اچانک پکڑ ہو جاوے اور ساری محنت برباد ہی جاوے اسی طرح
اکثر لوگ خوب جی لگا کر معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب خداتعالےٰ
کے یہاں کوئی مقررشدہ قانون ہی نہیں ایک نکتہ ہی پر عذاب و ثواب کا مدار
ہے تو اپنی خواہشات کو کیوں ترک کریں اور خواہ مخواہ کی مصیبت کیوں اختیار کریں
ممکن ہے اسی میں سے کوئی نکتہ پسند آجاے کہ اس پر نوازش ہو جاوے۔ گویا
کارخانہ خداوندی اندھیر نگر کی سلطنت ہے کہ جہاں سارے کام بے ڈھنگے ہی
ہوتے ہیں۔

حکایت: مشہور ہے کہ چیلہ گرو سفر کرتے ہوئے ایک شہر پہونچے نام پوچھا تو
اندھیر نگر معلوم ہوا، جس کے معنی ہیں بے انصافی کا شہر۔ اشیاء کا نرخ دریافت
کیا تو معلوم ہوا کہ اناج سے لیکر گھی دودھ تک ہر چیز سولہ سیر کی ملتی ہے۔
یہ سنکر چیلہ تو بہت خوش ہوا کہ خوب گھی دودھ کھاکر فربہ ہونگے مگر گرو نے کہا کہ
بھائی اس جگہ قیام مناسب نہیں یہ شہر تو بہت ہی بے تکا معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹے
بڑے میں کچھ امتیاز نہیں مگر چیلہ نے اصرار کیا آخر رہ پڑے چند روز میں سیر کرتے
کرتے عدالت کی طرف پہونچے دیکھا کہ ایک مقدمہ راجہ صاحب کے اجلاس میں
در پیش ہے اور لوگوں کا ہجوم ہے پوچھنے سے معلوم ہوا کہ کوئی چور مدعی ہے
اور مہاجن مدعا علیہ ہے۔ دعویٰ یہ ہے کہ ہم دو چور اسکے گھر چوری کرنے گئے
نقب لگایا میرا رفیق اندر جانے لگا تو دیوار اوپر سے آپڑی مرگیا قصاص چاہتا ہوں
مدعا علیہ سے بازپرس ہوئی کہ وہ دیوار ایسی کیوں بنائی تھی؟ اس نے کہا کہ معمار
سے پوچھئے بنانے والا وہ ہے۔ وہ بلایا گیا اس نے کہا کہ گارا دینے والے
سے پوچھا جائے۔ اسکو بلاکر پوچھا اس نے کہا گارا بنانے والے سے پوچھئے
اسکو بلایا اس نے کہا سقہ نے پانی زیادہ ڈالدیا جس سے گارا پتلا ہو گیا اس کو بلایا

اس نے کہا سرکاری ہاتھی بھپٹا ہوا چلا آتا تھا خوف سے پانی زیادہ نکل پڑا فیلبان کو بلا گیا اس نے کہا کہ ایک عورت پازیب پہنے آتی تھی اسکی جھنکار سے ہاتھی دوڑ پڑا۔ عورت کو بلایا اس نے کہا سنار نے ایسا ہی باجہ ڈالدیا تھا۔ اسکو بلایا وہ جواب نہ دے سکا حکم ہوا کہ سنار کو پھانسی دیدی جائے۔ پھانسی کے لئے لے چلے اور اسکو پھانسی پر چڑھایا گیا تو پھانسی کا حلقہ اسکے گلے سے بڑا نکلا لوگوں نے آکر راجہ صاحب سے عرض کیا کہ حلقہ اسکے گلے سے بڑا ہے راجہ صاحب نے فرمایا اچھا تو کسی موٹے آدمی کو پھانسی دیدو۔ غرض موٹے آدمی کی تلاش شروع ہوئی اتفاق سے مجمع بھر میں اس چیلے سے زیادہ موٹا آدمی کوئی نہ نکلا آخر اسی کو تجویز کیا گیا اب تو چیلے صاحب بہت گھبرائے اور گرو سے کہا خدا کیلئے بچاؤ اس نے جواب دیا میں نہ کہتا تھا کہ یہاں رہنا اچھا نہیں آخر نتیجہ دیکھا؟ آخر گرو نے ایک ترکیب نکالی کہ پھانسی کے وقت خود بڑھکر کہا کہ صاحبو! اس کو پھانسی نہ دو مجھکو دیدو۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ اسوقت میں نے جوتش میں جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ اسوقت جو شخص پھانسی دیدیا جائے گا وہ سیدھا بیکنٹھ میں جائیگا۔ راجہ صاحب نے جو یہ سنا تو بڑھکر فرمایا کہ اچھا جب ایسی بات ہے تو مجھکو پھانسی دیدو تاکہ جنت ہمیں حاصل کرلیں۔ چنانچہ راجہ صاحب کو پھانسی دیدی گئی۔ خس کم جہاں پاک صادق آیا۔

تو ان نیم وعظوں کے ایسے بیانوں سے یوں سمجھا جاتا ہے کہ گویا نعوذ باللہ کارخانۂ خداوندی بھی دوسرا نیائے نگر ہے۔ صاحبو! یاد رکھو خدا تعالیٰ کے یہاں ہر کام کا ایک قانون مقرر ہے ثواب کا بھی ایک قانون ہے عذاب کا بھی ایک قانون ہے

۱۱۱ مغفرت کا حاصل کرنا امر اختیاری ہے اور اسکا طریقہ

ثواب کا قانون تو یہ ہی ہے جو اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے وسارعوا الخ

یعنی تقویٰ حاصل کرلو اور مغفرت وجنت لے لو۔ تو معلوم ہوا کہ مغفرت وجنت کا لینا بالکل ہمارے اختیار میں ہے ورنہ اگر اسکو اختیاری نہ مانا جائے تو سارعوا کے کوئی معنی نہیں ہوں گے کیونکہ تکلیف مالایطاق محال ہے اور خلاف نص ہے اور یہاں امر ہوا مسارعۃ الی المغفرۃ (مغفرت کی جانب سبقت کرنے) کا تو ضرور وہ تحت الاختیار ہے پس جب رحمۃ اور مغفرۃ کا حاصل کرنا ہمارے اختیار میں ہے تو اسکی تحصیل کی کوشش کرو

۱۱۲۔ توبہ میں تاخیر نہ کرنا چاہیئے اگرچہ آئندہ ٹوٹ جانیکا اندیشہ ہو کیونکہ توبہ کرنا اس حالت میں بھی مفید ہے اور اسکا ترک مضر ہے

اگر یہ خوف ہو کہ توبہ ٹوٹ جاویگی اور گناہوں سے باز نہ رہ سکیں گے تو بھی ہمت نہ ہارو کیونکہ پھر توبہ کرلینا دیکھو اگر ایک کپڑا پھٹ جاتا ہے تو اسکو بالکل پھٹا نہیں چھوڑتے کہ سینے کے بعد پھر پھٹ جاویگا بلکہ سی کر پھر کام میں لاتے ہیں بس یہی حالت توبہ کی ہے کہ محض اسکے ٹوٹنے کے احتمال سے اسکو ترک کرنا نہ چاہیئے بلکہ اسوقت پھر توبہ کرلینا چاہیئے۔ باب توبہ بند نہیں ہوا بلکہ اگر دن میں سو دفعہ بھی توبہ ٹوٹ جاوے تو پھر توبہ کرلو مایوس نہ ہو جاؤ۔ خوب کہا ہے سہ

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

(باز آجاؤ۔ باز آجاؤ۔ تم جیسے کچھ بھی باز آجاؤ۔ کافر ہو۔ بد دین ہو۔ بت پرست ہو۔ اب سے باز آجا (اور سن لو) ہماری بارگاہ ناامیدی کی بارگاہ نہیں چنانچہ تم سے اگر سو بار توبہ ٹوٹ چکی ہو تو اب سے باز آجا بلکہ اسی ترک توبہ ہی کی وجہ سے ہمکو معاصی پر زیادہ جرأت ہو گئی ہے کیونکہ جو شخص توبہ کرتا رہیگا اسکے دل میں عظمت خداوندی کسی نہ کسی درجہ میں ضرور باقی رہیگی یہ بڑا سبب ہے معاصی سے رک جانے کا برخلاف اس شخص کے جو کبھی توبہ نہ کرے

وہ خدا کو بالکل بھول جاوے گا اور جب اسکی عظمت اسکے پیش نظر نہ ہوگی تو کچھ بھی اس سے ہو جاوے بعید نہیں۔

۱۱۳۔ عشرۂ اخیرہ میں جو منکرات کئے جاتے ہیں انکی اصلاح

اس عشرۂ اخیرہ میں اکثر مساجد میں قرآن شریف ختم ہوتا ہے اس میں اکثر لوگ پڑھنے والوں کو کچھ دیا کرتے ہیں سو یہ لینا چھوڑ دو دوسرے اکثر مساجد میں ختم کے دن شیرینی تقسیم ہوتی ہے اس میں جو گڑبڑ ہوتی ہے سبھی جانتے ہیں اور اس گڑبڑی کی وجہ سے جو شرعی قباحتیں اس میں پیدا ہو جاتی ہیں انکو بھی متعدد مرتبہ بیان کیا گیا ہے اسوقت صرف اتنا کہا جاتا ہے کہ اسکے مفاسد پر نظر کر کے اسکو بھی چھوڑ دو۔ دیکھو اسکی بدولت بیچارے بعض غربا پر سخت بار ہو جاتا ہے اس انتظام کے متعلق بعض غریب لوگوں نے شکریہ میں یہ کہا کہ ہم بہت ممنون ہیں کیونکہ ہمکو چندہ دینے کی مصیبت سے بچالیا معلوم ہوا کہ لوگوں پر چندہ لینے سے بار ہو جاتا ہے بتلائیے یہ کیونکر جائز ہوگا بعض رئیسوں نے مجھ سے کہا کہ آپ غریبوں کو منع کیجیے لیکن امیروں کو منع کرنے کی ضرورت نہیں حالانکہ یہ خیال بالکل لغو ہے اسلئے کہ اگر امیروں نے نہ چھوڑا تو شرم و حجاب کی وجہ سے غریبوں سے چھٹنا بہت مشکل ہے اور اگر امیروں نے چھوڑ دیا تو غریبوں کو چھوڑنا کچھ مشکل نہیں بعض مساجد ایسی بھی ہیں کہ ان میں چندہ سے شیرینی تقسیم نہیں ہوتی لیکن وہاں دوسری خرابیاں ہیں مثلاً ریا، ونمود کے لئے تقسیم کرنا۔ عوام الناس اور بچوں کے ہجوم سے مسجد کی بے حرمتی ہونا۔ لڑکوں کا حصہ مانگنے میں بلا وجہ پٹنا۔ غرض اس قسم کی بہت سی خرابیاں ہیں کہ زیرک آدمی انکو خود سمجھ سکتا ہے۔ ایک مرتبہ بریلی میں قرآن سنانے کا اتفاق ہوا ختم کے روز میرے بھائی نے تقسیم شیرینی کے لئے کہا میں نے منع کیا لیکن انھوں نے کہا کیا مضائقہ ہے انکا اصرار دیکھکر میں نے سوچا کہ بہتر یہ ہے کہ انکو خود ان خرابیوں کا مشاہدہ ہو جاوے چنانچہ میں خاموش ہو رہا۔ شب کو شیرینی تقسیم

کی گئی اور انھوں نے اپنے اہتمام سے خود تقسیم کی لوگوں کے بے ڈھنگے پن کو دیکھ کر وہ اسقدر پریشان ہوئے کہ بعد تقسیم خود کہا کہ آپ کی رائے بہت صائب نکلی واقعی یہ خرافات کبھی نہ کرنی چاہیئے اور اسکا انکی دانشمندی کی دلیل ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ بعض لوگ باوجود خرابیاں سمجھ جانے کے بھی اپنے خیال سے باز نہیں آتے اور اسکو نہیں چھوڑتے

۱۱۴۔ آخری جمعہ کو خطبۃ الوداع کا پڑھنا بدعت ہے اور گو اسکے اندر مصلحتیں ہوں لیکن جبکہ اسکے اندر مفاسد بھی ہیں اور خود امر ضروری بھی نہیں ہے اس لئے اسکا ترک لازم ہے

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم شہر رمضان ھو شہرا ولہ رحمۃ واوسطہ مغفرۃ واخرہ عتق من النیران (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان کا مہینہ ایسا مہینہ ہے جس کا اول رحمت ہے اور وسط اس کا مغفرت ہے اور آخر اس کا دوزخ سے رہائی ہے) ـــــــــــ یہ حدیث شریف ایک بڑی حدیث کا جز ہے جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان المعظم کے آخری جمعہ کے دن خطبہ میں پڑھا تھا اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کے آخری جمعہ میں ایک خاص خطبہ پڑھا جو کہ اور جمعوں میں نہ پڑھتے تھے مسلمانوں سے تعجب ہے کہ انھوں نے اس منصوص خطبہ پر تو توجہ نہ کی اور شعبان کے آخری جمعہ کے لئے کوئی خاص خطبہ تجویز نہ کیا جس سے وہ عامل بالسنۃ ہوتے اسکے بجائے رمضان کے آخری جمعہ کے لئے ایک خاص خطبۃ الوداع اختراع کیا جسکا کہیں حدیث میں پتہ نہیں اور پھر اسکے ساتھ ایسا شغف ہوا کہ بغیر اس خاص خطبہ کے پڑھے یہ سمجھا جاتا ہے کہ گویا جمعہ ہی نہیں ہوا۔

Regd. No. L2/9/AD-111

Monthly **WASIYATUL IRFAN** **FEB. 1983**

23, Buxi Bazar, Allahabad-3

Rs. 30/-

Rs. 24/-

دینی اصلاحی ماہوار رسالہ

وصیۃ العرفان

مکتبہ وصیۃ العلوم ۲۲ بخشی بازار
الٰہ آباد

الٰہ آباد

زیرِ سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ دو روپئے | مدیر: عبدالمجید عفی عنہ

شمارہ ۳ | جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ مطابق مارچ ۱۹۸۳ء | جلد ۶

فہرست مضامین

ترسیلِ زر کا پتہ: مولوی عبدالمجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبدالمجید صاحب پرنٹر و منیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱-۷-ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

مارچ سنہ ء کا شمارہ پیش نظر ہے جو اس دفعہ اپنے وقت مقررہ سے قدرے تاخیر سے شایع ہو رہا ہے وجہ اسکی یہ ہوگئی کہ کاتبِ رسالہ مولوی جامی صاحب کے قریبی عزیز ہیں اور پچھلے دنوں جامی صاحب کے عمِ محترم جناب مولوی عبدالحق صاحب مچھلی شہری سابق پرشین ٹیچر بنگالی کالج و حال مدرس اسلامیہ کالج الہ آباد پندرہ دن کی شدید علالت کے بعد عازم سفر آخرت ہوگئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کے ہی علاج و معالجہ کی دوڑ دھوپ میں ہر دو حضرات پریشاں حال رہے جسکا اثر رسالہ پر پڑنا ناگزیر تھا۔ مرحوم کی مغفرت کیلئے ناظرین کرام دعا فرمادیں۔

ایک گذارش یہ کرنی ہے کہ اس مرتبہ چندہ سالانہ کے وصولی کی رفتار بھی کچھ سست ہے اور سالِ سابق کا بھی زرِ تعاون نہ دینے والوں کی تعداد بھی کچھ زیادہ ہی ہے جسکی وجہ سے رسالہ کو قدرے دقت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ نیز جن حضرات کے پاس یکجائی طور پر بنڈل جاتا ہے ہم انکی عنایتوں کے ممنون ہیں اور انکی دشواریوں سے واقف ہوتے ہوئے بھی ان حضرات سے گذارش کرتے ہیں کہ اپنے اپنے حلقہ میں تھوڑی سی مزید مشقت برداشت کرکے احباب سے مسابقہ وصول فرماکر جلد ارسال فرمادیں تو عین کرم ہوگا۔ ایک صورت رسالہ کے ساتھ تعاون کی یہ بھی تھی کہ کچھ جدید ممبران کا اضافہ ہوجاتا اس سلسلہ میں ابتک کچھ کمی سی ہے جدید حضرات خریدار ہو رہے ہیں مگر کمی کے ساتھ اگر ناظرین اس جانب بھی تھوڑی سی توجہ تیز فرمادیں تو بہت کچھ تلافی کی توقع ہے۔

یوں اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ رسالہ ہذا قارئین کی نگاہوں میں محبوب سے محبوب تر ہو رہا ہے جن حضرات کو اس چشمۂ شیریں کا پتہ چل جاتا ہے وہ اس سے بہت ہی زیادہ لطف اندوز ہوتے ہیں جسکا اندازہ انکی ان دعاؤں سے ہوتا ہے جو وہ اربابِ خانقاہ اور اربابِ ادارہ کو دیتے ہیں الحمدللہ ایسی ایک جماعت احبہ کے ہوتے ہوئے اگر طریق کا ذوق نہ رکھنے والوں پر یہ رسالہ گراں بھی ہو تو یہ رنج و افسوس کا نہیں بلکہ مسرت کا مقام ہے کہ موافقین کے ساتھ ساتھ مخالفین کا بھی ہونا اسکی حقانیت کی علامت اور ہر زمانہ میں اہلِ حق کا لازمِ حال رہا ہے۔ والسلام

(ادارہ)

(۹۵) وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ

فرمایا کہ تفہیمات الٰہیہ میں شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ لوگوں سے دو باتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے ملو جلو۔ ایک تو یہ کہ ان سے طمع تو قطعی مت رکھو یعنی اور ان کے ہاتھوں میں جو کچھ ہے اسکی طرف سے بالکل نظر ہٹا لو پھر تم دیکھو گے کہ بلا انتظار کے اللہ تعالیٰ کو اگر منظور ہوا تو وہ تمکو انھیں کے ہاتھوں سے دلوا دے گا۔ دوسرے یہ کہ سب لوگوں کے ساتھ نصیحت اور خیرخواہی کے ساتھ پیش آؤ۔ جس کی صورت یہ ہے کہ ان سے انبساط اور حسن خلق کا معاملہ رکھو خواہ وہ کوئی امیر ہو فقیر ہو صاحب جاہ ہو گوشہ نشین ہو تمھاری نظروں میں سب یکساں ہوں یوں معاملہ ہر ایک کے ساتھ اسکے مرتبہ کے مطابق ہونا ضروری ہے (اسکے بعد بھی تم لوگوں کی دشمنی سے بچ نہ سکو گے لیکن) اب اسوقت جو شخص تم سے عداوت رکھے تو سمجھ لو کہ وہ خبیث النفس اور ظالم ہے وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ اور ظالموں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کس کروٹ انھیں لیٹنا ہے۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت دہلویؒ نے یہ جو فرمایا کہ لوگوں سے طمع قطع کر دو بڑے ہی گر کی بات فرمائی ہے دیکھا جاتا ہے کہ آج اس حب مال نے نیک و صالح لوگوں کا بھی اعتبار کھو دیا ہے ایسے شخص سے لوگوں کو دینی نفع نہیں ہوتا۔ اسی لئے حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ یوں تو حب مال بھی بری چیز ہے اور کبر بھی ایک بہت بڑا رذیلہ ہے لیکن میں اس زمانہ میں اسکو تو بالکل ہی پسند نہیں کرتا کہ لوگ کسی عالم کو طالب دنیا ہونے کا طعنہ دیں البتہ یہ گوارا ہے کہ لوگوں سے قلت اختلاط کے سبب چاہے اسکو لوگ متکبر کہہ لیں اسکو اہون سمجھتا ہوں۔ اور ہمارے حضرت اقدسؒ فرماتے تھے کہ حضرت تھانویؒ نے ہم لوگوں کو ایسی تعلیم دی ہے کہ اگر کبھی کوئی منی آرڈر وغیرہ حضرتؒ کے اصول کے خلاف آجاتا تو اسکو واپس فرما دیتے اور ہم لوگوں سے فرماتے کہ دیکھو میں نے اسے واپس کر دیا ہے اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا تو یہی یا اتنا ہی اور کسی دوسری جا

شرط کے مطابق آجائے گا۔ پھر جب کہیں سے آجاتا تو پھر بلا کر فرماتے کہ دیکھو یہ آگیا نا۔
اس طرح سے حرص مال سے نکالتے تھے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا سکھاتے تھے)

۹۶۔ افضل الذکر لا الہ الا اللہ)

فرمایا کہ ——— مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ بلا شبہ لا الہ الا اللہ افضل الذکر ہے اور یہی وہ قاعدہ ہے جس پر دین کی بنیاد قائم ہے یہی کلمہ علیا ہے اور وہ قطب ہے جس پر اسلام کی چکی گھومتی ہے اور یہی ایمان کے شعبوں میں سے سب سے اعلیٰ شعبہ ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ایمان کا ایک شعبہ کیا بلکہ کل ہی ہے گویا اس کے سوا کچھ اور ہے ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ آپ فرما دیجئے کہ مجھ پر تو یہ وحی کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اس سے وحی کا انحصار وحدانیہ میں معلوم ہو رہا ہے اور ہے بھی یہی بات کیونکہ وحی سے جو بات مقصود اعظم کے درجہ میں معلوم ہوئی وہ توحید ہی ہے اور جملہ دیگر تکلیفات شرعیہ اور احکام تو اسی کی فرع ہیں۔ پھر یہ فرمایا کہ آخر کوئی تو بات ہے کہ تم عارفین کو اور ارباب قلوب ویقین کو دیکھو گے کہ دیگر تمام اذکار پر اسی کو ترجیح دیتے ہیں اسلئے کہ ان حضرات نے ان میں کچھ خواص دیکھے ہیں جنکا علم وجدان اور ذوق ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔

یہ سنا کر حضرت نے فرمایا کہ لا الہ الا اللہ کے افضل الذکر ہونے کے متعلق محققین نے مختلف وجوہ اپنے اپنے ذوق کے مطابق بیان کئے ہیں ایک بات میری سمجھ میں آئی ہے وہ یہ کہ دیکھئے چار چیزیں ہیں شریعت۔ طریقت۔ حقیقت اور معرفت چنانچہ اس کلمہ کو افضل الذکر اسلئے کہا گیا ہے کہ وہ ان چاروں امور پر مشتمل ہے اس کلمہ کا زبان سے کہنا یہ شریعت ہے اسلئے کہ اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسکے کہنے کا حکم فرمایا ہے، اور جن امور کا اللہ و رسول نے امر فرمایا ہے وہی شریعت ہے اور کلمہ کے تکرار کے ذریعہ قلب سے ماسوی اللہ کی نفی کا قصد کرنا

یہی طریقت ہے یعنی اہل طریق کے اعمال میں سے ہے کیونکہ اہل سلوک اسی طریقہ سے اسکو پڑھتے ہیں اور اسی نفی کے بعد ماسویٰ اللہ کا قلب سے منتفی یعنی نیست ونابود ہوجانا یہ حقیقت ہے اور اس انکشاف حقیقت کے بعد معرفت کا ترتب جسکا ذکر الا اللہ میں ہے یہی معرفت ہے۔ بس شریعت طریقت۔ حقیقت اور معرفت ان چاروں قسموں پر یہ مشتمل ہے۔ اس طرح اب کوئی شئے اس ذکر سے باہر نہیں ہے۔ اسی لئے شاید علامہ طیبی نے فرمایا ہو کہ بل ھو الکل ولیس غیرہٗ یعنی یہی کل ہے اسکے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس تقریر سے کسی محقق کا یہ شعر بھی حل ہوگیا ؎

تیغ لا در قتل غیر حق براند — در نگر آخر کہ بعد لا چہ ماند

ماند الا اللہ باقی جملہ رفت — مرحبا اے عشق شرکت سوز زفت

(یعنی پہلے لاؔ کی تلوار سے غیر حق کا خاتمہ کردو پھر دیکھو کہ لاؔ کے بعد کیا باقی رہا؟ صرف الا اللہ ہی باقی رہ گیا ہے باقی سب غائب ہوگیا ہے۔ واہ رے عشق واہ تو بھی کیا ہی شرکت سوز ہے کہ شرکت تجھے ذرا بھی گورا نہیں ؎

شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری — غیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری

۹۷۔ شانِ مُرید

فرمایا کہ ——— رسالہ قشیریہ میں ہے کہ مرید کی شان یہ ہے کہ وہ اہنار دنیا سے دوری اختیار کرے اسلئے کہ دنیاداروں کی صحبت اسکے حق میں سم قاتل ہی ہے کیونکہ وہ لوگ تو ان سے نفع اٹھائیں گے اور بڑھتے جائیں گے اور یہ انکی صحبت میں رہکر اپنے دینی مقام سے گرجائے گا اور روز بروز کم ہوتا جائے گا دیکھو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت فرمائی کہ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا آپ ایسے لوگوں کی اطاعت ہرگز نہ کیجیے گا جنکے قلوب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کردیا ہے۔

(۹۸- شانِ عبودیت یہ ہے)

حضرت شیخ ابو سعیدؒ نے فرمایا ہے کہ شیخ ابو الفضل فرمایا کہ ــــــ محمد بن حسن جو کہ اپنے وقت کے شیخ تھے فرماتے ہیں کہ الماضی لا یذکر ماضی یعنی گزشتہ کو بھول جانا چاہیئے والمستقبل لا ینتظر اور مستقبل یعنی آنے والے زمانے کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے۔ ما فی الوقت یُعتبر بس موجودہ جو حالت ہے اسی کا اعتبار ہے اور عبودیۃ کی شان یہی ہے (کہ بندہ موجودہ حال کا اعتبار کرے اور اسی کے مطابق کام کرے)۔

پھر یہ فرمایا کہ عبودیۃ کی حقیقت یہ ہے کہ بس اللہ تعالیٰ کی جانب بندہ محتاج رہے اور فقیر الی اللہ ہو کر زندگی بسر کرے اسی کیطرف لو لگائے اور اسی کی جانب آسرا لگائے رہے اور یہی حال انسان کا اصل عبودیۃ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی صحیح اقتدا ہے اور یہی وہ حال ہے جس میں نفس کے لئے نہ تو کوئی راحت ہے اور نہ اسکا کوئی حصہ ہے۔ انتہی۔

(راقم عرض کرتا ہے ماضی کو بھول جانے کا مطلب یہ ہے کہ محض گناہوں کو یاد کر کے ان پر پچھتاتا ہی نہ رہے کیونکہ اس سے اب کوئی نفع نہیں بلکہ یہ تو اسکا مصداق ہوگا کہ

نیم عمرت در پریشانی گذشت   نیم دیگر در پشیانی گذشت

یعنی اپنی آدھی عمر تو تم نے پریشان خیالی اور معصیت میں گذاری تھی اب جو دوسری آدھی بچی تو بجائے اس میں کچھ کام کرنے کے اسکو بھی تم نے صرف پشیانی میں گزار دیا پھر اب کام کے لئے تمہاری عمر میں سے کیا باقی ہی رہا یہ سراسر خسارہ کی بات ہے اور شیطان کا بھلاوا ہے، ایسا نکرو۔

اسی طرح سے مستقبل کا انتظار نہ کرو۔ اسکا مطلب بھی یہ ہے کہ کام خیر کرنے کے لئے وقت کو ٹالو نہیں کہ کل کر لیں گے پرسوں کر لیں گے کیونکہ کیا خبر ہے کہ کل تمھیں ملے گا بھی یا نہیں لہٰذا کل کا انتظار نری حماقت اور بے عقلی کی بات ہے۔ جو کچھ کرنا

آج کر لو بلکہ ابھی کر لو کیونکہ ؎

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں

پس زمانۂ حال ہی کو یعنی جو موقع اور وقت تمکو ملا ہوا ہے بس اسی کو اپنی پونجی سمجھو اسی میں جو کرنا ہو کر لو اور سمیٹنا ہو سمیٹ لو نہ ماضی کے چکر میں پڑو نہ مستقبل کا انتظار کرو۔

۹۹۔ حدیث شریف کی دو دعائیں

فرمایا کہ —— کھانا کھانے کے بعد کی دعا جو عام طور سے مشہور ہے وہ یہ ہے کہ یوں کہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ یعنی تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں کھانا کھلایا، پانی پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا۔

لیکن صاحب روح المعانی نے ایک اور حدیث نقل کی ہے کہ ابوداؤد میں ہے حضرت انسؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کھانا کھا کر یہ دعا پڑھی کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ ھٰذَا الطَّعَامَ وَرَزَقَنِیْہِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّۃٍ تو اسکے سب پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

اسی طرح سے جس نے کپڑا پہنا اور اسکے بعد یہ دعا پڑھ لیا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ ھٰذَا وَرَزَقَنِیْہِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّۃٍ تو اسکے اگلے اور پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ اب کھانا کھانے اور کپڑا پہننے کے بعد ان کلمات کو زبان سے کہہ لینا کیا مشکل ہے لیکن ہمارا آج یہ حال ہے کہ آسان آسان چیزیں بھی ہمکو دشوار معلوم ہوتی ہیں۔ کرنے پر آئینگے تو بہتر ہزار بار ذکر کرنا چاہیں گے اور نہ کرنا چاہیں گے تو آسان سی دعا نہ پڑھی جائے گی۔ بس یہ حال ہے کہ

"یا تو کھائیں گے گھی سے یا جائیں گے جی سے"

۱۰۰۔ ریاء اور سمعہ کی تعریف

فرمایا کہ ـــــ صراط مستقیم میں حضرت مولانا شہیدؒ نے فرمایا ہے کہ۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہی دنیا، دینداری کے لباس میں بھی ظاہر ہوتی ہے مثلاً کوئی شخص ذکر الٰہی اس نیت سے کرے کہ مجھے ایک کمال حاصل ہو جائیگا تو اسکی وجہ سے بادشاہ امراء، اہل عزت اور اہل اعتبار سب میرے آگے سر تسلیم خم کرینگے اور مجھ سے حاجات طلب کرینگے اور میرا نام اور شہرہ دُور دراز پہونچکر زمانۂ دراز تک باقی رہیگا اور میری بزرگی کا چرچا تمام عالم میں پھیل جائے گا۔

یہی وہ مضمون ہے جسکو امام غزالیؒ نے ریار کی تعریف میں بیان فرمایا ہے۔ لکھا ہے کہ ریار کہتے ہیں طلب الجاہ بواسطۃ العبادات کو یعنی عبادت کے ذریعہ جاہ طلب کرنا۔ چنانچہ طلب العلم بقصد الجاہ و المال یہ بھی ریار ہے یعنی جاہ و مال حاصل کرنے کے لئے علم حاصل کرنا۔ اسی طرح سے اذکار وغیرہ بھی بایں نیت کرنا ریار ہے اور دنیا یعنی اگرچہ مزعومہ کمالات اسے حاصل ہو جائیں تاہم اس فاسد نیت کا گناہ اس سے دور نہوگا۔ حاصل یہ ہوا کہ علم میں بھی اخلاص شرط ہے اور عبادت میں بھی۔

امام غزالیؒ کے کلام کی شرح حضرت مولانا شہیدؒ کے کلام سے واضح ہوئی فالحمد للہ علی ذلک۔ یہ حضرات حکمار الٰہی ہیں نفوس کے چور کو خوب پکڑتے ہیں عارف شیرازیؒ کیا خوب فرماتے ہیں ؎

ندارند چشم از خلائق پسند
کہ ایشاں پسندیدۂ حق بس اند

یعنی یہ اللہ والے مخلوق سے تعریف و تحسین کے طالب نہیں ہوتے، ان کو خدا تعالٰی نے پسند کر لیا ہے اور اپنا بنا لیا ہے یہی ان کے لئے کافی ہے۔

(مکتوب نمبر ۳۰۶)

حال :۔ گزارش خدمت اقدس میں یہ ہے کہ آپ کا عنایت نامہ بروقت موصول ہوا، کل احوال سے واقف ہوا۔ حضرت ناچیز ایک بات عرض کرنا چاہتا ہے وہ یہ کہ علم کی مثال ایک روشنی کی ہے تاریکی میں یہ پائی نہیں جاتی بعض دفعہ دیکھا گیا ہے اور فی الحال بھی دیکھتے ہیں کہ بعض لڑکے ذہین اور ذکی ہوتے ہیں اسکے بعد بھی وہ معاصی سے باز نہیں آتے ہیں اور سبق شاندار طریقہ سے سمجھتے ہیں اور بعض لڑکے ایسے ہیں جو ترک معاصی کرتے ہیں لیکن کتاب اچھی طریقے سے سمجھ میں نہیں آتی۔ اسکی وجہ کیا ہے بارہا سوچا لیکن دماغ نے کچھ کام نہیں دیا۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو زیادہ صوفی قسم کے لڑکے ہیں وہ تو بہت کم کتاب سمجھتے ہیں۔ آخر فرق کیا ہے امید ہے کہ اس جواب دینے سے حضرت والا ناراض نہ ہوں گے اور تشفی بخش جواب دیں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے ساتھی کیا کہوں ایسے ملے ہیں کہ ہر وقت یعنی اکثر وقت فلمی گانا گاتے ہیں مجھے بہت ہی پریشانی ہوتی ہے کیونکہ صحبت کا اثر زبردست پڑتا ہے۔

تحقیق :۔ تعجب ہوتا ہے کہ آپ ایسی جگہ رہتے ہوئے بھی اسقدر جہل میں ہیں آپ نے تصوف اور لفظ صوفی کو ایسا کیوں سمجھ لیا ہے کہ جس پر چاہے بولدیں اگر آپ کسی نااہل پر اسکا اطلاق کرتے ہیں تو اسکے آپ ذمہ دار ہیں نہ یہ کہ اس اطلاق بے محل کی وجہ سے واقعی تصوف ہی برا ہو جائے گا۔ اور اگر محل میں یہ لفظ بولا گیا ہے تو سنئے کہ زبان پر الفاظ کے جاری ہونے کا نام علم نہیں ہے اور نہ ظاہری استعداد تیز ہونے سے کوئی عند اللہ عالم ہوتا ہے۔ استعداد در اصل ادھر ہی کی معتبر ہے جبکو یہ حاصل ہے وہ حقیقۃً عالم ہے گو ظاہری علم میں کم ہو ورنہ خواہ کوئی کتنا ہی تیز ہو یہ علم اور تیزی اسکے لئے وبال جان اور حجۃ اللہ علی ابن آدم ہی ہے پھر اس پر کیا فخر۔ سنئے قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی تفسیر مظہری میں

رماتے ہیں کہ العلم علمان علم یتعلق بظاہر القلب و ذالا یستتبع العمل و
منه علم الیہود یعرفونه کما یعرفون ابناءہم لایجد یہم معرفتہم
شیئًا مثلہم کمثل الحمار یحمل اسفارًا ۔۔۔۔ و علم وہبی یتخلص الی
صمیم القلب بعد انجلائہ و الی النفس بعد اطمینانہ وھوا لمعنی
فی قولہ تعالی انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء و قولہ العلماء ورثۃ
یحبہم اہل السماء و یستغفر لہم الحیتان فی البحر اذا ماتوا الی یوم
القیامۃ و اشار الی کلا العلمین افضل الانبیاء علیہ الصلوٰۃ
والثناء خیر الخیار خیار العلماء و شر الشرار شرار العلماء
وعن الحسنؓ قال العلم علمان فعلم فی القلب فذالک العلم
النافع و علم علی اللسان فذالک حجۃ اللہ علی ابن آدم ۔ انتہیٰ۔

(علم کی دو قسمیں ہیں ایک ظاہر قلب سے متعلق ہوتا ہے اسکے لئے عمل لازم نہیں ہے اسی قبیل سے یہود کا علم تھا جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ رسول کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو مگر انکی معرفت نے انھیں کوئی فائدہ نہ پہونچایا بس انکی مثال اس گدھے کی سی تھی جو پشت پر کتابوں کا بوجھ لادے ہوئے ہو اور ایک علم وہبی ہوتا ہے جو قلب میں جلا پیدا کر کے صمیم قلب تک پہونچ جاتا ہے اور نفس میں پہونچکر اسکو مطمئنہ بنا دیتا ہے۔ یہی معنی ہیں حق تعالیٰ کے اس ارشاد کے "اللہ تعالیٰ سے تو اسکے بندوں میں صرف علماء ہی ڈرتے ہیں"۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے کہ "علماء انبیاء کے وارث ہیں جنہیں سب آسمان والے محبوب رکھتے ہیں اور انکے مرنے کے بعد قیامت تک مچھلیاں سمندر میں انکے لئے استغفار کرتی ہیں" چنانچہ انھیں دو علموں کی طرف افضل الانبیاء علیہم السلام نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ "لوگوں میں سے عمدہ لوگ خیار علماء ہیں اور ان میں سے برے لوگ شرار علماء ہیں۔ اور حسنؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ علم دو طرح کا ہوتا ہے ایک علم تو قلب میں ہوتا ہے وہی علم نافع ہے اور دوسرا علم زبان پر ہوتا ہے جو کہ ابن آدم پہ اللہ تعالیٰ کی حجت ہے)

قاضی صاحبؒ کی اس عبارت کو بغور پڑھیئے اور دیکھئے کہ کس علم کی مدح ہے اور

کس کی مذمت وارد ہے۔

(مکتوب نمبر ۳۰۷)

حال:۔ حضرت کا والا نامہ پرسوں ملا اس سے دو دن پہلے طبیعت بہت زیادہ منقبض و پریشان تھی زیادہ تر وجہ گرد و پیش کے حالات ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے اکثر و بیشتر دعا میں مصروف رہکر عرض حال کرتا ہوں مجھ ناکارہ ہیچمیرز کی دعا رہی کیا لیکن اس حقیر کی تسکین خاطر کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ جبقدر دعا کرتا ہوں اسی قدر امید و یقین دونوں بڑھتے ہیں۔ تحقیق:۔ الحمدللہ

حال:۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں دعا مانگنے کے لئے ہی بنا ہوں۔ فلاح و بہبود عامہ کی بڑی توقع بعض اوقات نظر آنے لگتی ہے۔ تحقیق:۔ الحمدللہ

حال:۔ حضرت کی زیارت کرتے رہنے سے دل ٹھنڈا رہتا ہے ادھر زیارت نہ ہونے سے قلب میں حزن وغم و سوزش کا اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس وجہ سے دعا میں سوزش بڑھ گئی ہے۔ تحقیق: الحمدللہ۔

حال:۔ دعا کے ماسوا اوقات میں یہی سوزش و حزن و ملال خارج کے ناگوارہ واقعات سے اثر پذیر ہوکر قلب کو محزون تر بنا دیتے ہیں جسکا لازمی اثر فکر و خاموشی ہوتا ہے گھر کے لوگ بھی اس سکوت غم و فکر کے عادی ہو گئے ہیں۔ کوئی وجہ پوچھے تو میرے پاس جواب نہیں بجز اسکے کہ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ (جز ایں نیست کہ میں شکایت کرتا ہوں اپنے رنج وغم کی اللہ تعالیٰ سے۔ تحقیق: بیشک۔

(مکتوب نمبر ۳۰۸)

حال: گرامی نامہ نے مشرف فرمایا۔ غصہ کے بارے میں آں مخدوم کا تفصیلی مضمون بغور پڑھا جس کے پڑھنے سے ایک بڑی غلطی پر تنبیہ ہوئی وہ یہ کہ خادم غصہ کی حالت میں از خود رفتہ ہوکر بہہ جانے کو غصہ سمجھتا تھا دوسرے لفظوں میں کہ

غصہ کو ایک حد تک غیر اختیاری سمجھے ہوئے تھا جس پر مضمون حضرت والا کے سمجھنے سے تنبیہ ہو گئی، اب خادم کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ ایک ہے غصہ کا آنا اور دوسرے ہے اسکی مقتضیات پر عمل اور یہ دونوں چیزیں علحدہ علحدہ ہیں۔
تحقیق :۔ ہاں یہی ہے۔
حال :۔ غصہ آنا غیر اختیاری ہے لیکن اس پر عمل اختیار میں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ غصہ آئے اور اس پر عمل نہ ہو۔ غصہ کا علاج یہ سمجھ میں آیا کہ غصہ کے آجانے پر انتہائی ضبط سے کام لیا جائے۔ اسے پی لیا جائے۔ اس پر عمل نہ کیا جائے اور اس غرض کے لئے غصہ کے موافق عمل پر جو مفاسد رونما ہوتے ہیں انکا استحضار رکھا جائے ۔ تحقیق : ہاں۔
حال :۔ جیسے اسکا مفسد ایمان ہونا۔ اسکا بزدلی سے ناشی ہونا۔ اسکا برباد کنندۂ صحت جسمانی ہونا وغیرہ۔
تحقیق :۔ اور ایک بڑا ضرر یہ ہے کہ غصہ کرنے والا ظالم بھی ہوتا ہے یعنی غصہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ دوسرے پر ظلم ہو جائے اور آدمی غیر کے حق میں موذی ثابت ہو۔ اسکی قباحت کے لئے یہ کیا کم ہے کہ ہر غصہ والا ظالم اور موذی ہوتا ہے توبہ توبہ ۔
حال :۔ اب خادم بحمد اللہ غصہ آنے پر ضبط سے کام لیتا ہے ۔ جب کبھی غصہ آتا ہے تو معاً سمجھ جاتا ہوں کہ غصہ آچکا ہے حتی الامکان اسکی مقتضیات پر عمل نکرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اسی طرح انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی کوشش کرتا رہوں گا۔ تحقیق :۔ بہت بہتر
حال :۔ حضرت سلمہٗ سے ادباً دعاء کی استدعاء ہے کہ دعاء فرمائیں حق سبحانہٗ و تعالیٰ اس رذیلہ سے نجات بخشیں اور خادم کی اصلاح کامل فرمائیں ۔
تحقیق :۔ دعاء کرتا ہوں ۔
حال :۔ حضرت جی! مجھے اپنی زندگی پر بہت ہی افسوس ہوتا ہے کہ حضرت

مجھے مشغولی بھی سے ہی نہیں ہمیشہ غرض کی دھن ہے اور اسی کی فکر ہے یوں ہی زندگی جانوروں کی مثل بسر ہو رہی ہے عمر یونہی فضول برباد و ضائع ہو رہی ہے اور نہیں معلوم اس میں کب تک امتداد رہے گا اور حضرت حق سے کب تک صبر ہوتا رہے گا اپنی بدحالی، نالائقی، اخلاقی گندگی میں کلام نہیں لیکن کیا اس نعمت سے محروم ہی رہا جائے۔

تحقیق :۔ سب سے بڑا اس دولت کے حاصل کرنے کا ذریعہ یہی فکر ہے

(مکتوب نمبر ۳۰۹)

حال :۔ میرے حضرت میں اپنے کیے کی سزا پا رہا ہوں لیکن اب اے سراپا لطف و کرم عاجزی سے عرض ہے کہ تحمل کی قوت نہیں ہے۔ غم سے چور ہوں اپنی ناکردنی پر نادم ہوں۔ ایک آپ کی ذات والا صفات ہے کہ صرف آپ کے ایک جملہ پر ایک مایوس زندگی غم زدہ انسان کی فلاح دین و دنیا منحصر ہے۔ میرے حضرت دامن کرم میں میرے جرم کو چھپائیں اور دل سے معاف فرمائیں اور للہ اپنے الطاف سابق کا ہم پر اعادہ فرمائیں۔

(اس کا یہ جواب گیا)

تمھارا خط حضرت والا مدظلہ العالی کے نام آیا حضرت والا نے جواب لکھنے کے لئے مجھے مرحمت فرمایا۔ عزیزم! سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا لکھوں تم نے تو یہ پڑھا ہی ہوگا کہ ؎

جراحات السنان لہا التیام ولا یلتام ما جرح اللسان

(تیر و تلوار کا زخم تو بھر بھی جاتا ہے لیکن زبان کا لگا ہوا زخم بھرا نہیں کرتا)

اور اسکی وجہ بھی جانتے ہوگے کہ لسان کے زخم کا محل قلب ہوتا ہے اور یہ ایسا آبگینہ ہے کہ ذرا سی ٹھیس سے بس چور ہی ہو جاتا ہے۔ عالمگیرؒ کو کسی نے

کچھ تکلیف پہونچائی اور پھر بہت نادم ہوا معافی تلافی چاہی اور بہت سا ہدیہ بھی پیش کرنا چاہا اس پر آپ نے فرمایا کہ اس سے بھلا کیا تلافی ہوگی سہ

گر صد ہزار لعل و گہر می دہی چہ سود   دل را شکستۂ نہ کہ گو ہر شکستۂ

(تو اگر (بطور تلافی کے) صد ہزار لعل و گہر بھی پیش کرتا ہے تو بھی کیا فائدہ ؟ کیونکہ تونے تو دل کو توڑا ہے نہ کہ لعل گوہر کو)

بس یہی آپ سے بھی کہتا ہوں کہ مگر : دل را شکستۂ نہ کہ گو ہر شکستہ ر ــــ اور دل بھی اپنے ماں باپ سے بھی زیادہ شفیق و مہربان شیخ کا۔ ہم کو اور تم کو تو اس جرم کی شناعت و قباحت ہی کا درجہ نہیں معلوم ہو سکتا باقی اہل احساس سمجھتے ہیں کہ کتنا بڑا جرم ہوا؟ اور اسکی معافی کا یہ طریقہ نہیں کہ ہر ہفتہ ایک معذرت نامہ لکھدیا بس بلکہ یہ ہے کہ ــــ اسکی برائی کا احساس پیدا کرو اور اسکے منشاء پر غور کرو کہ منشاء کیا ہوا ــــ اسکا منشاء میرے نزدیک طبیعت کی خست اور کمینہ پن ہے شریف الطبع سے ایسی باتیں نہیں ہوتیں جب تک اسکو نہ سمجھوگے اور اسکا نہ اقرار کروگے اور اسکی اصلاح نکروگے صرف معافی مانگنے سے کام نہیں چلے گا۔ والسلام

یکے از خدام حضرت والا

(مکتوب نمبر ۳۱)

حــال : علالت کے زمانہ میں بھی الحمد للہ معمولات کسی نہ کسی طرح ادا ہوتے رہے اور قضا نہ ہوئے۔ عبادات خواہ نوافل ہوں یا فرائض و واجبات سب سے کافی رغبت ہے اور کمی ہوتی ہے تو برابر کھٹک محسوس ہوتی رہتی ہے کمی کو پورا کرنے پر دلکو اطمینان ہو جاتا ہے۔ تلاوت میں بھی حضرت والا کے ارشاد گرامی کا برابر خیــال رہتا ہے اور قلب کو حاضر رکھنے کی سعی کرتا ہوں۔ الحمد للہ تلاوت میں دن بدن دلجمعی نصیب ہو رہی ہے بہت کم دھیان اِدھر اُدھر بٹتا ہے۔ زیادہ تر حاضر رہتا ہے

تحقیق : ــ الحمد للہ ـ

حــال : ــ اللہ پاک کا احسان ہے اور حضرت والا کی دعائیں اور برکات

اس احقر کے ساتھ ہیں۔ حضرت والا کی خیرو عافیت اور دینی و دنیاوی درجات کی ترقی کیلئے روزانہ دعائیں کرتا ہوں اور جب تک دعائیں کر نہیں لیتا اطمینان نصیب نہیں ہوتا۔ خدا کرے حضرت والا بالکل تندرست ہوں۔

تحقیق:۔ الحمد للہ تندرست ہوں۔

حال:۔ والدہ صاحبہ اور گھر کے لوگوں کے سامنے حضرت والا کے ارشادات گرامی دہراتا رہتا ہوں اور خود بھی بار بار یادداشت میں تازہ کرتا رہتا ہوں تاکہ غفلت نہ ہونے پائے۔ تحقیق:۔ الحمد للہ

حال:۔ کیونکہ یہاں الحمد للہ الہ آباد کی زندگی کے مقابلے میں زیادہ سکون وعیش دنیاوی حاصل ہے یعنی سب عزیز واقارب کے ہمراہ ہونے سے ایک طرح کی خوشی ہے حالانکہ یہ محض دنیاوی خوشی ہے۔ والدہ صاحبہ بہت زیادہ قیمتی اور لذیذ کھانے کھلا رہی ہیں دفتر کی پریشانیاں بھی یہاں نہیں لہٰذا الحمد للہ آرام ہی آرام ہے۔ لیکن اس آرام میں بھی بے چینی ہے روحانی آرام نہیں۔ تحقیق:۔ بیشک۔

حال:۔ کیونکہ احقر اپنے کو ایک آزمائش میں پارہا ہے یعنی مبادا آرام کی زندگی احقر کو اللہ پاک کی یاد سے غافل کردے لہٰذا احقر بہت زیادہ ہوشیار رہنے کی سعی کرتا ہے۔ تحقیق:۔ الحمد للہ۔

حال:۔ کچھ بچے گھر کے لوگوں کے پاس کلام پاک پڑھنے آتے ہیں لہٰذا تھوڑا سا وقت ان بچوں کو دیدیتا ہوں کہ گھر کے مقابلے میں کچھ بہتر طریقہ سے پڑھنا ان بچوں کو سکھا سکوں کلام پاک کا ترجمہ بھی گھر میں پڑھکر سناتا ہوں۔ اور جتنا مضمون خود اچھی طرح سے جانتا ہوں اتنا تو الحمد للہ سب گھر کے لوگوں کو اور سب عزیز واقارب کو بتلاتا رہتا ہوں۔ تحقیق:۔ الحمد للہ۔

حال:۔ کل بروز چہارشنبہ "ذکر اللہ اور ازالہ غفلت" کا بیان عزیزوں کو پڑھکر سنایا اسمیں ذکر قلبی کی فضیلت کا ذکر پڑھکر دل میں ارمان ولالچ پیدا ہوئی

کہ کاش احقر کو ذکرِ قلبی کی نعمت حاصل ہو جاتی۔ چونکہ یہ چیز حاصل نہیں اس لئے رنج اور افسوس ہوا۔ تحقیق :۔ اللہ تعالیٰ یہ بھی عطا فرما دے۔

حال :۔ حضرت والا دعا فرمائیں کہ یہ نعمت اس نا اہل کو بھی حاصل ہو جائے اور محروم نہ رہوں۔ تحقیق :۔ دعا کرتا ہوں۔

حال :۔ اپنی ریاضت و مجاہدہ پر الحمد للہ ناز نہیں، صدق دل سے یہ احقر اپنے کو اتنی بڑی نعمتوں کا اہل ہرگز نہیں سمجھتا لیکن اللہ پاک کی ذات اقدس اور اسی کے فضل و کرم سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ رکھتا ہے۔ تحقیق :۔ بیشک

حال :۔ حضرت والا سے دعا کیلئے مستدعی ہوں کہ اللہ پاک دن بدن روحانی ترقی عطا فرمائے اور رذائل سے میرے قلب کو پاک کر دے۔ تحقیق : آمین

(مکتوب نمبر ۳۱۱)

حال : حضرت والا کا والا نامہ پہنچا کبر کے شائبہ سے قلب جس پریشانی میں مبتلا تھا اللہ کا فضل کہ والا نامہ دیکھنے کے بعد ایک تو شبہ سے قلب کو چین ملا دوسری بات یہ کہ اصلاح کی فکر اور اہتمام کیا تو طبیعت میں ایک ہمت پیدا ہوگئی ہے حضرت والا نے تحریر فرمایا تھا کہ کسی رذیلہ سے نفرت ہوتی ہے تو وہ نکل جاتا ہے لہٰذا میں نے اس نفرت کو غیر محرم کو دیکھنے کی جگہ پر ہمت کر کے جنا عمل کر کے دیکھا، الحمد للہ نفرت بھی خدا کی کتنی بڑی نعمت ہے اب میری نگاہ جھک گئی غیر محرم کی طرف دیکھنے کی چاہت اڑ گئی۔ علاج مشکل معلوم ہو رہا تھا لیکن حضرت والا نے جو نسخہ بتایا آسان ہے اور شفا بھی بہت جلد پا رہا ہوں۔ سبحان اللہ! رب العزت کا کتنا بڑا احسان ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ حضرت والا کا سایہ مجھ پر ہمیشہ ہمیشہ رکھے۔

تحقیق :۔ الحمد للہ کہ میرے جواب سے آپکو تسلی ہوئی اور اصلاح کی فکر ہوئی اور طبیعت میں ہمت پیدا ہوئی۔ آپ نے "نفرت" کو خوب سمجھا اور اس سے خوب کام لیا۔ آپکا یہ جملہ کہ نفرت بھی خدا کی کتنی بڑی نعمت ہے بہت پسند ہوا۔ اب آپ کیلئے کیا دشوار ہی ہے اسی کام لیجئے اور ایک ایک کر کے رذائل سے نکلتے جائیے۔ اللہ تعالیٰ اصلاح فرما دے۔

حضرتؒ خود فرماتے تھے کہ صرف کسی کا مرید ہو جانا کافی نہیں ہوتا اور محض "پدرم سلطان بود" کا زبانی نعرہ معتبر نہیں ہے۔ آدمی کو کام کرنا چاہیئے نہ تو کاہلی سے کام لے اور نہ تمام کے پیچھے پڑے۔

اس سلسلہ کے چند واقعات خود میرے علم میں بھی ہیں ایک صاحب جو حضرتؒ کے مخصوص احباب میں سے تھے جب وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے تو دو چار حضرات کے ساتھ آتے اور اپنے وطن میں ان سب کو دین اور طریق کی باتیں بتاتے اور سکھاتے تھے ایک مرتبہ ایسی ہی ایک جماعت کے ہمراہ وہ صاحب آئے۔ چند یوم قیام کیا اور واپسی سے ایک دو دن قبل سب لوگوں نے حضرت اقدسؒ کو اپنے اپنے حالات کا خط لکھا اور دعا، وغیرہ کی درخواست کی ان میں سے ایک صاحب نے حضرت اقدسؒ کو یہ لکھا کہ "اپنے وطن میں بھی حضرت کی مجلس میں بیٹھتا ہوں اور حضرت نے فلاں فلاں چیزیں پڑھنے کے لئے بتلائی ہیں۔ جب دو چار دفعہ انھوں نے حضرت حضرت لکھا تو ہمارے حضرتؒ نے ایک جگہ خط کھینچکر سوال فرمایا کہ" یہ حضرت کون ؟" خطوط کی واپسی پر ان صاحب نے خود بھی جواب کے اس سوال کو پڑھا اور جن بزرگ کے ہمراہ آیا کرتے انکو بھی دکھلایا۔ خود وہ کاتب صاحب تو کچھ سمجھے نہیں لیکن یہ صاحب سمجھ گئے اور گھبرا گئے۔ اور انکی گھبراہٹ بھی بجا تھی کیونکہ اس تحریر سے حضرت اقدسؒ نے دراصل انھیں صاحب کو تنبیہ فرمانا چاہا تھا کہ اتنے دنوں سے آتے جاتے ہو اور ابھی تک یہاں کا مزاج نہیں بتا اپنے پاس اٹھنے بیٹھنے والوں کو اتنا بھی نہیں سمجھا سکے ہو کہ وہ مجھ ہی کو مخاطب کر کے تمھیں حضرت سے تعبیر کرتے ہیں آخر طریق میں بھی کچھ ادب وغیرہ کی رعایت ہے یا نہیں؟ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہی کو خود کو حضرت کہلوانے کا شوق ہے یہ بات وہ سمجھے اور اس مواخذہ کا رخ اپنی جانب سمجھ کر گھبرا گئے۔ یہ تھا حضرت مصلح الامۃ کا قال جس سے طالبین میں اخلاص پیدا فرماتے تھے۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ایک صاحب کا یاد آیا ان کے پاس بھی لوگ آتے جاتے تھے حضرت والا کی جانب سے اجازت رہی ہوگی۔ ایک مرتبہ ان آنے جانیوالوں

میں سے ایک شخص نے ہمارے حضرت اقدس کو لکھا کہ کبھی کبھی تعطیل میں فلاں جگہ چلا جاتا ہوں خانقاہ میں قیام رہتا ہے الحمدللہ بہت نفع ہوتا ہے۔ حضرت مصلح الامۃؒ نے خط میں لفظ خانقاہ پر خط کھینچکر حاشیہ میں تحریر فرمایا کہ خانقاہ کیسی؟ اور راقم سے ان بڑے صاحب کے پاس خط لکھوایا کہ فلاں صاحب کو لکھو کہ — کسی کا پیر زندہ ہو اور وہ اسکی زندگی ہی میں خانقاہ بنوالے یہ کیسا ہے؟ اس خط کے پہنچنے ہی ان صاحب کے پیر تلے کی تو زمین نکل گئی، بہت کچھ عذر معذرت کی اور صفائی دی کہ حضرت میں نے کوئی خانقاہ نہیں بنوائی ہے لیکن حضرت اقدس کو اطمینان نہیں ہوا۔ فرماتے تھے کہ یہ ناممکن ہے کہ لوگ پہلے سے اس جگہ کو خانقاہ نہ کہتے ہوں اور بس اسی ایک شخص نے سب سے پہلی بار مجھے ایسا لکھدیا ہو ایسا سمجھ میں نہیں آتا یہ مانا خود انھوں نے اسکی ترغیب نہ دی ہوگی لیکن لوگوں سے سنکر اسکو ناپسند بھی نہ کیا ہوگا بلکہ خوش ہوئے ہوں گے کہ ہم صاحب خانقاہ ہوگئے۔ تم لوگوں سے پوچھتا ہوں بتلاؤ یہ کیسا ہے؟ کیا یہ پیر بننے کا شوق نہیں ہے؟ حضرت مولانا تھانویؒ کے سامنے تو کوئی ہم لوگوں کو کسی خصوصی القاب سے پکار لیتا تھا تو پانی پانی ہوجاتے تھے۔ یہ بھی اس زمانہ کا مرض ہے کہ پیر ہونے سے پہلے لوگ پیر بن جانا چاہتے ہیں۔ بس اب یہی حال ہوگیا ہے۔

اسی کو میں نے عرض کیا کہ سبحان اللہ حضرت اقدسؒ کا کیا کہنا روز و شب اسی دھن میں گذرتے کہ لوگوں میں کس طرح سے اخلاص پیدا کیا جائے اور کیونکر انھیں اخلاص کا مطلب سمجھایا جائے۔ غرض کسی اللہ والے کے حالات میں اسکے اسی نوع کے احوال اور اقوال و افعال اور تعلیمات قابل دید اور لائق واہ واہ کرتے ہیں۔ چنانچہ اخلاص، توکل اور تفویض کا ایک نمونہ آپ نے علالت کے اس واقعہ میں ملاحظہ فرمایا اللہ تعالیٰ ہمکو بھی اس دولت کا ایک شمہ عطا فرمادے

جب اس طویل علالت سے اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس کو شفا عطا فرمائی تو اس کے بعد بھی کچھ مدت تک حضرت والا مولوی ثناء اللہ صاحب مرحوم کے مکان

ہی پر قیام فرما رہے اور اسکے بعد وہ ناخوشگوار واقعہ پیش آگیا جس کی وجہ سے حضرت والا حکیم وصی احمد صاحب کے مکان میں منتقل ہو گئے۔ اس سلسلہ میں راقم یہ عرض کر چکا ہے کہ مولوی نثار اللہ صاحب اور مولوی امجد اللہ صاحب جو حضرت والا کے اصل میزبان تھے وہ اس واقعہ میں بالکل بے قصور تھے لیکن تھوڑی سی غفلت ہو جانے کی وجہ سے مورد عتاب بھی تھے۔ جب حضرت والا حکیم صاحب کے یہاں تشریف لے گئے اور سب طلبہ اور طالبین بھی یہاں سے روانہ ہو گئے اور اب مدرسہ و خانقاہ ہر دو حکیم صاحب موصوف کے مکان پر قائم ہو گیا تو ان مولوی صاحبان کو بھی اپنا مکان کاٹنے لگا۔ جہاں دن رات چہل پہل رہتی تھی کہ ایک طرف اگر قال اللہ و قال الرسول کی آواز سنائی پڑتی تھی تو دوسری جانب اللہ ہو اللہ ہو کی صدا سے ہال گونجتا رہتا تھا وہاں اب ہو کا عالم ہو گیا تھا اسلئے یہ دونوں حضرات بھی اپنا اپنا بستر لیکر حکیم صاحب کے مکان پر پہونچ گئے کہ جب شیخ ہی نے ناراض ہو کر ایک جگہ کو چھوڑ دیا ہے تو پھر اب ہم وہاں کیسے رہ سکتے ہیں لیکن جب حضرت والا کو اسکی اطلاع ہوئی تو مولوی نثار اللہ صاحب کو بلوایا کہ میں تو آپ کے یہاں سے چلا آیا جو ان حالات میں میرے لئے ضروری تھا لیکن یہ بھی نہیں چاہتا کہ شہر میں آپ لوگوں کی رسوائی اور بدنامی ہو آپ لوگ یہاں کیوں چلے آئے آپ کے گھر کے لوگ پریشان ہوں گے ایسا نہ کیجئے بلکہ آپ لوگ اپنے اپنے مکان جائیے اور وہاں ہی رہیے اس پر مولوی نثار اللہ صاحب آبدیدہ ہو گئے اور تاثر کے ساتھ حضرت سے معافی مانگی کہ حضرت اقدس کے قلب مبارک میں ہم لوگوں کی طرف سے ادنیٰ تکدر بھی ہماری دینی تباہی کے مرادف ہے۔ حضرت نے انکی تسلی فرمائی اور اُن کے اِن جذبات کی قدر فرمائی اسکے بعد وہ حضرات اپنے اپنے گھر واپس ہو گئے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ اس دنیا میں واقعات تو پیش آتے ہی رہتے ہیں حوادثات کا وقوع بھی ناگزیر ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ لوگوں کے معاملات ایسے مواقع پر کیا ہوتے ہیں اور کون اپنا کیسا کردار پیش کرتا ہے تو اس میں شک نہیں کہ بڑا صبر آزما واقعہ تھا۔ اس موقع پر ان ہر دو صاحبان نے اپنے انتہائی اخلاص۔ انقیاد۔ محبت و تعلق شیخ اور کامل

دینداری کا ثبوت پیش کیا۔ ایسے مواقع پر کسی کو اپنے انتقامی جذبات کی تسلی دینی مقصود ہو یا اسکے رذیلہ حسد کو اپنے ابھار کا ایک اچھا موقع ہاتھ آجائے تو اسکے متعلق کچھ کہنا نہیں ہے ورنہ انسان اگر اپنے قلب پر ہاتھ رکھکر اس واقعہ کو سوچے تو اسکی سمجھ میں حقیقت آجائے کہ شہر کے ایک باعزت گھرانے کے لوگ جو ثروت میں شہرت میں جاہ و منصب میں ایک عالی مقام رکھتے ہوں ان کے ساتھ ایسے زبردست معاملہ کا پیش آجانا جو ایک ضعیف القلب کے لئے اسکے ہارٹ تک کے فیل ہوجانے کا سبب بن سکتا ہو اسکو اس خندہ پیشانی سے گوارا کر لینا اور خود ہی کو باوجود بےقصور ہونے کے مجرم کے خانہ میں رکھکر شیخ سے معذرت طلب کرنا اس میں شک کہ فنا فی الشیخ کا انتہائی ثبوت تھا۔ یوں کہنے کو آپ جو چاہیئے کہہ لیجئے اور قائم کرنے کو جو رائے چاہیئے قائم کر لیجئے مگر بہ نظر انصاف اگر دیکھئے گا تو اس میں ان دونوں مریدین کو آداب طریق اور تأدب شیخ میں اگر فقید المثال نہیں تو قلیل النظیر ہی پایئے گا کیونکہ آج کی دنیا میں تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ اگر مرید کی منشا کے خلاف شیخ کا کوئی ادنیٰ معاملہ بھی ہوتا ہے تو مرید ہی اس شیخ کو طلاق دیکر اور بزبان حال یہ کہکر چلدیتا ہے کہ پائے مرا لنگ نیست ملک خدا تنگ نیست " یعنی دنیا میں بہت سے پیر ہیں آپ نہ سہی کوئی دوسرا سہی اب اہل زمانہ کا یہ انداز ملاحظہ ہو اور ان دو حضرات کا ایسا نیاز وانقیاد ان دونوں کا موازنہ کیجئے اور دیکھئے کہ ان حضرات نے واقعی اپنے تعلق بالشیخ کا ثبوت دیا تھا یا نہیں؟

پھر جب چند دن کے بعد معاملہ ہلکا ہوا اور ان حضرات سے جو چوک یا غفلت ہوگئی تھی اس پر تنبیہ ہو چکی تو حضرتؒ کو خود یہ خیال ہوا کہ یہ لوگ امیر۔ رئیس۔ شریف زادے ہیں اور گورکھپور میں ممتاز ترین شخصیت کے مالک ہیں ان کی اسکے شہر میں رسوائی بھی ٹھیک نہیں تو حضرت والا نے اپنی فراست وحکمت اور خداداد سلیقۂ اصلاح سے اسکی تلافی کی یہ صورت تجویز فرمائی کہ ایک دن مجلس میں آنے والے سب لوگوں سے مواخذہ اور اخلاص کا مطالبہ فرمالیا (سب ناظرین کو شاید نہ معلوم ہو کہ حضرت والاؒ مجلس فرماتے تھے اور اس میں امور اصلاحی امراض نفسانیہ اور ان کے معالجات ذکر فرماتے تھے اس کے

ساتھ ساتھ یہ بھی کرتے تھے کہ مہینہ دو مہینہ (یا کم و بیش) کے بعد کبھی کبھی سب لوگوں سے یہ سوال ہوتا تھا کہ آپ لوگ اتنے دنوں سے آرہے ہیں مجھ سے آپ نے کیا سیکھا آنا جانا اخلاص سے ہے یا محض رسمی؟ ہر شخص الگ الگ ایک ایک کرکے آدے اور مجھے مطمئن کرے۔ آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ جب شیخ ایسا امتحان لے لے تو طالبین کیلئے یہ کسقدر دشوار گذار گھاٹی ہوتی تھی ہر شخص اپنی جگہ کانپ اٹھتا تھا لیکن حضرت کا حکم ہوتا تھا اسلئے سب لوگ باری باری پیش ہوتے اور حضرت ہرایک سے اسکے احوال کے مناسب معاملہ فرماتے تھے کسی سے یہ فرماتے کہ آپ کو تو میں جانتا ہوں کام پر لگے ہیں جائیے کام کیجئے۔ کسی سے اسکے عرض معروض کے بعد فرماتے کہ ہاں بھائی کام کرو۔ یونہی بلا فائدہ آنا جانا نہ رکھو۔ کسی کے عرض مدعا پر فرماتے کہ اب آپ یہ فرما رہے ہیں آجتک آپ نے اپنا کچھ حال لکھکر نہیں دیا کبھی کبھی از خود اپنے حالات سے مطلع کیجئے۔ جائیے۔ کسی سے فرماتے سچ کہہ رہے ہو نا بات تو نہیں بنا رہے ہو کہ سڑاک سڑاک پیر کے سامنے بولکر نکل جاؤ یہ کیسا ہے؟ کسی سے فرماتے کہ آئیے اور ہم ہی لوگوں سے نفاق برتیئے اچھی بات ہے میں بھی اب تیار ہوں فرمائیے کیا فرماتے ہیں لیکن جو کچھ کہیئے گا سمجھکر کہیئے گا اور یہ سمجھ لیجئے گا کہ اپنا جو حال جس طرح اب بیان کیجئے گا ویسا ہی آپ کے لئے لازم حال ہو جائے گا یعنی اگر جھوٹ اور غلط بیانی سے کام لیجئے گا تو جھوٹ اور نفاق ہی آپ کو یہاں سے مل بھی جائے گا ؏ ان تمارضتم لدنیا تمرضوا۔ (اگر تم ہمارے سامنے اپنا (جھوٹا) بیار ہونا ظاہر کرو گے تو واقعی میں بیمار ہو جاؤ گے) کوئی صاحب حال اور محب تنہائی پاکر رو دیتا حضرت والا اسکے صدق حال کی تصدیق فرماتے۔ غرضیکہ اسی طرح سے ہر شخص کا حال فی الجملہ شیخ کے سامنے سے گذر جاتا اور با ہر مجمع کا یہ حال ہوتا کہ طریق کے متعلق ؏ "اندریں رہ می تراش و می خراش" کا منظر سامنے آجاتا تھا۔ یہ اس سوال و جواب کی عکاسی تھی جو حضرتؒ کبھی کبھی اہل مجلس سے فرمالیا کرتے تھے۔

چنانچہ اسی طرح سے حکیم صاحب کے یہاں بھی لوگوں سے یہ سوال ہوگیا اور حضرت کا مواخذہ اور عتاب اس امر پر ختم ہوا کہ فرمایا کہ یہ میری مجلس خصوصی مجلس ہے اسمیں

ہر شخص شریک نہیں ہو سکتا بلکہ جو مخلص ہو اور جسکو اپنی اصلاح منظور ہو جو کچھ کام کرنا چاہے وہی آئے اور غیر طالبین اور غیر مخلص دوسرے اوقات میں مجھ سے ملیں مجلس میں نہ بیٹھیں۔ اسکے بعد فرمایا کہ اب کون شخص طالب ہے اور کون نہیں اسکے لئے مولوی نثار اللہ صاحب کو مقرر کرتا ہوں۔ آپ سب لوگ ان سے ملیئے وہ جس کے متعلق اطمینان دلادیں گے اور سفارش کردیں گے وہ شخص مجلس میں آسکتا ہے۔ اس اعلان کے سننے کے بعد ہر شخص کو یہ فکر ہوگئی کہ وہ کس طرح سے مولوی صاحب موصوف کو مطمئن کرے تاکہ مولوی صاحب حضرت والا سے اسکے لئے مجلس میں شرکت کی اجازت دلوادیں۔ اس معاملہ سے ایک طرف تو یہ نفع ہوا کہ تمام آنے جانے والوں کی نظر میں مولوی نثار اللہ صاحب کی ایک عظمت قائم ہوگئی کہ یہ حضرت والا کے ایسے معتمد علیہ ہیں' اور سابقہ مواخذہ کی وجہ سے کسی بدفہم کو خود انھیں حضرات سے اگر کسی قسم کی سوظنی ہوگئی ہو تو وہ ختم ہو جائے اور دوسری طرف آنے جانے والوں میں یہ احساس پیدا ہوگیا کہ یہ کام کی جگہ ہے یہاں آتے ہیں تو کچھ کام کرنا چاہیئے ورنہ کسی وقت بھی ہماری گرفت اور پکڑ ہو سکتی ہے سبحان اللہ یہ بھی حضرت مصلح الامۃ کی اصلاح کہ کیسے کیسے اور کتنے نازک موقعوں پر بھی آپ کا ذہن رسا کیسا طریقہ' کار سوچ لیتا تھا کہ جس میں سب ہی کے نفع کا سامان ہوتا اور کسی کو ضرر نہ پہونچتا۔

بہرحال چند ہی دنوں کے بعد حضرت والا ان حضرات سے منشرح ہو گئے اور انکا سارا غم غلط ہوگیا لوگ بھی سب بھول گئے کہ کیا ہوا تھا اور کیا نہیں ہوا تھا۔ اب حضرت اقدس کی مجلس حکیم صاحب کے ہال میں ہونے لگی۔ چونکہ مولوی نثار اللہ صاحب کے ہال سے بہت چھوٹا کمرہ تھا اس لئے حاضرین سے کھچا کھچ بھر جاتا بلکہ کچھ بعد میں آنے والوں کو دالان ہی میں بیٹھنا پڑتا۔ یہیں حضرت والا کا قیام تھا کہ ایک بار حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ' حضرت کی عیادت کے لئے حاضر ہوئے تھے جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ طلبہ اور طالبین کے لئے بھی جگہ بن گئی حکیم صاحب نے اور ان کے برادر معظم قبلہ جناب حاجی ولی محمد صاحب نے پاس پڑوس کے دو ایک مکانات بھی خالی کرادیئے، حکیم صاحب خود جس گھر

میں رہتے تھے اس میں حضرت والا کے متعلقین قیام پذیر ہوئے۔ حضرت والا کی قیام گاہ کا ایک دروازہ اندر کی جانب بھی کھلتا تھا اسلئے صاحبزادیوں کیلئے بھی ملاقات کرنے اور آنے جانے میں آسانی تھی۔

وطن میں حضرت والا نے مسجد کی توسیع فرمائی تھی لیکن خدا کو یہی منظور تھا کہ حضرت گورکھپور جائیں چنانچہ تشریف لے گئے اسی طرح سے یہاں حکیم وصی صاحب کی مسجد بھی مختصر سی تھی حضرت اقدس کے پہونچنے کے بعد اسکی توسیع بھی وجود میں آئی اور پھر وہ نہایت عمدہ اور شاندار مسجد بن گئی۔

حضرت والا نے اب یہاں کچھ طلبہ اور طالبین کے انتشار قیام کے باعث اور کچھ سابقہ واقعہ سے عبرت فرماکر یہ چاہا کہ جب رہنا ہے تو پھر خود اپنا کوئی مکان ذاتی اور مستقل طور پر یہاں ہو جائے تو بہتر ہے اسکا تذکرہ بھی احباب سے فرمایا چنانچہ ہم لوگ دیکھتے تھے کہ کبھی مولوی امجد اللہ صاحب مرحوم کے ساتھ کبھی حکیم ابو الکلام صاحب کے ہمراہ اور کبھی حکیم وصی احمد صاحب کی معیت میں رکشے پر کہیں تشریف لیجاتے تھے واپسی پر معلوم ہوتا تھا کہ فلاں محلہ میں ایک مکان فروخت ہونے والا ہے اسی کو دیکھنے تشریف لے گئے تھے اور کبھی یہ معلوم ہوتا کہ فلاں جگہ ایک زمین تھی اسکو ملاحظہ فرمانے تشریف لے گئے تھے ایسا متعدد بار پیش آیا لیکن خدا تعالیٰ کے علم میں تو الہ آباد کو آپکا مستقل وطن ہونا مقدر ہو چکا تھا اسلئے خدا کا کچھ کرنا ایسا ہوا کہ نہ تو کوئی مکان ہی پسند آیا نہ کوئی زمین ہی طے ہو سکی۔

گورکھپور کے زمانہ قیام میں جسکی مدت کم و بیش ڈیڑھ سال رہی تقریباً ایک سال مولوی نثار اللہ صاحب کے یہاں اور ۶ ماہ کے قریب حکیم صاحب کے یہاں۔ اس مدت میں حسب ذیل حضرات ہمارے حضرت اقدسؒ سے زیادہ قریب ہوئے یعنی ان حضرات نے وقتاً فوقتاً آمد و رفت رکھی اور ان میں سے بعضوں کو تو حضرتؒ سے خاص تعلق ہوا وہ حضرات یہ ہیں: ——— مولوی نثار اللہ صاحب مرحوم۔ مولوی امجد اللہ صاحب مرحوم۔ مولوی محمد شکیل صاحب عباسی مرحوم۔ ماسٹر واحد علی صاحب مرحوم۔ مولوی عبد الحنان صاحب۔ مولوی حکیم عبد الحق صاحب۔ مولوی وصی الدین صاحب مرحوم۔ مولانا افتخار الحق صاحب مدظلہ

حکیم مولوی وصی[9] احمد صاحب ۔ حاجی ولی[10] محمد صاحب ۔ حاجی مطیع اللہ[11] صاحب مرحوم حاجی محمد عمر[12] صاحب ۔ قاضی عظیم الحق[13] صاحب اور ان کے صاحبزادے قاضی علیم الحق[14] صاحب عبدالغفار[15] خاں صاحب ۔ مولوی غیاث[16] الدین صاحب ۔ بھائی لیاقت حسین[17] صاحب اور ان کے بھائی صاحبان[18,19] ۔ حکیم ابوالکلام[20] صاحب ۔ مولوی امجد اللہ صاحب کے صاحبزادگان[21,22] مولوی نثار اللہ صاحب کے بڑے داماد بھائی مسعود[23] علی صاحب مرحوم عزیزم حافظ[24] عبدالعزیز سعدی قاضی وہاب[25] اشرف صاحب ۔ داروغہ امداد[26] حسین صاحب مرحوم ۔ حافظ[27] نثار اللہ صاحب کاری ساٹھوی ۔ مولوی جنید[28] صاحب ۔ مولوی ابراہیم[29] صاحب کوریا پاری ۔ بھائی محمد[30] معروف صاحب ۔ محمد ادریس[31] صاحب سارٹر ۔ تحصیلدار محمد حنیف[32] صاحب ۔ پروفیسر عبدالحمید[33] صاحب ۔ تحصیلدار عاشق[34] احمد صاحب ۔

مذکورہ بالا حضرات تو مقامی تھے ان کے علاوہ باہر سے بھی لوگ برابر آتے رہتے اور جو بہار اور چہل پہل اب سے پہلے مولوی نثار اللہ صاحب کی کوٹھی کو نصیب تھی وہ اب اس غریب کی جھونپڑی کے حصہ میں آگئی، بہرحال کوئی محل ہو یا جھونپڑی اہل اللہ کی نظر میں دونوں یکساں ہیں ۔ جس طرح سے دین کا کام وہاں سے ہو رہا تھا اسی طرح سے معرفت کی نہر اب یہاں سے بہنے لگی اور الحمد للہ اہل گورکھپور اس سے سیراب اور فیض یاب ہونے لگے ۔

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ لوگ اس فکر میں بھی رہنے لگے کہ حضرت والا کے لئے کوئی مستقل مکان کہیں مل جاتا تو حضرت کا قیام یہیں گورکھپور میں مستقل ہو جاتا اس لئے ہر شخص اس کوشش میں رہنے لگا کہ کہیں کوئی مکان مل جائے لیکن خدا کے علم میں تو اور ہی کچھ تھا اسلئے خاطر خواہ اور مناسب حال کوئی مکان نہ ملنا تھا نہ ملا ۔ چنانچہ چند ہی (یعنی ۶، ۷) ماہ یہاں قیام کے گذرے تھے کہ سفر الہ آباد کے اسباب پیدا ہونے شروع ہو گئے یعنی حضرت والا ایک بار پھر سخت بیمار پڑے علاج کس کس کا نہیں ہوا گورکھپور کے سب ہی حکیم و ڈاکٹر سے رجوع کیا گیا لیکن ہوا یہ کہ ؎

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

۶۳۔ میں نے اسلام کیوں قبول کیا

قاہرہ میں ڈاکٹر خالد شیلڈرک کا خطبہ

(انگریزی سے ترجمہ ماخوذ از رسالہ "برہان" دہلی)

(مشہور نومسلم انگریز علامہ ڈاکٹر خالد شیلڈرک نے مصری نوجوانوں کی انجمن (جمعیۃ الشبان المسلمین قاہرہ) کے ایوان میں ایک اجتماع عظیم کے سامنے مقالہ ذیل پیش کیا ہے اس مقالہ سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ لوگ میں اشاعت اسلام قادیانی مبلغوں کی نام نہاد مساعی کی رہین منت نہیں ہو بلکہ تعلیمیافتہ یورپین اپنے ذاتی مطالعہ کی بنا پر فوج در فوج حلقۂ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ فسبح بحمد ربک۔)

میں اپنے خطبہ کا افتتاح کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ سے کرنا چاہتا ہوں کہ میرے جذبات مسرت کا تقاضا یہی ہے۔ میں نے دین اسلام کافی غور و فکر کے بعد قبول کیا ہے اور آپ کو یہ سنکر تعجب ہوگا کہ میں نے اس دین کی تعلیمات اولاً اسکے موافقین کی کتابوں سے نہیں بلکہ اسکے مخالفین کی کتابوں سے حاصل کی۔

میں برطانوی ماں باپ کے گھر پیدا ہوا جو "پروٹسٹنٹ چرچ" سے وابستہ تھے اور میرے والد کی آرزو تھی کہ وہ مجھے اس چرچ کا ایک پادری دیکھے اسلئے مجھے دینی کتب کے مطالعے اور مذہبی موضوعات پر مباحثہ میں دیکھکر اسے مسرت ہوتی تھی۔

مجھے یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان اگرچہ بظاہر عیسائیت کا پیرو ہے لیکن نوے فیصد انگریز عیسائیت کی حقیقت سے ناواقف ہیں اور میں بلند آہنگی کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ میں خود بھی اپنی زندگی میں ایکدن بھی عیسائیت کے مزعومہ اصول کا قائل نہ ہو سکا آپ جانتے ہیں کہ عیسائیت کی بنیاد اس عقیدہ پر قائم ہے کہ خدا کی ذات واحد تین شخصیتوں کا مجموعہ ہے اور یہ ایک ایسا عقیدہ ہے جسے قبول کرنے سے عقل انکار کرتی ہے بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ باپ اور بیٹا ہر زمانہ میں ساتھ ساتھ موجود ہوں جس کسی زمانہ میں باپ کا وجود فرض کیا جائے بیٹے کا وجود بھی اسکے ساتھ لازم ہو یہ ایک ناقابل فہم عقیدہ ہے جسے کوئی ذی ہوش تسلیم نہیں کر سکتا بایں ہمہ عیسائی

عقیدۂ تثلیث پر اڑے ہوئے ہیں خواہ اسے سمجھتے نہ ہوں۔

آپکو یہ بھی معلوم ہے کہ عیسائی ۲۵ دسمبر کو مسیح علیہ السلام کا یوم ولادت مناتے ہیں حالانکہ اس خیال کی تائید میں وہ مسیح کی کسی ہم عصر یا قریب العصر شخصیت کی سند پیش نہیں کر سکتے دراصل یہ ایک پوپ کی دماغی اختراع ہے جسکی کوئی تاریخی اصلیت نہیں بلکہ اصول حساب کی شہادت اسکے خلاف ہے۔ بات یہ ہے کہ ۲۵ دسمبر قدیم بت پرستوں کا ایک مقدس دن تھا یہ لوگ سورج دیوتا کے پجاری تھے چنانچہ جب انکا دیوتا سورج جسے یہ لوگ مصدر وجود اور چشمۂ حیات سمجھتے تھے زمانۂ انقلاب سرمائی کو ختم کر لیتا تو اس سے اگلے دن یہ لوگ عید مناتے تھے اور اسے اپنے دیوتا کا یوم ولادت مانتے تھے اسی عقیدۂ ولادتِ شمس کو عیسائیوں نے عقیدۂ ولادتِ مسیح میں تبدیل کر لیا اور بت پرستوں کے قدیم دستور کے مطابق ۲۵ دسمبر کو عید قرار دیا حالانکہ ان کے پاس کوئی تاریخی یا علمی سند نہیں جس سے وہ اس تاریخ کو یوم ولادتِ مسیح ثابت کر سکیں اسی طرح سے قدیم بت پرست اعتدال ربیعی سے اگلے دن بھی عید مناتے تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ آج ان کے خدا سورج دیوتا نے تاریکی پر فتح پائی ہے جو اس کے راستہ میں حائل ہو گئی تھی اور اب اسکی طاقت اور روشنی میں اضافہ ہو گیا ہے چنانچہ پرانے بت پرستوں کی پیروی میں جس طرح عیسائیوں نے یوم ولادتِ مسیح میں تبدیلی کر کے عید مانا تھا اسی طرح انھوں نے یوم اعتدال ربیعی کو جو دراصل سورج دیوتا کے طاقت پانے کا دن تھا مسیح کے طاقت پانے کا دن قرار دیکر اسے یوم القیامۃ (ایسٹر) بنا لیا۔ باپ بیٹے کا عقیدہ بھی قطعی پرانے بت پرستوں کے عقائد سے ماخوذ ہے اور اسکا ثبوت یہ ہے کہ بدھ مت کے ماننے والے بدھ کے بچپن کے زمانہ کی تصویر اسکی ماں مایا کے ساتھ جس انداز کی بناتے ہیں بعینہ اسی انداز کی تصویر مسیح کے زمانۂ طفولیت کی ان کی ماں مریم کے ساتھ ہم گرجا میں منقوش پاتے ہیں۔

حقیقت ہے کہ مسیح کی وہ شخصیت جس کے عیسائی دعویدار ہیں کوئی تاریخی حیثیت نہیں رکھتی اگر کوئی ناقد علمی طریقہ سے اس موضوع پر بحث کرے تو اسے اس بحث سے خالی ہاتھ واپس آنا پڑے گا اسکا اندازہ آپ مسیح کی ان تصویروں ہی سے کیجئے جو مختلف ممالک کی آپ پاتے ہیں۔ آسٹریا کے گرجوں میں آپ مسیح کی صورت کچھ پائیں گے بغداد کے گرجوں میں

کہ آپ غور و فکر کے بعد کلیسا مسیح کی ان فرضی تصویروں سے انکی اصلی صورت کا اندازہ نہ کرسکیں گے

اسلام کے خلاف عیسائیت کا غلط پروپیگنڈہ واقعہ یہ ہے کہ عیسائیوں کے مختلف طبقوں میں اصول عیسائیت اور ذات کے متعلق بنیادی اختلافات ہیں بس مجھے عیسائیت کی انھیں الجھنوں نے دوسرے مذاہب کے مطالعہ پر آمادہ کیا چنانچہ مذاہب عالم کے متعلق انگلستان کی لائبریریوں میں مجھے جتنی کتابیں ملیں میں نے انکا مطالعہ شروع کیا یہاں میں نے دنیا کے ہر مذہب کے متعلق علمی کتابیں پائیں جن سے ان مذاہب کے متعلق کافی معلومات حاصل ہوسکتی ہیں مگر جو کتابیں اسلام کے متعلق دیکھیں ان میں بجز طعن و تشنیع کے کچھ نہ تھا ان کتابوں کا نچوڑ یہی تھا کہ اسلام کوئی مستقل مذہب نہیں ہے وہ محض عیسائی لٹریچر سے ماخوذ چند اقوال کا مجموعہ ہے۔ قدرتاً میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر واقعی اسلام ایسا بے حقیقت مذہب ہے جیسا کہ یہ ظاہر کرتے ہیں تو پھر اسپر اسقدر اعتراضات اسقدر طعن و تشنیع اور اسکے مقابلہ و مدافعت کے لئے اتنی طاقت آزمائی کی کیا ضرورت تھی؟ میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اگر دین اسلام سے انھیں خوف نہ ہوتا اور اسکی قوت و زندگی سے مرعوب نہ ہوتے تو اس مقابلہ و مجادلہ اور اس توہین و تذلیل کے لئے اتنی محنت برداشت نہ کرتے۔ چنانچہ اب میں نے طے کرلیا کہ دین اسلام کی جتنی کتابیں مجھے مل سکتی ہیں میں ان سب کو ایک ایک کرکے دیکھوں گا۔

معترضین کے اعتراضات سے اسلام کو کوئی خطرہ نہیں یہ لوگ اگرچہ معاندانہ نقطۂ نظر کو پیش کرتے ہیں مگر اس سے بھی اسلام کی قوت کا اندازہ ہوتا ہے اور اسلام کے لئے دعوت و تبلیغ کا راستہ پیدا ہوتا ہے ؎

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن　　　پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اب جبکہ مجھے ہدایت نصیب ہوگئی اور میں نے اپنے دل کے پردوں سے یہ آواز آتی سنی کہ میں مسلمان ہوں تو میں نے باقاعدہ مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہونے کا ارادہ کیا مجھے ایک صاحب نے بتلایا کہ دارالخلافہ اسلام میں ایک مشہور مسجد ہے جس کا نام اباصوفیہ ہے (اور وہ اسلام کا سینٹر ہے) تو میں نے اس مسجد کے پتہ پر اپنے حالات لکھ بھیجے جب میرا خط قسطنطنیہ پہنچا تو محکمہ ڈاک نے اسے سلطان عبدالحمید کی خدمت

میں روانہ کر دیا۔ سلطان اعظم کے سکریٹری نے مجھے جواب دیا کہ آپ مشہور انگریز نو مسلم شیخ عبداللہ کوئلم سے ضرور ملاقات کریں۔ آپ لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ مجھے ایسے مسلمان انگریز سے ملاقات کر کے کس قدر خوشی ہوئی ہوگی جس سے میں کھل کر اپنے دل کا راز بیان کر سکوں۔ اور شیخ عبداللہ کوئلم وہ شخصیت ہے جس کی تنہا کوشش سے انگلستان میں پانچسو سے زیادہ انگریز مسلمان ہوئے۔

اس دوران میں میرا ارادہ ہوا کہ اپنے قبول اسلام کی اطلاع والد کو کر دوں چنانچہ میں نے اطلاع کر دی اور میں اس واقعہ کا اظہار مناسب سمجھتا ہوں کہ عیسائیت کو خیرباد کہنے سے تو میرے والد کو قطعاً رنج نہ ہوا مگر افسوس کہ میرے قبول اسلام سے ان کے دل پر سخت چوٹ لگی اور انکو اور انکے خاندان کو اس سے بڑا رنج ہوا۔ ان کے اس رنج کو اگر کوئی چیز کم کر سکتی تھی تو یہ خیال کہ شاید میں ان کے کہنے سننے سے پھر (معاذ اللہ) اسلام کو ترک کر کے داخل مسیحیت ہو جاؤں۔ لیکن میں نہایت مسرت کے ساتھ یہ اعلان کرتا ہوں کہ مجھے اسلام کے دامن کو تھامے ہوئے پینتیس سال گذر گئے ہیں اور آج میں اسوقت کی بہ نسبت کہیں زیادہ اصول اسلام کا معتقد اور اس کے محاسن و فضائل کا معترف ہوں۔ جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے میں اسکے احکام پر عمل کرتا ہوں میں ولی اللہ ہونے کا دعویٰ تو نہیں کرتا مگر یہ ضرور ہے کہ میں فرائض اسلامی ادا کرنے میں کسر نہیں چھوڑتا مجھے کامل یقین ہے کہ ایک دن تمام دنیا دین اسلام | مسلمانوں کو عملی نمونہ بنا چاہیئے

کے جھنڈے کے نیچے آجائیگی مگر یہ اس امر پر موقوف ہے کہ پیروان اسلام، اسلام کا نمونہ بنیں اور اصول اسلام کو عملی طور پر دنیا کے سامنے پیش کر دیں مختلف ممالک اسلامی کے سفر کے دوران میں نے محسوس کیا ہے کہ جن ممالک میں مسلمان اکثریت میں ہیں وہاں ابر ضعف پست ہمتی اور افتراق غالب ہے اور جہاں وہ اقلیت میں ہیں وہاں وہ اصول دین کی پیروی، احکام دین پر عمل میں (جو قوت و ترقی کے اسباب ہیں) نسبتاً بڑھے ہوئے ہیں۔

اگر دنیا کے مختلف ملکوں کے مسلمان اپنے دین کی پیروی کریں اور ان کی

سیرت پر اسلام کی عظمت کے آثار نمایاں ہوں تو اسلام کی یہ ایک عملی ترغیب ہوگی جو اقوام عالم کو اسلام کے اصولوں کا گرویدہ بنا دے گی۔

یہ ایک قدرتی بات ہے کہ جب غیر مسلم مسلمانوں کو احکام دین کیخلاف عمل کرتے دیکھتے ہیں تو وہ انکے اعمال کے آئینہ میں اسلام کی مسخ شدہ تصویر دیکھکر اس سے متنفر ہو جاتے ہیں بلکہ میں کہتا ہوں کہ اگر انھیں یہ بتایا بھی جائے کہ جو کچھ مسلمان کر رہے ہیں اسلام کے احکام اس سے مختلف ہیں تب بھی وہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر احکام اسلام میں کوئی خوبی ہوتی تو سب سے پہلے متبعین اسلام انپر عمل کرتے اور کسی صورت میں انکی مخالفت نکرتے مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ اگر کوئی مسلمان غیر مسلموں کی کسی تقریب میں شریک ہو اور وہاں انکے سامنے شراب پیش کیجائے اور وہ اسے رواداری اور وسیع النظری کے اظہار کے لئے قبول کرے تو اسکا یہ عمل غیر مسلموں کیلئے اس عمل کا ثبوت ہوگا کہ یہ مسلمان خود اپنے مذہب کی تعلیمات کی ترویج و اشاعت کی صلاحیت کا منکر ہے ورنہ سب سے پہلے وہ خود اس پر عمل کرتا اور اپنے عمل سے دوسروں کیلئے بہترین نمونہ بنتا۔ للٰذا ہر مسلمان اپنے مذہب کا مبلغ بن سکتا ہے اگر وہ اُسکے آداب و اخلاق اور آئین کی محافظت کرے جس طرح وہ اسکے مانع بن سکتا ہے اگر وہ ان امور میں مداہنت برتے۔

قرآن کریم صرف احکام دینی ہی کا مجموعہ نہیں بلکہ وہ انسان کی انفرادی و اجتماعی دنیوی زندگی کا بھی بہترین رہنما ہے اور یہ حقیقت میں نے اسی وقت محسوس کرلی تھی جب میں نے اس کا مطالعہ شروع ہی کیا تھا حالانکہ میرا مطالعہ ان تراجم کے واسطے سے تھا جن میں اسکی پاک تعلیمات کو آلودہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اسلام کے سوا اور کوئی مذہب نہیں جو ہر قسم کی عبادت کو خداوند جل و علیٰ کیلئے مخصوص کرتا ہو اور توحید خالص کے عقیدہ کا اعلان کرتا ہو اور عیسائیت تو انسانوں کی پیشانیوں کو انکے اپنے ہاتھ کے تراشے ہوئے معبودوں کے سامنے جھکاتی ہے بھلا اسکے اس ظاہر کا اسلام کے توحید باہرے کیا مقابلہ جسکی دعوت سورۂ اخلاص میں دی گئی ہے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۔ کہدو کہ اللہ ایک ہے اور وہ بے نیاز ہے نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ کسی نے اسے جنا۔ اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے۔" ـــ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ قرآن

جس خدا کی عبادت کیلئے بندوں کی رہنمائی کی ہے وہ عیب سے بری اور ہر صفتِ کمال سے متصف
جب انسانیت جہالت اور بچپن کے زمانے سے گذر رہی تھی تو وہ ہاتھ اور قلم کے بنائے ہوئے خدا
سے کھیلتی تھی افسوس کہ آج ۱۹۳۰ء میں بھی یہ حماقت دیکھی جارہی ہے خدا کے تخیل کے متعلق عقلِ
انسانی کی طفلانہ لغزشوں کے تماشے آپ گرجاؤں میں دیکھ سکتے ہیں لیکن انسانیت کے شباب کے
مناظر مسجدوں میں نظر آئیں گے جہاں نہ تصویریں ہونگی نہ مجسمے جو عبادت گزاریوں کے دل غیر خدا
کیطرف پھیریں حالانکہ خدائے واحد ہی تمام کمالات کا مرکز ہے اور عبادت کا مستحق۔ انسانیت کو
اس رفیع مرتبہ پر پہنچانے کا سہرا ہادی اعظم نبی اکرم محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم
کے سر ہے جنہوں نے بتوں کو توڑا اور جلی وخفی شرک کے آثار قدیمہ کو مٹا دیا اور انسانیت کو ذلت
کے مقام سے نکال کر عزت کے اس مرتبہ پر فائز کیا جو ہر طرح اسکے لائق تھا۔

اسلامی اخوت ومساوات | اسلامی برادری کی جاذبِ نظر خصوصیت یہ ہے کہ آپ کرۂ زمین کے
کسی ملک میں جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو چلے جائیں آپ اجنبیت محسوس نہ کریں گے بلکہ آپ کو
عزیزوں کی جگہ عزیز اور بھائیوں کی جگہ بھائی ملیں گے لہٰذا اسے حلقہ بگوشانِ اسلام!
ہمیں نہ بالشویزم کی ضرورت ہے اور نہ کیمونزم کی۔ سیاسی مذاہب جن خوبیوں کے دعویدار ہیں وہ
ہمارے دین میں بدرجہ اتم موجود ہیں اور جن خرابیوں سے یہ آلودہ ہیں ان سے ہمارا دین پاک ہے
یہ ایک معتدل مذہب ہے اور ایک عملی پروگرام ہے جو ہر زمانہ اور ہر ملک میں انسانی سوسائٹی
کی فوز وفلاح کا ضامن ہے۔ "اخوت اسلامی" کے نام سے سب سے پہلے اسی کے ذریعہ واقفیت ہوئی
یہ ایک "جمعیۃ اقوام" ہے جو اغراض واہوار سے بری ہے اور اس کے رکن جنسی وطنی اختلافات سے
ناواقف ہیں یہ سب اخوت کی ایسی مضبوط زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں جن کے حلقوں کو امیری وغریبی
اور اسی قسم کے دوسرے ناپائدار مظاہر جدا نہیں کرسکتے۔ جب مجھے دین اسلام کے یہ اصول معلوم
ہوئے تو مجھے یقین ہوگیا کہ اسلام اپنی ان خوبیوں کی بنا پر تمام سماوی وارضی شریعتوں سے ممتاز ہے
اور میں پہلے سے زیادہ اسکا گرویدہ ہوگیا۔

تحریم شراب | دین اسلام کی ایک اور خصوصیت جس نے مجھے اپنی طرف ملتفت کیا اور جس سے
اسکی قدر ومنزلت میرے دل میں زیادہ ہوئی وہ "تحریم شراب" ہے یہ ایک ایسی خوبی ہے جس سے

دوسرے مذاہب کی کتابیں ہمیں خالی نظر آتی ہیں بلکہ عیسائیت میں تو ہم اس ام الخبائث کی ترغیب بھی پاتے ہیں مثلاً سینٹ پولیس نے اپنے شاگرد کو ہدایت کی کہ وہ تھوڑی سی شراب اپنے معدہ کی اصلاح کے لئے پیا کرے ——— یا پانی سے بھرے برتنوں کا شراب میں تبدیل ہو جانے کا واقعہ مجھے تسلیم ہے کہ اس مذہب کے پیشوا شراب سے احتراز کرنے کی ہدایت بھی کرتے نظر آتے ہیں لیکن ہم ان کتب مقدسہ کی ان نصوص سے بھی آنکھیں بند نہیں کر سکتے جو صراحۃً شراب پینے کی ترغیب دے رہی ہیں۔ پھر بتایئے ہم کیا مانیں اور کیا نہ مانیں، بعض اشخاص کی تحریر یا کتب مقدسہ کی تحریف، ابھی کچھ عرصہ ہوا امریکہ نے شراب کے خلاف جہاد شروع کیا تھا مگر باوجود تمدن جدید کے تمام وسائل کے اسے اس معرکہ میں پسپا ہونا پڑا کیا امریکہ کی اس معرکہ آرائی رسول اکرم مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی سے کوئی مقابلہ کیا جا سکتا ہے کہ جوں ہی آپ نے شیدائیانِ اسلام کو بتایا کہ خدا نے شراب کو حرام کر دیا ہے تو سبے تامل شراب کے مٹکے الٹ دیئے گئے اور برتن توڑ دیئے گئے اور سڑکوں پر شراب کی ندیاں بہہ گئیں۔ یورپ اور امریکہ کے فہمیدہ انسان جن کی ہدایات ونصائح کی وجہ سے امریکہ میں کچھ عرصہ شراب کی بندش رہی خواہ زبان سے اعتراف نہ کریں مگر ان کے دل یقیناً انسانی سوسائٹی کی اصلاح میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن تاثیر اور آپکی رہنمائی کی کامیابی کا اقرار کر رہے ہیں۔

ہمیں طب بتاتی ہے کہ خنزیر کا گوشت صحت کیلئے مضر ہے کیونکہ اس میں ایک خاص قسم کے جراثیم پائے جاتے ہیں جنکے متعلق تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ آگ انپر کوئی اثر نہیں کر سکتی اور انکی مضرت کو دور نہیں کر سکتی۔ اگرچہ عیسائیوں کی کتب مقدسہ خنزیر کے گوشت کی ممانعت کرتی ہیں مگر دنیا کے ہر حصہ میں عیسائی اسے بالعموم استعمال کرتے ہیں اور اسکی طبی مضرت اور اپنے مذہب کی ممانعت کی پرواہ نہیں کرتے برخلاف مسلمانوں کے کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق اس سے قطعاً محترز ہیں اور دنیا کے کسی حصہ میں اسکا استعمال نہیں کرتے۔

بلاشبہ چونکہ اکثر عیسائی اس حقیقت سے واقف ہیں کہ جو انجیل انکے ہاتھوں میں ہے وہ مسیح علیہ السلام کے بعد کی لکھی ہوئی ہے اور چونکہ انھیں ان بنیادی اختلافات کا علم ہے جو انکی دینی کتابوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں اسلئے اس علم و وقوف نے انھیں اپنے احکام دین

سے اعراض پر مجبور کر دیا ہے لیکن مسلمانوں کو کامل یقین ہے کہ جو قرآن آج ان کے ہاتھوں میں ہے وہ وہی ہے جو صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا اس میں ایک نقطہ اور ایک شوشہ کا فرق نہیں آیا

اعتقادی حقائق | حقائق مذکورہ کی معرفت کے بعد جب میں نے عام معتقدات اسلامی کا جائزہ لیا تو میں نے تمام اسلامی عقائد عقل کے عین مطابق پائے۔ توحید خالص کا عقیدہ جو اسلام کا طرۂ امتیاز ہے صحیح ترین عقیدہ ہے جس سے انسان اسلام ہی سے واقف ہو سکا ہے۔ توحید الوہیت، توحید ربوبیت اور خالق عالم کے لئے تمام صفات کمال کے اثبات میں وہ منفرد و مکمل ہے۔ اور اسکے ساتھ ساتھ دین اسلام خدا کے تمام پیغمبروں کی بھی تصدیق کرتا ہے علیہم السلام۔

مسلمان ایک دوسرے کو جو سلام کرتے ہیں وہ کیا خوب ہے اسکے معنی کیسے دلپذیر ہیں اور وہ طریقہ جس سے سلام کیا جاتا ہے کیا دلکش ہے خصوصاً سر اور دل کیطرف ہاتھ سے اشارہ کیونکہ جسم انسانی میں یہی دونوں اعضا بہتر و برتر ہیں بھلا اس سلام کا اٹلی کے فیسٹ سلام سے یا دنیا کی دوسری قوموں اور جماعتوں کے سلام سے کیا مقابلہ؟

بعض یورپین الزام لگاتے ہیں کہ "اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے" یہ ایک ذلیل جھوٹ ہے اور الزام لگانے والے خود جانتے ہیں کہ یہ غلط اور غیر معقول ہے کیونکہ یہ اگر ایک طرف تاریخ کی تصریحات کے کیخلاف ہے تو دوسری طرف اصول اسلام کے اگر اسلام تلوار کے ذریعہ پھیلا ہوتا تو کیا ممالک اسلامیہ میں آج ان گرجاؤں، صنم خانوں، اور غیر اسلامی اوضاع و اطوار کا جو اسلام کے زمانۂ شباب سے اپنی اصلی حالت میں چلے آتے ہیں وجود بھی باقی رہتا؟ اور قرآن مجید کی آیات بینات کے سامنے ان کے ان مفوات کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے. قرآن کہتا ہے لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ دین میں کوئی جبر نہیں ۔ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُسَيْطِرٍ اے نبی) آپ ان (کافروں) پر مسلط نہیں کیے گئے ۔ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ تمھیں تمھارا دین مبارک اور مجھے میرا ۔ تلوار کی دھار سے مذہب کی تبلیغ تو خود انکا اپنا طریقہ رہا ہے مذہب کے نام سے جو مظالم اسپین کے مسلمانوں پر روا رکھے گئے ان کے ذکر سے تاریخ کی کتابیں رنگین ہیں اور عیسائیوں کی خانہ جنگیاں دغدار۔ انکو خود اسکا اقرار ہے کہ جب شارلیمان جرمنی میں داخل ہوا تو یہ حکم دیا کہ جو شخص عیسائیت قبول نہ کرے اسے تلوار سے اڑا دیا جائے۔ بہرکیف اگر کوئی مذہب تلوار کے ذریعہ پھیلا ہے تو وہ اسلام نہیں بلکہ کوئی اور مذہب ہے ۔

(باقی آئندہ)

میں نے عرض کیا کہ وہ کیسا اور کتنا بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا بہت بڑی سے اس کی گولائی قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے اسکے دائرے کی لمبائی آسمان و زمین کے مجموعہ کے برابر ہے۔ اس میں وہ تین بار پھونکیں گے اور بعض روایات میں آتا ہے کہ دو بار پھونکیں گے۔ ایک لوگوں کو ہلاک کرنے کیلئے دوسری انھیں مبعوث کرنے کے لئے حضرت کعبؓ کی روایت میں دو ہی بار پھونکنا آتا ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں تین بار کا ذکر ہے۔ ایک نفخہ فزع اور گھبراہٹ پیدا کردینے کے لئے دوسرا نفخہ بیہوش کردینے کے لئے اور تیسرا نفخہ بعثت کے لئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل کو جب پہلی بار صور پھونکنے کا حکم فرمائیں گے تو وہ صور پھونکیں گے تو اسکی وجہ سے زمین اور آسمان کے تمام رہنے بسنے والے گھبرا جائیں گے بجز ان کے جنھیں خداتعالیٰ ہی اس سے محفوظ رکھنا چاہیں گے جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے کہ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ ـ وترزلزل الارض وتذهل كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارٰى وَمَا هُمْ بِسُكَارٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ (یعنی جس دن کہ صور پھونکا جائے گا تو آسمان و زمین کے سب رہنے والے گھبرا جائیں گے سوا ان کے جنکو خدا ہی بچانا چاہے۔ اور زمین ہلادی جائیگی (اور مارے گھبراہٹ کے) ہر دودھ پلانے والی عورت اپنے بچہ سے غافل ہوجائیگی اور ہر حمل والی اپنے حمل کو ساقط کردیگی اور تم لوگوں کو نشہ میں چور محسوس کروگے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے بلکہ بات یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہی سخت ہوگا (جسکی وجہ سے لوگ حواس باختہ ہوں گے چنانچہ بچے بوڑھے ہوجائیں گے۔ شیاطین ادھر ادھر (مارے خوف کے) بھاگتے پھریں گے یہی مطلب ہے (آیۂ سابقہ) يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ کا کہ اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو بلاشبہ قیامت کا زلزلہ بڑی ہی سخت چیز ہے اس دن دودھ پلانے والی عورت اپنے بچہ کو بھول جائیگی چنانچہ جب تک خدا کو منظور ہوگا لوگ اسی حال میں رہیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ اسرافیل کو

حکم فرمائیں گے تو وہ دوبارہ صور پھونکیں گے جسکی وجہ سے سب لوگ مر جائیں گے سوا
ان کے جنہیں خدا باقی رکھنا چاہے گا۔ اسی کو قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے کہ فَصَعِقَ
مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ اور اس اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ
ہی سوا ان کے جنھیں خدا چاہے گا سے مراد شہدار کی ارواح ہیں۔ اور ایک قول
یہ بھی ہے کہ مراد اس سے حضرت جبرئیلؑ، میکائیلؑ، اسرافیلؑ اور عزرائیل یعنی ملک الموت
ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اسی گھبراہٹ کے منظر میں ملک الموت سے فرمائیں گے (حالانکہ
اللہ تعالیٰ تو جانتے ہی ہوں گے) بتاؤ جی اب میری مخلوق میں کون زندہ بچا ہے؟ وہ
عرض کریں پروردگار! آپ تو حی ہیں آپ کو موت نہیں صرف جبرئیل۔ میکائیل۔ اسرافیل
حاملین عرش اور آپکا یہ خادم زندہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسکے بعد ملک الموت کو حکم دیں گے
کہ ان سب کی روحوں کو بھی قبض کرلو۔ کلبی اور مقاتل کی روایت میں ایسا ہی مذکور ہے
اور ایک روایت میں محمد بن کعب نے ایک واسطہ سے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے
کہ خود اللہ تعالیٰ ہی فرمائیں گے کہ اچھا تو جبرئیل تم بھی مرجاؤ۔ میکائیل اور اسرافیل
تم بھی مرجاؤ اور اے حملۂ عرش تم سب بھی مرجاؤ۔ اسکے بعد پھر اللہ تعالےٰ
ملک الموتؑ سے (باوجود خود جاننے کے) دریافت فرمائیں گے کہ اے ملک الموت
اب کون بچا میری مخلوق میں سے؟ وہ عرض کریں گے آپ کی ذات تو الحی الذی لایموت
ہے آپ کے بعد اب صرف آپکا یہ ناتواں غلام ملک الموت ہی باقی رہ گیا ہے۔ اسپر
حق تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کہ اے ملک الموت تم نے میرا یہ قول نہیں سنا ہے کہ
کل نفس ذائقۃ الموت ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور تم بھی منجملہ میری مخلوق
کے ہو میں نے تم کو جس کام کے لئے پیدا کیا تھا تم جانتے ہی ہو (اب کوئی کام تمہارا نہیں)
تم بھی مرجاؤ چنانچہ وہ بھی مرجائیں گے۔ ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ اللہ تعالےٰ
خود ملک الموت ہی کو حکم فرمائیں گے کہ اچھا اب تم اپنی روح قبض کرو۔ چنانچہ وہ
جنت اور دوزخ کے درمیان ایک جگہ آویں گے اور وہاں آکر اپنی روح خود نکالیں گے
پس اتنی زور سے چیخیں گے کہ اگر مخلوق زندہ ہوتی تو اسکی وجہ سے مرجاتی۔ اور کہیں گے

کرانوہ! اگر میں جانتا کہ قبض روح میں مردہ کو اتنی تکلیف ہوتی ہے تو میں دنیا میں مومنین کی روح قبض کرنے میں اور زیادہ نرمی کرتا اسکے بعد وہ بھی مرجائیں گے اور اب اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کوئی بھی نہ رہ جائے گا اسوقت اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ دنیا تو ایک حقیر اور ذلیل چیز تھی آج ملوک لوگ اور ان کے ولیعہد سب کہاں ہیں؟ جبابرہ (متکبر لوگ) اور انکی اولاد کہاں ہے؟ وہ لوگ اب کہاں ہیں جو میرا خیر کھاتے تھے اور میرے غیر کی عبادت کرتے تھے؟ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ آج کے دن کی حکومت کس کی ہے؟ کوئی اسکا جواب نہ دے گا (اس لئے کہ کوئی موجود ہی نہ ہوگا) تو خود حق تعالیٰ سبحانہٗ ہی جواب میں فرمائیں گے لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ اللہ قہار کی حکومت ہے پھر اللہ تعالیٰ آسمان کو حکم فرمائیں گے کہ پانی برسا۔ چنانچہ آسمان سے چالیس دن تک بارش ہوگی جس سے ایسے قطرات ٹپکیں گے جیسے مردوں کی منی ہوتی ہے یہاں تک کہ پانی تمام چیزوں سے بارہ ہاتھ اونچا ہو جائے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ اس پانی سے مخلوق کو اسطرح سے اگا دیگے جیسے سبزہ اگا کرتا ہے یہاں تک کہ ان کے اجسام مکمل ہو جائیں گے اور جو جیسا تھا ویسا ہی ہو جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اب اسرافیل زندہ ہو جائیں حاملین عرش زندہ ہو جائیں۔ پس یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہو جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ اسرافیل کو حکم دیں گے کہ وہ صور کو لیکر اپنے منھ میں رکھیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبرئیل ؑ اور میکائیل ؑ بھی زندہ ہو جائیں گے۔ پھر سب روحوں کو طلب فرمائیں گے وہ لائی جائیں گی انھیں صور کے اندر رکھا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ اسرافیل کو حکم فرمائیں گے اور اب وہ بعثت کیلئے صور پھونکیں گے۔ چنانچہ سب روحیں اس میں سے اس طرح سے نکلیں گی جیسے شہد کی مکھیاں پھیل جاتی ہیں جنکی کثرت کی وجہ سے زمین و آسمان کی فضا بھر جائیگی۔ پس روحیں زمین کے اندر گھس کر جسموں میں ناک کے راستہ سے داخل ہو جائیں گی، زمین پھٹ جائیگی پھر سب مردے زندہ ہو کر نکل آئیں گے۔ اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلا شخص میں ہوں گا جس کے لئے زمین پھٹے گی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جب جبرئیل ۔ میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کو زندہ کریں گے تو وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس تریں گے براق لیئے ہوئے اور جنت کا جوڑا لیئے ہوئے ہوں گے بس فوراً زمین پھٹ جائیگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرئیل کو دیکھکر دریافت فرمائیں گے کہ آج کیا دن ہے وہ عرض کریں گے کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ قیامت کا دن ہے۔ آج ہی کا دن حاقہ اور قارعہ ہے ۔ آپؐ فرمادیں گے کہ اسے جبرئیل اللہ تعالیٰ نے میری امت کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ وہ عرض کرینگے کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو بشارت ہو کہ ابھی یہ زمین تو صرف آپ کیلئے پھٹی ہے ۔ پھر اللہ تعالیٰ اسرافیلؑ کو صور پھونکنے کا حکم فرمادیں گے چنانچہ وہ صور پھونکیں گے فَإِذَا هُم قِيَامٌ يَنظُرُونَ پھر قیامت قائم ہو جائیگی اور سب لوگ اسکا مشاہدہ کر رہے ہوں گے ۔

اب ہم پھر حدیث سابق یعنی حدیث ابوہریرہؓ کے بیان کی جانب رجوع ہوتے ہیں یعنی زمین پھٹیگی اور لوگ اس سے تیزی کے ساتھ نکل نکلکر اپنے رب کی جانب (یعنی جہاں انھیں جمع فرمانا خدا کو منظور ہوگا) پہونچیں گے اور قبروں سے ننگے پاؤں اور ننگے بدن نکلکر ایک جگہ سب جمع ہوں گے اور ستر سال تک وہاں ٹھیرے رہیں گے ۔ اللہ تعالیٰ نہ انکی طرف نظر فرمائیں گے نہ ان سے حساب لیں گے چنانچہ (پریشان ہوکر اور گھبراکر) لوگ پہلے تو آنسوؤں سے روئیں گے یہاں تک کہ آنسو ختم ہوجائیں گے تو پھر خون کے آنسو روئیں گے اور پسینے پسینے ہوجائیں گے یہانتک کہ ہر ایک کے منھ تک اس طرح آجائے گا گویا اسکی لگام لگی ہوئی ہے اور کسی کی ٹھڈی تک پہونچا ہوگا اسکے بعد وہ لوگ محشر میں بلائے جائیں گے اسی کو قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے مُهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ یعنی بلانے کے منتظر ہوں گے اور اسکی جانب تیزی کے ساتھ جانے والے ہوں گے ۔ جب مخلوق جمع ہوجائیگی انسان اور جن وغیرہ بھی تو اسی حالت میں لوگ بہت تیز کھس کھساہٹ

آسمان کی جانب سے سنیں گے جس سے ڈر جائیں گے چنانچہ آسمان پھٹے گا اور
اس میں سے سماء دنیا (پہلے آسمان) کے فرشتے اتنی تعداد میں اتریں گے
جتنے کہ ساری روئے زمین کے لوگ ہوں گے اور اپنی اپنی مقررہ جگہ پر قائم ہو جائینگے
لوگ ان سے کہیں گے کیا آپ ہی لوگوں کے درمیان ہمارے رب تعالیٰ بھی ہیں
مطلب یہ کہ آپ لوگ ہمارے حساب کتاب کے لئے اللہ کا حکم لیکر آئے ہیں؟
وہ لوگ کہیں گے کہ نہیں حساب کے لئے حکم ابھی آرہا ہے پھر اسکے بعد دوسرے
آسمان کے فرشتے اتریں گے وہ بھی صف باندھکر پہلے آسمان والے فرشتوں
کے پیچھے کھڑے ہوجائیں گے پھر اسی طرح سے تیسرے آسمان کے فرشتے
اتریں گے اسی طرح سے ساتوں آسمان کے فرشتے لگاتار اتر اتر کر پہلے والوں
کے پیچھے کھڑے ہوتے جائیں گے ہر دوسری جماعت پہلے والوں کی دوگنی ہوگی

فقیہ ابوالليث فرماتے ہیں کہ مجھے اپنی سند کے ساتھ ضحاک سے یہ
روایت پہونچی ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کو حکم دیں گے چنانچہ وہ پھٹ جائیگا
اور اسکے فرشتے اتریں گے اور ساری زمین اور زمین والوں کو گھیر لیں گے اور
پھر اسی طرح سے دوسرا آسمان اور پھر تیسرا آسمان یہاں تک کہ ساتوں آسمان
یکے بعد دیگرے پھٹیں گے اور اسکے فرشتے اتر اتر کر پہلے والوں کو اپنے دائرے
میں لئے ہوئے انسانوں سے پیچھے سات صفوں میں کھڑے ہو جائیں گے اور
زمین والوں کو ہر جانب فرشتوں کی سات صفیں نظر آئیں گی ۔ یہی مطلب ہے
اللہ تعالے کے اس ارشاد کا کہ يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا
مِنْ أَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَانٍ (اے
جن و انس کی جماعت! اگر تم لوگ اس بات پر قادر ہو سکتے ہو کہ آسمان اور زمین کے
کناروں سے نکل کر باہر چلے جاؤ تو چلے جاؤ لیکن یہ سمجھ لو کہ بدون قوت کے
تم نکل نہیں سکتے (اور قوت تم میں ہے نہیں)

اور فرمایا کہ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِيلًا

(جس روز آسمان ایک بدلی سے پھٹ جائے گا اور فرشتے (زمین پر) بکثرت
اتارے جاویں گے) ۔
حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے جن وانس کی جماعت سنو! میں نے
تمھیں ہر چند نصیحت کی (لیکن تم نے نہ مانا) اب یہ تمھارے اعمال نامے ہیں
جو پروانوں میں لکھے ہوئے ہیں اب جو شخص ان میں خیر و بھلائی پاوے وہ اللہ
کی تعریف کرے اور شکر بجالائے اور جو کوئی اسکے سوا پائے تو خود اپنے کو
ملامت کرے پھر اللہ تعالیٰ جہنم کو حکم فرمائیں گے چنانچہ اسکے اندر سے ایک
طویل گردن نکلیگی کچھ روشن اور کچھ تاریک بولتی بات کرتی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ
فرمائیں گے کہ اے بنی آدم کیا میں نے تم سے عہد و پیمان اس بات کا نہیں
لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نکرنا بلاشبہ وہ تمھارا کھلا ہوا دشمن ہے
اور یہ کہ تم سب لوگ میری عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔ اور سنو
اس شیطان نے تم میں سے ایک بڑی تعداد کو گمراہ کردیا کیا تمھیں اتنی بھی (اپنے
بھلے برے کی) تمیز نہیں تھی (بس تو پھر آج) یہ جہنم سامنے موجود ہے جس کا
وعدہ کیے گئے تھے (جس سے تمھیں ڈرایا گیا تھا) اب داخل ہوجاؤ اپنے کرتوت
اور کفر کے سبب۔ یہ سنکر سب کے سب لوگ منہ کے بل گر پڑیں گے۔ اسی کو قرآن
شریف میں یوں بیان فرمایا گیا ہے وَتَرٰی کُلَّ اُمَّۃٍ جَاثِیَۃً کُلُّ اُمَّۃٍ تُدْعٰی
اِلٰی کِتَابِھَا اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (اور آپ دیکھیں گے کہ سب لوگ
گھٹنے کے بل اوندھے گرے پڑے ہیں اور انکو انکے اعمالنامے کی جانب بلایا جائے
اور یہ کہا جائیگا کہ آج کے دن تمکو تمھارے اعمال کا بدلہ دیا جائیگا۔
پھر اسکے بعد اللہ تعالیٰ مخلوق کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے اور وحوش
بہائم کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے (یعنی سب حرام و حلال جانوروں کے مابین
بھی فیصلہ فرمائیں گے) یہاں تک کہ بے سینگ والے کا بدلہ سینگ والے سے

لیا جائے گا پھر اسکے بعد ان سب جانوروں کو تو فرما دیا جائے گا کہ کونوا ترابا
تم سب مر کر مٹی ہو جاؤ (یعنی انکو ختم کر دیا جائے گا انکے لئے جنت یا دوزخ نہ ہوگی
اور اب انسانوں کے فیصلہ کا نمبر آئے گا کافر اپنا حشر او منظر دیکھکر کہے گا یالیتنی
کنت ترابا اے کاشکہ میں بھی (جانور ہوتا کہ آج) مر کر مٹی ہوگیا ہوتا۔ چنانچہ پھر انسانوں
میں باہم فیصلہ کیا جائے گا۔

حضرت نافع ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ لوگوں کا حشر قیامت میں ایسی ہی حالت میں ہوگا جیسا پیدائش کیوقت
انکا حال ہوتا ہے یعنی ننگے بدن ننگے پیر اور غیر مختون ہونگے۔ یہ سنکر حضرت عائشہؓ
نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا مرد و عورت سب اسی طرح سے ہونگے؟ آپؐ نے
فرمایا کہ ہاں ہاں سب۔ اس پر وہ بولیں کہ ارے توبہ تو پھر تو لوگ ایک دوسرے کی
شرمگاہ دیکھیں گے۔ آپؐ نے ان کے مونڈھے پر ہاتھ مار کر فرمایا اے ابن ابی قحافہ
کی بیٹی لوگوں کو وہاں نفسی نفسی پڑی ہوگی کہ دوسروں کی جانب نظر کرنے کی سو جھے گی (ابو بکرؓ)
لوگ آنکھیں پھاڑے آسمان کی جانب دیکھ رہے ہوں گے کہ کس کے متعلق کیا حکم
آتا ہے اور اسی حالت پر چالیس سال گذر جائیں گے نہ کھائیں گے نہ پئیں گے
کسی کا تو صرف قدم ہی پسینہ میں ڈوبا ہوگا اور کوئی پنڈلی تک پسینہ میں کھڑا ہوگا
اور کوئی پیٹ تک ڈوبا ہوگا اور کسی کے پسینہ منھ تک اس طرح سے پہونچا ہوگا
گویا اسکی لگام لگی ہوئی ہے اور یہ پسینہ سخت گرمی میں طول قیام کی وجہ سے ہوگا۔

پھر فرشتے عرش کے ارد گرد صف باندھکر کھڑے ہوں گے پھر اللہ تعالےٰ
ایک منادی کو حکم فرمائیں گے وہ پکاریگا کہ فلاں بن فلاں حاضر ہیں، کہاں ہیں یہاں آئیں۔
سب لوگ اپنی گردن اٹھا کر ادھر ادھر دیکھیں گے کہ کون پکارا گیا۔ چنانچہ جسکو پکارا
تھا وہ اس مجمع سے اُٹھے گا اور حق تعالےٰ کے سامنے اسکی پیشی ہوگی۔ اسکے بعد
کہا جائیگا کہ اسکے خصوم سب کہاں ہیں؟ پس ان میں سے ایک ایک کو بلایا جائیگا (دعویدار)
اور اس شخص کی نیکیاں نے لیکر ان سب کو دیدی جائیں گی کیونکہ دینار اور درہم

اسدن ہوگا نہیں بس نیکیاں دلوادی جائیں گی یا خصوم کی سیئات اس پر ڈالدی جائیں گی پس ایسا بھی ہوگا کہ یہ خصوم اسکی سب حسنات لے لیں اور اس کے پاس ایک نیکی بھی نہ رہ جائے تو پھران کی سیئات کو اس پر ڈالا جائے گا اب جبکہ یہ نیکیوں سے تہی دست ہوجائیگا تو کہا جائے گا کہ جاؤ اپنے ٹھکانے یعنی دوزخ میں۔ آج کے دن کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ چنانچہ اسدن کوئی ملک مقرب یا نبی مرسل یا شہید نہ ہوگا مگر یہ کہ حساب و کتاب اور عذاب کی سختی کو دیکھکر یہی خیال کرے گا کہ بس خدا تعالیٰ ہی جس کو بچالیں آج صرف وہی بچ سکتا ہے اور کوئی نہیں بچے گا۔

حضرت معاذ بن جبل رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محشر میں کوئی انسان اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوگا یہاں تک کہ اس سے چار باتوں کا سوال نہ کرلیا جائیگا ایک یہ کہ اسکے عمر کے متعلق اس سے سوال ہوگا کہ اس کو کس چیز میں صرف کیا؟ اور دوسرے اسکے بدن کے متعلق اس سے سوال ہوگا کہ اسکو کن چیزوں میں پرانا کیا؟ تیسرے اسکے علم کے متعلق اس سے سوال ہوگا کہ اسپر کیا عمل کیا؟ چوتھے مال کے متعلق اس سے سوال ہوگا کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔

حضرت عکرمہؓ سے مروی ہے کہ والد قیامت میں اپنے ولد سے ملے گا اور بڑی خوشامد کے ساتھ کہیگا کہ بیٹے! دیکھو میں دنیا میں تمھارا باپ تھا اور تم میرے ہی سبب سے وجود میں آئے اور طرح طرح سے اسکی تعریف کرے گا پس اسے کہیگا کہ بیٹا! مجھے تمھاری نیکیوں میں سے ایک نیکی کی ضرورت ہے تاکہ میں اس بدحالی سے جس میں تم مجھے دیکھ رہے ہو نجات پا جاؤں۔ لخت جگر اور نور نظر صاحب جواب دینگے کہ اباجی مجھے اپنے اوپر بھی اسی چیز کا خوف ہورہا ہے جس کا آپ کو اندیشہ ہورہا ہے لہٰذا میں اپنی نیکیوں میں سے ایک ادنیٰ کو دینے سے مجبور ہوں۔

اگرچہ بحمد اللہ اسوقت لوگوں کو اسکے نہ پڑھنے سے وہ وحشت جو کہ اس کے قبل ہوتی تھی نہیں ہوتی لیکن تاہم اب بھی ایسے بہت سے لوگ ہیں جو کہ اس خاص الوداعی خطبہ کو آخری جمعہ رمضان کا لازمی عمل سمجھتے ہیں اور بڑا تعجب تو یہ ہے کہ بعض اہل علم کو بھی دھوکا ہوگیا اور وہ سخت غلطی میں مبتلا ہوگئے۔ کہتے ہیں کہ اگرچہ آخری جمعہ رمضان کے لئے کوئی خاص خطبہ تجویز کرنا بدعت ہے لیکن چونکہ اسکی وجہ سے لوگ اکثر جمع ہوجاتے ہیں اسلئے اسکو اجتماع کے لئے معین اور اداء صلوٰۃ کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے باقی رکھنا چاہیئے۔ حالانکہ یہ سخت غلطی اور من وجہ خدا و رسولؐ پر اعتراض کرنا ہے۔ غلطی تو اس لئے کہ شریعت کا مشہور حکم ہے کہ اگر کسی کام کے کرنے میں کچھ مصلحتیں بھی ہوں اور کچھ مفاسد بھی ہوں اور وہ کام بالذات یا بالغیر مطلوب شرعی نہ ہو تو ان مفاسد پر نظر کرکے اسکو ترک کردیں گے اور مفاسد سے بچیں گے مصالح کا اعتبار نہ کریں گے اور یہ ایک کلیہ قاعدہ ہے جسکو اہل علم بخوبی سمجھ گئے ہونگے لیکن عوام کے سمجھانے کے لئے میں اسکی ایک مثال بیان کرتا ہوں مثلاً ایک شخص مجلس رقص منعقد کرے اور کہے کہ اگرچہ رقص فی نفسہ ممنوع و حرام ہے لیکن میری غرض اس مجلس سے لوگوں کو جمع کرنا ہے تاکہ جمع ہوجانے کے بعد میں اپنی وجاہت سے کام لیکر ان کو نماز پڑھنے پر مجبور کروں اور اسی طرح انکو نماز پڑھنے کی عادت ہوجاوے تو دیکھئے بظاہر اس مجلس کی غایت کس قدر خوبصورت ہے کہ اسکے ذریعہ سے لوگوں کو نماز پڑھنے کی عادت ڈالی جاتی ہے لیکن چونکہ اس مجلس میں ایک مصلحت کے ساتھ بہت سے مفاسد بھی ہمدوش ہیں اور مجلس رقص بالذات یا بالغیر مطلوب نہیں جیسا کہ ظاہر ہے اسلئے شریعت اس مصلحت مذکورہ کی وجہ سے اسکی اجازت نہ دیگی بلکہ اس کے مفاسد پر نظر کرکے اس مجلس کے انعقاد سے باز رکھے گی۔

۱۱۵۔ جو امر کہ خود ضروری ہو لیکن اسکے اندر مفاسد بھی شامل ہو گئے ہوں تو اس سے منع نہ کیا جاویگا بلکہ خود ان مفاسد کا انتظام کیا جاوے گا

ہاں اگر کوئی کام بالذات یا بالغیر مطلوب ہو اور اس میں مصالح کے ساتھ مفاسد بھی ہوں تو اس کام کو ان مفاسد کی وجہ سے ترک نہ کیا جاوے گا بلکہ اس کو باقی رکھکر مفاسد کی اصلاح کرنے کی کوشش کیجائیگی مثلاً عیدگاہ کا اجتماع اور صلٰوۃ کے لئے شرعاً مطلوب ہے پھر اگر لوگ اپنی بدتمیزی کیوجہ سے اس میں کچھ خرابیاں آمیز کرلیں جیسا کہ مثلاً آجکل عام طور سے بچوں کو عیدگاہ میں لیجانے کا رواج ہو گیا ہے جس کو دیکھو وہ اپنے ساتھ ایک دم چھلا ضرور لئے ہے اور حیرت تو یہ ہے کہ باوجود ہر سال تکلیف اٹھانے کے پھر بھی لوگوں کو اسکی ذرا حس اور تمیز نہیں ہوتی۔ شاید کوئی سال ایسا ہوتا ہو کہ بچے عیدگاہ میں جاکر عین نماز کیوقت رونا بسورنا شروع کرتے ہوں بلکہ ایک دو توان میں سے ہگ موت بھی دیتا ہے۔ خود میرے سامنے کا واقعہ ہے کہ میرے ایام تعلیم میں ایک میرا عزیز کم عمر میرٹھ کی عیدگاہ میں والد صاحب کے ہمراہ گیا اور اس نے نماز کے وقت قضائے حاجت کی فرمائش کی اسکی فرمائش سنکر سخت پریشانی ہوئی اول تو عین نماز کا وقت دوسرے میرٹھ کی عیدگاہ جس میں ہزاروں آدمیوں کا مجمع کہیں قریب ایسا جنگل بھی نہیں جس میں اسکو بٹھلا دیا جاتا پھر نماز کھڑے ہونے کا وقت بالکل قریب آخر یہ تجویز ہوئی کہ ایک حلوائی کو چار آنہ دیئے گئے اس نے اپنے تخت کے نیچے انکو بٹھلا لیا چاروں طرف سے کپڑا لٹکا ہوا تھا اوپر رنگ برنگ کی مٹھائی اور اندر یہ تحفہ بھرا ہوا تھا۔

۱۱۶۔ ہمارا ظاہر و باطن یکساں نہیں ہے

یہاں ایک عبرت ناک مضمون خیال میں آیا کہ یہی حالت ہم لوگوں کی ہے کہ اس مٹھائی کی طرح ہمارا ظاہر تو نئے نئے انداز سے پر رونق اور چکنا چپڑا رہتا ہے لیکن ہمارے باطن کی یہ حالت ہے کہ گو در گو مرغی کا گو۔ ہوائے نفسانی سے لبریز بیہودہ خیالات سے پُر، خدا سے دور، شیطان سے قریب۔ ایک محقق نے خوب فرمایا ہے ؎

از بروں چوں گور کافر پر حلل　　　وندروں قہر خدائے عز وجل

(ظاہر میں اوراوپر اوپر سے تو کافر کی قبر کی طرح سے آراستہ وپیراستہ اور باطن میں اللہ تعالیٰ کے عذاب کا حال)

از بروں طعنہ زنی بر بایزید　　　وز درونت ننگ میدارد یزید

(ظاہر کے اعتبار سے تو تم بایزید سے بھی بڑھے ہوئے معلوم ہوتے ہو اور تمہارے باطن کا یہ حال ہو کہ وہ یزید کیلئے بھی باعث ننگ ہے)

صورت تو ایسی مقطع کہ معلوم ہو کہ اگر وحی منقطع نہ ہو چکی ہوتی تو حضرت جبرئیلؑ انھیں کی خدمت میں آتے اور دل کی یہ حالت کہ شیطان کے بھی شیطان جیسا حدیث میں آیا ہے السنتهم احلى من السكر و قلوبهم امر من الذیاب یلبسون جلود الضان۔

(۱۱۷۔ رجوع بجانب سرخی (جو امر کہ خود تو ضروری ہو)

غرض عید گاہ کی حاضری میں مصلحت بھی ہے اور مفسدہ بھی ہے تو اگر کوئی عاقل پہلے کلیہ کی بناء پر یہ کہے کہ ان مفاسد کی وجہ سے عیدگاہ کا اجتماع بھی چھوڑ دینا چاہیئے تو اس سے کہا جاوے گا کہ چونکہ عیدگاہ کا اجتماع شریعت میں مطلوب ہے اس لئے اس موقعہ پر وہ قاعدہ نہ برتا جائے گا اور عیدگاہ کا جانا ترک نہ کیا جاوے گا بلکہ بجائے اسکے ان مفاسد کی اصلاح کی کوشش کیجائے گی یعنی مثلاً لوگوں سے کہا جاوے گا کہ بچوں کو عیدگاہ میں لیکر نہ آیا کریں۔

۱۱۸۔ نماز عید کے لئے عیدگاہ میں جمع ہونا شریعت کو مطلوب ہے اور اسکا راز اور اسکا بیان کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا

گو اس سے وساوس آتے ہوں تنہا نماز پڑھنے سے بہتر ہے

اور اگر کسی کو اس اجتماع کی مطلوبیت میں کلام ہو جیسا اسوقت بعض نام کے مشائخ بجائے عیدگاہ کے اپنی مساجد ہی میں بلاضرورت صرف امتیاز کے لئے عیدین پڑھتے ہیں تو میں اسکا ثبوت حدیث سے دیتا ہوں۔ دیکھئے مسجد نبوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) میں نماز پڑھنے سے پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے لیکن باوجود اس کثرت ثواب کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اس موقع پر عیدگاہ تشریف لے گئے اور مسجد نبوی میں نماز نہیں پڑھی۔ پس معلوم ہوا کہ عیدگاہ کا اجتماع ایک مہتم بالشان مطلوب ہے اور ممکن ہے کہ عیدگاہ کے ثواب میں بجائے کثرت کمی کے کیفاً کثرت ہو جاتی ہو یعنی وہ ایک ثواب ہی ان پچاس ہزار ثواب سے زیادہ ہوتا ہو اور اسی کثرت کیفی کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کو چھوڑ کر عیدگاہ جاتے ہوں۔ اسکی ایسی مثال ہے کہ ایک بچے کے سامنے ایک گنی اور دس روپئے پیش کئے جاویں تو بچہ دس روپیوں کو عدد میں زیادہ دیکھکر انھیں کو اٹھا لیگا لیکن اگر کسی بڑے آدمی کے سامنے ان دونوں کو پیش کیا جائے تو روپیوں کو چھوڑ دیگا اور گنی اٹھا لے گا کیونکہ گنتی میں گو ایک اور دس کا فرق ہے لیکن کیفاً وہ ایک ان دس سے زیادہ ہے۔ پس اسی طرح ممکن ہے عیدگاہ کے اجتماع میں کیفاً اسقدر ثواب ہو کہ مسجد نبوی کے اجتماع میں وہ نہ ہو۔ اور ہر چند کہ یہ تضاعف ثواب مسجد نبوی کا مخصوص ہے فرائض کے ساتھ اور اسوا سے ممکن ہے کہ کسی کو استدلال مذکور میں خدشہ ہو کہ صلوٰۃ عیدین میں یہ تضاعف مسجد نبوی میں نہ ہوتا پس استدلال تام نہیں۔ سو جواب یہ ہے کہ واجب بھی ملحق ہوتا ہے فرض کے ساتھ پس دونوں کا یکساں حکم ہوگا اور عیدگاہ کے اجتماع میں بالخ یہ بھی بھید ہے کہ مسلمان مختلف اطراف سے سمٹے ہوئے ہر ایک میدان میں جمع ہوتے نظر آتے ہیں تو انکا اجتماع ان کے بدخواہ کے قلب پر موثر ہوتا ہے اور اسلامی شوکت ظاہر ہوتی ہے اور یہ اعظم مقاصد ملت سے ہے اور اس خاص اجتماع میں مطلق اجتم

جو متحقق ہے وہ خود بھی اسرار مہمہ پر مشتمل ہے۔ چنانچہ ایک ادنیٰ راز یہ ہے کہ سب کی عبادات مجتمع ہوکر جو سرکار میں پیش ہونگی اگر بعض بھی قابل قبول ہوئیں تو اسکی برکت سے بقیہ بھی مقبول ہونگی اور انھیں حکمتوں سے شرع میں جماعت کا بہت اہتمام ہے حتیٰ کہ جماعت کی نماز اگر وسوسوں کے ساتھ بھی ہو تب بھی تنہا نماز سے بدرجہا بڑھکر ہے اسلئے کہ وہ شرعاً مطلوب نہیں سے

چوں طمع خواہد ز من سلطان دیں خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

(جب دین کا بادشاہ ہی ہم سے طمع کا خواہشمند ہو تو پھر اُس کے بعد قناعت کے سر پر خاک ہے)

افسوس ہے کہ بعض اکابر کو یہ دھوکا ہوگیا کہ اگر جماعت کی نماز میں وسوسے آویں اور تنہائی میں اجتماع قلب ہو تو تنہا نماز پڑھنا بہتر ہے جماعت کو چھوڑ دینا چاہیئے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اور اسکو ہم اپنی رائے سے غلط نہیں کہتے نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اسکی تغلیط فرمائی ہے۔ ہم ان بزرگوں پر اعتراض نہیں کرتے ہم صرف انکی غلطی کا اظہار کرتے ہیں۔

۱۱۹۔ حاصل سابق نماز عید کے لئے عیدگاہ میں اجتماع کا مطلوب ہونا۔ اور بچوں کو وہاں لیجانے کی ممانعت

غرض چونکہ شریعت میں اجتماعی مصالح کی زیادہ رعایت ہے اور ظاہر ہے کہ جو اجتماع عیدگاہ میں ہوگا مسجد میں نہ ہوگا لہذا گو کمًا عیدگاہ کا ثواب زیادہ نہ ہو لیکن کیفًا زیادہ ہے اسلئے باوجود کسی مفسدہ کے اس میں جمع ہونا ترک نکریں گے بلکہ اسمیں جو مفسدہ بچوں کے اجتماع کا ہے اسکی اصلاح کرینگے اور ہم خود کیا اصلاح کرینگے نبیؐ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم خود اسکی اصلاح فرما گئے ہیں ارشاد ہے جنبوا مساجدکم صبیانکم کہ اپنی مسجدوں سے اپنے بچوں کو علیحدہ رکھو لیکن ممکن ہے کوئی صاحب عیدگاہ کو مسجد میں داخل نکریں اسلئے استدلال مذکور کو کافی نہ سمجھیں تو ہم اسکا یہ جواب

دیں گے کہ مساجد حکم میں دو احتمال ہیں یا تو اسکو عام لیا جائے کہ مطلق مقام صلوٰۃ مراد ہو تب تو عیدگاہ کا اس حکم میں داخل ہونا ظاہر ہی ہے اور اگر اسکو عام نہ لیا جائے تو گو ان الفاظ میں عیدگاہ داخل نہ ہوگی لیکن یہ دیکھنا چاہیئے کہ آخر علت اس حکم کی کیا ہے سو ظاہر ہے کہ علت اس حکم کی یہی ہے کہ چونکہ بچے پاک و صاف نہیں ہوتے انکی آمد و رفت سے ایسی جگہ کے ملوث ہونے کا اندیشہ ہے جہاں نماز ہوگی اور اس سے نماز میں خلل پڑیگا اور یہ علت جیسے کہ مسجد میں پائی جاتی ہے عیدگاہ میں بھی پائی جاتی ہے لہٰذا وہاں بھی یہ حکم جاری ہوگا۔ چنانچہ خود عیدگاہ کے بارے میں حضورؐ کا ارشاد ہے ولیعتزلن حیض المصلی (چاہیئے کہ حیض والی عورتیں عیدگاہ سے جدا رہیں)

۱۲۰۔ رجوع بجانب سرخی (آخری جمعہ کو خطبۃ الوداع پڑھنا بدعت ہے

پس اس مثال سے سمجھ میں آگیا ہوگا کہ وہ کر اسوقت ہے جبکہ وہ امر مطلوب نہ ہو ورنہ مفسدہ کی اصلاح کریں گے اور اس کام کو ترک نہ کریں گے یہ تو دعویٰ غلطی کی دلیل میں تھا رہا دوسرا دعویٰ کہ خطبۃ الوداع میں مصلحتیں بیان کرنا من وجہ خدا و رسول پر اعتراض ہے سو اسکا بیان یہ ہے کہ جب بعض بدعتیں بھی بوجہ مصالح مطلوب ہوئیں تو گویا اس شخص کے نزدیک کتاب و سنت کی تعلیم ناتمام ہوئی کہ بعض مصالح ضروریہ کی تعلیم میں فروگذاشت ہوگئی کیا کوئی اسکا قائل ہوسکتا ہے۔ اور اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بدعت کو ضلالت فرمایا ہے اور بعض بدعت کے حسنہ ہونے سے اگر شبہ ہو تو درحقیقت وہ بدعت ہی نہیں اور اس قسم کا احتمال خطبۃ الوداع میں نہیں ہوسکتا کیونکہ اگر یہ معنیٰ سنت ہوتا تو سلف میں اسکی نظیر ضرور ہوتی پھر بعد عرق ریزی کے اگر کوئی دور کی نظیر نکال بھی لیجائے تو دوسرے مانع کا کیا جواب ہوگا کہ عوام کے التزام سے بدعت ہوگیا اور بدعت بھی بدعت ضلالۃ جس پر حضورؐ نار کی وعید فرما رہے ہیں اور حضورؐ کا ارشاد عین ارشاد حق ہے تو ایسے امر کا التزام اور اس میں مصلحتیں نکالنا خدا و رسول پر اعتراض بھی ہے اور خدا و رسول سے مزاحمت

۱۲۱۔ تربیت اور ارشاد ہر شخص کا کام نہیں ہے

اہل علم کی ایسی ہی لغزشوں کی وجہ سے جیساکہ اوپر مذکور ہوا کہ بعضے لوگ بدعات میں مصالح بیان کرتے ہیں اور اسکی حقیقت کو نہیں سمجھتے یہ کہا جاتا ہے کہ تربیت اور ارشاد خصوص حکمت فہمی اور اجتہاد ہر شخص کا کام نہیں ہے کہ جس کا جی چاہے چند اصطلاحات یاد کر کے مسند ارشاد پر متمکن ہو جائے بلکہ یہ اس شخص کا کام ہے کہ ظاہری ضروری علم کیساتھ مدد خداوندی بھی اس کے ساتھ ہو اور اسکی علامت یہ ہے کہ علمائے امت نے اس کے اقوال کو قبول کرلیا ہو اور علماء کا گروہ اسکی طرف متوجہ ہو۔ چنانچہ اس قسم کی ایک لغزش یہ ہے کہ بعضے لوگ جمعہ کی نسبت کہتے ہیں کہ دیہات میں گو نہ ہو لیکن اگر پڑھ ہی لیا جاوے تو نہ پڑھنے سے تو پڑھنا بہر صورت بہتر ہے۔ میں نے ایک شخص سے پوچھا کہ اسی طرح ایک شخص کہتا ہے کہ بمبئی میں گو حج نہیں ہوتا لیکن اگر پھر بھی کرلیا جائے تو کیا حرج ہے نہ کرنے سے تو اچھا ہی ہے اسکا کیا جواب ہے آخر یہی کہوگے کہ بمبئی حج کا محل نہیں میں کہونگا دیہات جمعہ کا محل نہیں۔

۱۲۲ مقتدا وہ ہوسکتا ہے جو کامل العقل ہو اور بھولا ہونا کوئی کمال نہیں

غرض فہم دین کیلئے عقل کامل کی ضرورت ہے اس میں ظاہر بینی اور بھولا بھالا ہونے سے کام نہیں چلتا اور یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء کامل العقل ہوئے ہیں کوئی نبی بھی بھولا نہیں ہوا۔ اکثر لوگ بزرگوں کی تعریف میں کہا کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ بہت بھولے ہیں لیکن یاد رکھو کہ بھولے ہونے سے اگرچہ بعض اوقات انسان بہت سی برائیوں سے بچ جاتا ہے اور اسلئے بھولا ہونا بھی گونہ فضیلت ہے لیکن فی نفسہ بھولا ہونا کوئی کمال نہیں ہے کیونکہ اس سے آدمی بہت سے فضائل سے محروم رہتا ہے اسلئے کوئی نبی بھولا نہیں ہوا تمام انبیاء کرام کامل العقل ہوئے ہیں اور واقع میں عقل ہے بھی بہت بڑی نعمت

۱۲۳ سالک کا مجذوب سے افضل ہونا اور عقل کی فضیلت

حکایت: ایک صوفی سے میرے سامنے ایک شخص نے سوال کیا کہ سالک کا مرتبہ

بڑا ہے یا مجذوب کا انھوں نے اسکا عجیب جواب دیا مجھے وہ جواب بہت ہی پسند آیا فرمانے لگے کہ اتنا تو ہم جانتے ہیں کہ عقل اتنی بڑی نعمت ہے کہ شریعت نے شرب خمر کو حرام کردیا جس سے وہ زائل ہوتی تھی اور ظاہر ہے کہ سالک کی عقل ٹھکانے رہتی ہے اور مجذوب عقل سے باہر ہوتا ہے۔ اب تم خود سمجھ لو کہ سالک کا رتبہ بڑا ہے یا مجذوب کا۔ شرح الصدور علامہ سیوطیؒ کی ایک کتاب ہے وہ اس میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ اے عمرؓ اسوقت تمھاری کیا حالت ہوگی جب تم قبر میں تن تنہا رکھے جاؤ گے اور دو نہایت عجیب الخلقت فرشتے تم سے آکر توحید و نبوت کے بارے میں سوال کریں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اور کسقدر پیارا جواب عرض کیا اور اگر وہ بھی یہ جواب نہ دیتے تو کون دیتا۔ عرض کیا یا رسول اللہ یہ فرمائیے اسوقت ہماری عقل رہیگی یا نہیں؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں عقل باقی رہیگی بلکہ عقل میں اور ترقی ہوجاوے گی (کیونکہ ہیولانی حجاب اسوقت باقی نہ رہیں گے) حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ اگر عقل باقی رہے گی تو کوئی خوف کی بات نہیں انشاءاللہ سب معاملہ درست رہے گا۔ دیکھئے یہ حضرات صحابہؓ عقل کی کس قدر عزت کرتے تھے اور اسکو کتنی بڑی نعمت سمجھتے تھے۔ ایک ہم لوگ ہیں کہ ذہاب عقل کو امارات بزرگی سے سمجھتے ہیں۔

حکایت، ایک قصہ اس مقام پر یاد آیا گو میں نے کسی کتاب میں نہیں دیکھا اور اسلئے ممکن ہے کہ غلط ہو لیکن اسکے غلط ہونے سے ہمارا ضرر نہیں کیونکہ ہم تو اپنے مضمون کو حدیث سے مؤید کرچکے ہیں وہ قصہ یہ ہے کہ حضرت رابعہ کو جس وقت دفن کیا تو حسب قاعدہ فرشتوں نے آکر سوال کیا تو حضرت رابعہ نہایت اطمینان سے جواب جواب دیتی ہیں کہ کیا اس خدا کو جس کو عمر بھر یاد رکھا گز بھر زمین کے نیچے آکر بھول جاؤں گی تم اپنی خبر لو کہ بڑی مسافت طے کرکے آئے ہو تم کو بھی یاد ہے کہ نہیں۔ سبحان اللہ ان حضرات کا یہی اطمینان ہے۔

Regd. No. L2/9/AD-111

Monthly **WASIYATUL IRFAN** **MAR 1983**

23, Buxi Bazar, Allahabad-3

[illegible] آف بکس ایکٹ ۱۸۶۷ء (۱۹۵۶ء میں ترمیم شدہ) کی دفعہ ۱۹ ڈی کے قاعدہ ۸ کے
مطابق ماہنامہ وصیۃ العرفان کی ملکیت وغیرہ کے بارے میں مندرجہ ذیل تفصیلات شائع کی جاتی ہیں

(۱) مقام اشاعت [illegible] الہ آباد

(۲) [illegible] ماہوار

(۳) پرنٹر کا نام، قومیت اور پتہ:- مولوی عبد المجید۔ ہندوستانی۔ ۵ دیاسین گنج۔ الہ آباد

(۴) پبلشر کا نام، قومیت اور پتہ:- صغیر حسن۔ ہندوستانی۔ ۸۱ اقبال پور۔ الہ آباد

(۵) اڈیٹر کا نام، قومیت اور پتہ:- مولوی عبد المجید۔ ہندوستانی۔ ۵ دیاسین گنج۔ الہ آباد

(۶) ان اصحاب کے نام جو اس رسالے کے مالک یا حصہ دار رہے یا جن کے تمام سرمایے کے ایک فیصدی سے زیادہ کے حصہ دار ہیں — مولوی احمد متین صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الہ آباد

میں صغیر حسن اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم و یقین کے مطابق درست ہیں۔

(دستخط) صغیر حسن (پبلشر)

شمارہ ۴ اپریل ۱۹۸۳ء جلد ۶

مکتبہ وصیۃ العلوم ۲۲۴ بخشی بازار
الہ آباد

حامل مضامین تصوف واحسان ماہنامہ افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

وصیۃ العرفان

الہ آباد

چندہ سالانہ عہ۲۲ بائیس روپئے

چندہ ششماہی عہ۱۲ بارہ روپئے

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی

جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ دو روپئے — مدیر: عبد المجید عفی عنہ

شمارہ ۴	رجب المرجب ۱۴۰۳ھ مطابق اپریل ۸۳ء	جلد ۶

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الہ آباد ۳

اعزازی پبلشر صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر و پبلشر اسرار کریمی پریس الہ آباد سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱-۷-ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

ماہ اپریل ۱۹۸۳ء کا شمارہ پیش نظر ہے اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ رسالہ کے مضامین سے ناظرین خوش اور مطمئن ہیں۔ ابھی حال میں ایک صاحب دوسری جگہ سے آئے تھے دفتر سے دو سال کے سابق شمارے طلب کئے اور دو تین سال کا پیشگی چندہ جمع کر دیا اور رسالہ کے متعلق اپنا تأثر ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے وطن میں مکان سے کچھ فاصلہ پر ایک صاحب کے یہاں یہ رسالہ جاتا ہے میں بھی پابندی سے ان کے یہاں سے لیجا کر اسکو پڑھتا تھا اب چاہتا ہوں کہ اسکا مستقل ممبر بنجاؤں یہ بھی کہا کہ علم تصوف میں میری نظروں سے تو کم از کم کوئی رسالہ ایسا نہیں گذرا جو اس جیسا ہو نہایت ہی مؤثر رسالہ ہے۔

اسی طرح سے چند روز ہوئے ایک اور صاحب کا خط لکھنؤ سے آیا لکھا ہے کہ :—

"حضرت مصلح الامۃ کی یادگار میں آپ حضرات کے زیر سرپرستی نکلنے والا رسالہ ۱۶ ماہ سے پابندی کیساتھ مل رہا ہے اسکے مطالعہ سے بڑا روحانی اور ذہنی فائدہ ہو رہا ہے۔ یہ رسالہ حضرت مولانا کا فیضان ہے میں اپنے احباب میں بھی اکثر اسکا ذکر کرتا ہوں اور بعض لوگ پڑھنے کیلئے بھی لیجاتے ہیں۔ کبھی کبھی اسکے اقتباسات مسجد میں بھی سنا دیتا ہوں لیکن یہ کم پڑھے لوگوں کا محلہ ہے اسلئے زبان ادق ہونے کے سبب لوگوں کی سمجھ میں کم آتی ہے۔ وضاحت کرنی پڑتی ہے۔ اس ماہ رواں کے رسالہ میں "میں نے اسلام کیوں قبول کیا" والا مضمون آپ نے بڑا اچھا شایع کیا، میری مسجد کے نمازیوں کو بڑا پسند آیا اور انھوں نے اسے بڑا مفید پایا۔ اللہ پاک آپ سب حضرات کو اجر عظیم عطا فرمائے"۔ انتہیٰ

احباب کی مسرت سے مسرت ہوتی ہے۔ ناظرین سے یہی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کے ذریعہ سے بھی حضرت اقدس مصلح الامۃ کے روحانی فیض کو روزافزوں ترقی بخشے اور مسلمانوں کو اس سے استفادہ کی توفیق نصیب فرمائے والسلام ۔

(ادارہ)

۱۰۱- رسوم زمانہ اور بدعات مروجہ کے متعلق شریعت کا ایک جامع اصول

(فقیہ العصر حضرت مولانا شاہ رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد گرامی)

فرمایا کہ ـــــ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے "اصلاح الرسوم" میں حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کا ایک فتویٰ نقل فرمایا ہے جس سے کہ رسومات مروجہ اور بدعاتِ زمانہ کا ایک کلی حکم معلوم ہو جاتا ہے۔ وھو ہذا۔

"جو رسوم مروجہ زمانہ کہ کسی حجتِ شرعیہ سے نادرست اور گناہ ہیں ان کے عدم جواز میں کچھ کلام ہی نہیں مگر جو رسوم کہ فی نفسہٖ مباح خواہ بدرجۂ مندوب و مستحسن پہونچے ہوئے ہیں اگر عوام انکو بمنزلہ واجب موکد جاننے لگیں یا عملاً ان کے ساتھ برتاؤ واجب کا کرنے لگیں کہ ان کے ترک سے حجاب اور ندامت لاحق ہونے لگے اور باوجود عدم وسعت کے ان کے ارتکاب کی سعی کیجائے اور تارک پر ملامت ہوتی ہو جیسا کہ اکثر بلاد اور اکثر طبائع میں باعتبار اکثر رسوم کے ایسے ہی مشاہد ہیں تو لا ریب یہ التزام ما لا یلزم اور معاملہ نادرست اور موجب معصیت ہے۔ اور اگر خود مرتکب رسم اس عقیدے اور خیال سے بری ہے تب بہ اندیشۂ فسادِ عقیدۂ عوام اسکا ارتکاب نادرست ہوگا چنانچہ کتب فقہ و حدیث سے یہ امر ظاہر و باہر ہے۔ ایسے وقت میں تارک رسوم اور ماحیٔ بدعات اور ساعیٔ رواج طریقۂ سنیہ منصور مثاب و ماجور ہوگا۔"

حاصل اسکا یہ ہے کہ وہ امور جو کہ فی نفسہٖ مباح و مستحسن بھی ہوں اگر عوام انکو عقیدۃً یا عملاً واجب سمجھنے لگیں جسکی علامت یہ ہے کہ ان کے ترک پر وہ ندامت محسوس کریں اور خواہی نخواہی وسعت نہ بھی ہو تو قرض اُدھار لیکر اس کام کو ضرور کریں اور نہ کرنے والے کو ملامت کریں اور برا بھلا کہیں تو التزام ما لا یلزم (یعنی ایک

غیر ضروری شے کو ضروری سمجھنے کی وجہ سے ایسا کرنا جب گناہ ہوگا اور اگر خود
ان کو غیر ضروری سمجھ رہا ہے تب بھی عوام کو فساد عقیدہ سے بچانے کے خیال
سے اسکو ترک ہی کر دینا لازم ہے اور اسکے بالمقابل جو مسنون طریقہ ہے اسکو
ہی کرنے والا بہت ہی ثواب کا مستحق ہوگا۔
بس اسی ایک اصول سے میلاد کے قیام۔ اذان کے بعد کے صلوٰۃ وسلام
، چالیسواں کا التزام اور جملہ رسوم و ایجادات کا حکم معلوم کیا جا سکتا ہے۔ واللہ
تعالیٰ اعلم۔

۱۰۲۔ غیبت کا حکم اور اس کی تفصیل

فرمایا کہ ——— در مختار میں ہے کہ اگر اپنے کسی مسلم بھائی کی برائی اور
اسکے عیوب کو رنج و افسوس کے خیال سے ذکر کیا تو یہ غیبت نہیں ہے۔ بلکہ
غیبت یہ ہے کہ اپنے بھائی کے عیوب کو اس سے ناراض ہوکر بطور برائی اور
تنقیص کے بیان کرے اس پر علامہ شامیؒ لکھتے ہیں کہ غیبت اسلئے نہیں ہے کہ اس
صورت سے کہی ہوئی بات کو صاحب معاملہ سنکر برا نہ جانے گا کیونکہ اس کہنے والے
نے بطور خیر خواہی کے کہا ہے اور اسکے حال پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا ہے
لیکن یہاں یہ شرط ہے کہ اسکی نیت واقعی ہم و غم کی ہو اور وہ اس نیت میں سچا ہو یہ نہیں
کہ برائی کرنا مقصود ہو اور الزام سے بچنے کے لئے کہدے کہ میں نے تو بطور تحسر اور
افسوس کے کہا تھا اگر نیت میں کاذب ہوا تو معتاب ہونے کے ساتھ ساتھ منافق
اور ریاکار بھی شمار ہوگا اور اپنا تزکیہ کرنے والا الگ سمجھا جائے گا۔ اس لئے کہ اس نے
اپنے بھائی کو گالی بھی دی اور اسکے خلاف ظاہر کیا اور لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتا
ہے کہ وہ اس قسم کی بات کو اپنے اور غیر سب کے لئے ناپسند کرتا ہے اور وہ نہایت
صالح اور محتاط ہے کیونکہ اسنے غیبت کا صریح عنوان نہیں اختیار کیا ہے۔ اس نے تو
صرف اسکی بدحالی پر افسوس کیا ہے تو اس طرح اس نے نہ صرف ایک غیبت ہی کی

قبائح کی بہت سی قسموں کو جمع کر لیا ہم اللہ تعالیٰ سے اُسکی پناہ طلب کرتے ہیں۔
یہ سمجھو کہ غیبت کی حرمت کتاب اللہ میں صراحتًہ وارد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے
ت کرنے والے کو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے والا فرمایا ہے
انچہ جس طرح اسکا گوشت حرام ہے اسکی آبرو ریزی بھی حرام ہے رسول اللہ صلی اللہ
بہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ تمام کا تمام مسلم دوسرے مسلم پر حرام ہے اس کا
ن حرام، اسکا مال حرام، اسکی آبرو حرام۔ لہٰذا بوقت ضرورت یہ بقدر ضرورت ہی
ز ہوگی مثلاً

جبکہ کوئی شخص نماز روزہ بھی کرتا ہو اور لوگوں کو اپنے ہاتھ اور زبان سے
ار بھی پہونچاتا ہو تو اسکے اس عیب کو لوگوں سے بیان کرنا (تاکہ کسی کو اسکی ظاہری
یداری سے ضرر نہ پہونچ جائے) یہ غیبت نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر بادشاہ وقت
اسکی اطلاع کردی تاکہ وہ اسے تنبیہ کردے تو اس پر کچھ گناہ نہیں ـــ اور علماء
نے تو یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر اسکا باپ اسکی اصلاح پر قادر ہو تو اس سے کہہ دے
اہ تحریر کے ذریعہ۔ اور اگر معاملہ اس کے بس سے باہر تو نہ کہے ورنہ اس کہنے والے
وہ دشمن ہو جائے گا۔

مسئلہ: اگر کسی بستی والوں کی بدون تعیین شخص غیبت کی تو یہ بھی غیبت نہیں
ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ تمام افراد تو مراد نہیں ہیں لہٰذا ہر شخص اس سے خارج بھی سمجھا
سکتا ہے اور بعض مجہول کی غیبت غیبت نہیں۔ اسی طرح سے جو شخص کھلم کھلا
صیت کرتا ہو اسکی غیبت جائز ہے (جیسے بدعتی۔ رافضی۔ قادیانی وغیرہ) تو اسکی
ی غیبت کیجا سکتی ہے تاکہ لوگ اس سے نہ ملیں اور برائی میں نہ پڑیں۔ اسی طرح
پنے ظالم کی شکایت حاکم سے (یا جس سے بچاؤ کی امید ہو اس سے) کیجا سکتی ہے۔

فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ نے تنبیہ الغافلین میں لکھا ہے کہ غیبت کی چار صورتیں
ں۔ ایک صورت میں وہ مکفر ہو جاتا ہے مثلاً یہ کہ ایک شخص سے کہا گیا کہ یہاں غیبت
کیا کر غیبت کرنا حرام ہے۔ یہ سنکر وہ یوں کہدے کہ میں جو بات کہہ رہا ہوں یہ غیبت نہیں ہے

اس لئے کہ میں بالکل صحیح اور سچ کہہ رہا ہوں تو یہ کہکر اس نے گویا ایک حرام شئے کو جسکی حرمت نص قطعیہ سے ثابت ہو چکی ہے حلال گردانا اور تحلیل حرام (اسی طرح سے تحریم حلال کو) فقہا نے کفر فرمایا ہے۔ رہا اسکا یہ کہنا کہ یہ تو سچی بات ہے تو سچ بات ہی تو غیبت کہلاتی ہے۔ اور اگر غلط ہوا اسکا نام افترا اور بہتان ہے جو اور بھی برا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی کا نام تو نہ لے (مگر سب سننے والے جان لیں کہ فلاں کو کہہ رہا ہے) اس طرح سے اسکی غیبت کر کے فاسق ہو رہا ہے اور خود کو متقی سمجھ رہا ہے اسلئے یہ شخص منافق ہے اور اسکا یہ طریقہ نفاق ہے۔ اور تیسری شکل یہ ہے کہ کسی متعین شخص کی غیبت کرے اور سمجھ رہا ہو کہ میں گناہ کر رہا ہوں یہ صورت معصیت ہے اس پر توبہ لازم ہے۔ اور چوتھی صورت جو مباح ہے وہ یہ ہے کہ کسی معلن فاسق کی یا مبتدع کی غیبت کرے۔ اور اگر فاسق کی غیبت اس لئے کی ہے تاکہ دوسرے لوگ اس سے محفوظ رہیں تو اسکو اس پر ثواب ملیگا کیونکہ یہ نہی عن المنکر کے قبیل سے ہوگا۔ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں کہ اباحت، وجوب کے منافی نہیں ہے پس بعض صورت ایسی بھی ہو سکتی ہے کہ وہاں غیبت واجب بھی ہو سکتی ہے (شامی ج ۵)

۱۰۳۔ غیر مستحسن پیروی

فرمایا کہ ـــــ الکلام المبین میں ہے کہ صحیحین میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ پیروی کروگے انلوگوں کے طریقہ کی جو تم سے پہلے ہوئے ہیں بالشت بالشت۔ دست بدست یہاں تک کہ وہ اگر سوسمار (گوہ) کے بل میں بھی گھسے ہوں گے تو اس بات میں بھی انکی پیروی کروگے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ یہ پہلے لوگوں سے کون لوگ مراد ہیں؟ یہود و نصاریٰ؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں ہاں اور کون۔ انتہیٰ۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ کچھ لوگ آپکی امت کے رَوش یہود و نصاریٰ کو اختیار کریں گے سو مطابق اسکے واقع ہوا۔ یہود کی

روش تھی حسد اور حق بات کا چھپانا اور بطمع دنیوی مسئلہ غلط بتانا اور کتاب الہٰی میں سے جو حکم اپنے موافق ہوا سکا ظاہر کرنا اور جو خلاف ہوا سکا چھپانا۔ سو اس قسم کے علماء بیدین اس امت میں پائے جاتے ہیں۔ اور نصاریٰ کی روش ہے نبی اور بزرگوں کے حق میں اس قسم کا اعتقاد رکھنا جو خدائی کے رتبہ کو پہنچا دے۔ سو یہ بات بھی امت کے پیرزادگان جاہل میں پائی جاتی ہیں۔ اور سوائے اسکے اکثر وضعوں میں لوگوں نے مشابہت نصاریٰ کی اختیار کی ہے۔

(الکلام المبین)

ناقل عرض کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشینگوئی آج حرف بحرف صادق ہے آپ نے امت کی اس حالت پر نکیر ہی فرماتے ہوئے اور اسپر ناراضگی کا اظہار فرمانے کے لئے یہ فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اللہ و رسول کی ناراضگی اور دین و شرع کی خلاف ورزی سے بچائے۔ آمین۔

۱۰۴۔ غربت اسلام

فرمایا کہ ——— مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بدء الاسلام غریبًا و سیعود غریبًا کما بدء فطوبیٰ للغرباء من امتی۔ قیل یا رسول اللہ و من الغرباء من امتک قال الذین یصلحون ما افسد الناس من بعدی من سنتی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام غریب اور اجنبی ہو کر شروع ہوا تھا اور اسی حالت پر یعنی اجنبیت کی حالت پر لوٹ جائے گا (یعنی لوگ اس کے جاننے پہچاننے والے اور شناسا نہ رہ جائیں گے) پس میری امت میں جو لوگ غرباء ہوں اور اجنبی سمجھے جاتے ہوں ان کے لئے خوش خبری اور بشارت ہے۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ آپ کی امت میں سے یہ اجنبی لوگ کون ہوں گے؟ فرمایا وہ لوگ جو درست اور رائج کرنے والے ہوں گے میری ان سنتوں کو جنھیں لوگوں نے فاسد کر کے رکھدیا ہوگا

(اس حدیث میں متبع سنت و ماحی بدعت کیلئے کیسی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے اور ایسے شخص سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسا خوش ہو رہے ہیں۔ آج ہمارا یہ حال ہے کہ طرح طرح کی بدعات دین میں نکال رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کر رہے ہیں، اور جو لوگ متبع سنت ہیں انکو کس نظر سے دیکھا جا رہا ہے۔ انا للہ)

آگے صاحب مدخل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو سنکر جو شخص رونا چاہے پہلے تو وہ خود اپنے آپ پر روئے پھر اسلام کی غربت اور اجنبیت پر روئے اور اہل اسلام اور اہل دین کی غربت پر روئے اور عاملین بالسنۃ پر روئے۔ (مدخل ص۲۶۳ ج۱)

اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے اور ہماری فہم درست فرمائے۔

۱۰۵۔ حضرت عباسؓ کی نصیحت حضرت ابن عباسؓ کو

فرمایا کہ ـــــ احیاء العلوم میں ہے کہ حضرت عباسؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ (بن عباسؓ) سے یہ فرمایا کہ بیٹے! سنو! میں انکو (یعنی حضرت عمرؓ کو) یہ دیکھ رہا ہوں کہ تم کو تمام امور میں سب بڑے بوڑھوں پر مقدم رکھتے ہیں (یعنی سبکو چھوڑ کر تم ہی سے مشورہ وغیرہ کرتے ہیں) تو تم مجھ سے پانچ نصیحتیں سن لو اور انھیں یاد رکھو

ایک یہ کہ ان کے کسی راز کو کبھی افشا نہ کرنا۔

دوسرے یہ کہ ان سے کبھی کسی کی غیبت ہرگز نہ کرنا۔

تیسرے یہ کہ خبردار خبردار کبھی وہ تم سے کسی معاملہ میں جھوٹ اور کذب بیانی کا تجربہ نہ کریں

چوتھے یہ کہ دیکھو کبھی ان کے منشار کے خلاف کوئی کام نہ کرنا اور انکے حکم کی نافرمانی نہ کرنا۔

پانچویں یہ کہ کبھی وہ تمھاری جانب سے کسی خیانت کا مشاہدہ نہ کریں۔

حضرت شعبیؒ نے فرمایا کہ سبحان اللہ ان نصائح کا کیا کہنا ہر ایک ان میں سے ہزار کے برابر (یعنی ایک نصیحت انمیں سے جب ہزار کے برابر ہو تو پھر یہ سارا مجموعہ تو علم و حکمت کا ایک خزانہ ہے)

(مکتوب نمبر ۳۱۲)

حال: احقر ایک ہفتہ سے خدمت بابرکت میں حاضر ہے اور صبح و شام مجلس ضیا پاش میں شریک ہوکر قلب مردہ کو نیکیوں اور اخلاق حسنہ کے آب حیات سے تازہ کرتا رہتا ہے۔ تحقیق: الحمد للہ۔ بارک اللہ

حال: سچ ہے تطہیر قلب اور تزکیۂ نفس بغیر نیک کرداریوں اور خوش اخلاقیوں کے ممکن نہیں انھیں سے مومن کا دل روشن اور نفس پاک ہوتا ہے۔

تحقیق: بیشک

حال: زباں گوہر فشاں سے کبھی نفاق وریا کی مذمت سنکر دل یہ پختہ ارادہ کرتا ہے کہ جو باتیں دل میں ہوں وہی زباں پر آئیں اور جو زبان سے بولے وہی دل میں بھی رکھے ظاہر و باطن یکساں ہو اور ایمان اور ایمان کی باتیں دل کی گہرائیوں میں ایسا گھر کرلیں کہ بیاختہ جوارح سے بھی انکا صدور وظہور ہو۔ خدا اسکی توفیق دے۔ تحقیق۔ آمین۔

حال: وھو الموفق خیر الموفق یہ سنکر ایمان تازہ ہی نہیں بلکہ ایمان میں زیادتی ہوتی ہے کہ اخلاق حسنہ موجب حصول درجات اور منازل عالیہ ہوتے ہیں اکثر عبادت میں کمی ہوتی ہے اور اخلاق حسنہ سے بندہ متصف ہوتا ہے تو اسکی وجہ سے درجات مرتفعہ پالیتا ہے۔ تحقیق: بیشک۔

حال: اگر انسان اپنے اخلاق اور معاملات خانگی اور بیرونی کو درست کرے تو اس سے دنیا کی زندگی بھی اسکے لئے جنت کا نمونہ بن جائے۔ تحقیق: بیشک

حال: درست ہے کہ اگر ہمارے خانگی معاملات میں، زن وشو، پدر و پسر، مادر و دختر وغیرہ درست اور اچھے نہیں تو زندگی دوبھر ہوجاتی ہے۔

تحقیق: دیکھا جارہا ہے

حال: اب انشاء اللہ یہ کوشش رہے گی کہ ہر ایک کے ساتھ خوش اخلاق

پیش آؤں۔ خدا مجھکو اور میرے اہل و عیال کو اسکی توفیق عطا فرمائے

یق: ضرور ہونی چاہیئے۔ خدا کرے توفیق میسر ہو۔

ال : وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ (اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں بات (بطور پیشینگوئی) بتلادی تھی کہ سرزمین (شام) میں دو بار خرابی کروگے) کی تفسیر مفصل اور توضیح مکمل سنکر حالات کا ایک بیش بہا خزانہ حاصل ہوا اور یہ واضح ہوا کہ آجکل مسلمان بھی انھیں برائیوں میں مبتلا ہوکر ابتلا و مصائب کا شکار ہو رہے ہیں طرح طرح کی آفات و بلایا میں مبتلا کئے جاتے ہیں۔ کاش اب بھی مسلمان اپنی عادت سدھارنے کی طرف مائل ہوتے۔ الٰہی! تو ہم کو اور سب مسلمانوں کو اپنے حالات سدھارنے کی توفیق عطا فرما تاکہ ہم غیروں کے عذاب سے چھٹکارا پا جائیں۔ تحقیق: آمین

ال: امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے تحت جو تفسیریں بیان ہوئیں اور بزرگوں کے واقعات اور حکایات سے اسکی توضیح کی گئی اس نے تو دل میں علم کا ایک دریا بہا دیا۔ خداوند تعالیٰ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے صحیح طریقوں پر کام کرنے کی ہمت دے۔ تحقیق: آمین

ال: آج کی مجلس میں ولا تجسسوا (اور لوگوں کے عیوب نہ ڈھونڈھا کرو) کے معانی و تفاسیر کا تو حضور نے ایک بہت بڑا پوشیدہ دروازہ کھولکر اس کے اصلی و پوشیدہ اسرار و نکات کا چشمہ بہا دیا۔ دوسروں کے عیوب کی تجسس و تلاش کرنی مومن کی شان نہیں۔ تحقیق: بیشک

ال: خدا کی رحیمیت کی شان تو یہ ہے کہ دوسروں کے عیوب کو چھپاتا ہے تو انسان کے لئے کب زیبا ہے کہ دوسروں کے عیوب کی پردہ دری اور اسکے تجسس کے کے درپے ہو۔ تحقیق:

ال: غرض کہ مجلس کی شرکت سے جو فوائد اور کرم ریزیاں ہیں وہ بیان سے باہر ہیں اس میں عدم شرکت باعث محرومیٔ صد برکات و معلومات ہے اللہ تعالیٰ

سے دعا ہے کہ اسکا موقع کافی مجھ بدنصیب کو عطا فرمایا کرے۔ تحقیق: آمین

حال: اب حضرت والا کی خدمتِ اقدس میں چند گذارشیں ہیں امید کہ حضور اسکو قبول فرمائیں گے۔ اول یہ کہ تسبیح دوازدہ کے پڑھنے کی بتوسط تعلیم دی گئی ہے جسکی پابندی اور اہتمام کا خیال رکھتا ہوں۔ گذارش ہے کہ بالمواجہ اسکی تعلیم کی تجدید کردیں۔

تحقیق: بعد مغرب آجائیے۔

حال: تاکہ جس حالت وکیفیت کے ساتھ دیکھوں اور سنوں اسی طرح عمل کرنے کی جدوجہد کروں اور سخت دل پر اسکا اثر پاؤں۔ جو ابتک کسی اثر وتاثر سے بے بہرہ ہے۔

تحقیق: نہیں اثر وتاثر ہے۔ اذکار کا کلی اثر ہوگا۔

(مکتوب نمبر ۲۱۳)

حال: گذارش خدمت عالیہ میں یہ ہے کہ بعافیت ہوں اور اپنے کام میں لگا ہوں، کام اطمینان اور توجہ سے ہو رہا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ حاضری کی بات نے نئی ہی بات پیدا کردی ہے۔ تحقیق: الحمد للہ۔

حال: جو بات وہاں ہوتی ہے وہی یہاں کسی قدر دیرپا ہوتی ہے۔ ایک خیال غالب ہے جو تاریکی میں روشنی کا کام کرجاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ میں الٰہ آباد میں ہوں اور سامنے حضرت والا ہی رہتے ہیں، اس معیت خیالی کی کیا کیا برکتیں ہیں یہ ایک وجدانی چیز ہے جو بیان سے باہر ہے یہ بیش بہا دولت اتنی بابرکت ہے کہ بہت سی ریاضتوں پر بھاری ہے منتشر خیالات سمیٹنے کے لئے مجھے اس سے بہتر کوئی طریقہ نظر نہیں آیا

تحقیق: واقعی یہی بات ہے

حال: الحمد للہ معمولات پوری پابندی کیساتھ ادا ہو رہے ہیں

تقاضہ ہے کہ پورا کئے بغیر چین نہیں آتا۔ تحقیق: الحمدللہ
حال: حضرت والا کی باتوں کے سمجھنے کا جو حق ہے اتنی مجھ کم فہم کے سمجھ میں کہاں آتی ہیں، اللہ کا احسان ہے کہ باتیں سمجھ میں کچھ تو آتی ہیں خدا کرے کما حقہٗ سمجھ میں آجائیں۔ تحقیق: آمین۔
حال: حضرت والا کی خدمت اقدس میں تنہائی میں بیٹھنا نصیب ہو جاتا ہے بس کارآمد وہی ساعتیں ہیں اسی کو حاصلِ زندگی سمجھتا ہوں
تحقیق: ماشاء اللہ تعالیٰ خوب سمجھے
حال: ایک خاص بات تاثیر صحبت میں ایسی بھی ہے تو تحریر سے باہر ہے حضور ہی کو سب کچھ سمجھتا ہوں۔ بعض دفعہ اس حال میں ہوا کہ یہاں نہ کہنے کی ضرورت ہے نہ سننے کی ہوس۔ اگر تعلق استوار ہو تو آنکھیں گفتگو کرلیتی ہیں اور دل جواب باور کرلیتا ہے۔ تحقیق: خوب
حال: اللہ تعالیٰ محبت کا کوئی ذرہ دل میں ڈالدیں۔ تحقیق: آمین
حال: قریبًا دو ہفتہ سے یہ حال ہے کہ نماز پڑھنے میں اور گاہے ویسے بھی کعبۂ مکرمہ بالکل نظر کے سامنے ہوتا ہے۔ اس حال میں عجب کیف ہوتا ہے جو بیان سے باہر ہے طبیعت کھنچی جاتی ہے اور دل کا حال بہتر ہوتا ہے
تحقیق: الحمدللہ۔
حال: خدا کی یہ پہلی جلوہ گاہ مومنین کو کیا کیا دیتی ہے کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ سمجھ میں آتا ہے کہ توجہ الی القبلہ کیا ہے کعبہ بھی اعظم شعائر اللہ سے ہے۔ کعبہ کی حقیقت اپنی سمجھ میں کیا آئیگی، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جتنی سمجھ دی اتنا شکر مجھ بے زبان سے ادا نہیں ہو سکتا۔ تحقیق: الحمدللہ
حال: ایام حج میں کعبہ اور دیگر مقامات متبرکہ بہت یاد آتے رہے دل کیا چاہتا رہا اسے کیا عرض کروں؟ جب حرم کو سوچتا ہوں اس نامحرمی کی زمین کو بھول جاتا ہوں، دل وہیں ہوتا ہے۔ نماز مسجد میں آدا کرتا ہوں

مگر معلوم ہوتا ہے کہ حرم کے سنگ ریزوں پر سجدے ادا ہو رہے ہیں کعبہ کا تصور کہیں سے کہیں پہونچا دیتا ہے۔ تحقیق : الحمد للہ

حال : یہ خیال بھی کم کیف آفریں نہیں ہے۔ تحقیق : بیشک

حال : جب نفس ابھرا اور غیرت و خودداری کا واسطہ دیکر عار دلائی اور اسی کے ساتھ طبیعت کو انتشار ہوا تو یہی سمجھ میں آیا کہ یہ حرکت نفس ہے۔ پھر اسے یہی جواب ملا کہ تمھیں لنگوٹی پہنا کر ہاتھ میں کاسۂ گدائی دیدینا چاہیئے، بڑا غیرت والا ہوا ہے۔ پھر تو دلیل اور زور بازو ختم ہی ہوگیا۔ تحقیق : الحمد للہ

حال : اللہ کی حفاظت بڑی دستگیر ہے اور حضرت والا کی توجہ مجھ زبوں حال پر بہت ہے۔ تنہائی میں پڑھا کرتا ہوں

أَحَلَّ أُمَّتَه فی حرزِ ملَّتِهِ کاللیث حلَّ مع الاشبال فی الاجم

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اپنی شریعت کے دامن میں اسطرح محفوظ فرمادیا ہے جیسے شیر اپنے بچوں کو جھاڑیوں کے اندر کسی چراگاہ میں رکھتا ہے

تحقیق : خوب

حال : مولوی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب سلمہٗ اور حافظ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سلمہ کا گھر سے خط آیا ہے لکھا ہے کہ جمعہ کے روز ہم لوگ اجتماع کرتے ہیں اور حضرت کی کتاب پڑھی جاتی ہے لوگ دلچسپی سے سنتے ہیں۔ تحقیق : الحمد للہ

حال : مولوی صاحب نے دعا کے لئے لکھا ہے ان کے لئے فلاح دارین کی دعا فرمائی جائے۔ تحقیق : دعا کرتا ہوں۔

حال : حضرت والا دعا فرمائیں کہ رزق اور وقت میں برکت ہو، اللہ کی صیانت اور حفظ میں ہوں۔ یاد الٰہی غالب رہے۔ فکر روزگار سے نجات رہے خاصانِ خدا کے طفیل دولت سرمدی حاصل ہو۔ دین کی سمجھ عطا ہو۔

تحقیق : دعا کرتا ہوں۔

(مکتوب نمبر ۳۱۴)

حال : اے غائب از نظر بخدا می سپارمت جانم بسوختی و بدل دوست دارمت

(اے محبوب تو جو میری نظروں سے دور ہے میں نے تجھے خدا کے حوالہ کیا تو نے تو میری جان
کو جلا دیا اور میں نے تجھے دل سے دوست رکھا)
بخیر و عافیت مکان پر ہم دونوں آدمی پہونچ گئے مگر اطلاع دینے میں تاخیر ہوگئی
یہ ہماری غفلت ہے ؎

نہ دولت نہ ثروت نہ زر چاہیئے — مجھے آپکی اک نظر چاہیئے

قلبی رابطہ اگر قائم ہے تو ساری آرزوئیں اس پر قربان ہیں۔ بس اسی کی
تمنا ہے حضرت کے دائمی نظر کرم کا مشتاق ہوں ؎

نہ آنا دل میں اے فکر دو عالم — خیال یار یاں ٹھہرا ہوا ہے

یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے جو آپ کی قدمبوسی کا شرف حاصل ہوا اور برکات
سے مالا مال ہوا۔ حضرت میں اپنے واسطے آپ سے کیا مانگوں دل تو بہت کچھ
چاہتا ہے مگر سب سے آخری اور بڑی تمنا یہی ہے آپ ہی سے آپ کو مانگوں
اور بس ؎

حماک اللہ عن شر النوائب — جزاک اللہ فی الدارین خیرا

(اللہ تعالیٰ نے تجھے حوادثات زمانہ کے شر سے بچائے اور اللہ تعالیٰ
تجھے جزاء خیر عطا فرمائے)

تحقیق: الحمد للہ بخیریت ہوں آپ کے خط کے لفظ لفظ سے محبت اور عقیدت
کا ظہور ہوا اللہ تعالیٰ اس محبت و عقیدت کو جانبین کے لئے دارین میں مثمر بنائے
اس میں شک نہیں کہ اس طریق میں محبت ہی تو ایک چیز ہے بلکہ یہ طریق
سراپا محبت ہی محبت ہے۔ اللہ اس میں یوماً فیوماً اضافہ عطا فرمائے۔ یہ معلوم
کرکے مسرت ہوئی کہ آپ کو میری باتیں پسند آئیں۔ اللہ تعالیٰ عمل کی
توفیق عطا فرمائے۔ آپ نے لکھا ہے کہ اپنے واسطے آپ سے کیا مانگوں
دل تو بہت کچھ چاہتا ہے مگر سب سے آخری اور بڑی تمنا یہ ہے کہ آپ ہی
سے آپ کو مانگ لوں اور بس، — خوب بات ہے لیکن اپنے حقیقی محل

پر اموقت ہوگی جبکہ اللہ تعالیٰ سے یہی درخواست ہماری ہو جائے۔

(مکتوب نمبر ۳۱۵)

حال: دنیا کی جھنجھٹ تو لگی ہوئی ہے مگر میں اور مولانا۔۔۔۔ صاحب اور۔۔۔ صاحب مضبوط خیال کر رہے ہیں کہ کیسے جلد سے جلد حضور کے دربار میں حاضر ہوں۔ حضور دعا رکیجئے کہ قانونی رکاوٹ سب دور ہو جائے اور حضور کی خدمت میں چند روز گذارنے کا موقع ملے۔

تحقیق: بہت خوشی ہوئی دعا رکرتا ہوں جلد تشریف لائیے۔

حال: مولانا۔۔۔ صاحب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب حضور کو ڈھاکہ لانے کی سفارش کر رہے ہیں اور حضور کے دل میں یہاں آنے کا خیال پیدا ہو رہا ہے۔

تحقیق: میں نے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کو جو جواب لکھا ہے وہ مولوی۔۔۔۔ صاحب کے پاس ہوگا اس کو بغور ملاحظہ فرمائیے اس قریب کا تو وعدہ نہیں کیا گیا ہے بلکہ کام پر مدار رکھا ہے لہٰذا کام کرائیے۔

حال: یہ سنکر اتنی خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔

تحقیق خوشی کی تو بات ہی ہے

حال: نماز روزہ میں رغبت ہے مگر پوری توجہ دینا نہیں آتا۔ نماز میں دل ادہر ادہر بھاگتا ہے۔ تحقیق: اللہ تعالیٰ پوری توجہ عطا فرمائے۔

حال: دنیا داری کی باتیں دل میں پیدا ہو کر نماز میں نقص پیدا کرتی ہیں۔

تحقیق: اس طرف التفات نہ کیجئے یہ وساوس ہیں۔

حال: ریا اور نفاق کو دبانے کی پوری پوری کوشش کرتا ہوں اور نفس کے لالچ کو بھی ترک کرنے کا پورا خیال رکھتا ہوں تب بھی ناقص خیالات دل میں دل میں دخل کرنا چاہتے ہیں۔

تحقیق: بس اپنا اختیاری کام کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے دعاء کرنا چاہیئے۔
حال: حضور دعاء کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھکو اپنا بنالے اور اللہ تعالیٰ بھی اس گنہگا بندہ کا اپنا ہو جائے۔ تحقیق: آمین
حال: اور یہ سب مرض اللہ تعالیٰ دفع کر دے اور ان سب کمزوری سے اللہ تعالیٰ دل کو محفوظ رکھے۔ تحقیق: آمین
حال: جی چاہتا ہے آدمی بننے کا۔ خدا کی محبت حاصل کرنے کا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے کا۔
تحقیق: سب سے عمدہ چیزوں کا (جی) چاہتا ہے۔ اسی سے سب کچھ حاصل ہوتا ہے جسقدر یہ چاہ زیادہ ہوگی اتنی ہی کامیابی ہے۔ اس چاہ کو بڑھائیے۔
حال: مگر دنیاوی علم جس میں اپنی پوری زندگی ضائع کی کچھ کام میں نہیں آتا ہے اور دینی علم کے لئے جو لیاقت اور تیاری ضروری ہے اسکو اس ضعیفی میں حاصل کرنا ناممکن ہے۔ صرف بھروسہ یہ ہے کہ جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مدد اور شیخ کی تائید اس ضعیف کو بچا سکتی ہے کیا جانے قسمت میں کیا ہے، حضور کی دعاء کا خواہشمند ہوں۔
تحقیق: دعاء کرتا ہوں۔

بالآخر مرض میں اضافہ اور شدت اس امر نے بھی پیدا کر دی کہ حضرت والا کو ہچکیاں آنی شروع ہو گئیں۔ ہر ہر منٹ پر دو چار بار مسلسل ہچکی آنے لگی جس کو دن میں تو لوگوں سے بات وغیرہ کر کے کسی طرح گزار دیا گیا مگر رات میں بھی وہ بند نہ ہوئی جسکی وجہ سے حضرت کو نیند آنی مشکل ہو گئی معلوم ہوتا کہ شاید اب نیند آجائیگی کہ اتنے میں دوسری بار ہچکی آکر جگا دیتی۔ ادھر علاج معالجہ میں مزید اہتمام کیا گیا، بار بار دوا تبدیل کیجانے لگی اور داخلی، خارجی جو جو تدابیر سمجھ میں آئیں کی گئیں اور تجربہ میں جو چیز اسکے روکنے کی آچکی تھی ایک ایک کر کے سب کو آزمایا گیا مگر کوئی نفع نہ ہوا۔ جب وہاں کے سب حکیم ڈاکٹروں کا نمبر ختم ہو گیا اور اگلا دن آیا اور ہچکی پھر بھی نہ بند ہوئی تو خدام بھی پریشان ہو گئے اور حضرت والا پر تو جو تکلیف مسلسل ہچکی کے سبب سے نیز ۴۸ گھنٹے سے نہ سونے کی وجہ سے گذر رہی تھی وہ حضرت ہی جانتے تھے۔

خدام کی دوڑ دھوپ کو بے اثر دیکھکر نیز معالجین کی مایوسی ملاحظہ فرما کر اور ان سب سے زیادہ خود اپنی تکلیف اور ضیق کو محسوس فرما کر حضرت والا نے دوسرے یا تیسرے دن مولوی امجد اللہ سے فرمایا کہ مولوی امجد اللہ کچھ تدبیر کروگے یا اسی طرح میرے تڑپنے کا تماشہ دیکھو گے۔ جاؤ مشورہ کرو لوگوں سے کہ کیا ہونا چاہیئے؟ حضرت والا کا اس سے منشا یہ تھا کہ قاری مبین صاحب اور دوسرے خاص لوگوں سے مشورہ کر کے مجھے بتاؤ کہ کیا اب ہونا چاہیئے۔ مولوی صاحب موصوف نے چند حضرات کو لیکر مشورہ کیا اور حاضر ہو کر حضرت سے عرض کیا کہ حضرت سب لوگوں کا مشورہ یہ ہے کہ علاج کے لئے کسی اور جگہ چلنا چاہیئے۔ حضرت بھی چاہتے یہی تھے لیکن خود اپنی زبان سے فرمانا نہیں چاہتے تھے اس لئے جیسے ہی انھوں نے یہ کہا حضرت نے فرمایا ہاں ٹھیک رائے تو ہے۔ پھر کہاں چلوگے مولوی صاحب نے فرمایا حضرت اس مسئلہ پر بھی گفتگو ہو چکی ہے وہ یہ کہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ لکھنؤ چلا جائے وہاں متعدد اطباء موجود ہیں اور کچھ لوگ الہ آباد کے متعلق رائے دے رہے ہیں حضرت والا نے فرمایا کہ سب کو بلا لیجئے اور میرے سامنے گفتگو کیجئے اور بتایئے کہ لکھنؤ کو کس بناء پر ترجیح ہے اور الہ آباد جانے میں کیا نقص

تاکہ میں بھی سنوں اور پھر کوئی فیصلہ کرسکوں۔ سب لوگ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا۔ الٰہ آباد میں قیام کی سہولت تھی کہ خدام خاص موجود تھے اور لکھنؤ میں اطبار کی کثرت تھی۔ حضرت والا نے فرمایا کہ الٰہ آباد میں بھی تو آخر طبیب ہوں گے لوگوں نے عرض کیا جی ہاں ہیں، حکیم احمد عثمانی صاحب ایک اچھے اور حاذق طبیبوں میں سے ہیں فرمایا کہ مولوی حکیم فخر صاحب مرحوم گو اب نہیں ہیں مگر ان کے کوئی شاگرد تو آخر ہوں گے ہی ؟ بس اس سے حاضرین نے سمجھا کہ حضرت کا منشار بھی الٰہ آباد ہی تشریف لیجانے کا ہو رہا ہے اس لئے کسی نے اسکے خلاف پر کچھ اصرار نہیں کیا اور سب نے الٰہ آباد ہی تشریف لیچلنے کی رائے دی۔

الغرض جب یہ طے ہوگیا کہ علاج یونانی ہوگا اور الٰہ آباد چلنا ہے تو حضرت والا نے مولوی امجداللہ صاحب ہی سے فرمایا کہ جائیے آپ موٹر کا انتظام کیجئے۔ کچھ دیر کے بعد مولوی صاحب نے واپس آکر عرض کیا کہ حضرت ایک نہایت ہی بڑی اور آرام دہ گاڑی کا انتظام ہوگیا ہے وہ کل صبح نو بجے یہاں آجائیگی۔ حضرت والا اس پر بآسانی لیٹ کر سفر فرماسکیں گے حضرت نے فرمایا جزاک اللہ۔ اور فرمایا کہ میرے ہمراہ آپ چلئے گا اور یہ مولوی حکیم بشیرالدین بھی چلیں گے۔ مولوی جامی کو لے لیجئے گا اور اپنے ملازم مشرف کو بس اتنے ہی آدمی ہمراہ چلیں گے۔ اور الٰہ آباد کے کوئی صاحب ہوں تو انکو بھیجکر یا ٹیلیفون سے حاجی عبدالوحید اور حاجی شفیع اللہ صاحب کو اطلاع کردیجئے کہ میں الٰہ آباد کل موٹر سے آرہا ہوں وہاں خاص خاص احباب کو بھی مطلع کردیں چنانچہ الٰہ آباد فون کردیا گیا۔ حاجی عبدالوحید صاحب نے حاجی عبدالحکیم صاحب اور ان کے برادر خورد مولوی عبدالمجید صاحب کو بھی حضرت والا کی تشریف آوری کی اطلاع کردی۔

اب اہل الٰہ آباد کی مسرت کا اندازہ کرنا مشکل تھا کہ انھیں حضرت کے تشریف لانے کی خبر سے کس درجہ خوشی تھی۔ مولوی عبدالمجید صاحب وغیرہ کے

پاس اندنوں کار موجود تھی اسلئے ان حضرات نے باہم یہ مشورہ کیا کہ ہم دونوں بھائی اور وہ دونوں حاجی یہ چاروں آدمی گورکھپور سے آنے والی سڑک پر دس بیس میل آگے پہونچکر حضرت والا کا استقبال کریں گے۔

یہاں گورکھپور کے لوگوں میں اس خبر سے صفِ ماتم بچھ گئی تھی اور یہ خبر سارے شہر میں گونج اٹھی کہ حضرت والا تو بسلسلہ علاج الہ آباد تشریف لیجا رہے ہیں یہ سنکر لوگ جوق در جوق آنا شروع ہوئے حضرت والا نے بھی اپنے اخلاق کریمانہ سے سب کو نوازا یعنی سب سے ملاقات فرمائی اور سب سے اپنے لئے دعا کی درخواست فرمائی اور لڑکیوں اور گھر کے لوگوں کی تسلی فرمائی اور تقریباً ۱ بجے دن کو گورکھپور سے الہ آباد کے لئے روانہ ہو گئے احباب کا خاصا مجمع موٹر کے پاس کھڑا تھا ادھر موٹر چل پڑی ادھر سب لوگوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے کہ دیکھئے اب حضرت تشریف لاتے بھی ہیں یا نہیں ؟

موٹر اس قسم کا تھا کہ جس میں وزراء وغیرہ بالعموم چلا کرتے ہیں نہایت ہی کشادہ اور آرام دہ سیٹ کہ جس میں حضرت والا بآسانی لیٹ سکتے تھے۔ حضرت اقدس کے پائنتی ایک گوشہ میں یہ راقم (جامی) بیٹھا، ڈرائیور کے پاس آگے مولوی امجد اللہ صاحب حکیم بشیر الدین صاحب بیٹھے اور پیچھے سامان رکھنے کا جو حصہ ہوتا ہے وہ کھول دیا گیا تو اچھا خاصا ایک مختصر سا حجرہ نکل آیا اسمیں میاں مشرف صاحب مع سامان بٹھلائے گئے گاڑی میں بیٹھکر باوجود اسکی تیز رفتاری کے ہچکولے بھی بہت معمولی لگتے تھے۔ ابھی شہر سے باہر ہوئی ہی تھی کہ حضرت نے کہا مجھے اٹھا کر بٹھا دو باہر کا سبزہ زار اچھا معلوم ہوتا ہے طبیعت کو اسے دیکھکر فرحت حاصل ہوتی ہے۔ ہم لوگوں نے محسوس کیا کہ یا تو حضرت پر ایسی نقاہت تھی کہ لیٹنا بھی دوبھر تھا یا اب ماشاء اللہ تکیوں سے ٹیک لگا کر بیٹھکر باہر کی سیر فرمانے لگے اور بار بار سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرماتے کہ الحمد للہ خوب فرحت حاصل ہو رہی ہے۔ اس سے اندازہ ہوا کہ حکیم صاحب کا کمرہ جس میں حضرت والا کا قیام تھا ذرا بند بند سا تھا اور حضرت اقدس ہمیشہ کھلی جگہ اور کھلی ہی فضا کے

رہنے کے عادی تھے طبع والا پر ایسی بند اور تنگ جگہ کا قیام بھی اب تک سبب ضیق ہی بنا ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت والا کا معمول تھا کہ صبح و شام کو باہر تفریح کے لئے تشریف لے جاتے تھے ادھر چند دنوں علالت کے سبب باہر جانا ہی نہیں ہو رہا تھا اس لئے اندر کمرے میں بند بند طبیعت گھبرا بھی گئی تھی چنانچہ آج سفر کے سلسلہ میں کھلی فضا جو ملی تو اسکی وجہ سے بڑا انشاط محسوس ہوا اور کہنا چاہیئے کہ گویا آدھا مرض ہی جاتا رہا لیکن ہچکی برابر چلی آ رہی تھی اس تفریح اور سفر نے گو اسکی جانب سے توجہ کم ضرور کر دی تھی مگر وہ ختم نہ ہو سکی۔ یہ سفر گورکھپور سے چلکر بڑھل گنج پھر وہاں سے گھاگھرا دریا پار کر کے دوہری گھاٹ وہاں سے اعظم گڈھ جونپور۔ مچھلی شہر۔ بادشاہ پور پھولپور ہوتے ہوئے الہ آباد آنے کا تھا۔ چنانچہ بڑھل گنج ہی میں ہچکی کی تکلیف پھر زور اشدت پکڑ گئی ایسی کہ حضرت والا کو الجھن ہونے لگی جو کچھ دوائیں ہمراہ تھیں استعمال کرائی جا رہی تھیں لیکن ان سے نفع نہیں ہو رہا تھا بالآخر خود حضرت والا ہی نے فرمایا کہ شاید تھانہ بھون میں ایک بار کسی کو اسی نوع کی تکلیف ہو گئی تھی تو کسی حکیم صاحب نے گرم گرم دودھ پلایا تھا جس سے افاقہ ہو گیا تھا فوراً اسکا بھی انتظام کیا گیا لیکن اس سے بھی کوئی خاص افاقہ نہ ہوا۔ پھر دوہری گھاٹ میں پہونچکر خود حضرت ہی نے فرمایا کسی موقع پر ہچکی کے مرض میں کسی طبیب نے املی کے بیج (چیاں) کو پیکر تالو پر رکھوایا تھا اگر اسکا انتظام ہو سکے تو کرو۔ اب سفر میں چیاں دستیاب ہونے سے زیادہ دشوار اسکا کوٹنا اور پیسنا تھا اس موقعہ پر اس شعر کی بالکل تصدیق ہو گئی کہ

درد سر کے واسطے صندل بتاتے ہیں طبیب اسکا گھسنا اور لگانا درد سر یہ بھی تو ہے

بہرحال دوہری گھاٹ کی آبادی بڑی تھی پنساریوں کے یہاں چیاں تلاش کیا گیا تو مل گیا پھر کسی مسلمان کا گھر تلاش کیا گیا جہاں اسکے کوٹنے پیسنے کا بھی انتظام ہو گیا چنانچہ تیار کر کے حضرت والا کے تالو پر اسکو رکھدیا گیا مشہور ہی ہے کہ حرکت میں خدا نے برکت رکھی ہے اس اتنی دوا دوش کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند ہی منٹ کے بعد حضرت والا کی تین دن سے مسلسل آنے والی ہچکی بند ہو گئی اور موٹر کی معتدل حرکت اور ٹھنڈی

ہوا کے برابر لگے رہنے کی وجہ سے حضرت والا کو نیند آگئی چنانچہ اعظم گڈھ گذرا اسکے بعد جون پور گذرا مگر حضرت والا چونکہ کئی شب کے جاگے ہوئے تھے سوتے ہی رہے بالآخر مچھلی شہر کے قریب آنکھ کھلی۔ نماز ظہر کا وقت تو ہو چکا تھا لیکن اس خیال سے کہ کہیں حرکت وغیرہ کی وجہ سے ہچکی کا دورہ دوبارہ نہ پڑ جائے یہی مناسب سمجھا گیا کہ جس قدر زیادہ راستہ طے ہو جائے اچھا ہے حضرت سے بھی عرض کر دیا گیا کہ نماز آگے چل کر پڑھی جائے گی۔ ماشاء اللہ موٹر بھی تیز رفتار تھی بات کی بات میں مچھلی شہر سے بادشاہ پور آیا اور ذرا ہی دیر کے بعد پھولپور گذرا۔ راستہ کے لوگ موٹر کو تعجب کی نگاہوں سے دیکھتے تھے دور سے اسکو آتا ہوا دیکھکر خیال کرتے تھے کہ شاید کوئی وزیر صاحب کہیں تشریف لے جارہے ہیں لیکن مسافرین کی ریش دیکھکر متحیر ہوتے تھے کہ ان لوگوں کو ایسی کار میں سوار ہونے کا حق کیسے ملا، یہ کون لوگ ہیں؟ انھیں کیا خبر تھی کہ اس میں وزیر ہی نہیں سلطنت دین محمدی کا ایک شاہ سفر فرما رہا ہے۔ بہرحال ادھر کا یہ سفر بہت جلد طے ہوا اور تقریباً دو ڈھائی بجے الہ آباد سے بارہ پندرہ کیلومیٹر قبل ایک میدان میں جہاں سڑک کے کنارے ایک پختہ کنواں تھا موٹر روکی گئی تاکہ نماز ظہر سے فراغت حاصل کر لی جائے۔ حضرت والا کو موٹر کے اندر ہی ایک سلیپچی میں وضو کرا دیا گیا۔ حضرت نے تنہا موٹر ہی میں بیٹھے بیٹھے نماز ادا فرمائی اور ہم لوگ استنجے اور وضو سے فارغ ہو کر سڑک کے کنارے ایک درخت کے نیچے نماز پڑھ ہی رہے تھے کہ الہ آباد کا وہ استقبالیہ قافلہ موٹر پر حضرت والا کی آمد آمد کا انتظار کرتے کرتے یہاں تک آ پہونچا۔ ہم لوگوں کو دور سے دیکھکر پہچان لیا اور سب لوگ اتر کر حضرت والا سے ملے۔ ان آنے والوں میں حسن منزل کے حاجی عبد الوحید صاحب اور حاجی شفیع اللہ صاحب۔ اور حاجی عبد الحکیم صاحب مالک اسرار کریمی پریس اور ان کے برادران خورد مولوی عبد المجید صاحب اور عبد الحمید صاحب بھی تھے۔ مولوی عبد المجید صاحب سے تو آپ حضرات رسالہ کے واسطے سے خوب واقف ہوں گے۔ ان لوگوں سے ملکر حضرت والا کو بھی بہت ہی

مسرت ہوئی۔ ان میں سے پہلے کے دو حضرات ہی دراصل اسوقت حضرت والا کے میزبان تھے۔

نماز سے فراغت کے بعد پھر بقیہ سفر شروع ہوا ان حضرات نے حضرت والا سے عرض کیا کہ اجازت ہو تو ہم لوگ آگے چلے جائیں اور وہاں کا انتظام کریں لوگوں کو اطمینان بھی دلادیں کہ حضرت تشریف لارہے ہیں۔ حسن منزل میں بہت سے لوگ دیر سے جمع ہیں۔ وہ لوگ تو اجازت لیکر آگے چلدیئے اور اب تک راستہ کی رہبری مولوی امجداللہ صاحب کر رہے تھے نیز یہ کہ ہر موڑ اور چوراہوں پر بورڈ بھی لگے ہوتے ہیں اس سے ڈرائیور خود بھی سمجھ لیتا ہے کہ الٰہ آباد جانے کے لئے کس طرف چلنا ہے لیکن اب یہاں سے کچھ ہی دور چلکر گنگا کا پل (پھاپھامئو) پار کرکے شہر آرہا تھا اسلئے یہاں سے حسن منزل تک پہونچنے کے لئے کونسا راستہ اختیار کیا جائے اسکی رہبری کے لئے ع قرعۂ فال بنام منِ دیوانہ زدند۔ چنانچہ واقعی اس شہر کی تمام سڑکوں اور گلیوں میں بارہا آنے جانے کے باوجود تیز رفتار موٹر پر راستہ طے کرتے وقت میں سیج مچ بالکل بھوچکا ہی ہو رہا تھا۔ خیر پھاپھامئو سے کٹرہ آیا وہاں سے ٹرافک کی کثرت کی زحمت سے بچنے کے لئے میں نے بجائے چوک آنے کے بڑی سڑک سے آنند بھون کی طرف سے عیدگاہ ہوتے ہوئے مٹھی گنج کی جانب سے شہر کے جنوبی جانب کی بڑی سڑک پکڑلی اور گول پارک ہوتے ہوئے اسلامیہ کالج کے پاس پہونچا یہیں سے داہنی جانب حسن منزل کو ایک گلی گئی تھی جس میں سے کہ موٹر بدقت ہی گذر سکتی تھی مگر موٹر کی تیز رفتاری اور پیچھے وہ بھی دوسری جانب بیٹھے ہونے کی وجہ سے گلی گذر گئی اور میں ڈرائیور سے موڑنے کے لئے کہہ نہ سکا۔ مجھے خود بھی الجھن تھی مگر دو منٹ میں موٹر بڈھے تعزیے کے چوراہے پر تھی، تب میں بولا کہ ہم لوگ آگے آگئے ہیں موٹر پیچھے لوٹائیے۔ یہ سننا تھا کہ حضرت کو تغیر ہوا اور میری تو گویا جان ہی نکل گئی واقعی اسقدر دور دراز کے سفر کا تکان پھر ایسی علالت میں بجائے جلدی کے اگر دیر ہوجائے تو کسقدر تکلیف

کی بات ہے بہرحال موٹر بدقت تمام اسی سڑک پر موڑا گیا اور حضرت نے خفا ہوکر مولوی امجد اللہ صاحب سے فرمایا کہ تم پوچھو جی لوگوں سے کہ حسن منزل کا راستہ کون سا ہے۔ انھوں نے دوکانداروں سے دریافت کیا لوگ پہلے سے موٹر اور موٹر والوں کی جانب متوجہ تھے، میں اسی شہر بلکہ اسی محلہ کا باشندہ ہی تھا لوگ مجھے بھی پہچانتے ہی تھے غضب یہ ہوا کہ مولوی صاحب کے راستہ دریافت کرنے پر ایک صاحب کہتے ہیں کہ وہ کیا موٹر میں حسن منزل والے بیٹھے ہیں، ظالم نے یہ کہکر حضرت والا کی ناراضگی میں مزید اضافہ کر دیا جو بالکل بجا بھی تھا کہ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ کو حق تعالیٰ نے موقع عتاب میں ذکر فرمایا ہے عالم سے جہالت کا صدور بلاشبہ شدید جرم ہے۔ بہرحال گلی سے مڑکر حسن منزل پہونچے یہاں لوگ بیچینی کے ساتھ حضرت والا کا انتظار کر رہے تھے کیونکہ ہمارے پہونچنے میں کچھ دیر ہوگئی تھی کچھ تو طویل راستہ اختیار کرنے کے سبب اور کچھ راستہ بھٹک جانے کی وجہ سے۔ بہرحال یہ آخری تھوڑی سی تکلیف تو حضرت والا کو ضرور ہوگئی باقی اسکے علاوہ یوں سفر نہایت آرام سے طے ہوا، حضرت اقدس کے نشاط میں بھی اضافہ تھا اور ہچکی بھی الحمدللہ بند ہی ہو چکی تھی۔

اسد فعہ حضرت اقدس کا قیام حسن منزل ہی میں حاجی شفیع اللہ صاحب (لیڈر مرحوم) کے مکان پر ہوا اور چند ہی دنوں کے بعد حضرت نے گورکھپور سے سب متعلقین کو بھی بلوالیا یہاں کے علاج سے نفع ہوا اور قلیل ہی عرصہ میں حضرت بالکل صحتمند ہو گئے۔ متعلقین کا قیام حاجی شفیع اللہ صاحب کے مکان کے متصل ہی حاجی عبدالوحید صاحب (ڈیری والے) کے مکان کے اوپری حصہ میں ہوا۔ طالبین کے لئے دو ایک کمرے قریب ہی خالی کرا دیئے گئے۔ اور طلبہ کے قیام کا انتظام ذرا فاصلہ پر ایک دوسرے مکان میں کر دیا گیا۔ اس طور پر خانقاہ اور مدرسہ بھی حضرت والا کے ساتھ ہی ساتھ اب الہ آباد ہی منتقل ہوگیا تھا۔

اس بار کے قیام میں چونکہ حضرت والا اپنے سارے ہی متعلقین کے

ہمراہ تشریف لائے تھے اس لئے تمام مصارف کا تعلق خود حضرت والا ہی کا رہا تاہم اس میں شک نہیں کہ ان دونوں حاجی صاحبان نے حضرت والا کو آرام پہونچانے میں بڑے ایثار سے کام لیا ہر وقت خدمت میں حاضر رہتے اور ہر ضرورت کے پورا کرنے میں ہر ایک دوسرے سے سبقت کرتا۔ حسن منزل میں چونکہ حضرت والا کے خدام بھی بکثرت تھے اسلئے حضرت اقدس کو یہاں بہت آرام ملا۔ راقم کے والد ماجد مولانا سراج الحق صاحب رح۔ استاذی حافظ محمد یسین صاحب مدظلہ۔ ڈاکٹر محمد ادریس صاحب۔ برادرم عبداللطیف صاحب اور خود دونوں حاجی صاحبان اور انکے خاندان والے سب خدمت کے لئے حاضر ہی رہتے۔ علاوہ اسکے مولوی عبدالمجید صاحب ڈاکٹر صلاح الدین صاحب۔ ماسٹر محمد ابراہیم صاحب اور دور و نزدیک کے سبھی حضرات برابر حضرت والا کی راحت رسانی کی فکر رکھتے تھے۔

مولوی عبدالمجید صاحب منیجر اسرار کریمی پریس کے پاس ان دنوں کار تھی روزانہ وہ صبح و شام تشریف لاتے اور حضرت کو حسب معمول تفریح کے لئے شہر سے باہر کھلی جگہ کسی طرف لے جاتے۔ ڈاکٹر صلاح الدین صاحب کے والد داروغہ نجم الدین احمد صاحب حضرت مولانا تھانوی سے بیعت تھے اور حضرت تھانوی کے بعد ان کا ہمارے حضرت سے تعلق تھا انکے ہمراہ ڈاکٹر صلاح الدین صاحب گورکھپور ہی میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہو چکے تھے اسلئے حضرت والا ان سے متعارف تھے اور حضرت والا کا ہمیشہ سے یہ دستور رہا کہ اپنے ساتھ کسی طبیب کو ضرور رکھتے تھے، وطن میں حکیم مولوی بشیر الدین صاحب تھے، گورکھپور میں پہلے حکیم ابوالکلام صاحب اور بعد میں حکیم وصی احمد صاحب رہے الہ آباد میں یہ منصب ڈاکٹر صلاح الدین صاحب کو حاصل ہوا جو کہ طبیہ کالج الہ آباد سے فارغ ہونے کی وجہ سے یونانی طب سے بھی واقف تھے اور چونکہ طبی علاج ہی حضرت کے مزاج کے موافق پڑتا تھا اس لئے حضرت کو وہی پسند تھا چنانچہ تفریح میں جاتے وقت مولوی عبدالمجید صاحب بھی ہوتے اور ڈاکٹر صلاح الدین رہتے، عبدالمجید صاحب کے بھتیجے موٹر چلاتے تھے

(بقیہ میں نے اسلام کیوں قبول کیا)
برادرانِ اسلام! وقت زیادہ ہوگیا ہے میں اس موضوع پر آپ سے جو کچھ کہنا چاہتا تھا وہ سب نہ کہہ سکا۔ میں دوبارہ آپ کے سامنے یہ اعلان کرتا ہوں کہ جس قدر اسلام کے متعلق میری معلومات میں اضافہ ہوتا جاتا ہے میرے دل میں اسکا احترام و ایقان زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ مجھے یہ دعویٰ نہیں کہ میں نے مکمل مذہبی معلومات حاصل کرلی ہیں لیکن بقدرِ ضرورت میں ان سے ضرور بہرہ مند ہو چکا ہوں۔

مجاہدِ اعظم سیف اللہ خالد بن ولید نے فتوحاتِ اسلامیہ میں جو شریفانہ، بہادرانہ اور رحیمانہ طرزِ عمل اختیار کیا اور اس سے اسلام کو دن دونی رات چوگنی ترقی نصیب ہوئی چونکہ میرے دل میں اسکی بڑی قدر ہے اسلئے میں نے اس مجاہد کے نام پر اپنا نام رکھنا پسند کیا ہے۔

نوجوانانِ اسلام! قبل اسکے کہ میں اس سے اتروں آپ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ آپ پر اسلام کیطرف سے بڑی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اسکو آپکی جاں فروشی اور سخت کوشی کی ضرورت ہے۔ ہم خادمانِ اسلام اب بوڑھے ہوگئے ہیں آپ لوگ اسلام کی ترویج و ترقی کے لئے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ لہٰذا اپنی امکانی کوشش میں کسر نہ چھوڑ دیجئے تاکہ اس انجمن کے اغراض کی تکمیل ہو اور اسلام اور مسلمانوں کی خدمت جو اس کے مقاصد ہیں انکی تحصیل ہو۔ آپ انجمن کے عہدیداران کے بھروسہ پر نہ رہیئے انھیں بہت سے دفتری کام ہیں اصل اور ٹھوس کام آپ کو کرنا ہے آپ مل جل کر اسے انجام دینے کے لئے تیار ہو جائیں تاکہ یہ شاندار ادارہ ترقی کی انتہا کو پہونچ جائے۔

اسوقت میں نے آپ سے اس طرح گفتگو کی ہے جس طرح ایک دوست اپنے دوستوں سے کرتا ہے مجھے معلوم ہے کہ ایک مقرر کو اپنے مخصوص حدود میں کیسی تقریر کرنی چاہیئے مگر دوستانہ گفتگو اس پابندی سے آزاد ہے بھائی اپنے بھائی سے جو چاہے کہہ سکتا ہے میں آپکا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری باتوں کو توجہ سے سنا اور مترجم حضرات کا بھی جنھوں نے ترجمانی کی زحمت گوارا کی، مجھے افسوس ہے کہ میں عربی زبان میں آپ کو مخاطب کرنے سے معذور تھا۔

۴۴۔ خلود الکفار فی النار جزاء علی الاصرار

(از افادات مبارکہ سیدی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتہم)

بقلم مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند (منقول از النور)

سوال : حافظ ابن قیم نے رسالہ شفاء العلیل و حادی الارواح میں جمہور کیخلاف فنا نار کا دعوی کیا ہے جس سے کفار کے لئے خلود نار کی نفی ہوتی ہے جو صراحۃً نصوص قطعیہ کے خلاف ہے اور مسئلہ چونکہ ضروریات دین سے ہے اس لئے ان نصوص میں تاویل کی بھی گنجائش نہیں حافظ ممدوح نے اس دعوی میں گو بعض روایات حدیث سے بھی تمسک کیا ہے لیکن روایات مذکورہ عموماً ضعاف اور مجروح ہیں جو نصوص قطعیہ اور ان کی واضح دلالت کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتیں ماؤل ہوں گی اسلئے ان کے جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ جو چیز خلود نار کے بارہ میں کچھ تذبذب پیدا کرسکتی ہے وہ انکا ایک عقلی استدلال ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عقوبت اور سزا کی غایت انزجار ہوتی ہے تاکہ سزا بھگت کر خاطی ڈر جائے اور آئندہ کے لئے تائب ہو کر اس معصیت سے رک جانے کا ہمیشہ کے لئے عزم کرلے۔ ظاہر ہے کہ جب اہل جہنم کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا تو ایسے شدید عذاب سے بڑھکر تخویف اور مجرم کے لئے انزجار کا موجب اور کیا ہو سکتا ہے اور پھر اس تعذیب سے بڑھکر توبہ کا باعث بھی اور کونسی سزا ہو سکتی ہے۔ چنانچہ مجرمین فوراً توبہ پر آجائیں گے اور آئندہ کے لئے پختگی کے ساتھ کفر سے باز رہنے کا وعدہ کریں گے جیسا کہ نصوص کریمہ میں واضح ہے۔ قولہ تعالیٰ وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ قولہ تعالیٰ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ (وہ لوگ جہنم میں چیخ چیخ کر پکاریں گے کہ اے ہمارے رب ہمکو اس سے نکالدیجئے ہم اب صالح عمل کریں گے اور پہلے جیسا کام اب نہ کرینگے۔ ایک مقام پر ہے کہ۔ اور اگر آپ اس منظر کو

دیکھتے جبکہ یہ مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سرنگوں ہوکر کہتے ہونگے کہ اسے ہمارے رب اب ہم نے سب کچھ دیکھ سن لیا ہمکو دنیا میں واپس کردیجئے اب ہم ٹھیک ٹھیک کام کریں گے ہم نے (سزا بھگت کر) اب یقین کر لیا ہے) ۔

پس چونکہ عقوبت کی غایت پوری ہوگئی اور مجرمین نے توبہ بھی کرلی اور آئندہ احتراز کا وعدہ جازمہ بھی کرلیا تو اب عقلاً کوئی وجہ باقی نہیں رہتی کہ پھر بھی اس تعذیب اور عذاب کو باقی رکھا جائے اسلئے فناءنار ہوجانا اور خلود نہ رہنا معقول ہوا ۔

حافظ ابن قیمؒ نے اس اشکال سے مرعوب ہوکر جمہور کا مسلک چھوڑا اور یہ فناءنار کا مسلک اختیار کیا ہے اسکا کیا جواب ہے ؟

الجواب : — بحالتِ عذاب یا بحالتِ خوفِ عذاب مجرمین کے وعدے دو طرح پر ہوتے ہیں ایک حقیقی وعدہ جو دل سے ہوتا ہے اور جس میں واقعی عزم احتراز عن المعصیۃ کا ہوتا ہے اور ایک دفع الوقتی کا یعنی دل میں حقیقی عزم احتراز نہ ہو صرف مصیبت سے رہائی پانے کے لئے جھوٹا وعدہ کیا جائے اس مصلحت سے کہ اسوقت تو جان بچالینی چاہیئے آئندہ دیکھا جائیگا کفار معذبین کے یہ وعدے اسی قسم کے ہوں گے جو محض کذب اور دفع الوقتی کے لئے ہوں گے چنانچہ خود قرآن کریم ہی میں ان کی اس دفع الوقتی اور کذب بیانی کی تصریح صاف الفاظ میں موجود ہے ۔ ارشاد ہے وَلَوْ تَرٰىٓ اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (اور اگر آپ انکو اسوقت دیکھتے جب وہ جہنم (میں ڈالے جانے کیلئے جہنم کے) کنارہ پر کھڑے ہونگے اور کہیں گے کہ اے کاش ہم پھر دنیا میں لوٹا دیئے جاتے اور کاش ہم اپنے رب کی آیات کی تکذیب نہ کرتے ہوتے بلکہ ایمان لاکر مومنین میں سے ہوجاتے (وہ لوگ یہ سب کچھ دل سے نادم ہوکر تھوڑا ہی کہینگے) بلکہ جو جو معاصی اس سے پہلے چھپایا کرتے تھے انہیں ایک کہ ظاہر ہونے لگیگا جنکی یہ شرمساری ہوگی) اگر انکو دنیا میں لوٹا دیا جائے تو پھر وہی کریں گے سب کام کرینگے جنسے انکو منع کیا گیا ہے یہ اسلئے کہ یقینا وہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں۔

اگر سوال کیا جائے کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ اسوقت عزم احتراز عن المعصیۃ نہ ہوگا جواب یہ ہے اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ اسکی دلیل ہے کیونکہ اپنے فعل اختیاری مستقبل کے وعدہ

کے صادق یا کاذب ہونے کا مدار بھی عزم و عدم عزم ہے۔ اور اگر سوال کیا جاوے کہ معائنہ عذاب کے بعد وقوع کذب فی الدنیا کیسے ممکن ہے جواب یہ ہے کہ کفر اعتقاد خلاف حق ہی میں منحصر نہیں جحود بھی کفر ہے بلکہ اعتقاد خلاف حق سے بھی اشد کفر جحود ہے اور اسکا کفر ہونا قرآن مجید میں منصوص وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا اور اس پر تعجب نہ کیا جاوے کہ ایسے شدید وقت میں جھوٹ کیا فساد طینت ایسی ہی چیز ہے۔ چنانچہ اسی یوم شدید میں انکا ایک اور جھوٹ بھی قرآن مجید میں مذکور ہے ثُمَّ لَمْ تَكُن فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ انظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ (پھر انکا فتنہ بس یہی ہوگا کہ وہ کہیں کے کہ واللہ ہم مشرک نہیں تھے۔ (حق تعالیٰ نے فرمایا کہ دیکھو تو) کس طرح سے یہ لوگ اپنے نفس پر جھوٹ بول رہے ہیں) مگر فساد طینت سے وہ معذور نہ ہوں گے کیونکہ اس فساد سے قدرت و اختیار سلب نہیں ہوتا اور مدار تکلیف بھی قدرت و اختیار ہے نہ کہ طینت کہ اسکا اثر صرف میلان ہے نہ کہ فعل کا صدور لازم یا اسکا ارادہ لازمہ۔ اور ظاہر ہے کہ جب یہ حقیقی توبہ اور واقعی عزم احتراز عن المعصیۃ نہ ہوا بلکہ دفع الوقتی ہوئی اور اوپر سے بحالت معائنہ عذاب بھی حق تعالیٰ کو دھوکہ دینے کی معصیت کا ارتکاب ہوا تو اس عقلی استدلال کی بنا ہی منہدم ہوگئی جس پر فنا نار کا دعویٰ مبنی تھا اور جمہور کے مسلک پر الحمدللہ کوئی اشکال نہ رہا۔ وھذا من المواھب الجلیلۃ ما کان عندنا الی الوصول الیھا حیلۃ والحمد للہ ھذہ النعمۃ و علی سائر نعمہ الجزیلۃ۔ کتب لنصف شوال ۱۳۵۰ھ

۶۵۔ تقلیدِ شخصی کا ثبوت صحابہ کرامؓ کے تعامل سے

(از افادات سیدی حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دامت فضائلہم)

مولانا موصوف کی مجالس عموماً افادات علیہ سے معمور رہتی ہیں ایک اتفاقی مجلس میں

آپ نے دو عظیم الشان فائدوں کی طرف اشارہ فرمایا جن میں سے ایک اس صحبت میں ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے اس میں آپ نے تقلید شخصی کے ثبوت میں صحیح بخاری کی روایت سے صحابۂ کرامؓ کے تعامل کا ایک واقعہ بیان فرمایا جس کو احقر نے باضافہ مختصر تمہید ضبط کر لیا۔ وہو ہذا۔

کسی مسلمان کو اس میں اختلاف نہیں ہو سکتا کہ اصل حکم تمام امور میں حق تعالےٰ کا ہے اور صرف اسی کا اتباع ہر شخص پر واجب ہے۔ انبیاء و رسل کے احکام جو واجب التسلیم ہیں وہ بھی صرف اسی بنا پر کہ وہ حق تعالیٰ کے احکام کے مبلغ اور خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں۔ وہ اگر اپنے اجتہاد سے بھی کوئی حکم دیتے ہیں تو اس بنا پر کہ اسکو کسی قرینہ دلیل سے حق تعالےٰ کا حکم سمجھتے ہیں اور اسی لئے حق تعالےٰ نے انکے احکام کی طاعت مخلوق پر فرض و واجب قرار دی ہے ورنہ ان الحکم الا للہ (اللہ کے سوا کسی کا حکم قابل تسلیم نہیں) قرآن کا کھلا ہوا اعلان ہے۔

اس سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ جس طرح انبیاء و رسل کے احکام کی اطاعت حق تعالیٰ کے ساتھ شرک فی الحکومت والربوبیہ نہیں کہا جا سکتا اسی طرح ائمہ امت انبیاء علیہم السلام کے نائبین اور انکے احکام کی حقیقت کو پوری طرح سمجھنے والے ہیں ان کے تبلائے ہوئے احکام کا اتباع بھی کسی طرح شرک فی الرسالۃ نہیں کہا جا سکتا بلکہ ائمہ دین دراصل انبیا علیہم السلام کے احکام کی تبلیغ کرنے والے ہیں۔ وہ جو کچھ اجتہاد سے بھی کہتے ہیں تو اسکی بھی اصل کتاب وسنت کے ساتھ مستند ہوتی ہے تو جس طرح انبیاء علیہم کی اطاعت عین حق تعالےٰ کی اطاعت ہے اسی طرح ائمہ دین کی اطاعت بھی بلاشبہ اللہ و رسول کی اطاعت ہے۔ اسی اطاعت کا نام اصطلاح فقہ میں تقلید ہے۔

آیۂ کریمہ فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو) میں قرآن کریم نے اسی اصولی مسئلہ کی تعلیم دی ہے کہ جو لوگ خود قرآن وحدیث کے غوامض کو نہیں سمجھ سکتے وہ اہل علم سے احکام الٰہیہ دریافت کریں

اور انکی تقلید کریں۔

خلاصہ یہ ہے کہ تقلید کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ نہ جاننے والے جاننے والے سے پوچھ پوچھ کر احکام خدا پر عمل کریں اور یہ ایک ایسا مسلم الثبوت ضابطہ ہے کہ کوئی سمجھدار انسان اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ اسی وجہ سے منصف اہل حدیث بھی مطلق تقلید کے جواز بلکہ وجوب میں اختلاف نہیں کرتے اور اسی لئے اسکے عقلی و نقلی دلائل جو عام کتب میں مذکور و معروف ہیں ان کے لکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ اختلاف صرف اس میں ہے کہ امام معین کی تقلید پر پابندی کیجاوے کہ ایک امام کی تقلید کرتے ہوئے دوسرے ائمہ کے اقوال پر عمل نہ کیا جاوے جس کو اصطلاح میں تقلید شخصی کہا جاتا ہے لیکن اگر اسکی حقیقت کو سمجھ لیا جاوے تو یہ بھی کوئی مشکل بحث نہیں رہتی۔

تقلید شخصی کی حقیقت اصل یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی بے شمار نصوص اتباع ہو (خواہش پرستی) کی حرمت و ممانعت کے لئے آئی ہیں اور اسی لئے ائمہ اربعہ اور تمام اہل امت کا اتفاق اس پر ہے کہ اتباع ہوا احکام دینیہ میں قطعاً حرام ہے جو شخص اپنی غرض اور خواہشات کو سامنے رکھکر اسکی پیروی کرتا ہے اور پھر قرآن و حدیث سے اسکے دلائل ڈھونڈھتا ہے وہ اپنے ارادے اور خیال کے لحاظ سے متبع ہوا ہے متبع قرآن نہیں اگرچہ قرآن میں کوئی سند اسکی اتفاقاً مل بھی جاوے۔ معاملہ علیم و خبیر کے ساتھ ہے جو دلوں کی گہرائیوں پر مطلع اور نیتوں اور ارادوں سے واقف ہے۔ حافظ ابن تیمیہ کے فتاوے میں اس پر ایک مبسوط مقالہ میں تمام امت کا اتفاق نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جو شخص اپنی خواہشات کی پیروی کرنے کے لئے ائمہ مجتہدین کے مذاہب ڈھونڈھتا ہے وہ اپنی ہوی پر عمل کر کے اسکو کسی امام کیجانب منسوب کر دیتا ہے وہ خدا تعالیٰ اور اسکے رسول کا تبع نہیں بلکہ متبع ہوا ہے اور ایسا کرنا دین کو کھلونا بنانا ہے۔ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ کے بعض الفاظ یہ ہیں:۔

فی وقت یقلدون من یفسدہ	یہ لوگ ایک وقت میں اس امام کی تقلید کرتے ہیں
وفی وقت یقلدون من یصححہ حسب	نکاح کو فاسد قرار دیتا ہے اور دوسرے وقت میں اس

الغرض والھوی ومثل ھذا لا یجوز باتفاق الامت (ثم قال بعد ثلاثۃ اسطر)

ونظیر ھذا ان یعتقد الرجل ثبوت شفعۃ الجوار اذا کان طالبا لھا وعدم ثبوتھا اذا کان مشتریا۔ فان ھذا لا یجوز بالاجماع وکذا من بنی صحۃ ولایت الفاسق فی حال نکاحہ و بنی علی الفساد ولایتہ حال طلاقہ لم یجز ذلک باجماع المسلمین ولو قال المستفتی المعین انا لم اکن اعرف ذلک وانا الیوم التزم ذلک لان ذلک یفتح باب التلاعب بالدین ویفتح ذریعۃ الی ان یکون التحریم والتحلیل بحسب الاھواء

امام کی جو اسکو صحیح قرار دیتا ہے اور یہ محض اپنی غرض اور ہوا کیوجہ سے ہے اور ایسا کرنا باتفاق امت نا جائز ہے (پھر اسکے تین سطر بعد لکھا ہے)

اور اسکی نظیر یہ ہے کہ کوئی آدمی جس وقت کسی حق شفعہ کا خود طالب ہو تو (مذہب امام ابوحنیفہؒ کے موافق) شفعہ جوار کے ثبوت کا اعتقاد ظاہر کرے اور اگر خود مشتری ہو اور دوسرا شخص طالب شفعہ تو (مذہب امام شافعی کیمطابق) اسکے عدم ثبوت کا معتقد بن جائے۔ ایسے ہی وہ شخص جو بحالت قیام نکاح ولایت فاسق کی صحت کا قائل اور اسکی بنا پر منافع نکاح سے منتفع ہے مگر جب طلاق ثلاثہ دیدے تو حرمت مغلظہ سے بچنے کے لئے ولایت فاسق کو کالعدم اور اسکے ماتحت منعقد شدہ نکاح کو فاسد قرار دے کہ یہ باجماع مسلمین جائز نہیں اور اگر کوئی مستفتی یہ کہے کہ پہلے مجھے اس مذہب کی خبر نہ تھی اور اب میں اسکا معتقد اور پابند ہوں تب بھی اسکا قول قابل تسلیم نہیں کیونکہ یہ دین کو ایک کھلونا بنانے کا دروازہ کھولتا ہے اور اسکا سبب بنتا ہے کہ حرام و حلال کا مدار محض اہواء و خواہشات پر ہو جائے۔

(از فتاوی ابن تیمیہ جلد ثانی ص ۲۴۰ و ۲۴۱)

علماء امت کی تصریحات اس بارے میں بیشمار ہیں ہم نے اس میں سے صرف حافظ ابن تیمیہ کے کلام پر اسلئے اکتفا کیا کہ حضرات اہل حدیث بھی ان کی امامت و جلالت کے قائل اور بہت سے معاملات میں ان کے متبع ہیں۔

الغرض اتباع ہوی باجماع امت حرام ہے اور ادھر یہ بات تجربہ سے محسوس و مشاہد ہے کہ اگر عوام کو آزاد چھوڑ دیا جائے کہ جس مسئلہ میں چاہیں ابوحنیفہؒ کے مذہب پر عمل کریں اور جس میں چاہیں شافعیؒ کے مذہب پر پھر جب چاہیں مالکیہ کا قول لے لیں اور جب

چاہیں حنابلہ یا دوسرے ائمہ مجتہدین کا تو اسکا انجام لازمی طور پر وہی ہوگا جس کو حافظ ابن تیمیہؒ نے باجماع مسلمین حرام و ناجائز قرار دیا ہے۔ اسی شرعی مصلحت کی بنا پر عافیت وسلامت اس میں دیکھی گئی کہ امام واحد کا اتباع تمام مسائل میں لازم قرار دیا جائے۔

خلاصہ یہ کہ اصل مقصود اتباع ہوا سے بچنا ہے اور چونکہ اسکی تدبیر اس ہوا پرستی کے زمانے میں اسکے سوا کچھ نہیں کہ عمل کرنے والوں کو آزاد نہ چھوڑا جاوے بلکہ امام واحد کی تقلید پر مجبور کیا جاوے اس لئے تقلید شخصی بوجہ ذریعہ مقصود ہونے کے واجب قرار دی گئی۔ اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ائمہ اربعہ کی تقلید یا کسی دوسرے امام معیّن کی تقلید کے ثبوت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ قرآن وحدیث میں انکا نام بتلایا گیا ہو یا انکی تعیین کو ضروری کہا گیا ہو کیونکہ قرآن و سنت مقاصد شرعیہ کی تصریح کرتے ہیں ان کے ذرائع کی تصریح کرنا ضروری نہیں جیسے حج کا فرض ہونا قرآن وحدیث میں منصوص ہے مگر ریل اور جہاز یا اونٹ جتکے ذریعہ حج کے مقصود تک رسائی ہوتی ہے ان پر سوار ہونے کی ضرورت کی تصریح یا جہاز کے نام کی تعیین کتاب وسنت میں ڈھونڈھنا ناواقفیت اور بے علمی کی دلیل ہے اسلئے اگر کتاب وسنت کہیں بھی تقلید شخصی کا ثبوت تصریحاً نہ ہوتا تو صرف اتباع ہوا کی ممانعت تقلید شخصی کے لئے کافی تھی۔

لیکن حضرات صحابہؓ کے تعامل سے ثابت ہوتا ہے کہ قرن اول میں بھی اسکے نظائر موجود ہیں عام حضرات صحابہؓ علماء صحابہ کی تقلید کرتے تھے پھر ان میں بھی بعض تو مطلقاً بلا تعیین کے کبھی کسی عالم کی اور کبھی کسی دوسرے بزرگ کی تقلید کر کے عمل کرتے تھے کیونکہ وہ حضرات اتباع ہوا کے خطرہ سے محفوظ ومامون تھے اور بعض اسوقت بھی تقلید شخصی پر عامل تھے جس کی ایک نظیر اس جگہ لکھی جاتی ہے اور یہی اس تحریر کا اصل مقصد ہے۔ (باقی آئندہ)

پھر اسکے بعد وہ اپنی بیوی کے پاس جائیگا اور اس سے کہیگا کہ اے فلانی تو جانتی ہے کہ میں دنیا میں تیرا شوہر تھا اور اسکی خوب خوب تعریف کریگا اور اس سے کہیگا کہ میں تجھ سے صرف ایک نیکی چاہتا ہوں کہ تو مجھے دیدے تاکہ میں اس مصیبت سے نجات پا جاؤں جس میں مبتلا تو مجھے دیکھ رہی ہے۔ وہ رفیقہ حیات کہے گی کہ اس سے تو مجھے معاف فرمائیے میں اپنی ایک نیکی بھی نہیں دے سکتی کیونکہ مجھے اپنے متعلق بھی اسی بات کا اندیشہ ہے جس کا آپ کو اندیشہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے وَإِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ یعنی جس کو اسکے گناہ بوجھل بنا دینگے تو کوئی دوسرا اگرچہ عزیز قریب ہی کیوں نہ ہو اسکے گناہ سے کچھ بھی ہٹا نہ سکے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یوم محشر کے طول ہونے کے سبب کافر اپنے پسینے میں اس طرح سے غرق ہو گا کہ اسکے منہ میں گویا پسینے کی لگام لگ جائیگی اور وہ پریشان ہو کر عرض کرے گا کہ اے اللہ مجھ پر رحم فرما بلا سے مجھے دوزخ ہی میں ڈالدے (مگر اس مصیبت سے تو نجات دیدے۔ اور یہ جانتا ہو گا کہ دوزخ بھی کچھ ایرکنڈیشن نہیں ہے لیکن اس سے یوم محشر کی شدت کا اندازہ ہوتا ہے کہ کافر اسکے مقابلہ میں دوزخ کو ترجیح دیگا اللّٰھم احفظنا بفضلک وکرمک وبشفاعت نبیک صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت فقیہ ابوجعفر رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبیؑ کو ایک مستجاب دعا عطا فرمائی گئی ہے (یعنی جو ضرور قبول ہوگی جب چاہے مانگ لے۔ تو ہر نبیؑ نے اپنی اپنی دعا دنیا ہی میں اللہ تعالیٰ سے مانگ لی ہے اور میں نے اپنی وہ دعا بروز قیامت اپنی امت کی شفاعت کے لئے اٹھا رکھی تھی اور میں لوگوں میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں اور (اس پر خدا کا شکر ادا کرتا ہوں) کوئی فخر نہیں کرتا۔ اور میں وہ ہوں کہ سب سے پہلے جس کے لئے زمین پھٹے گی اور اس پر بھی مجھے کچھ فخر نہیں ہے اور بروز قیامت حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہو گا جس کے نیچے آدم اور ان کی سب اولاد ہوگی اور

میں اس پر کچھ فخر نہیں کرتا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اسکی پریشانی اور اسکا غم لوگوں کو بہت ہی سخت ہوگا چنانچہ آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور ان سے عرض کریں گے کہ اے ابوالبشر (ہم سب لوگوں کے باپ) اپنے رب سے ہمارے لئے سفارش فرما دیجئے کہ ہمارا فیصلہ فرما دے۔ وہ فرمائیں گے کہ بھائی میں اس کام کا نہیں ہوں میں تو خود اپنی لغزش کے سبب جنت سے نکالا جا چکا ہوں اس لئے آج مجھے تو خود اپنی ہی فکر پڑی ہے ایسا کرو کہ تم لوگ نوح کے پاس جاؤ وہ اول المرسلین ہیں (یعنی سب سے پہلے صاحب شریعت رسول ہیں) یہ سنکر لوگ نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ آپ اپنے رب سے ہمارے لئے سفارش فرما دیں کہ ہمارا حساب کتاب جلد فرما دیں۔ وہ فرمادیں گے کہ میں اسکا اہل نہیں ہوں میں نے تو دنیا میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ کر تمام دنیا والوں کو غرق کرا دیا تھا اس لئے مجھے تو اسکی وجہ سے آج اپنی ہی فکر پڑی ہے۔ ہاں تمکو صحیح مقام بتاتا ہوں۔ تم ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ انکو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا ہے (اپنی خلعت سے نوازا ہے (امید ہے کہ ان سے تمھارا مقصود پورا ہو جائے گا) لوگ یہ سنکر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے کہ اپنے رب سے ہمارے لئے سفارش فرما دیجئے کہ ہمارا فیصلہ جلد فرما دیں وہ فرمائیں گے کہ مجھے حق تعالےٰ کے سامنے جاتے شرم آتی ہے میں نے تین باتیں دنیا میں اپنی زبان سے خلاف واقعہ نکالیں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تینوں باتیں آپ نے خدا تعالیٰ ہی کے دین کی نصرت اور کافروں کے مقابلہ کے سلسلے میں فرمائی تھیں۔ ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے فنظر نظرۃً فی النجوم فقال انی سقیم (جب قوم نے مجبور کیا کہ ہمارے میلہ میں چلو تو ایک نظر اٹھا کر ستاروں کی جانب دیکھا اور کہا کہ میں بیمار ہوں نہیں جا سکتا)۔ دوسرا قول یہ تھا کہ کہدیا تھا کہ بل فعلہ کبیرھم ھذا (یعنی لوگ میلے کو چلے گئے تو آپ نے بتخانے میں جا کر بتوں کو توڑ ڈالا اور تیشہ بڑے بت کے کندھے پر رکھکر چلے آئے جب لوگ واپس آئے اور بتوں کے پاس گئے تو یہ منظر دیکھا سب

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہوا انھیں بلاکر پوچھا کہ یہ کام کس نے کیا ہے؟ تم سے نے کیا ہے کیا؟ آپ نے فرمایا نہیں یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے اور مقصد یہ تھا کہ خود انکی زبان سے کہلوالیں کہ یہ بت ذی اختیار اور ذی اقتدار تو کیا ہوتے ذی حیوۃ بھی نہیں ہیں لیکن لفظوں میں تھا خلاف واقعہ ہی) تیسرا قول آپ کا وہ تھا جو (ظالم و جابر بادشاہ کے جواب میں تھا جب اس نے آپکی بیوی حضرت ہاجرہؓ کے متعلق (دریافت کیا تھا کہ یہ کون ہیں؟ تو) آپ نے کہدیا تھا کہ یہ میری بہن ہے گو مراد آپ کی انکو دینی بہن کہنا تھا لیکن عرف کی رو سے ظاہراً تو یہ بھی خلاف واقع ہی تھا۔ انھیں اقوال کو آپ تین کذبات سے تعبیر فرمائیں گے چنانچہ ارشاد فرمائیں گے کہ انکی وجہ سے مجھے خود اپنی فکر لگی ہوئی ہے میں تمھاری کیا سفارش کروں؟ لیکن تم سے اسکی تدبیر بتلاتا ہوں وہ یہ کہ تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جو کلیم اللہ ہیں اللہ تعالےٰ نے ان سے دوبدو گفتگو فرمائی ہے انکا خدا کے یہاں خاص مقام ہے ان سے جاکر کہو لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے ان سے بھی یہی کہیں گے کہ آپ اپنے رب سے ہمارے متعلق سفارش فرما دیجئے کہ ہمارا حساب وکتاب جلد ہو جاتا۔ وہ بھی فرمائیں گے کہ میرے بس کی یہ بات نہیں ہے میں نے دنیا میں ایک شخص کو بلا استحقاق قتل، قتل کردیا تھا آج مجھے اسکی فکر لگی ہوئی ہے (کہ خدا نے اگر اسکی بابت پوچھ لیا تو کیا جواب دونگا تمھاری سفارش کس منہ سے کروں) ہاں اتنا کر سکتا ہوں کہ تمھاری رہنمائی ایسی جگہ کے لئے کردوں جہاں تمھارا کام بن جائے تم لوگ حضرت عیسیٰؑ کے پاس جاؤ وہ اللہ تعالیٰ کی روح اور اللہ کا کلمہ ہیں لوگ ان کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ اپنے رب سے ہماری سفارش فرما دیجئے کہ ہم سے ہمارا حساب جلد لے لے۔ آپ فرمائیں گے کہ نا بھائی میں اس کام کا نہیں ہوں۔ میری امت نے مجھکو اور میری ماں کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ خدا بنا رکھا تھا مجھے اسی کی شرم دامنگیر ہے اور فکر لگی ہے کہ خدا کو کیا جواب دونگا؟ لیکن تم سے ایک بات پوچھتا ہوں یہ بتلاؤ کہ اگر کسی شخص کے پاس کوئی رقم ہو اور وہ اسکو تھیلی میں رکھکر سیل مہر کردے تو کیا اس رقم کو حاصل کرنا

بدون مُہر کے توڑے ہوئے ممکن ہے؟ لوگ عرض کریں گے کہ نہیں ہرگز نہیں اسکے بعد آپ فرمائیں گے بس پھر سنو! حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تمام انبیاء کی مُہر اور خاتم النبیین ہیں اور ہمارے سرتاج و پیشوا ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے سب اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں لہٰذا (آج تمہارا کام انہیں سے بنے گا ان کے پاس جاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سنکر وہ لوگ میرے پاس آئیں گے (اور مجھ سے بھی سفارش کی درخواست کریں گے)، میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ ہاں اچھی بات ہے میں اسکی سفارش کرتا ہوں، میں اسکی سفارش کرتا ہوں۔ الحمد للہ اسکی اہلیت رکھتا ہوں اور یہ منصب مجھے ملا ہوا ہے، بس اللہ تعالیٰ جس کے لئے اجازت دیدیں اور جس سے راضی ہوں۔ اس کے بعد لوگ اسی کے انتظار میں جب تک خدا کو منظور ہوگا ٹھہرے رہیں گے۔ جب خدا تعالیٰ کو منظور ہوگا کہ مخلوق کا فیصلہ فرمائیں تو ایک منادی اعلان کرے گا کہ کہاں ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت؟ (اسپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ) پس ہم ہی اول ہوں گے اور ہم ہی آخر ہوں گے۔ یعنی سب لوگوں سے آخر میں میری امت آئی تھی اور قیامت کے دن حساب میں سب سے پہلے ہم ہوں گے چنانچہ میں اٹھوں گا اور میرے ساتھ میری امت کے لوگ اٹھیں گے اور دوسرے لوگ انہیں آگے آنے کے لیئے راستہ دیدیں گے یہ لوگ وضو کے اثر کی بناء پر محجّل ہوں گے یعنی ان کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں اور پیشانی منور اور چمکتی ہوئی ہوگی جیسے پنج کلیان گھوڑا ہوتا ہے۔ ہم سب کو دیکھکر دوسری امتیں کہیں گی ارے یہ کیسے لوگ ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کہ سب کے سب نبی ہوں۔ پھر میں جنت کے دروازہ کی جانب بڑھوں گا اور اسے کھلواؤں گا اندر سے دربان کہے گا کون ہے؟ میں کہوں گا کہ میں ہوں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پس میرے لیئے دروازہ کھول دیا جائے گا میں اس میں داخل ہوکر فوراً اپنے رب کے سامنے سربسجود ہوجاؤں گا اور پھر سجدہ میں اسکی ایسی تعریف کرونگا کہ آج تک کسی نے ویسی تعریف نہ کی ہوگی اور نہ میری اس تعریف کے بعد کوئی آئندہ

ہی کریگا۔ مجھ سے کہا جائیگا کہ اپنا سر اٹھایئے اور فرمایئے کیا فرماتے ہیں آپ کی بات سنی جائیگی، جو مانگنا ہو مانگئے ملیگا، جسکی شفاعت فرمانا چاہتے ہوں فرمایئے قبول کیجائیگی۔ اسکے بعد میں سر اٹھاؤں گا اور جس کے قلب میں جو کے برابر یا رائی کے برابر بھی ایمان ہوگا اسکے لئے شفاعت کرونگا یعنی جس کے قلب میں ایمان و یقین ہوگا اس بات کا کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں گیا تو وہاں دیکھا کہ کعب احبارؓ لوگوں سے کچھ بیان فرما رہے ۔ آپ نے فرمایا کہ اے کعب احبارؓ کچھ ایسی باتیں بیان کرو کہ جس سے قلب میں خوف کی کیفیت پیدا ہو انھوں نے فرمایا خدا کی قسم اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ ایسے فرشتے ہیں جو اپنی پیدائش کے وقت سے برابر کھڑے ہوئے ہیں اپنی پشتوں کو جھکائے ہوئے ہیں مانند رکوع کے اور کچھ فرشتے ایسے ہیں جو کہ پیدائش کے وقت سے لیکر برابر سجدے ہی میں پڑے ہوئے ہیں اپنے سر کو صور پھونکے جانے کے وقت تک نہیں اٹھائیں گے (باوجود ایسی عبادت کے) وہ سب یہ کہیں گے کہ اے اللہ! آپ کی ذات پاک ہے ہم نے آپکی عبادت نہیں کی جیسا کہ آپ کی عبادت کا حق ہے اور جیسا کہ آپ کا حق ہے کہ آپ کو عبادت ایسی کیجائے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے قیامت میں دوزخ قریب کی جائے گی اسکے لئے سانس اندر لینے اور باہر نکالنے کی تیز آواز ہوگی یہاں تک کہ جب وہ قریب آجائیگی تو ایسے زور کی سانس لے گی کہ ہر نبی اور شہید اپنے گھٹنے کے بل گر پڑے گا اور ہر نبی صدیق اور شہید کہہ پڑے گا کہ یا اللہ! بس میں صرف اپنے ہی نفس کے متعلق آپ سے سوال کرتا ہوں (چنانچہ پریشانی کا یہ عالم ہوگا کہ) حضرت ابراہیمؑ، اسماعیلؑ اور اسحاقؑ کو بھول جائیں گے اور ان لفظوں میں پناہ چاہیں گے کہ عرض کریں گے یارب میں تیرا خلیل ہوں۔ پس اے عمر بن خطاب اگر اس دن آپ کے پاس ستر نبی کا بھی عمل ہوتا تو آپ یہی خیال کرتے کہ میری نجات نہ ہوگی۔ یہ سنکر ساری قوم رو پڑی اور سید روئی یہانتک کہ

جب سب کے قلوب زخمی ہوگئے تو حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا کہ اچھا اے کعب! اب کچھ خوشخبری کی باتیں سنایئے۔ انھوں نے فرمایا کہ تم لوگ یہ سنکر خوشی محسوس کروگے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے تین سو تیرہ ۳۱۳ راستے ہیں ۔ بندہ ان میں سے کسی راستہ سے بھی جب اخلاص سے آئے گا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمادیں گے۔ خدا کی قسم اگر تم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ ہو جائے تو عمل کرنا ہی چھوڑ دوگے یا کم از کم اس میں کوتاہی شروع کردوگے۔

فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں کہ اے میرے بھائی! اس جیسے دن کے لئے اعمال صالحہ کے ذریعہ تیاری کرلو اور معاصی کو ترک کرکے مستعد ہو جاؤ اسلئے کہ عنقریب تم اپنی آنکھ سے قیامت کو دیکھ لوگے اور اپنی فوت شدہ عمر پر کف افسوس ملوگے اور یہ سمجھ لو کہ جب تم مرجاؤگے تو بس تمھاری تو قیامت قائم ہوگئی جیسا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے فرمایا ہے کہ تم لوگ قیامت قیامت کرتے ہو تم میں سے ہر شخص کی قیامت بس اسکی موت ہے۔

حضرت علقمہ بن قیس سے مروی ہے کہ وہ کسی شخص کے جنازے میں تشریف لے گئے تھے اسکی قبر پر کھڑے ہوئے اور جب اسکو دفن کردیا گیا تو فرمایا کہ بہر حال یہ بندہ اسکی تو قیامت قائم ہی ہوگئی انھوں نے یہ اسلئے فرمایا کہ انسان جب مرجاتا ہے تو قیامت میں پیش آنے والا حشر اسکے سامنے آجاتا ہے اسلئے کہ وہ جنت و دوزخ کو دیکھتا ہے اور فرشتوں کو دیکھتا ہے اور کسی عمل کے کرنے پر قادر نہیں ہوتا پس وہ ایسا ہی ہے گویا کہ قیامت ہی میں موجود ہے۔ موت کی وجہ سے اسکے عمل کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے اور وہ قیامت کے دن اسی حال پر اٹھے گا جس پر اس کو موت آئی ہوگی پس خوشخبری ہے اسکے لئے جسکا خاتمہ بخیر ہو۔

حضرت ابو بکر واسطیؒ فرماتے ہیں کہ دولت تین ہے ایک حیات کی دولت ہے ایک موت کی ایک قیامت کے دن کی ۔ دولت حیات یہ کہ انسان کی زندگی اللہ تعالیٰ کی طاعت میں گذرے۔ موت کی دولت یہ کہ اسکی روح لا الٰہ الا اللہ کی شہادت

پر نکلے اور عمدہ دولت وہ ہے جو قیامت کے دن بشارت کی دولت ہے۔ چنانچہ جب انسان اپنی قبر سے نکلیگا تو اسکے پاس ایک بشارت دینے والا آئیگا جو کہ جنت کی بشارت دیگا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازیؒ سے مروی ہے کہ انکی مجلس میں یہ آیت تلاوت کی گئی کہ یوم نحشر المتقین الی الرحمان وفداً ونسوق المجرمین الی جھنم ورداً جس دن ہم متقیوں کو وفد وفد کرکے رحمان کی جانب جمع کرینگے اور مجرموں یعنی کافروں کو جہنم کی طرف اس طرح سے ہانکیں گے جیسے جانوروں کو گھاٹ کیطرف پانی پینے کے لئے ہانکا جاتا ہے یعنی پیدل اور پیاسے تو یہ سنکر آپ نے فرمایا کہ:۔

"اے لوگو! ٹھیرو ٹھیرو اور سنو کل کے دن تمام لوگ حشر میں ٹولی ٹولی کرکے جمع کئے جاؤ گے اور ہر جانب سے محشر میں فوج در فوج آؤ گے اور اللہ تعالے کے روبرو ایک ایک کرکے کھڑے ہوگے اور تم سے تمھارے اعمال کا حرف بحرف سوال کیا جاوے گا۔ اور اللہ تعالےٰ کے اولیاء بھی اللہ تعالیٰ کی طرف وفد در وفد لائے جائیں گے اور نافرمان اور اہل دوزخ کی جانب آتارے جائیں گے اور جہنم میں لشکر بہ لشکر داخل ہوں گے اور یہ ساری باتیں اسوقت ہوں گی جبکہ زمین کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا جائیگا۔ خود آپ کے رب کی بھی تشریف آوری ہوگی اور فرشتے صف بصف کھڑے ہوں گے اور اس دن جہنم کو بھی لایا جائیگا جو کہ ہلاکت در ہلاکت ہی ہوگی۔ اے میرے عزیزو اور دوستو! تمھارے لئے ہلاکت ہی ہے اگر تم اس دن کے لئے بندوبست نہ کرو جسکی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی جس کو اللہ تعالے نے کہیں یوم الرجعۃ واپسی کا دن فرمایا ہے کہیں لو الآزفہ لوٹنے کا دن فرمایا ہے کبھی اسکو یوم القیامۃ سے تعبیر فرمایا ہے تو کبھی یوم الحسرۃ اور یوم الندامۃ سے۔ واقعی وہ دن ایک زبردست دن ہوگا جس دن کہ سب لوگ رب العالمین کے روبرو پیش ہوں گے۔ اس دن کو یوم المناقشہ (جھگڑے اور لڑائی کا دن) بھی کہا جاتا ہے (کہ لوگوں میں خوب بحثا بحثی ہوگی یہ اس پلہ لیم لگائیگا

اور وہ اسکو مورد الزام قرار دے گا) اسی کو یوم المحاسبہ حساب کتاب کا دن بھی کہا جاتا ہے۔ اور یوم الموازنہ یعنی اعمال وزن کئے جانے کا دن اور یوم المسألہ بازپرس کا دن بھی کہا جاتا ہے۔ نیز اس دن کو یوم الزلزلہ اور یوم الصیحہ (چیخ والا دن) بھی کہا جاتا ہے۔ یہی یوم الحاقہ (کھڑکھڑا دینے والا دن) یوم القارعہ کھڑکھڑا دینے والا اور جھنجھوڑ دینے کا دن ہوگا اور یہی یوم النشور کہلاتا ہے اس دن پروانۂ اعمال اڑا دیئے جائیں گے اور یہی وہ دن ہوگا کہ انسان اپنا کیا کرایا اور اپنا کچا چٹھا اپنی نظروں کے سامنے پائے گا۔ یہی یوم التغابن ہے یعنی کتنے لوگ آخرت کی تجارت میں اپنے کو ٹھگا ہوا پائیں گے۔ یہی وہ دن ہوگا کہ تو اے مخاطب! لوگوں کو دیکھے گا کہ لوگ متفرق طور پر واپس ہو رہے ہوں گے تاکہ اپنے اعمال کو دیکھیں۔ اور یہی وہ دن ہوگا کہ بعض چہرے سفید اور نورانی ہوں گے اور بعض سیاہ اور ظلمانی اور یہی وہ دن ہوگا کہ کوئی دوست اپنے دوست کے کچھ کام (بدون اذن خدا کے) نہ آسکے گا۔ اور یہی ایسا دن ہوگا کہ لوگوں کو انکی تدابیر نافع اور ان کے حق میں سود مند نہ ہوگی۔ اور یہ ایسا دن ہوگا کہ کوئی باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام نہ آسکے گا، اسی طرح سے کوئی بیٹا بھی باپ کو کچھ نفع نہ پہونچا سکے گا۔ یہ دن ایسا ہوگا کہ جس میں شر کی چنگاری پھیلی ہوگی یعنی شر فاش اور ظاہر ہو جائے گا چھپا نہ رہ سکے گا۔ اس دن ظالمین کو انکی معذرت بھی نفع نہ دیگی بلکہ ان کے لئے لعنت اور برا ٹھکانا ہوگا۔ یہ دن ایسا ہوگا کہ ہر نفس کو اپنی ہی پڑی ہوگی اور وہ اپنے ہی بچاؤ میں لگا ہوگا۔ یہ دن ایسا ہوگا کہ ہر دودھ پلانے والی عورت اپنے بچے کو بھول جائیگی اور حاملہ سے اسکا حمل ساقط ہو جائے گا۔ لوگوں کو تو اے مخاطب مخمور تصور کرے گا حالانکہ وہ شراب کی وجہ سے مست اور حواس باختہ نہ ہوں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہی اس دن بڑا سخت ہوگا کہ عقل کو حیران کر دے گا اور لوگ مدہوش سے نظر آئیں گے۔

حضرت مقاتل بن سلیمانؒ فرماتے ہیں کہ لوگ محشر میں پسینے سے شرابور ہو کر گویا اسکی لگام لگی ہوئی ہے سو سال تک کھڑے رہیں گے پھر سو سال تک تاریکی میں متحیر رہیں گے۔

اسی کو ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

گر بپرسد آں بدیں دیدہ کہ بگو رب تو کیست ۔ گویم آنکس کہ ربود ایں دل دیوانہ ما

(اگر منکرین قبر میں آکر مجھ سے سوال کرینگے کہ بتاؤ تمہارا رب کون ہے تو کیا دونگا وہی میرا رب ہے جو میرے اس دیوانہ دل کو اچک لے گیا)

کیسے اطمینان سے فرماتے ہیں کہ میں تو یہ جواب دونگا کہ "آنکس کہ ربود ایں دل دیوانہ ما"
تو یہ سارا اطمینان بقاء عقل ہی کے ساتھ ہو سکتا ہے اسلئے اس صوفی نے کہا کہ بھائی
سالک کا رتبہ بڑا ہے کیونکہ اسکی عقل باقی رہتی ہے جس کی بدولت اسکو سیکڑوں
مصیبتوں سے نجات ہو جاتی ہے۔

۱۲۴۔ سالک سے خلق کو ہدایت ہوتی ہے اور مجذوب محض اپنے کام کا ہوتا ہے

لیکن اب یہ سمجھنا چاہیئے کہ انبیاء تو سب کے سب کامل العقل ہوئے ہیں
اور صوفیہ میں جو کہ انبیاء ہی کے نائب ہیں کچھ سالک یعنی کامل العقل اور کچھ مجذوب
یعنی جنکی عقل غلبۂ حالت سے مغلوب ہو گئی ان میں یہ دو قسمیں کیوں ہوئیں؟ سو
اسکی وجہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام تو سب کے سب ارشاد و تربیت کی غرض سے
بھیجے گئے تھے اسلئے انکا کامل العقل ہونا ضروری تھا کیونکہ اسکے بغیر تربیت
نہیں کر سکتے تھے۔ اور اولیاء بعضے تو ارشاد خلق کی غرض سے پیدا ہوتے ہیں ان کو تو
سلوک کا مرتبہ عطا ہوتا ہے تاکہ بقاء عقل کے ساتھ تربیت کا کام انجام دے سکیں
اور یہی لوگ ہیں جنکو ورثۃ الانبیاء کہا جاتا ہے اور بعضے محض اپنے ہی کام کیلئے
پیدا ہوتے ہیں ان سے متعلق تربیت نہیں ہوتی مجذوبین ان ہی میں ہوتے ہیں
گو بعض غیر مجذوبین بھی ایسے ہوتے ہیں انکی یہ شان ہوتی ہے ؎

احمد تو عاشقی بہ مشیخت ترا چہ کار ۔ دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد

(احمد تم تو بس عاشق ہو تم کو مشیخت سے کیا واسطہ خدا کے دیوانے ہو جاؤ سلسلہ فقیری چلے یا نہ چلے)

بخلاف سالکین کے کہ انکی حالت انکی حالت کے بالکل خلاف ہے۔ اُن کی یہ حالت ہے ۔ ع۔ خاص کند بندۂ مصلحت عام را (وہ اپنے کسی بندہ کو عام لوگوں کی خدمت کیلئے خاص کرلیتا ہے)

۱۲۵۔ مجذوبین کے فیض کا غیر اختیاری ہونا

ہاں مجذوبین سے بھی ایک قسم کا فیض ہوتا ہے جو بلا ان کے اختیار کے محض وجود باجود کی بدولت ہے سو اس کے لئے بھی عقل کی ضرورت نہیں عقل کی ضرورت اس فیض کے لئے ہے جو بااختیار ہو۔ غیر اختیاری فیض کی مثال آفتاب کا نور ہے کہ گو آفتاب قصد نہ کرے لیکن اسکا نور عالم کو پرنور ضرور کرے گا اسی طرح اللہ کے نیک بندے جہاں کہیں ہوتے ہیں انکی برکات عالم کو منور ضرور کرتی ہیں۔ اسی برکت کی نسبت ارشاد خداوندی ہے مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (اللہ تعالیٰ آپ کے ہوتے ہوئے انکو عذاب دینے والے نہیں ہیں۔) جیسا کبھی اسکے برعکس بھی ہوتا ہے کہ بدکاروں کی بدولت اچھے لوگ تباہ و ہو جاتے ہیں

۱۲۶۔ اسکا بیان کہ دیندار کو خدا تعالیٰ کی مخالفت پر غیظ و غضب ہونا لازم ہے اور یہ حمیت دین ہے نہ کہ تعصب جیسا کہ آجکل سمجھا جاتا ہے

لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ پہلا قاعدہ ٹوٹ گیا کیونکہ وہ اچھے لوگ جو ان بدکاروں کی وجہ سے تباہ و برباد ہو گئے یا تو صورۃً اچھے ہوتے ہیں واقع میں اچھے ہی نہیں ہوتے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ فلاں شہر کو الٹ دو۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے اللہ اس شہر میں فلاں شخص بھی رہتا ہے جس نے کبھی

آپ کی نافرمانی نہیں کی کیا اسکو بھی سب کے ساتھ الٹ دوں؟ ارشاد ہوا کہ گو ظاہرا اس نے نافرمانی نہیں کی مگر دوسروں کی نافرمانی دیکھکر اس میں کبھی تغیر پیدا نہیں ہوا لہذا اسکو بھی الٹ دو دیکھئے یہ شخص ظاہری حالت میں ایسا بزرگ تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھی دھوکا ہوگیا لیکن واقع میں ایک بہت بڑے گناہ میں مبتلا تھا کہ خداتعالی اوران کے احکام کے ساتھ محبت کا جوش ذرا نہیں تھا ورنہ یہ ممکن نہیں کہ خدا اور رسول کی محبت ہو اور انکی مخالفت اور نافرمانی دیکھکر یا شریعت کا استخفاف سنکر اسکے دل میں مخالفین سے غیظ پیدا نہ ہو یا اسکو انکی حرکات ناگوار نہ ہوں۔ اگر کسی دیندار کو ایسے امور ناگوار ہوتے ہیں تو ان کو متعصب اور بدمزاج کہا جاتا ہے اور یہ رائے دی جاتی ہے کہ صاحب نرمی سے جواب دینا چاہیئے تھا مگر میں یہ کہتا ہوں کہ اگر کسی شخص سے یہ کہا جاوے کہ ہم نے تمھاری ماں کو بازار میں بیٹھے ہوئے اور بازاری حرکات میں مبتلا پایا ہے تو کیا یہ شخص ٹھنڈے دل سے اپنی ماں کی نسبت یہ الفاظ سن لیگا اور کہنے والے پر حملہ کرنے کو آمادہ نہ ہو جائے گا کیا اس کے اس جوش کو تعصب کہا جاوے گا اسکو بھی ایسی رائے دی جاویگی مگر مولویوں پر الزام ہے کہ یہ بہت جلد خفا ہو جاتے ہیں اور انکی ناک پر غصہ دھرا رہتا ہے یہ بڑے متعصب ہیں۔ لیکن صاحبو! ذرا غور کیجیئے اور انصاف سے کام لیجئے کوئی مولوی بھی سیدھی بات پر خفا نہیں ہوتا نہ کسی مولوی کی ناک پر غصہ دھرا رہتا ہے اگر پوچھنے کی طرح ان سے پوچھا جاوے اور بات کرنے کی طرح ان سے بات کی جاوے تو کوئی وجہ نہیں کہ مولوی غصہ کریں خفا ہوں ہاں صاحب ان کے ساتھ استہزاء اور خدا ورسول کے احکام پر اعتراض بطور عناد کیا جاتا ہے تو ضرور وہ بیتاب ہو جاتے ہیں اور یہ غصہ یا بیتابی تعصب نہیں ہے یہ دین کی حمیت ہے۔ صاحبو! کیا شریعت کے احکام کی وہ عظمت اور محبت بھی دل میں نہ ہونا چاہیئے جو کہ اپنی ماں کی نسبت ہے کہ ماں کی نسبت ناگوار کلمات سنکر تو انسان قابو سے باہر ہو جاسے اور اپنے آپے میں نہ رہے اور شریعت کی ہتک ہوتے

ہوئے دیکھکر اسکو غصہ بھی نہ آجاوے ۔ اور جن کو غصہ نہیں آتا وہ حقیقت ناشناس ہیں اسلئے انکو غیرت نہیں آتی کچھ دنوں اس رنگ میں اپنے قلب کو رنگواور پھر یہی حالت رہے تو جانیں۔ صاحبو! محض الفاظ کے سننے سے پوری طرح سمجھ میں نہیں آسکتا کہ یہ کیفیت کیونکر ہو جاتی ہے وجہ یہ ہے کہ اپنے اوپر یہ حالت گذری نہیں کسی نے خوب کہا ہے ؎

پرسید یکے کہ عاشقی چیست　　گفتم کہ چو ما شوی بدانی

(ایک شخص نے (مجھ سے) پوچھا کہ عاشقی کسے کہتے ہیں؟ میں نے کہا کہ جب مجھ جیسے ہو جاؤ گے تمکو خود ہی معلوم ہو جائیگا)

میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تقلیداً ہی کہہ رہا ہوں لیکن خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جن حضرات کی تقلید اختیار کی ہے ان کو سچا سمجھتا ہوں ۔

۱۲۷ ۔ محبان حق کی کیا حالت ہوتی ہے اور اسکا بیان کہ جو لوگ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع ہیں وہ جنت میں آپؐ کے ساتھ رہیں گے

صاحبو! ان حضرات کی غیرت کی یہ حالت تھی کہ خدا و رسول سے دور کرنے والی چیزوں کو گو وہ چیزیں انکی کیسی مرغوب و محبوب ہوں طاغوت سمجھتے ہیں ۔ حضرت طلحہؓ کا واقعہ ہے کہ وہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک پرندہ اس میں اڑکر آگیا اور چونکہ باغ نہایت گنجان تھا باہر نکل جانے کے لئے اسکو کوئی راستہ نہ ملا پریشان ادھر ادھر اڑتا پھرنے لگا اس پرندہ کی یہ حالت دیکھکر حضرت طلحہؓ کے دل میں گونہ مسرت پیدا ہوئی اور یہ خیال ہوا کہ ماشاء اللہ میرا باغ کس قدر گنجان اور اسکے درخت ایک دوسرے سے کیسے پیوستہ ہیں کہ کسی پرندہ کو بھی باآسانی نکل جانے کی جگہ نہیں ملتی یہ خیال آتا تو تھا لیکن چونکہ

دل میں عظمت و محبت خداوندی معراج کمال پر تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی
صحبت پُر برکت سے فیضیاب تھے اسلئے فوراً ہی تنبہ ہوا دل میں سوچا کہ اے طلحہ
تیرے دل میں مال کی یہ محبت کہ حالت نماز میں تو ادہر متوجہ ہوا۔ آخر نماز کے بعد
بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ میرے باغ نے آج مجھے
عین نماز کی حالت میں خدا سے مشغول نہ رکھکر اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ لہذا اسکو میں اپنے
پاس نہیں رکھتا اور اس شغل عن الحق کے کفارہ میں میں اسکو وقف کرتا ہوں آخر
وقف کر دیا جب دل کو اطمینان ہوا ان حضرات کی یہ شان ہے کہ اذا مسہم
طائف من الشیطان تذکروا فاذا ھم مبصرون کہ اگر شیطان کے
وسوسہ سے کسی ضعیف سے درجہ میں بھی ان کے قلب کو میلان علی الدنیا
ہو جاتا ہے تو فوراً متنبہ ہوتے ہیں اور ایسا قلق ہوتا ہے گویا ہفت اقلیم کی سلطنت
ان کے قبضہ سے نکل گئی بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہفت اقلیم کی سلطنت نکل جانے
سے بھی اتنا صدمہ نہیں ہوتا جو ان حضرات کے قلب پر اس میلان سے ہوتا ہے
کسی نے خوب کہا ہے ؎

ہر چہ از دوست وامانی چہ کفر آں حرف چہ ایماں ہر چہ از یار دور افتی چہ زشت آں نقش چہ زیبا

(جس چیز کیوجہ سے تم دوست سے چھوٹ جاؤ وہ کفر ہو یا ایمان ہو یکساں ہے اور جس چیز کیوجہ سے یار سے دور جا پڑو اسکا اچھا ہونا کیا برا ہونا کیا)

شاید لوگوں کو یہ تعجب ہو کہ ذرا سا خیال آجانے سے ان کے دل پر ایسا صدمہ کیسے
لذرا تو سمجھ لینا چاہیے کہ ان لوگوں کے نزدیک تمام دنیا شغل حق کے مقابلہ میں
کوئی قیمت نہیں رکھتی ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ؎

بر دل سالک ہزاراں غم بود گر ز باغ دل خلالے کم بود

(سالک کے دل پر غم کے ہزاروں پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں اگر اسکے باغ دل سے ایک تنکا بھی کم ہوتا ہے)

ایک خلال اتنا قیمتی ہے کہ دنیا تمام اس پر فدا ہے۔ اور یہ نہ کہا کہ ان کو تعلق
ہوتی عالم آخرت کی طرف بھی ان حضرات کی توجہ صرف اسلئے ہے کہ وہ ان کے
مطلوب حقیقی رضائے حق کو محل ہے ورنہ انکی یہ شان ہے کہ ؎

با تو دوزخ جنت است اے جانفزا بے تو جنت دوزخ است اے دلربا

(اے بہار جانفزا تیرے ساتھ ہوتے ہوئے دوزخ بھی ہو تو میرے لئے جنت ہے اور بدون تیری معیت کے جنت بھی ہو تو دوزخ کی مانند)

مولانا یہ بھی فرماتے ہیں ؎

گفت معشوقے بعاشق کاے فتیٰ تو بغربت دیدۂ بس شہر ہا

(کسی معشوق نے عاشق سے پوچھا کہ عزیز من یہ تو بتاؤ کہ تم نے مسافرت میں بہت سے شہروں کو دیکھا ہوگا)

پس کدامی شہر از آنہا خوشتر است گفت آں شہرے کہ دروے دلبر است

(ان سب میں کون سا شہر تم نے سب سے بہتر پایا؟ اس نے جواب دیا کہ اس شہر کو جہیں میرا دلربا رہتا ہے)

جنگل میں اگر محبوب کا ساتھ ہو جاوے تو ہزار آبادی سے بڑھکر ہے۔ شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ یہ اقوال غلبۂ حالات اور ولولۂ محبت کے ہیں کوئی واقعی تحقیق نہیں ہے تو یاد رکھو اسکے بارہ میں نص موجود ہے حدیث میں ایک صحابی حضرت ثوبانؓ کا واقعہ آیا ہے کہ وہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ اگر ہم جنت میں گئے بھی تو ہم کو وہ درجہ نصیب نہیں ہو سکتا جو درجہ آپ کا ہوگا اور جب ہم اس درجہ میں نہ پہونچ سکیں گے آپ کے دیدار سے محروم رہیں گے اور جب آپ کا دیدار نصیب نہ ہوگا تو ہم جنت لیکر کیا کریں گے۔ حضورؐ نے یہ سنکر سکوت فرمایا آخر وحی نازل ہوئی کہ مَن یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ الآیہ (جس نے اللہ و رسول کی اطاعت کی یہ لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہونگے جن پر خدا کا انعام ہوا ہے (یعنی انبیاء۔ صدیقین، شہداء اور صالحین) جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی تسلی فرمائی یعنی یہ ضرورت نہیں کہ اس درجہ میں عارضی طور[1] پہنچنے کے لئے اسی درجہ کے اعمال کی ضرورت ہو صرف اتباع اور محبت نبی کافی ہے، جیسے دربار شاہی میں خدمتگار محض معیت و خدمت شاہ کیوجہ سے دیگر رؤساء سے پہلے پہونچتا ہے اس لئے مع الذین فرمایا آگے ذالک الفضل میں تصریح بھی فرمادی کہ اسکو اپنے اعمال کا ثمرہ مت سمجھنا یہ محض فضل ہے اور واقعہ میں اگر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ ہمارا

---

[1] عارضی طور پر اسلئے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ میں استقلالاً وحقاً کون جا سکتا ہے ہاں حضور کی عنایت کیلئے رسائی

دین و ایمان اور ہماری دنیا اور ہمارا سب سامان ہماری نماز اور ہمارا روزہ ہمارا ثواب درجات جو کچھ بھی ہے سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا طفیل ہے چنانچہ ان آیات کے شانِ نزول کے انضمام سے صاف معلوم ہوتا ہے ان میں ارشاد ہوتا ہے ذٰلک الفضل من اللہ وکفیٰ باللہ علیما اس کا یا تو مطلب ہے کہ اس میں تمہارا کوئی کمال نہیں یہ محض فضل خداوندی ہے کہ تم کو ایک بہانۂ محبت سے باریابی کی دولت نصیب ہوگئی اور یا یہ مطلب ہے کہ ذٰلک الفضل سے بعض مغلوب الیاس لوگوں کی ناامیدی دور کرنا ہے کہ شاید کسی کو یہ خیال ہو جاوے کہ ہمارے ایسے نصیب کہاں کہ ہم اس درجہ تک پہونچ سکیں تو اسکی نسبت ارشاد ہوتا ہے کہ اگرچہ تم اس قابل نہیں لیکن نعمت تمہارے اعمال کی جزا نہیں ہے کہ تم اس پر نظر کر کے اس نعمت سے مایوس ہو جاؤ۔ یہ تو محض خدا تعالیٰ کا فضل و جود ہے جس کے لئے تمہارے اعمال کے کامل ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ سبحان اللہ قرآن پاک بھی کیا عجب چیز ہے کہ دو متعارض شبہے ایک عجب دوسرا یاس اور ایک جملے میں دونوں کا جواب خواہ یوں کہہ لو خواہ یوں کہہ لو سے

بہارِ عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد برنگ اصحاب صورت را بو ارباب معنی را

اسکے حسن کا عالم دل وجاں دونوں کو شگفتہ کر دیتا ہے اپنے رنگ سے اصحاب صورت کو اور اپنے باطن اور خوشبو سے ارباب معنی کو

ہر مذاق ہر طبیعت ہر رنگ کا علاج قرآن میں موجود ہے پس روایت ثوبان رضی اللہ سے بھی یہ بات بالکل صاف معلوم ہوگئی کہ سے

تو دوزخ جنت است اے جانفزا بے تو جنت دوزخ است اے دلربا

دونوں کا اس خیال پر انکار نہیں فرمایا گیا بلکہ تسلیم کر کے تسلی دی گئی ہے۔ غرض مضمون بالکل سنت کے موافق ہے نرا نکتہ تصوف یا شاعرانہ نہیں سو یہ ہے ان حضرات کی شان کہ دونوں عالم بھی ان کے نزدیک خدا تعالیٰ کی رضا اور نبی کریم کی لقاء کے برابر نہیں۔ خوب کہا ہے سے

قیمت خود ہر دو عالم گفتہ — نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

(اے محبوب تو نے اپنی قیمت دونوں عالم کو قرار دیا ہے، ابھی تو یہ سودا بہت ہی سستا ہے اور دام لگائیے)

محبت اور غیرت کی تو خاصیت یہی ہے کہ جب یہ بڑھ جاتی ہے تو سب کچھ چھوٹ جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے غیرت ہی میں سلطنت چھوڑی تھی۔ اور وجہ ان سب کی یہ ہوتی ہے کہ ایک حالت میں دو طرف توجہ کرنی پڑتی ہے اور یہ ممکن نہیں اس لئے مجبوراً ایک طرف کی توجہ کو ترک کر دینا پڑے گا۔ اب رہی یہ بات کہ کس طرف کی توجہ کو ترک کیا جاوے تو ظاہر ہے کہ توجہ الی اللہ کی دولت تو قابل ترک نہیں لہٰذا دنیا ہی پر لات مار دیتے ہیں خوب کہا ہے ؎

بفراغ دل زمانے نظرے بہ ماہ روئے — بہ ازاں کہ چتر شاہی ہمہ روز ہائے وہوئے

(فراغت قلبی کیساتھ تھوڑی دیر کسی کے تصور میں بیٹھا رہنا بڑھکر معلوم ہوتا ہے اس سے کہ شاہی چتر سر پر لگا ہو اور تمام دن ہنگامہ رہے)

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے اسی کی تحصیل کے لئے سلطنت پر لات ماردی۔

۱۲۸۔ انبیاء جو مخلوق کیطرف متوجہ ہوتے ہیں سو انکی یہ توجہ کلی بعینہ توجہ الی اللہ ہوتی ہے اور اسکی توضیح ایک مثال سے

لیکن انبیاء علیہم السلام پر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ جب دو طرف کامل توجہ نہیں ہو سکتی اور یہ حضرات علی سبیل الیقین جیسا کہ حکمت بعثت شاہد ہے متوجہ الی الخلائق تھے تو توجہ الی اللہ یقیناً کم ہوگی اور جب یہ کم ہوگی تو نقص ہوگا اور نقص اس لئے منافی نبوت ہے کہ مرتبۂ نبوت مراتب کمال کے اعلیٰ پایہ کا نام ہے کہ بشر کو اس سے بڑھکر مرتبہ عطا ہو ہی نہیں سکتا پس جب ان کو بھی ناقص پایا جاوے اور اسکی وجہ سے کامل فرض کیا جاوے تو کیا وجہ کہ ان میں انقطاع عن الخلق جو لازمۂ کمال ہے نہیں پایا جاتا۔ وجہ اس شبہ کی گنجائش نہ ہونے کی یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی جو توجہ الی الخلق ہوتی ہے وہ چونکہ بامر خداوندی ہے لہٰذا اس کی مثال کیجیے اس توجہ الی الخلق میں بھی توجہ الی اللہ موجود ہے۔

Regd No L2/?/AD-III

Monthly WASIYATUL IRFAN APRIL 1983

23, Buxi Bazar, Allahabad-3

Rs. 30/-

Rs. 24/-

شمارہ ۵ مئی ۱۹۸۳ء جلد ۶

مکتبہ وصیۃ العلوم ۲۲ بخشی بازار
الہ آباد

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ
فی پرچہ — مدیر: عبد المجید عفی عنہ — دو روپیے
شمارہ ۵ | شعبان المعظم ۱۴۰۳ھ مطابق مئی ۱۹۸۳ء | جلد ۶

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الہ آباد ۳

اعزازی پبلشر و صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر اسرار کریمی پریس الہ آباد سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الہ آباد سے شائع کیا
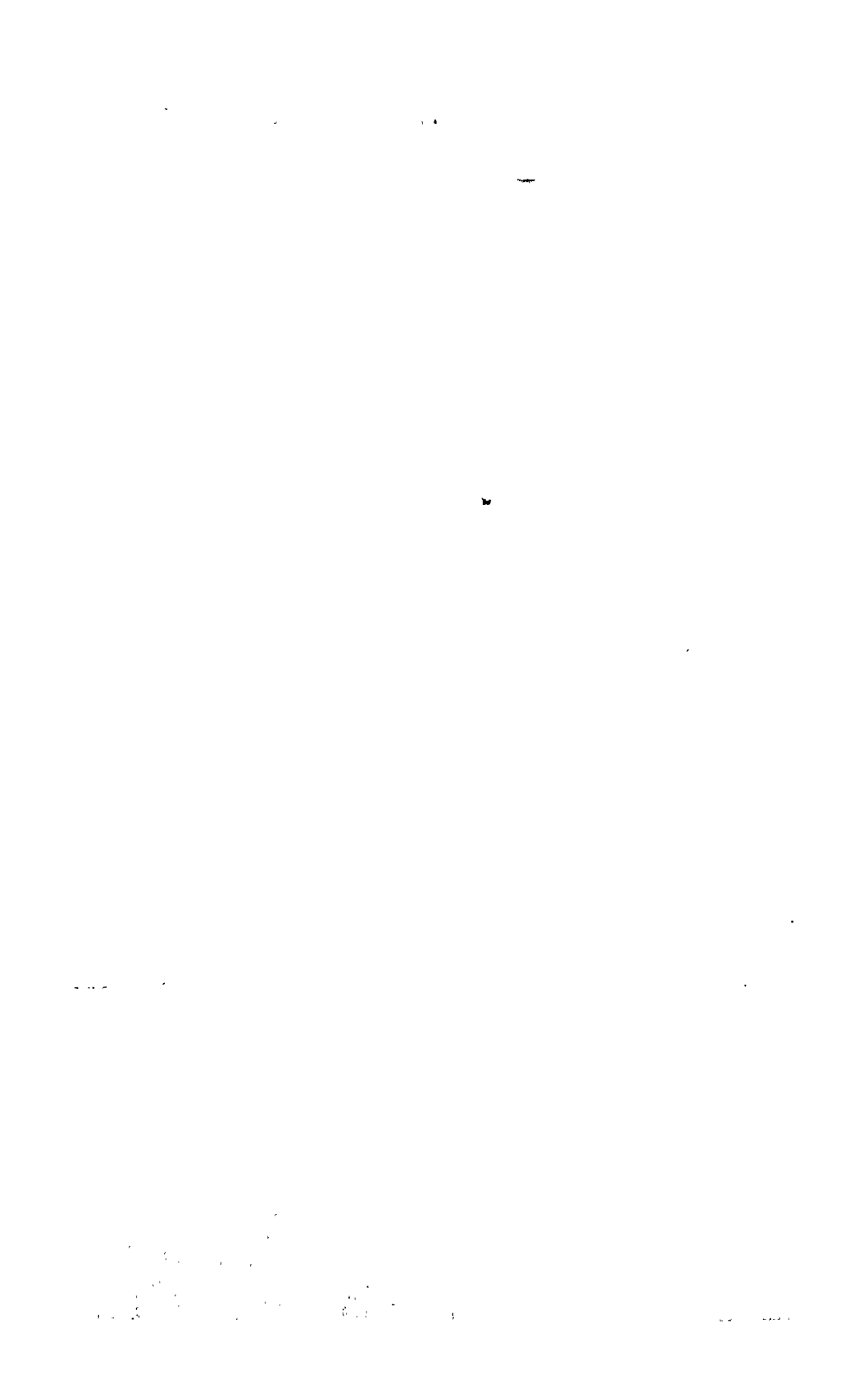
رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱-۷ ۔ ڈی ۱۱۱

(معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسکا تحفہ)

(از احادیث جمع الفوائد)

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔ پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو شب کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں کر رکھی تھیں لے گیا تاکہ ہم انکو کچھ عجائبات قدرت دکھلادیں بیشک اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے بڑے دیکھنے والے ہیں۔

واقعہ معراج: حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حطیم کعبہ (یا حجر) میں چت سویا ہوا تھا (بعض روایتوں میں آتا ہے کہ سویا نہیں تھا بلکہ بین النوم والیقظہ کی حالت تھی کچھ سوتا کچھ جاگ رہا تھا) کہ میرے پاس کوئی آنیوالا آیا اور میرے سینے کو چاک کرکے اس میں سے میرا قلب نکالا پھر سونے کا ایک طشت لایا گیا جو ایمان سے بھرا تھا اسی سے میرا قلب دھویا گیا اور پھر اسی طرح سے اسکو سینہ میں رکھدیا گیا۔ پھر ایک سفید سواری لائی گئی جو کہ حمار سے بڑی تھی اور خچر سے چھوٹی تھی نہایت تیز رفتار ایسی کہ جہاں اسکی نظر پڑتی تھی وہیں اسکا قدم پڑتا تھا (اسکا نام براق تھا) مجھے اسپر سوار کر دیا گیا اور جبریئل علیہ السلام مجھے لیکر چلے یہاں تک کہ پہلے آسمان (یعنی سماء دنیا) پر پہونچے جبریئل نے اسکا دروازہ کھٹکھٹایا۔ پوچھا گیا کون ہے؟ کہا میں ہوں جبریئل۔ پھر پوچھا گیا تمھارے ساتھ اور کون ہیں؟ کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ کہا گیا کیا انھیں طلب فرمایا گیا ہے؟ کہا ہاں۔ دربان نے مرحبا خوش آمدید کہتے ہوئے دروازہ کھولا۔ میں جب اندر گیا تو دیکھا کہ وہاں حضرت آدم علیہ السلام تشریف فرما ہیں۔ جبریئل نے کہا یہ آپ کے والد ماجد حضرت آدم علیہ السلام ہیں انھیں سلام کیجئے چنانچہ میں نے انھیں سلام کیا اور انھوں نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا مرحبا اور خوش آمدید ہو میرے ولدِ صالح اور نبیِ صالح کے لئے۔ پھر اوپر چڑھے

یہاں تک کہ دوسرے آسمان پر پہونچے اور دروازہ کھلوایا۔ دریافت کیا گیا کہ کون ہے؟ کہا میں ہوں جبرئیل۔ پوچھا تمھارے ساتھ کون ہے؟ کہا کہ محمد ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا کہ کیا آپکو بلایا گیا ہے؟ کہا ہاں۔ دربان نے مرحبا کہتے ہوئے دروازہ کھولا اور خوش آمدید کہا میں اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ یحییٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) موجود ہیں وہ دونوں باہم خالہ زاد بھائی تھے۔ جبرئیل نے کہا کہ یہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ ہیں انھیں سلام کیجئے میں نے دونوں کو سلام کیا ان دونوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا کہ مرحبا ہوا پنے صالح بھائی اور نبی صالح کے لئے۔ پھر جبرئیل مجھکو لیکر تیسرے آسمان پر چڑھے اور دروازہ کھلوایا (حسب دستور سابق یہاں بھی سوال وجواب کے بعد) دربان نے مرحبا کہتے ہوئے دروازہ کھولا وہاں حضرت یوسف علیہ السلام موجود تھے جبرئیل نے تعارف کراتے ہوئے کہا کہ یہ حضرت یوسفؑ ہیں انکو بھی سلام کیجئے۔ میں نے سلام کیا انھوں نے جواب دیا اور کہا صالح بھائی اور نبی صالح کو مرحبا کہکر مبارکباد دیتا ہوں۔ پھر چوتھے آسمان پر پہونچے (وہاں بھی سابقہ منازل سے گذر کر اندر پہونچے) تو ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ جبرئیلؑ نے کہا کہ یہ حضرت ادریسؑ ہیں انکو سلام کیجئے۔ میں نے انکو سلام کیا انھوں نے جواب دیا اور کہا ہمارے صالح بھائی اور نبی صالح کے لئے آنا مبارک ہو۔ پھر اسی طرح سے پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام اور چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جبرئیل نے کہا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں ان سے ملاقات فرمائیے اور ان کو سلام کیجئے۔ میں نے انھیں سلام کیا انھوں نے بھی مرحبا بالاخ الصالح والنبی الصالح کہکر جواب دیا لیکن جب میں ان سے ملکر آگے چلا تو وہ رونے لگے۔ دریافت کیا گیا کہ حضرت کے رونے کی کیا وجہ پیش آئی؟ فرمایا کہ کچھ نہیں بس یہ خیال آکر جی بھر آیا کہ دیکھو تو میرے بعد یہ صاحبزادے مبعوث ہوئے جنکی امت کے جنتی لوگ میری امت کے جنتیوں سے کہیں زیادہ ہوں گے (خدا جسے چاہے جس مرتبہ سے نوازدے) اسکے بعد جبرئیل مجھے ہمراہ لیکر ساتویں آسمان پر چڑھے دروازہ کھلوایا اندر سے پوچھا گیا کون ہے؟ کہا میں ہوں جبرئیل۔ پھر پوچھا گیا کہ اور تمھارے ساتھ کون بزرگ ہیں؟ کہا محمد ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) پوچھا کیا انھیں بلایا گیا ہے

کہا ہاں۔ یہ سنکر دربان نے خوش آمدید کہا اور مرحبا کہتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔ وہاں داخل ہوا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام موجود تھے۔ جبرئیل نے کہا کہ یہ آپ کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں انھیں سلام کیجیے میں نے سلام کیا انھوں نے جواب دیا اور مرحبا بابن الصالح والنبی الصالح فرمایا۔

اسکے بعد میں سدرۃ المنتہیٰ پر پہونچا دیکھا کہ بیر کا درخت ہے مگر اس کے پھل مٹکوں کے برابر اور پتے اسکے جیسے ہاتھی کے کان ہوں۔ جبرئیلؑ نے کہا کہ یہ مقام سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ وہاں چار نہریں بھی دیکھیں دو باطن میں اندر کی جانب اور دو ظاہر میں۔ میں نے جبرئیل سے پوچھا یہ کیا چیز ہے انھوں نے کہا کہ اندر والی دو نہریں تو جنت کی نہریں ہیں اور باہر والی یعنی ظاہری جو ہے وہ نیل اور فرات ہے۔ پھر مجھے بیت المعمور تک لے جایا گیا (جو ساتویں آسمان کے اوپر بیت اللہ کے بالمقابل فرشتوں کا کعبہ ہے جس کا وہ طواف کرتے ہیں۔ پھر میرے سامنے ایک پیالہ شراب کا اور ایک دودھ کا اور ایک شہد کا لایا گیا۔ میں نے دودھ کا پیالہ اٹھالیا۔ جبرئیلؑ یہ دیکھکر بولے کہ سبحان اللہ خوب آپ نے فطرت ہی کو لیا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے آپکو اور آپکی امت کو رکھا ہے۔

معراج کا تحفہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اسکے بعد مجھ پر پچاس وقت کی نمازیں فرض کی گئیں چنانچہ یہ شاہی تحفہ اور عطیہ لیکر میں واپس آرہا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پھر ملاقات ہوگئی وہ پوچھ پڑے کچھ حکم وغیرہ تو نہیں ملا ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں پچاس وقت کی نمازیں دن رات میں فرض کی گئی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کی امت اسکی طاقت نہ رکھ سکے گی بخدا میں نے اب سے پہلے لوگوں کا خوب خوب تجربہ کر کے دیکھ لیا ہے اور بنی اسرائیل کو اس سلسلہ میں خوب خوب کسا ہے۔ لہٰذا آپ سے کہتا ہوں کہ جائیے اور اپنے رب سے اپنی امت کے حق میں تخفیف اور آسانی کا سوال فرمائیے۔ میں لوٹا اور عرض کیا تو حق تعالیٰ نے دس کی تخفیف فرمائی۔ پھر میں موسیٰؑ کے پاس آیا پھر انھوں نے وہی بات کہی اور سب مجھے پھر لوٹایا میں پھر واپس گیا تو دس کی اور تخفیف زیادہ کی گئی

پھر میں موسیٰ کے پاس آیا پھر انھوں نے وہی بات کہی اور مجھے پھر لوٹایا میں پھر گیا تو دس کی اور تخفیف فرما دی گئی۔ اسی طرح سے میں موسیٰ اور اپنے رب کے مابین آتا جاتا رہا یہاں تک کہ آخری دس میں سے پانچ کی تخفیف کر کے صرف پانچ وقت کی نماز رہ گئی اور میں موسیٰؑ کے پاس پھر آیا انھوں نے دریافت فرمایا کہ اب کیا حکم ہوا ہے؟ میں نے کہا کہ دن رات میں پانچ وقت کی نمازیں کر دی ہیں۔ یہ سن کر حضرت موسیٰؑ نے پھر فرمایا کہ یا حضرت! میں بنی اسرائیل کا پورا اور طویل تجربہ کر کے کہہ رہا ہوں کہ آپکی امت اسکو بھی نہ نبھا سکے گی جائیے ابھی موقع ہے اپنے رب سے مزید تخفیف کرا لیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محترم! میں بہت دفعہ جا جا کر حق تعالیٰ سے عرض کر چکا ہوں اب تو مجھے شرم آتی ہے بس میں اس پر راضی ہوں اور اسی پر میرا سر تسلیم خم ہے۔ چنانچہ جب میں ان کے پاس سے آگے بڑھا تو ایک کہنے والے نے حق تعالیٰ کی جانب سے پکار کر کہا کہ بہت خوب آپ نے میری عبادت کا بھی حق ادا فرما دیا اور میرے بندوں یعنی اپنی امت پر سہولت اور شفقت کا بھی لحاظ رکھا۔

(یارب صل وسلم دائماً ابداً　　علی حبیبک خیر الخلق کلہم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں براق پر سوار ہو کر بیت المقدس آیا اور میں نے براق کو اسی حلقے سے باندھ دیا جس میں تمام انبیاء اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے پھر میں نے مسجد میں داخل ہو کر دو رکعت نماز پڑھی پھر باہر آیا تو جبرئیلؑ نے ایک برتن میں شراب اور ایک میں دودھ پیش کیا میں نے دودھ والا برتن اٹھا لیا تو جبرئیلؑ بولے کہ آپ نے فطرت ہی کو اختیار فرمایا پھر آسمان پر جانے کا واقعہ روایت سابق کی طرح بیان فرمایا۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے جس کے اندر ہر روز ستر ہزار فرشتے عبادت کے لئے داخل ہوتے ہیں اس طرح کہ اب ایک دفعہ کے بعد دوسری مرتبہ انکی باری پھر نہ آئیگی۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپکو

معراج کس طرح سے ہوئی؟ فرمایا کہ میں نے اپنے صحابہ کو عشار کی نماز پڑھائی زرادا
میں جبرئیل میرے پاس ایک سفید رنگ کی سواری (براق) لیکر آئے جو خر اور خچر کے
درمیانی تھی مجھے اس پر سوار ہونا دشوار ہوا تو انھوں نے اسکے کان پکڑ کر میری جانب
اسے گھمایا اور مجھے اس پر سوار کردیا۔ میں چلا اور ایک ایسی جگہ پہونچا جہاں کھجور کے
درخت بہت تھے جبرئیلؑ نے کہا اتر پیئے میں اتر پڑا کہا نماز پڑھ لیجیے میں نے نماز
پڑھ لی پھر ہم سوار ہوئے۔ کہا آپ جانتے ہیں کہ یہ نماز کہاں آپ نے پڑھی ہے؛
میں نے کہا اللہ اعلم یہ کون سی جگہ ہے؟ کہا یہ یثرب ہے (یعنی مدینہ)۔ پھر ہم
چلے تو ایک صاف شفاف چٹیل سی زمین میں پہونچے۔ جبرئیلؑ نے کہا اتر پیئے میں
اتر پڑا کہا نماز پڑھ لیجیے میں نے نماز پڑھ لی کہا جانتے ہیں یہ کون سی سرزمین ہے؟
میں نے کہا اللہ اعلم کہا یہ مدین ہے یہ آپ نے حضرت موسیٰ کے درخت کے پاس
نماز پڑھی ہے۔ پھر ہم چلے جبرئیلؑ نے پھر کہا کہ اتر پیئے۔ ہم اتر گئے۔ کہا نماز
پڑھ لیجیے۔ میں نے نماز پڑھی کہا کہ جانتے ہیں یہ آپ نے اب کہاں نماز پڑھی ہے
میں نے کہا نہیں اللہ اعلم۔ کہا بیت اللحم ہے حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش گاہ۔ پھر ہم چلے
یہاں تک کہ ہم مدینہ میں داخل ہوئے انھوں نے مسجد کے پاس سواری باندھی اور
مسجد میں داخل ہوئے میں نے وہاں نماز پڑھی اور میرے پاس دو برتن شراب اور
دودھ کا لایا گیا۔

اسی روایت میں ہے کہ پھر اسکے بعد میں مدینہ کی ایک وادی سے گذرا وہاں
سے جہنم کی جھلک نظر آئی صحابۂ کرامؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ وہ کیسی تھی؟ راوی
کہتے ہیں کہ آپ نے کچھ فرمایا ضرور مگر وہ مجھے یاد نہیں رہا کہ کیا فرمایا تھا۔ پھر فرمایا کہ
ہمارا گذر قریش کے ایک قافلے کے پاس سے بھی ہوا جو فلاں فلاں مقام پر تھا اور
انکا ایک اونٹ گم ہوگیا تھا اسکی تلاش میں سب پریشان تھے۔ میں نے انھیں
سلام بھی کیا مگر انھوں نے تیز رفتاری کی وجہ سے مجھے دیکھا نہیں۔ آپس میں کہنے لگے
یہ آواز تو محمد کی معلوم ہوتی ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ پھر میں صبح ہونے سے پہلے پہلے

اپنے لوگوں میں آگیا۔ صبح سب سے پہلے میرے پاس ابوجہل آئے کہا یا رسول اللہ آپ شب میں کہاں تشریف لے گئے تھے میں نے آپکو بہت تلاش کیا نہ پایا۔ میں نے کہا کہیں آج کی شب بیت المقدس گیا تھا انھوں نے (تعجب سے) کہا کہ یا رسول اللہ اسکی تو مسافت یہاں سے ایک ماہ سفر کی ہے۔ اسکا کچھ نقشہ بیان فرمائیے' پس اللہ تعالیٰ نے اسکی تصویر میرے سامنے فرمادی۔ چنانچہ ان لوگوں نے جو جو سوالات پوچھے میں نے سب کا جواب دیدیا' ابوبکرؓ تو یہ سنکر کہہ اٹھے اشہد انک رسول اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں اور مشرکین نے کہا کہ دیکھو تو ابن ابی کبشہ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو انکا یہ خیال ہے کہ وہ آج کی شب بیت المقدس ہو آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں ہاں بالکل صحیح ہے میں ہو آیا ہوں اور فلاں جگہ تمھارے ایک آنے والے قافلے کے پاس سے بھی گذرا تھا۔ ان کا ایک اونٹ گم ہوگیا تھا وہ فلاں دن وہاں ٹھیرے ہوئے تھے اور یہاں فلاں دن آجاویں گے۔ اس قافلے میں سب سے آگے جو اونٹ ہے اسپر کالا کمبل پڑا ہوا ہے اور دو سیاہ گون اسپر لدے ہوئے ہیں۔ جب وہ دن آیا تو سب لوگ شوق میں (اور خبر کی تصدیق کرنے کے لئے) آگے قافلے کو دیکھنے کے لئے گئے یہاں تک کہ تقریباً نصف دن گذرا ہوگا کہ سامنے سے قافلہ آتا ہوا نظر پڑا اور سب سے آگے وہی اونٹ تھا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ (تصدیق کے لئے اتنا کم نہ تھا لیکن ہٹ دھرمی اور بدنصیبی کا کیا علاج)

(یارب صل وسلم دائماً ابداً علی حبیبک خیر الخلق کلہم)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ معراج کی صبح کو ابوجہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ اجی! کوئی خاص واقعہ رات پیش آیا ہے کیا؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ کہا کیا؟ فرمایا کہ مجھے آج کی شب (اتنی رات) لے جایا گیا تھا۔ اس نے کہا کہاں؟ آپ نے فرمایا کہ بیت المقدس گیا تھا۔ اس نے کہا کہ اچھا پھر صبح ہی صبح ہمارے درمیان بھی آموجود ہوگئے؟ آپ نے فرمایا کہ

ہاں ہاں۔ اس نے کہا کہ اگر کہیئے تو آپ کے لوگوں کو بلا لاؤں کیا آپ ان کے سامنے بھی یہی بات کہدیں گے جو آپ نے ابھی مجھ سے کہا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ بالکل کہدوں گا۔ بلا لو جسے بلانا چاہتے ہو۔ اس نے پکار کر اسے کعب بن لوی کے خاندان والو! چلو جلدی یہاں آؤ لوگ آگئے تو ابوجہل نے کہا کیجیے یہ آپ کی قوم آگئی ہے اس سے بھی وہی فرمایئے جو آپ نے مجھ سے ابھی کہا ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے آج کی شب سفر میں لیجایا گیا تھا ان لوگوں نے بھی پوچھا کہ کہاں؟ آپ نے فرمایا کہ بیت المقدس۔ انھوں نے کہا کہ ارے بیت المقدس تک گئے بھی اور صبح کو ہمارے درمیان میں آموجود بھی ہوگئے۔ بس پھر کیا تھا کچھ ہی لوگوں نے تو تصدیق کی باقی کوئی تو مارے تعجب کے سر پر ہاتھ رکھے ہوئے تھا اس طرح گویا آپ کی تکذیب کی۔ بالآخر سب نے یہ کہا کہ اچھا کیا آپ بیت المقدس (مسجد اقصیٰ) کی کچھ تفصیل بیان کرسکتے ہیں (یعنی وہ کیسی ہے۔ کتنے دراس میں ہیں۔ کتنے طاق وغیرہ ہیں۔) (یہ اسلئے کہا کہ) اس جماعت میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو بیت المقدس جاچکے تھے اور وہاں کے نقشہ سے واقف تھے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اسکا نقشہ بیان کرنا شروع تو کردیا لیکن قدرے تردد ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے مسجد اقصیٰ کو میری نظروں کے سامنے کردیا۔ چنانچہ میں دیکھتا جاتا تھا اور انکو بتلاتا جاتا تھا۔ قوم نے جب اپنے تمام سوالات کے جوابات سنے تو کہا کہ مسجد اقصیٰ کا نقشہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بالکل صحیح صحیح بتلا رہے ہیں (لیکن ہدایت خدا کے قبضہ میں ہے ایمان نہ لانا تھا نہ لائے)

(یارب صل وسلم دائما ابداً علی حبیبک خیر الخلق کلھم)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ سفر معراج کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سواری لائی گئی جسکی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ جہاں اس کی نظر پڑتی تھی وہیں اسکے قدم پڑتے تھے اس پر آپ تشریف لے چلے حضرت جبرئیل بھی آپکے ہمراہ تھے آپکا گذر (اسی سفر میں) ایک ایسی قوم کے پاس سے ہوا جو کھیتی بوتی تھی اور

اسی دن کاٹ بھی لیتی تھی جب ایک دفعہ کاٹ لیتی تو پھر نئی کھیتی کھڑی ہو جاتی ۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے عرض کیا کہ یہ مجاہدین ہیں انکے ایک عمل کا بدلہ انھیں سات سوگنا دیا جاتا ہے اور جو کچھ یہ خرچ کرتے ہیں اللہ تعالےٰ اسکے عوض میں دوسرا عطا فرما دیتا ہے ۔ پھر ایک ایسی قوم کے پاس سے آپ کا گذر ہوا جن کے سروں کو پتھروں سے کچلا جارہا تھا اور کچل دینے پر پھر سر ٹھیک ہو جاتا تھا (اسی طرح مسلسل)۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے سر میں نماز کی جانب سے سستی سمائی رہتی تھی اسکے بعد آپ کا گذر ایک ایسی قوم کے پاس سے ہوا جنکے آگے اور پیچھے کی صرف شرمگاہوں پر آگے اور پیچھے تھوڑا سا چیتھڑا لگا ہوا تھا اور سارا بدن عریاں تھا) اور وہ لوگ جانوروں کی طرح جہنم کے گرم پتھر پر خار، کانٹا اور تھوہڑ کو چر رہے تھے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے عرض کیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے پھر آپ ایک ایسی قوم کے پاس سے گذرے جن کے سامنے ایک ہانڈی میں عمدہ پکا ہوا گوشت رکھا ہوا تھا اور دوسرے برتن میں کچا اور سڑا ہوا گوشت تھا اور وہ لوگ اس خبیث گوشت کو کھا رہے تھے اور عمدہ اور طیب کو چھوڑ رکھا تھا ۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں ۔ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ آپ کی امت کے وہ مرد و عورت ہیں کہ مرد کی اپنی بیوی موجود ہے مگر اسکے پاس کوئی خبیث عورت آتی ہے اسی کے ساتھ یہ شب گذارتا ہے ۔ اسی طرح سے عورت کا شوہر موجود ہوتا ہے مگر وہ اسکے پاس سے چلی جاتی ہے اور کوئی خبیث شخص آتا ہے جس کے ساتھ وہ شب گذارتی ہے ۔ پھر آپ کا ایک ایسے شخص کے پاس سے گذر ہوا جسنے لکڑیوں کا ایک بڑا بوجھ جمع کر رکھا تھا وہ اسکو اٹھا نہیں سکتا تھا اور لکڑیاں جمع کرتا چلا جاتا تھا ۔ آپؐ نے پوچھا یہ کون ہے؟ جبرئیلؑ نے کہا یہ آپ کی امت کا وہ شخص ہے کہ اسکے ذمہ لوگوں کی امانتیں ہیں جس کے ادا کرنے کی اسکو طاقت نہیں مگر وہ ہے کہ اور امانات لئے چلا جا رہا ہے ۔ پھر آپ ایک ایسی جماعت کے پاس سے گذرے جنکے ہونٹ

اور زبان کو لوہے کی قینچی سے کاٹ دیا جاتا تھا مگر پھر وہ درست ہو جاتی تھی (پھر
کاٹ دیا جاتا تھا) آپ نے فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے کہا کہ یہ فتنہ انگیز مقرر
ہیں۔ پھر آپ ایک چھوٹے سے پتھر کے پاس تشریف لائے جس سے ایک بڑا بیل
نکلا اور پھر اسنے چاہا کہ جہاں سے وہ نکلا تھا وہیں چلا جائے تو وہ اسپر قادر نہ ہوسکا۔
آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ جبرئیلؑ نے کہا کہ ایک شخص (اپنی زبان سے ایک
عظیم کلمہ (سخت بات) نکالدیتا ہے اسکے بعد اس پر شرمندہ ہوتا ہے اور چاہتا ہے
کہ اپنی اس کہی ہوئی بات کو واپس لے لے مگر وہ شایع ہو جاتی ہے اور یہ اس پر
قادر نہیں ہوپاتا۔ پھر آپ کا گذر ایک وادی پر ہوا وہاں آپ کو ایک نہایت عمدہ مشک
کی سی خوشبو پہونچی اور اس میں سے کچھ آواز بھی سنائی دی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے
دریافت کیا کہ جبرئیل یہ کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
یہ جنت کی آواز اور اسکی خوشبو ہے۔ وہ کہہ رہی ہے کہ اے میرے پروردگار میرے
لوگوں کو میرے پاس جلد لائیے۔ آپ نے جو مجھ سے وعدہ فرمایا ہے اسکو جلد پورا
کیجئے۔ میرے پاس باغات بہت ہو گئے ہیں اور میرے وہ ریشم باریک اور موٹے میرے
میرے وہ فرش و فروش اور میرے وہ تکئے گدے۔ میرے میرے جواہرات او
میرے وہ موتی، میری چاندی اور میرے سونے اور میری وہ نازک پیالیاں
اور میرے وہ لوٹے پیالے۔ اور میرے وہ پھل اور میرے یہاں کا شہد، عسل۔ میرے
اندر کے وہ جوڑے جامے اور میری وہ سونے چاندی کی اینٹیں۔ اور میرے یہاں
کی وہ شراب طہور۔ یہ سب چیزیں میں کن پر صرف کروں؟ میرے وہ لاڈلے کہاں
ہیں؟ اے رب تونے جنھیں میرے یہاں بھیجنے کا وعدہ فرمایا ہے انھیں جلد بھیج وہ کہاں
اللہ تعالے نے اسکو جواب مرحمت فرمایا کہ گھبرا مت تیرے لئے میرا ہر مومن اور مسلم بندہ
تجویز ہو چکا ہے اور ہر مومن اور مسلم بندی تجویز ہو چکی ہے۔ اور ہر وہ شخص تجھے ملے گا
جو مجھ پر ایمان لے آئے گا اور میرے رسولوں پر ایمان لے آوے گا عمل صالح اختیار
کیا ہوگا اور میرے ساتھ اس نے کسی کو شریک نہ جانا ہوگا اور میرے علاوہ کسی کو معبود

بند نہ گرداتا ہوگا۔ ایسا شخص امن میں ہوگا۔ جو مجھ سے سوال کرے گا دونگا۔ جس نے مجھے قرض دیا ہوگا میں اسکو جزا دونگا۔ جو مجھ پر توکل کرے گا میں اسکی کفایت کرونگا میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ میرے وعدوں میں تخلف نہیں ہوا کرتا مومن ہی فلاح یاب ہوں گے۔ تبارک اللہ احسن الخالقین۔ حق تعالیٰ کے اس جواب کو سنکر جنت کہے گی۔ بس ٹھیک ہے پروردگار میں راضی ہوگئی، میں خوش ہوگئی میں مطمئن ہوگئی۔ (سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم)

(یارب صل وسلم دائماً ابداً علیٰ حبیبک خیر الخلق کلھم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پھر اسکے بعد ہم ایک اور وادی کے پاس سے گذرے جہاں پر میں نے ایک بھیانک آواز سنی میں نے دریافت کیا کہ یہ کیسی آواز ہے؟ جبرئیلؑ نے کہا یا رسول اللہ یہ جہنم کی آواز ہے۔ وہ بھی کہہ رہی ہے کہ اسے پروردگار! جنھیں آپ نے میرے اندر بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا انکو جلد بھیجئے اسلئے کہ میری بیڑیاں اور ہتھکڑیاں سب بیکار پڑی ہیں میری دھکتی ہوئی آگ۔ میرا گرم پانی میرے یہاں کا پیپ اور لہو نیز غسلین کثرت سے موجود ہے اور سب یوں ہی رکھا ہوا ہے میری گہرائی بھی طویل ہے اور گرمی بھی پورے شباب پر ہے اسلئے آپ نے جو وعدہ مجھ سے فرمایا ہے وہ پورا فرما دیجئے۔ حق تعالیٰ کی جانب سے اسکے جواب میں ارشاد ہوا کہ تو گھبرا نہیں تیرے حصے میں وہ سب ہی لوگ ہونگے جو مشرک یا مشرکہ ہوں گے اور جو خبیث یا خبیثہ ہوں گے اور ہر وہ متکبر ہوگا جو آج کے اس دن یعنی یوم الحساب پر ایمان نہ لایا ہوگا۔ یہ سنکر جہنم نے عرض کیا کہ بس بس میرے پروردگار میں راضی ہوگئی اور خوش ہوگئی۔ اسکے بعد ہم چلے یہاں تک کہ بیت المقدس پہونچے وہاں پہونچکر آپ نے صخرہ سے اپنا گھوڑا باندھ دیا اور فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھی جب نماز سے سب لوگ فارغ ہوئے تو فرشتوں نے دریافت کیا کہ جبرئیل یہ تمھارے ساتھ کون بزرگ ہیں؟ انھوں نے کہا کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اللہ کے رسول۔ آپ ہی خاتم النبیین ہیں۔ ان لوگوں نے پوچھا کیا آپ کو بلایا گیا

جبرئیل نے کہا ہاں۔ ان سب نے کہا خدا انکو زندہ و سلامت رکھے کیا ہی عمدہ بھائی ہیں یہ اور کیا ہی عمدہ خلیفہ ہیں یہ۔ پھر ارواح انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوئی سب نے اللہ تعالیٰ کی خوب ہی خوب تعریف کی (جسکی تفصیل یوں فرمائی کہ پہلے)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ ——— تمام تعریفیں اس ذاتِ پاک کے لئے ہیں جس نے مجھے خلیل بنایا اور مجھے ملکِ عظیم عطا فرمایا اور مجھے امت قانتہ بنایا اور اپنی پیغام بری کے لئے میرا انتخاب فرمایا۔ مجھے نارِ نمرود سے رہائی بخشی اور اسکو بردِ و سلام بنایا۔ پھر

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ——— تمام تعریفیں اس ذاتِ پاک کے لئے ہیں جس نے مجھ سے بلا واسطہ گفتگو فرمائی۔ نبوت کے لئے میرا انتخاب فرمایا اور مجھ پر اپنی کتاب یعنی توریت نازل فرمائی اور اپنے دشمن یعنی فرعون کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی نجات کا مجھے ذریعہ بنایا۔ اسکے بعد

حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا ——— تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے مجھے اپنے ملک سے نوازا۔ مجھ پر زبور اتاری۔ میرے ہاتھ پر لوہے کو موم کیا۔ پہاڑوں اور پرندوں کو میرے لئے مسخر فرمایا کہ وہ سب بھی میرے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے۔ مجھے حکمت اور فصل خطاب مرحمت فرمایا۔

اور پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ ——— تمام تعریفیں اس ذات کو لائق ہیں جس نے میرے لئے ہواؤں کو اور جن و انس کو مسخر فرما دیا اور حد یہ کہ سرکش شیاطین کو بھی مسخر دیا کہ میں جو چاہتا تھا مکان۔ محراب۔ پیالے۔ ہانڈیاں سب ان سے بنوا لیتا تھا۔ اور خدا تعالیٰ نے مجھے پرندوں کی بولیاں سکھائیں میرے لئے تارکول کا چشمہ بہایا اور مجھے ایسی زبردست حکومت سے نوازا کہ ویسی میرے بعد پھر کسی کو نہ مل سکی۔ اور پھر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ——— اس ذات پاک

کے لئے تمام تعریفیں ہیں جس نے مجھے تورات اور انجیل کا علم بخشا اور مجھے ایسا بنایا کہ مادرزاد اندھے اور کوڑھ کے مریض کو مجھ سے شفا ہونے لگی حتیٰ کہ میں اسکے نام سے مردہ تک زندہ کرنے لگا۔ اس نے مجھے اوپر اٹھالیا اور مجھے کافرین کے پنجے سے چھڑا لیا۔ اور مجھے اور میری ماں کو شیطان مردود سے پناہ میں رکھا۔ چنانچہ شیطان کا ہم ماں بیٹوں پر کچھ بس نہیں چلنے دیا ۔ یہ سب سنکر

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ سب حضرات نے تو اسپنے رب کی تعریف فرمائی اب میں بھی اسپنے رب کی تعریف کرتا ہوں (سنیئے) تمام تعریفیں اس ذات پاک کے لئے ہیں جس نے مجھے رحمۃ اللعالمین بناکر بھیجا اور تمام لوگوں کے لئے بشیر اور نذیر بناکر بھیجا اور مجھ پر قرآن نازل فرمایا جو کہ تبیاناً لکل شئی ہے یعنی ہر چیز کا اس میں بیان موجود ہے۔ میری امت کو خیر امت بنایا اور سب لوگوں کے لئے ناصح اور خیر خواہ بناکر بھیجا۔ میری امت کو امت وسط فرمایا میری ہی امت اوّلون کا بھی مصداق بنی اور آخرون کا بھی (یعنی دنیا میں سب سے آخر میں آئی اور قیامت میں سب سے پہلے یہی پکاری جائیگی) اور الحمد للہ کہ میرا شرح صدر ہوا سینہ چاک کیا گیا الم نشرح لک صدرک اور بہت سے بڑے بڑے بوجھ جو دوسروں پر تھے وہ مجھ سے اٹھا لئے گئے۔ ووضعنا عنک وزرک اور میرے ذکر کو بلند کیا گیا ورفعنا لک ذکرک۔ مجھی کو عالم کے لئے فاتح بھی قرار دیا گیا اور میں ہی اسکا خاتم بھی ہوا۔ یہ سنکر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں ان وجوہ کی بنا پر تم سب سے افضل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(یارب صل وسلم دائماً ابداً علی حبیبک خیر الخلق کلھم)

ایک روایت میں ہے کہ حق تعالے نے فرمایا مانگئے آپ مجھ سے جو آپ کو مانگنا ہو۔ آپؐ نے عرض کیا کہ اے اللہ آپ نے ابراہیمؑ کو خلیل بنایا۔ موسیٰؑ سے کلام فرمایا۔ داؤدؑ کو ملک عظیم بخشا اور انکے ہاتھ میں لوہے کو موم کیا۔ پہاڑ کو

انکے لئے مسخر کیا۔ سلیمانؑ کو ملک عظیم بخشا۔ جن وانس، شیاطین اور ریاح کو انکا مسخر فرمایا عیسیٰؑ کو توریت اور انجیل کا علم دیا۔ ابراء اکمہ وابرص کا انھیں معجزہ عطا فرمایا حق تعالیٰ نے فرمایا لیکن میں نے آپ کو بھی تو خلیل بنایا اور توراۃ میں تحریر کیا کہ محمد رحمٰن کے حبیب ہیں۔ آپ کی بعثت عام فرمائی۔ آپ کی امت کو اولین بھی بنایا اور آخرین بھی اور آپ کو یہ شرف بخشا کہ آپ کی امت میں سے کسی شخص کا خطبہ اور تقریر مقبول ہی نہ ہوگی جب تک کہ وہ اسکے ابتداء میں آپ کے متعلق یہ نہ کہہ لے کہ اَشْہَدُ اَنَّکَ عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور اسکے رسول ہیں۔ اور میں نے آپکو سب نبیوں سے پہلے بنایا خلقت کے اعتبار سے (کنت نبیًا وآدم بین الماء والطین) اور بعثت کے اعتبار سے آخری بنایا۔ میں نے آپ کو سبع مثانی (سورۂ فاتحہ کی سات آیتیں) عطا فرمائیں جو آپ سے پہلے میں نے اسے کسی نبی کو نہیں دیا تھا۔ اسی طرح سے سورۂ بقرہ کے ختم کی چند آیتیں بڑی بابرکت اور مقبول آپ کو دیں جو کہ عرش کے تحت کے خزانہ میں تھیں آپ سے پہلے انھیں بھی کسی نبی کو نہیں دیا تھا اور میں نے آپ کو فاتح وخاتم دونوں بنایا یعنی رسولوں کا سلسلہ آپ ہی سے شروع کیا اور آپ ہی پر ختم کیا۔

پھر آپ نے معراج سے واپسی پر نماز کا تحفہ ملنے کا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ٹوکنے کا اور رب تعالیٰ کے پاس بار بار آنے جانے کا ذکر فرمایا کہ پہلے دس کم کی گئی پھر دس اور پھر دس اور پھر دس پھر پانچ کم ہوئیں اور یہ فرمایا گیا کہ ہمارے یہاں بات بدلی نہیں جاتی لیجئے یہ پانچ ہیں ہر نیکی کا ثواب چونکہ دس گنا ملا کرتا ہے اسلئے گو عمل کے لحاظ سے تو یہ پانچ ہی ہیں لیکن ہم ثواب ان پر پچاس ہی کا دیں گے۔

سبحان اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس مبارک ماہ (رجب المرجب) میں مسلمانوں کو یہ کیسی بڑی دولت ملی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو

اسکی قدر کی توفیق عطا فرمائے۔

(یارب صل وسلم دائماً ابداً علیٰ حبیبک خیر الخلق کلهم)

(مترجم ناکارہ جامی)

(واقعۂ معراج کے متعلق چند ضروری ہدایات)

(ماخوذ از تفسیر بیان القرآن)

(۱) اس پورے سفر کو کبھی اِسراء سے اور کبھی واقعۂ معراج سے بھی تعبیر کردیا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسجد حرام (سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس تک کا سفر جسکا قرآن شریف میں ذکر ہے اِسراء کہلاتا ہے اور وہاں سے آگے آسمان پر جانیکو معراج کہتے ہیں

(۲) مسجد حرام سے بیت المقدس تک جانے کا ثبوت چونکہ قرآن شریف یعنی دلیل قطعی سے ہے اسلئے اسکا منکر کافر اور مُاوّل مبتدع ہے۔ اور آگے جانے کا منکر اور ماوّل مبتدع ہے

(۳) جمہور اہلسنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ معراج بیداری میں جسداً طے کیا گیا تھا ہوئی یعنی روحانی اور منامی نہیں تھی جاگتے میں بدن کے ساتھ ہوئی۔ اسکی دلیل اجماع امت ہے اور اجماع امت جن وجوہ کی بنا پر ہوا ان میں سے چند یہ ہیں:۔

(الف) حق تعالیٰ نے جس اہتمام سے قصۂ اِسراء کو بیان فرمایا ہے اس سے اسکا غایت عجیب ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اگر یہ نوم یا روحانی طور پر ہوتی تو یہ تو کوئی عجیب بات نہیں خواب میں آدمی کہاں نہیں جا سکتا معلوم ہوا کہ جسمانی تھی اسلئے یہ واقعہ عجیب ہوا۔

(ب) اگر یہ معراج خواب کی حالت میں یا روحانی طور پر ہوتی تو جس وقت کفار نے تکذیب کی تھی یا بیت المقدس یا اپنے قافلے کے حالات پوچھے تھے تو آپ کیلئے بہت آسان تھا یہ جواب مرحمت فرما دینا کہ میں بیداری میں وہاں جانے کا مدعی کب ہوں جو تم ایسی باتیں کرتے ہو اور (جیسا کہ روایتوں میں آتا ہے کہ آپ فکر و تردد میں نہ پڑتے چنانچہ حدیث میں ہے کہ آپ کے تردد کو رفع فرمانے کے لئے حق تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپ کے

سے منکشف فرما دیا اور آپ نے سب سوالات کا صحیح صحیح جواب دیا۔

(ج) بعض لوگوں کو حضرت معاویہؓ یا حضرت عائشہؓ کے اقوال سے جو شبہ ہو سکتا ہے
کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ تو اسوقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں بھی نہ آئی
ین اور حضرت معاویہؓ اسوقت تک ایمان بھی نہ لائے تھے خدا جانے کس سے سنکر کہا ہے یا اجتہاد
ہے یا کسی اور واقعہ کے متعلق کہا ہے۔ غرض اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال جب کسی
میں بہت سے احتمالات پیدا ہو جائیں تو وہ دلیل بننے کے لائق نہیں رہ جاتا۔

(د) علماء نے فرمایا ہے کہ یوں عروج روحانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی بار ہوا یعنی اس جسمانی
راج سے پہلے خواب میں آپکو عروج ہوا جسکی حکمت یہ لکھی ہے کہ تدریجاً اس معراج اعظم کی
ستعداد اور برداشت ہو سکے۔

(ہ) اس امر میں علماء کا اختلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں
ت تعالیٰ کو دیکھا یا نہیں؟ اور اس میں سلف وخلف سب کا اختلاف ہوا ہے اور روایات محتمل ان دیل
کیونکہ روایات مثبتہ رؤیت میں احتمال ہے کہ رویت بالقلب مراد ہو۔ اور نفی رویت سے کسی خاص
یت کی نفی مراد ہو جیسے بروز قیامت جنت میں جو انکشاف ہوگا یہ معراج والا اس سے کم ہو (اس معنی کر
ی بھی صحیح ہے) گو رویت صادق آوے جیسے بے عینک دیکھنا بھی دیکھنا ہے اور عینک
سے اور زیادہ انکشاف ہو جاتا ہے۔ غرض اس مسئلہ میں (کہ حق تعالیٰ کو آپ نے معراج میں دیکھا
نہیں دیکھا) توقف بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ رہا یہ کہ فلک کے خرق والتیام کا مسئلہ یا براق کی تیز رفتاری کا
ستعجاب یا کرۂ نار سے عبور یا فضا جس میں ہوا ہی نہیں ہے وہاں سے گذرنا یا وجود آسمان ہی
اشکال یہ سب ایسے امور ہیں کہ الحمد للہ آجکل کی سائنس کی دنیا نے خود ہی ان شبہات
حل کر دیا ہے۔ راکٹ کی تیز رفتاری اور ٹی وی پر لندن کی عمارت کا نظر آ جانا روز کا مشاہدہ
د بچوں کا مشغلہ ہی ہو رہا ہے۔ پھر خالق کائنات کی قدرت کا پوچھنا ہی کیا۔ تبارک اللہ
حسن الخالقین۔

جب طبیعت میں مزید قوت آگئی تو مجلس بھی شروع ہوگئی اور اسباق بھی جاری ہوگئے۔ گرمی کے زمانے میں ۹، ۱۰ بجے کے بعد کم از کم الہ آباد میں تو باہر چلنا پھرنا ہی مشکل ہوجاتا ہے چنانچہ اکبر الہ آبادی نے یہاں کی گرمی کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے کہ ؎

پڑ جائیں گے اکبر کے بدن میں ابھی چھالے پڑھ کر جو کوئی پھونک دے اپریل مئی اور جون

تو ایسے وقت میں بھلا درس و تدریس بھی کیسے کیا سکتی ہے اسلئے حضرت یہ کرتے کہ فجر کی نماز کے بعد ہی کبھی دریائے گنگ کی جانب اور کبھی دریائے جمن کی طرف اور کبھی دونوں کے سنگم اور قلعۂ اکبری کی جانب میدان میں مکان سے سیر و تفریح کے لئے تشریف لیجاتے۔ چنانچہ قلعہ کے نزدیک جمنا کے کنارے ایک خوشنما پارک تھا جو جو منٹو پارک کے نام سے موسوم تھا اس میں پھولوں کی روشوں اور سبزہ زاروں کے وسط میں ایک سنگ مرمر کا چبوترہ بنا ہوا تھا حضرت والا موٹر سے اتر کر کچھ اسی باغ میں مشی فرماتے اور پھر اسی چبوترہ پر آکر بیٹھ جاتے گرمی کی صبح میں سنگ مرمر کا ٹھنڈا چبوترہ بھی ایک پر لطف جائے نشست ہوتا ہے وہیں مولوی عبد المجید صاحب حضرت ایک بسکٹ کے ہمراہ ایک فنجان چائے کا ناشتہ کراتے اور طلبہ کو حکم تھا کہ یہ لوگ اسی جگہ پر پہونچ جائیں اور یہیں آکر سبق پڑھیں۔ چنانچہ ہم لوگ بھی نماز فجر کے بعد فتح الباری وغیرہ بغل میں دبائے ہوئے تیز قدم سے وہاں جاتے جب بھی تقریباً آدھ گھنٹہ میں وہاں پہونچتے تھے۔ اسی چبوترہ پر بیٹھکر مفتوں حدیث کا سبق ہوتا جس میں مخدوم محترم قاری محمد مبین صاحب ہوتے۔ مولوی قمر الزماں صاحب سلمہ ہوتے۔ مولانا محمد حنیف صاحب جونپوری رہتے۔ راقم الحروف ہوتا ـــــ اور یاد پڑتا ہے کہ کوپا گنج کے مولوی منظور الوحید صاحب اور مولوی انوار غنی صاحب بھی شریک درس تھے۔ سبق کے بعد بچی ہوئی آدھی آدھی فنجان چائے کبھی کبھی ہم سب کو بھی ملجاتی جو الحمد للہ ہم سب کے لئے اسکا مصداق بنتی کہ ؎

مستی کے لئے بوئے مئے تند ہے کافی میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے

آہ آج یاد آرہا ہے کہ اس شفقت میں بھی کیا لطف تھا اور دیکھا جارہا ہے کہ جو جو

ـکے اس درس میں شریک تھے سب ہی نے ایک سے ایک بڑھکر راحت اور
ں زندگی پائی اور ہرایک کو اپنے اپنے حلقہ میں خاص مرتبہ ملا اور بقدر نصیب
ت حاصل ہوئی فللہ الحمد علیٰ ذلک ۔
تفریح سے واپسی کے بعد مجلس کا وقت ہوجاتا بلکہ حضرت والا کی واپسی سے
ہی سے لوگ آنا شروع ہوجاتے اور حاجی شفیع اللہ صاحب ہی کے مکان کی
ں منزل کے وسیع صحن میں مجلس ہوتی ۔ یوں تو مجلس میں کافی لوگ شرکت کرتے
لیکن الہ آباد کے خاص خاص حضرات حسب ذیل تھے جو برابر ہی شریک ہوتے

مولانا محمد میاں[1] صاحب فاروقی الہ آبادی ۔ قاری[2] حبیب احمد صاحب مظاہری
جناب[3] سید حسین صاحب کمشنر (جب الہ آباد میں موجود ہوتے) ۔ جناب شاکر حسین[4]
صاحب مرحوم ۔ جناب حافظ محمد یٰسین[5] صاحب مدظلہ ۔ والدی جناب مولانا
ا الحق صاحب[6] ۔ حاجی شفیع[7] اللہ صاحب ۔ حاجی عبد[8] الوحید صاحب ۔ ڈاکٹر
یس[9] صاحب ۔ محمد طاہر[10] صاحب مرحوم ۔ مولوی سید[11] محمد ابراہیم صاحب ابن حضرت
محمد عیسیٰ صاحب الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ ۔ پروفیسر محمد[12] احمد صاحب صدیقی مرحوم
طفیل[13] احمد صاحب ۔ محمد احمد[14] صاحب ٹیلر ماسٹر مرحوم ۔ مولانا عبد[15] القدوس رومی
عبد[16] الباقی صاحب ۔ ڈاکٹر صلاح[17] الدین صاحب صدیقی ۔ مولوی عبد[18] المجید صاحب
ال ۔ حاجی عبد[19] الحکیم صاحب مرحوم ۔ حاجی عبد[20] الحمید صاحب برادر معظم[21]
عبد المجید صاحب ۔ مولانا عبید[22] الرحمٰن صاحب مرحوم الہ آبادی ۔ پروفیسر غلام[23] مرتضیٰ
ب ۔ فخر الاسلام[24] صاحب وکیل ۔ انعام[25] الحق صاحب ایڈوکیٹ ۔ محمد[26] الیاس
ب وکیل ۔ محمد قمر[27] صاحب انصاری ۔ نثار[28] احمد صاحب ۔ ڈاکٹر صابر[29] حسین صاحب
عبد[30] الصمد صاحب ۔ حاجی ستار[31] صاحب ۔ حافظ شمس[32] الحق صاحب ۔ بھائی
عبید[33] صاحب ۔ منیر احمد[34] صاحب صدیقی ۔ بھائی اشرف[35] علی صاحب ۔ حاجی
احمد صاحب رنگ والے ۔ بھائی عبد[36] اللطیف صاحب حسن منزل ۔ حاجی فاروق[37] صاحب

قاری عبداللطیف[۳۸] صاحب مرحوم - ڈاکٹر محمد فاروق[۳۹] صاحب - حکیم سعید[۴۰] صاحب - بھائی محمد خلیل[۴۱] صاحب انبالہ - قاری کبیر[۴۲] صاحب - حاجی وکیل[۴۳] احمد صاحب (حضرتؒ کے آخری مرید) - مولوی محمد رفیع[۴۴] صاحب بن حاجی محمد شفیع صاحب - ذکی[۴۵] اللہ خاں صاحب - داروغہ نجم الدین[۴۶] صاحب والد ماجد ڈاکٹر صلاح الدین صاحب - داروغہ نظامت[۴۷] اللہ صاحب داروغہ مشتاق[۴۸] احمد صاحب اعظمی - شاہ عبید[۴۹] اللہ صاحب - شاہ عبد[۵۰] المعبود صاحب[۵۱] -

اور اطراف الہ آباد سے کبھی کبھی یہ حضرات تشریف لاتے :-

مولانا محمد فاروق[۵۱] صاحب اتاؤں - حکیم محمد شفیع[۵۲] اللہ صاحب محی الدین پور - بھائی حاجی محمد شفیع[۵۳] صاحب چائل - چودھری حبیب[۵۴] الرحمن صاحب بمرولی - مولوی مقبول[۵۵] احمد صاحب امرولی - حکیم حبیب[۵۶] اللہ صاحب اتراؤں - عبدالقدوس[۵۷] صاحب ہنڈیہ - بھائی مشہور[۵۸] اللہ صاحب - حکیم عبد[۵۹] الشکور صاحب - ڈاکٹر ثواب[۶۰] صاحب ہنڈیہ -

پھر جب حضرت والا اپنے ذاتی مکان بخشی بازار میں آگئے تو حسب ذیل حضرات بھی حضرت والا سے قریب ہوئے :-

بھائی مسعود[۶۱] احمد صاحب - بھائی شعیب[۶۲] احمد صاحب - بھائی عبد[۶۳] الشکور صاحب جاوید - حافظ عبد[۶۴] المجیب صاحب - بھائی عبد[۶۵] الرزاق صاحب - بھائی شریف[۶۶] حسن صاحب - بابا منصور[۶۷] صاحب وغیرہ -

الہ آباد تشریف لانے کے بعد تھوڑے ہی دنوں میں حضرت والا کی آمد آمد کا ہر طرف شور ہوگیا اور طالبین کی کافی تعداد مجلس میں ہونے لگی - یہاں یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ حضرت والا نے لکھنؤ یا الہ آباد تشریف لانے کے لئے بوقت مشورہ الہ آباد کو جو ترجیح دی تھی تو خود اسکی وجہ بھی حضرت ہی نے کسی موقع پر یہ بیان فرمائی کہ لکھنؤ میں علماء کرام موجود ہیں اور ماشاء اللہ سب کام پر لگے ہوئے ہیں انکی جانب عوام کا رجوعہ بھی ہے اور لوگوں کو دینی نفع بھی ہو رہا ہے ایسی صورت میں میں بھی اگر وہاں پہونچ جاؤں گا پیر بنکر تو بیٹھوں گا نہیں کچھ بولوں گا ضرور اور لوگ بھی میرے پاس آویں گے اور میرا کام عام علماء کے کام سے ذرا مختلف سا بھی ہے تو میں اسکو

پسند نہیں کرتا کہ کسی جگہ کے سکون کے ساتھ ہوتے ہوئے کام میں میری وجہ سے کوئی رخنہ پڑے اور انتشار پیدا ہو جائے یہ میرے مذاق کے خلاف ہے۔ چنانچہ اس مذاق کا ذکر کرتے ہوئے حضرت والاؒ نے اپنے ایک مکتوب گرامی میں مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ کو صاف صاف تحریر فرمایا کہ ــــــ "وہاں یعنی لکھنؤ آنیکو جو فرمایا ہے تو وہاں تو آپ حضرات موجود ہی ہیں اور بھی بہت سے اہل کمال حضرات موجود ہیں، کام کر سکتے ہیں ایسی جگہ جانے سے اور وہ بھی کام کرنے سے میرا ذوق ابا رکرتا ہے" ــــ پھر ایسی صورت میں ممکن ہے کسی کو یہ خیال پیدا ہو جائے کہ یہ اقلیم تو پُر تھی یہاں یہ کیوں آگئے یہاں انکی گنجائش نہیں ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایسا نہ ہو لیکن میں مسلمانوں کے باہم اختلاف کے شائبہ سے بھی دور رہنا چاہتا ہوں چنانچہ یہی وجہ ہوئی کہ میں حضرت تھانویؒ کے بعد تھانہ بھون اور اسکے اطراف میں بھی کہیں سفر کرنے کا ارادہ ہی نہیں کیا کہ بلا ضرورت تھا وہاں حضرت (تھانویؒ) کے بہت سے خلفاء موجود ہیں اور کام کر رہے ہیں لوگ ان سے نفع اٹھائیں میری وہاں کیا ضرورت ہے؟ باقی یہ خیال کرنا کہ اہل حق میں بھلا یہ سب باتیں کہاں ہوتی ہیں، حالات سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ میں نے تھانہ بھون میں رہکر دیکھا ہے اور حضرتؒ کے پاس رہکر سیکھا ہے اسلئے اہل زمانہ کے حالات سے کچھ کچھ واقفیت ہوگئی ہے ورنہ میں بھی یہی سمجھتا اور مغالطہ میں پڑا رہتا اور نقصان اٹھاتا۔ تاریخ کے واقعات دیکھنے سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ایسا پہلے بھی ہوا ہے۔ حضرت زکریاؒ ملتانی جب شروع شروع ملتان تشریف لائے تو کتابوں میں لکھا ہے کہ ملتان کے تمام علماء و مشائخ نے متفقہ طور پر باہم مشورہ کرکے حضرت کی خدمت میں دودھ سے لبریز ایک پیالہ بھیجا حضرت زکریا ملتانی نے اس پر ایک پھول رکھدیا اور لانے والے خادم کے ہاتھ ہی اسے واپس فرما دیا اور حاضرین سے فرمایا کہ یہاں کے مشائخ نے لسان اشارت میں مجھ سے یہ فرمایا تھا کہ یہ اقلیم مشائخ سے اسی طرح پُر ہے جیسے یہ پیالہ دودھ سے پُر ہے اسلئے یہاں آپکی گنجائش نہیں ہے کہیں اور تشریف لیجائیے

تو میں نے اس پر پھول رکھکر جو واپس کر دیا تو اسکا مطلب یہ تھا کہ ابھی اس پیالہ میں باوجود بھرے ہونے کے بھی پھول کی گنجائش ہے، بس میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ آپ حضرات کے درمیان اس اقلیم میں مانند پھول ہی کے رہوں گا یعنی آپکے لئے بار شاطر ہی رہوں گا بار خاطر نہ بنوں گا۔ حضرتؒ کے اس جواب کو مشائخ نے بہت پسند کیا اور حضرت کے قیام فرمانے پر راضی ہو گئے۔

اب نہ تو ہر شخص زکریا ملتانیؒ ہے کہ سب کو مطمئن کر سکے اور نہ اُس زمانہ کے علماء و مشائخ سب کے سب علماء سوء اور مشائخ زور ہی رہے ہونگے مگر بات یہ ہے کہ نفس سب ہی کے اندر ہوتا ہے اور کبھی اختلافِ مزاج اور کبھی کبھی مذاق بھی کسی کی تائید سے باز رکھتا ہے۔ اس لئے میں شبہ کا کام بھی کیوں کروں؟ رہا الہ آباد تو اول تو یہاں اپنے لوگوں میں سے ایسا کوئی عالم ہی نہیں ہے جس کا کوئی نمایاں کام ہو اسلئے یہاں کام کی بھی ضرورت ہے اور بوجہ یکسوئی کے نفع کی بھی امید ہے۔

یوں الہ آباد میں مشائخ کے دوائر بہت تھے چنانچہ بارہ دائروں کا یہ شہر کہلاتا تھا لیکن حقیقی اصلاح اور سنت کے مطابق دین کی تعلیم شاید ہی کہیں جاری رہی ہو تمام جگہیں رسوم کا گڑھ اور بدعات کا گہوارہ بنکر رہ گئی تھیں الا ما شاء اللہ۔ اسلئے حضرت اقدس کو یہ احساس تھا کہ گو یہاں اپنے لوگوں کی جانب سے اختلافات کئے جائیگا تو کوئی اندیشہ نہیں ہے لیکن یہ سمجھتے تھے کہ ہمارا کام بھی چونکہ پیری مریدی کی لائن کا ہے (گو الحمد للہ سنت اور شریعت کے مطابق ہے اور اپنے پیش نظر ایک مقصد رکھتا ہے یعنی لوگوں کی اصلاح کرنا، رذائل سے انھیں نکالنا اور فضائل کے ساتھ انھیں متصف کرنا) اسلئے اہل خوانق پر شاید میرا قیام شاق گذرے۔ اسی لئے محسن منزل میں جب مجلس شروع فرمائی تو مسلسل کئی ماہ تک روزانہ کسی نہ کسی موقع سے حضرت زکریا ملتانیؒ کا یہی واقعہ ضرور بیان فرماتے اور مقتضائے حال کے مطابق ہونے کی وجہ سے اور کچھ حضرت اقدس کا انداز بیان ایسا شیریں ہوتا کہ یہ تکرار طبیعتوں

پریشان نہ گذرتی بلکہ ہر روز ایک نیا لطف آتا بس یہ معلوم ہوتا کہ سورۂ رحمٰن کی تلاوت ہے اور فَبِاَیِّ اٰلَاۤءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ کی حلاوت ہے۔

باقی ہر کام کرنے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اسے جس جگہ کام کرنا ہے پہلے وہاں کی زمین ہموار کرے اور فضا کو سازگار بنائے مخالفین کو دوست بنائے بغیر اس طریقہ کے کہیں کام کرنا دشوار ہوا کرتا ہے حضرت والا کے اس کام میں یہی تعلیم پوشیدہ تھی بلکہ اہل نظر کے لئے بالکل عیاں تھی اور اس میں شک نہیں کہ یہی مسنون طریقہ بھی ہے کہ تبلیغ دین کا جن لوگوں میں کام کرنا ہے ان میں اولاً قبول دعوت کی صلاحیت پیدا کرے۔ چنانچہ حضرت والا نے یہاں ایک کام تو یہ کیا اپنی تقریر میں روزانہ حضرت زکریا ملتانیؒ کا واقعہ بیان فرمایا جس کا اثر یہ ہوا کہ حاضرین بھی اس سے متاثر ہوئے اور ان حاضرین نے غائبین سے جاکر اسکو بیان کیا تو شدہ شدہ جملہ ارباب خوانق تک یہ بات پہونچی کہ حضرت مولانا نے آج یہ بیان فرمایا ہے اور دوسرا کام یہ کیا کہ سب آنے والوں کے ساتھ نہایت ہی خوش اخلاقی سے پیش آئے اور ہر شخص کے ساتھ اسکی حیثیت کے مطابق معاملہ فرمایا یعنی کسی دائرہ سے اگر کوئی صاحب سجادہ تشریف لے آئے تو خاطر مدارات کے علاوہ تسبیح، رومال اور نقد وغیرہ کا کچھ نہ کچھ ہدیہ انکی خدمت میں ضرور پیش فرمایا۔ حضرت والا کے اس خلق کا چرچا بہت جلد پورے شہر میں ہوگیا اور لوگوں نے جو اجنبیت محسوس کی تھی وہ بہت جلد مبدل بہ انس و محبت ہوگئی۔ ہر شخص نے سمجھ لیا کہ نہایت خلیق انسان ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ موافقین نے تو یہ کہنا شروع کیا کہ بہت بزرگ شخص ہیں اور مخالفین بھی اتنا کہنے پر تو مجبور ہوگئے کہ یہ ویسے وہابی نہیں ہیں جیسے اور دیوبندی ہوا کرتے ہیں۔ حضرت والا یہ سنکر ہنستے تھے اور فرماتے تھے کہ بھائی میرا عقیدہ اور مسلک وہی ہے جو حضرت مولانا تھانویؒ کا تھا اور میں اپنے طریقہ میں کچا نہیں ہوں بہت مضبوط ہوں ہاں چونکہ اخلاق کی تعلیم ہی کرتا ہوں۔ حسن خلق کو پسند کرتا ہوں اسلئے خود بھی کوشش کرتا ہوں کہ کسی کو میری ذات سے کسی قسم

تکلیف نہ پہونچے اور سناتے تھے کہ بزرگوں نے کہا ہے کہ کوئی کام ایسا نہیں ہے
درشتی اور سختی سے نکلتا ہو مگر یہ کہ اسکے لئے کوئی ایسا طریقہ بھی ضرور موجود ہوتا ہے
نرم اور سہل ہو تو انسان کو چاہیئے کہ نرم ہی طریقہ کیوں نہ اختیار کرے۔ اور فرماتے
تھے کہ تبلیغ و تعلیم کے لئے نرمی ہی کو متعین سمجھتا ہوں۔ بڑے ہی نفسانیت کا زمانہ ہے
انیت اور تکبر اپنے شباب پر ہے لہٰذا اس دور میں اگر مفید ہو سکتی ہے تو نرمی
ں۔ نرم اخلاق سے پتھر جیسے قلب بھی موم ہو جاتے ہیں اسلئے میں بھی باب اصلاح
ں اپنے لوگوں کے ساتھ کچھ سختی کا معاملہ کیوں نہ کر لوں لیکن دوسرے لوگوں کے ساتھ
بہت نرمی ہی برتتا ہوں۔ چنانچہ یہاں الہ آباد میں بھی اس طرز کا کھلا ہوا فائدہ نظر آیا
سوا چند غالی اور متشدد اہل بدعت کے اور سب ہی حضرات ہمارے حضرت سے
لے اور ملکر خوش ہوئے۔ حضرت یہ بھی فرماتے تھے کہ دیکھو میری اس نرمی کا اثر یہ بھی ہوا
ہر شیخ اور ہر مقتدا جسکا یہاں ایک مخصوص حلقہ تھا وہ بھی اپنے لوگوں میں میری برائی
یں کرتا ورنہ اگر ان سب لوگوں کو میں اپنا مخالف بنا لیتا تو یہی سب اور دوسرے
وں کو میرے خلاف بہکاتے اور پھر میرے لئے کام کرنا دشوار ہو جاتا۔

غرض ان دونوں طریقوں سے حضرت اقدس نے یہاں کی عام فضا میں بہت
سکون کا سامان پیدا فرما دیا اور نہایت اطمینان کے ساتھ دین کا سب کام ہونے لگا
لسیں بھی ہونے لگیں اور مدرسہ کا بھی کام شروع ہو گیا جب اہل علم کا مجمع ہو گیا
وگ فتوے اور مسائل بھی دریافت کرنے لگے باہر سے بھی جو علمائے کرام اور داعظین عظام
آباد آتے وہ حضرت کے درِ دولت پر ملاقات کے لئے اور کبھی قیام کے لئے تشریف
نے لگے۔ ان تمام چیزوں کے علاوہ اب باہر سے لوگوں کی آمد و رفت بکثرت ہونے
لہ آباد کا جائے وقوع ہر لحاظ سے بہت مناسب تھا سب طرف سے گاڑیاں براہِ راست
تی ہیں اسلئے آنے والوں کو سفر میں جو سہولت ملی وہ اس سے قبل حضرت کے وطن
ورکھپور میں حاصل نہ تھی۔ چنانچہ مولانا ابوالحسن صاحب ندوی مدظلہٗ اور مولانا محمد منظور
احب نعمانی مدظلہٗ تو متعدد بار تشریف لائے کبھی کسی دینی جلسہ یا اجتماع میں شرکت

کے لئے الٰہ آباد آنا ہوا تب بھی حضرت والا سے ضرور ملاقات فرمائی۔ حضرت العلامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی بھی یہیں تشریف لائے اور حضرت مولانا ارشاد احمد صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند کا تعلق بھی حضرت والا سے یہیں سے شروع ہوا۔ مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی کا بھی آنا یہیں ہوا۔ اور مولانا عبدالباری صاحب ندوی کو تو اپنے بار بار کے آنے میں بہت ہی سہولت ہوگئی۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی بھی یہیں حضرت والا سے ایک عرصہ کے بعد ملاقات ہوئی جسے حضرت مہتمم صاحب نے اپنے مخصوص انداز بیان میں یوں فرمایا کہ بچپن کے بعد اب بچپن میں حضرت سے ملاقات کا اتفاق ہوا۔ سفر میں آتے جاتے یہاں ہی امیر شریعت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی پھلواری شریف والے بھی تشریف لائے۔ ایک ایک بار مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی اور مولانا اسعد مدنی صاحب کو بھی الٰہ آباد میں حضرت والا سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ حضرت والا کا یہ طریقہ بطور ایک عادت مستمرہ کے تھا کہ ذوی الشرف والمنزلۃ حضرات کا بہت احترام فرماتے تھے خواہ حضرات علماء ہوں یا مشائخ یا کسی بزرگ کی اولاد ہوں حضرت والا کچھ نہ کچھ ہدیہ ان حضرات کی خدمت میں ضرور پیش فرماتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ مولانا حفظ الرحمان صاحب بھی جب رخصت ہونے لگے تو حضرتؒ نے انھیں بھی کچھ ہدیہ پیش فرمایا اور معانقہ فرمایا حالات ہند کے اس زمانہ میں کچھ تشویشناک تھے مسلمانوں پر مظالم ہو رہے تھے ضمناً اسکا ذکر آگیا تو مولانا سیوہاروی نے رخصت ہوتے وقت دعاء کی درخواست کی اور یہ عرض کیا کہ حضرت ان حالات کا ہمیں شدت سے احساس ہے بس حضرت دعاء فرمادیں اور ہمارے حال پر توجہ ضرور فرمائیں انشاء اللہ ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے ہم لوگ آپ کے سپاہی ثابت ہوں گے۔

مولانا سیوہاروی کے اس جملہ میں جیسا کچھ تادب۔ انقیاد۔ تسلی اور منصب کی شناخت اور تواضع کا اظہار ہے یہی سب امور ایک عالم کی حقیقی صفات تھیں مگر افسوس اب یہ سب باتیں کہاں ہیں

۱۶۶۔ اہل مدینہ کا تعامل، زید بن ثابت کی تقلید شخصی

صحیح بخاری میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ان اهل المدينه سألوا ابن عباس عن امرأة طافت ثم حاضت قال لهم تنفر قالوا لا ناخذ بقولك وندع قول زيد (بخاری باب اذا حاضت المرأة بعد ما افاضت)
(كتاب الحج)

اہل مدینہ نے حضرت ابن عباسؓ سے اس عورت کے بارہ میں سوال کیا جو طواف فرض کے بعد حائضہ ہوگئی ہو کہ وہ طواف وداع کیلئے پاک ہونے تک انتظار کرے یا طواف اس سے ساقط ہو جائے گا اور اسکو چلا جانا جائز ہوگا، ابن عباسؓ نے فرمایا کہ وہ جا سکتی ہے اہل مدینہ نے کہا کہ ہم آپ کے قول پر زید بن ثابتؓ کے قول کے خلاف عمل نہیں کریں گے

اور فتح الباری میں بحوالہ ثقفی اسی واقعہ میں اہل مدینہ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں :۔

افتيتنا او لم تفتنا زيد بن ثابت يقول لا تنفر۔

آپ فتویٰ دیں یا نہ دیں حضرت زید بن ثابتؓ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ عورت (بغیر طواف) واپس نہیں جا سکتی۔

نیز فتح الباری میں بحوالہ مسند ابی داؤد طیاسی بروایت قتادہؓ اسی واقعہ کے یہ الفاظ منقول ہیں :۔

فقالت الانصار لا نتابعك يا ابن عباس وانت تخالف زيدًا فقال سلوا صاحبتكم ام سليم
(فتح الباری ص ۴۶۳ ج ۳)

انصار نے کہا کہ ہم زید بن ثابت کے خلاف قول میں آپ کا اتباع نہ کریں گے۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آپ لوگ ام سلیمؓ سے دریافت کریں (کہ مسئلہ یہی صحیح ہے جو میں نے تبلایا ہے۔

اس واقعہ میں انصار مدینہ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی گفتگو کے الفاظ مذکورہ سے دو چیزیں بوضاحت ثابت ہوگئیں۔ اول تو یہ کہ انصار مدینہ حضرت زید بن ثابت کی تقلید شخصی کرتے تھے ان کے قول کے مقابل کسی کے فتوے پر عمل نہیں کرتے تھے دوم یہ کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے بھی ان لوگوں پر اعتراض نہیں فرمایا جو ہمارے زمانہ کے مدعیان عمل بالحدیث مقلدین پر کرتے ہیں کہ تقلید شخصی تو شرک فی الرسالۃ ہے حرام ہے ناجائز ہے بلکہ انکو مسئلہ کی تحقیق اور حضرت زید بن ثابت کی طرف دوبارہ مراجعت کے لئے ارشاد فرمایا۔

چنانچہ فتح الباری ہی میں ہے کہ یہ حضرات مدینہ طیبہ پہونچے تو انھوں نے

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ارشاد کے مطابق حضرت ام سلیمؓ سے واقعہ کی تحقیق کی اور حضرت زید بن ثابت کی طرف مراجعت کی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے مکرر حدیث کی تحقیق فرما کر حضرت عبداللہ ابن عباس کے قول کو قبول فرمالیا اور اپنے سابق فتوے سے رجوع کرلیا۔ (کما صرح فی الفتح ص۴۶۹ ج ۲)

الغرض اس واقعہ سے اتنی بات انصار مدینہ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا اتفاق معلوم ہوا کہ جو لوگ شان اجتہاد اور کافی علم نہیں رکھتے وہ کسی امام معین کی تقلید کو اپنے اوپر لازم کرلیں تو بلاشبہ جائز ہے۔

تنبیہ: اس واقعہ سے قرن اول اور حضرات صحابہؓ کے تعاون سے تقلید شخصی کا ثبوت و جواز ثابت ہوا۔ پھر قرون متاخرہ میں اسکو واجب اور لازم قرار دینے کا سبب یہ ہوا کہ بغیر اسکے اتباع ہوا سے محفوظ رہنا عادۃً محال ہوگیا۔ اسکے وجوب کی بھی ایک نظیر قرن اول ہی میں موجود ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ رسالہ میں لکھی جاویگی۔ واللہ الموفق

(حررہ العبد محمد شفیع عفا اللہ عنہ، شوال المکرم ۱۳۵۰ھ)

۶۰۔ طالب علمی۔ علماء سلف کے حالات و مقالات

طالب علمی کسی وقت ختم نہ ہونی چاہیے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو علم حاصل ہو اسکو چاہیے کہ کسی وقت طلب علم کو نہ چھوڑے۔ اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ بات تقویٰ کے معاون میں سے ہے کہ تم حاصل شدہ علم کے ساتھ اور علم حاصل کرو۔ اور یہ بھی حاصل شدہ علم کا نقصان ہی ہے کہ اس میں زیادتی نہ ہو۔ اور جس چیز کا علم حاصل نہیں اسکی تحصیل میں رغبت نہ ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اس نے حاصل شدہ علم سے نفع نہیں اٹھایا۔ (جامع العلم ص۴۲)

اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ من جاء اجله وهو يطلب علمًا ليحيي به الاسلام لم تفضله

النبوۃ الا درجۃ (جامع العلم) (جس شخص کو اس حالت میں موت آگئی کہ اسلام کو زندہ کرنے کے لئے علم حاصل کر رہا تھا تو انبیاء کرام کو بھی اس سے صرف ایک درجہ فضیلت حاصل ہوگی) اور حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اذا جاء موت طالب العلم وھو علیٰ تلک الحال مات شہیدًا (جامع) (جب طالب علم کو بحالت طالب علمی موت آجائے تو وہ شہید ہو کر مرتا ہے) حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے لوگوں نے کہا کہ آپ کب تک علم طلب کرتے رہیں گے؟ فرمایا کہ انشاء اللہ موت تک۔ پھر ایک مرتبہ ان سے کسی نے یہی سوال کیا تو فرمایا کہ وہ کلمہ جو میرے لئے نافع ہے شاید اب تک میں نے اسکو نہ لکھا ہو (اسلئے میں ہمیشہ طلب میں لگا رہتا ہوں)۔

طالب علمی میں فقر و فاقہ پر صبر حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ علم (دین) اسوقت تک کسی کو حاصل نہیں ہوتا جب تک اسکو فقر و فاقہ کا مزہ نہ چکھایا جائے۔ پھر امام حدیث ربیعؒ کے فقر و فاقہ کا ذکر کیا کہ طلب علم کی وجہ سے انکو یہ نوبت آئی کہ گھر کی چھت فروخت کر دی اور یہاں تک کہ وہ خراب کھجوریں اور مویز منقیٰ جو مدینہ کی کوڑیوں پر پھینک دیئے جاتے تھے اسکو کھا کر گذارا کرتے تھے۔

امام ابو یوسفؒ کی طالب علمی ابراہیم بن جراح فرماتے ہیں کہ میں نے ابو یوسفؒ سے خود سنا ہے فرمایا کہ ہم نے بھی طلب علم کیا اور ہمارے ساتھ اتنے لوگوں نے طلب علم کیا کہ ہم انکو شمار نہیں کر سکتے۔ مگر علم سے نفع صرف اس شخص نے حاصل کیا جس کے قلب کو دودھ نے رنگ دیا تھا مراد ان کی یہ تھی کہ طالب علمی کے وقت ان کے گھر والے انکے لئے روٹی دودھ میں ڈال کر رکھ دیتے تھے وہی صبح کے وقت کھا کر حلقۂ درس میں پہونچ جاتے تھے اور پھر واپس آکر بھی وہی کھاتے تھے کسی عمدہ کھانے پکانے کا انتظار کرنے میں وقت ضائع نہ کرتے اور دوسرے لوگ حلوہ وغیرہ تیار کرنے میں مشغول ہو کر سبق کے ایک حصہ سے محروم رہ جاتے تھے۔

امام شافعیؒ کی طالب علمی حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس علم دین کو کوئی شخص مال و دولت اور عزت و جاہ سے حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا بلکہ اس میں صرف وہ شخص کامیاب ہوتا ہے جو تنگیٔ عیش اور اساتذہ کے سامنے اپنے نفس کو حقیر کرنے اور علم و علماء کی عزت کرنے کو اختیار کرے۔ حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں بہت چھوٹی عمر میں یتیم ہوگیا تھا میری پرورش نہایت عسرت کے ساتھ میری والدہ کرتی تھیں۔ جب میں پڑھنے کے قابل ہوا تو میری والدہ نے مجھے مکتب میں بٹھلا دیا مگر انکو اتنی استطاعت نہ تھی کہ وہ میرے استاد کی کوئی خدمت مالی کر سکتیں اسلئے میں نے انکو اس پر راضی کیا کہ جس وقت آپ کہیں جائیں یا کسی ضرورت کی وجہ سے تعلیم نہ دے سکیں تو میں خلیفۂ مکتب کے طور پر آپ کا کام کیا کروں۔ اس طرح میں نے قرآن مجید ختم کیا۔

اسکے بعد میں نے علماء کے حلقۂ درس میں شریک ہونا شروع کیا جو حدیث یا کوئی مسئلہ میں اساتذہ سے سنتا اسکو لکھنے کی کوشش کرتا مگر میری والدہ کے پاس اتنے پیسے نہ تھے کہ ان سے میں کاغذ خرید سکوں۔ اسلئے میں نے یہ طریق اختیار کیا کہ کوئی صاف ہڈی نظر پڑتی تو اٹھا لیتا تھا اور اسپر لکھ لیتا جب وہ سب پوری ہو جاتی تو اسکو ایک تھیلہ میں ڈالکر محفوظ کر لیتا تھا۔ اسی حال پر ایک زمانہ گذر گیا ایک دن اتفاقاً والیٔ یمن تشریف لائے تو بعض قریشی بزرگوں نے ان سے میری سفارش کی کہ وہ مجھکو اپنے ساتھ رکھیں۔ انھوں نے بخوشی منظور کیا۔ مگر میری والدہ کے پاس اتنی وسعت نہ تھی کہ وہ مجھے ایک جوڑا کپڑا ایسا بنا دیں جو مجھے امراء کی مجلس و صحبت میں رہنے کے مناسب ہو۔ مجبور ہو کر والدہ نے اپنی چادر فروخت کی جسکی قیمت سولہ دینار وصول ہوئی اس سے میرے لئے کپڑے بنائے گئے۔

میں والیٔ یمن کے ساتھ یمن پہونچا انھوں نے مجھے ایک کام دیا میں نے شکر کے ساتھ قبول کیا پھر اور کام بڑھا دیا اور بڑھاتے رہے۔ اسی اثناء میں

یمن کے کچھ لوگ مکہ معظمہ بغرض عمرہ حاضر ہوئے انھوں نے اہل مکہ سے میرے عمدہ عمل کی تعریف کی جس سے میری شہرت ہوگئی۔ پھر یمن سے اپنے وطن واپس آیا اور ابن ابی یحییٰ سے ملنے کے لئے گیا میں نے سلام کیا تو انھوں نے مجھے ڈانٹا اور فرمایا کہ تم لوگ ہماری صحبت میں رہتے ہو اور پھر ایسا ایسا کرتے ہو یعنی امراء اور حکام کے ساتھ رہنا گوارا کرتے ہو۔

اسکے بعد میں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کیخدمت میں حاضر ہوا انھوں نے دوسرے انداز سے مجھے تنبیہ فرمائی۔ اخلاق ومروت کے ساتھ پیش آنے کے بعد فرمایا کہ آپکا واقعہ ہمیں معلوم ہوا مگر ہمیں یہ کچھ پسند نہ آیا اور حقیقت میں آپ نے اس فرض کو ادا نہ کیا جو علم کی وجہ سے آپ پر عائد ہو چکا ہے (یعنی علم کی نشر واشاعت) خیر اب جو کچھ ہونا تھا ہوگیا آئندہ اس خدمت کی طرف عود نہ کرنا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مجھ پر سفیان ثوریؒ کی نصیحت کا بہ نسبت ابن یحییؒ کے معاملے کے گہرا اثر ہوا اور میں نے حکومت کی ملازمت چھوڑ دی۔

اور حضرت امام شافعی فرماتے تھے کہ میں نے امام محمد بن حسن شیبانیؒ (امام اعظم کے شاگرد) سے اسقدر علم حاصل کیا ہے کہ (اگر اسکو لکھا جاوے تو ایک اونٹ کا بوجھ ہو جاوے۔

اور فرمایا کہ جو شخص علم حاصل کرنے کے لئے تھوڑی دیر کی ذلت گوارا نہیں کرتا وہ ہمیشہ جہل کی ذلت میں گرفتار رہتا ہے

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا:۔ واعلموا ان الناس ابناء ما یحسنون وقدر کل امرءٍ ما یحسن فتکلموا فی العلم تتبین اقدارکم (خوب سمجھ لو کہ آدمی اس کام کیطرف منسوب ہوتا ہے جسکو وہ اچھی طرح انجام دے سکے اور ہر آدمی کی قدر ومنزلت اسی کام سے ہوتی ہے جسکو وہ بخوبی جانتا ہو اسلئے تم لوگ علم کو اختیار کرو اس میں گفتگو کرو تو تمہاری قدر ظاہر ہوگی) علماء نے کہا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ ارشاد کہ قیمۃ کل امرءٍ

ما یحسن ایسا کلمہ ہے کہ اسکی نظیر کسی حکیم سے منقول نہیں۔ بہت سے شعراء نے اسکو نظم کیا ہے۔ خلیل ابن احمد کا شعر اسی کے متعلق یہ ہے ؎

قیمۃ المرء کل ما یحسن المرء قضاءً من الامام علیؓ

(ترجمہ) قیمت آدمی کی ہر وہ چیز ہے جسکو وہ اچھی طرح انجام دے سکے یہ فیصلہ ہے امام علی رضی اللہ عنہ کا۔

اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو اسکا علم کافی ہو سکتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہو سکتا تھا کہ حق تعالیٰ نے انکو وہ علم دیا تھا کہ اسوقت اسکی نظیر نہ تھی لیکن باینہمہ وہ حضرت خضر علیہ السلام سے عرض کرتے ہیں ھَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا (کیا میں آپکی صحبت میں رہوں کہ کہ آپ مجھے اس رشد و ہدایت کی تعلیم دیں جو آپ کو اللہ کیطرف سے دی گئی ہے)

حکمت از حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علم عقلمند آدمی کی گم شدہ چیز ہے وہ جس جگہ اور جس کے پاس ملے اسکو حاصل کرو اگرچہ کفار و مشرکین ہی کے ہاتھ میں ہو اور کسی شخص کو اس میں ہرگز انقباض اور تکلف نہ ہونا چاہیئے کہ اپنے شاگرد سے کوئی علم حاصل کرے۔

اور حضرت عیسیٰ بن مسیب فرماتے ہیں کہ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ جب تم کوئی حدیث سنو تو اسی وقت اسکو کسی سے بیان کرو اگرچہ وہ شخص اسکے سننے کا مشتاق بھی نہ ہو کیونکہ اگر تم نے ایسا کرلیا تو یہ حدیث تمھارے حافظہ میں پتھر کی لکیر ہو جائیگی۔

جالینوس رئیس الاطباء والحکماء جالینوس سے کسی نے پوچھا کہ تم فن طب میں اپنے تمام ہمعصروں میں کس وجہ سے ممتاز ہو؟ اس نے کہا اس لئے کہ میں نے کتب بینی کے لئے چراغ کے تیل پر اس سے زیادہ خرچ کیا ہے جتنا انھوں نے شراب پینے میں اڑایا اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ قول افلاطون کا ہے۔

(۱) حضرت لیث بن سلیمؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے امام حدیث طاؤسؒ نے فرمایا کہ جو کچھ علم حاصل کرو اپنے نفس کے لئے حاصل کرو کیونکہ لوگوں میں سے امانت اور حیا جاتی رہی۔

(۲) ایک عورت نے امام حدیث شعبیؒ سے کسی مسئلہ کے متعلق کہا کہ اے عالم مجھے اس مسئلہ میں فتویٰ دیجئے شعبیؒ نے فرمایا عالم تو وہ ہے جو اللہ سے ڈرے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے کہ اگر تم نے لوگوں سے ایسی حدیث بیان کی جس کو وہ صحیح نہیں سمجھ سکتے تو وہ حدیث ان کے لئے فتنہ ہو جاتی ہے اور یہی مضمون حضرت ہشام نے اپنے والد عروہ رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کیا ہے (جامع العلم)

(۴) حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تعلموا العلم وعلموہ الناس وتعلموا له الوقار والسكينة وتواضعوا لمن تعلمتم منه ولمن علمتموه ولا تكونوا جبابرة العلماء فلا يقوم جهلكم بعلمكم علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ اور علم کے لئے وقار اور سکینت سیکھو اور جس سے تم نے علم حاصل کیا ہے اور جس کو علم سکھایا ہے دونوں کے لئے تواضع کرو اور متکبر علماء میں سے مت بنو تاکہ تمہارا جہل تمہارے علم پر غالب نہ آوے۔

(۵) حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نہایت متین اور صاحب وقار تھے ایک مرتبہ آپ نے دیکھا کہ طلباء علم حدیث آپکو دیکھتے ہی مجلس کیطرف دوڑنے لگے فرمایا کہ اگر یہ لوگ اپنی طلب وسعی میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ کرتے تو قدم قریب قریب رکھتے۔

(۶) مشہور ہے کہ (ارحموا عالما يجري عليه حكم جاهل) اس عالم پر رحم کرو جس پر کسی جاہل کا حکم چلتا ہو (کیونکہ وہ بڑی مصیبت میں ہے)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ثلاثة لا يستخف بحقهم الا منافق ذو الشيبة في الاسلام والامام المقسط

ومعلم الخیر (جامع العلم ص۶۹) تین شخص ایسے ہیں کہ انکی اہانت بجز منافق کے اور کوئی نہیں کرسکتا۔ ایک تو بوڑھا مسلمان، دوسرا امام عادل، تیسرا نیک بات سکھانے والا استاد۔

اللھم وفقنا لما تحب وترضیٰ من القول والفعل والعلم والعمل والقصد والنیۃ بجاہ نبیک صلی اللہ علیہ وسلم۔

۶۰۔ علماء وطلباء کے لیے زرّین نصائح

(از قطب وقت شیخ عبدالوہاب شعرانی قدس سرہٗ)

بعض علماء ومشائخ کی تصانیف کے مطالعہ سے ممانعت

بعض اکابر علماء ومشائخ کی تصانیف عام لوگوں کے احاطہ ادراک سے بلند ہیں اور بعض میں ایسا بھی ہوا ہے کہ دشمنوں نے غلط مضامین اور کفریہ عقائد ان میں داخل کرکے انکی طرف منسوب کردیا ہے اسلئے ان حضرات کی کتابوں کا مطالعہ عوام کو بلکہ عام اہل علم کو بھی مناسب نہیں جبتک کہ تمام علوم ضروریہ میں مہارت تامہ حاصل نہ ہو ان کتابوں کے مطالعہ سے آفات میں مبتلا ہوجانے کا خطرہ ہے۔ امام شعرانیؒ نے "لطائف المنن والاخلاق" میں چند بزرگوں کی تصانیف کا اس سلسلہ میں ذکر کیا ہے۔

مثلاً فرمایا کہ محمد بن حزم ظاہری کی تصانیف جو اصول دین اور عقائد سے متعلق ہیں ان کے مطالعہ سے کلی اجتناب چاہیئے۔

اسی طرح فرمایا کہ شیخ محی الدین ابن العربی کی تصانیف عام مدارک سے بہت زیادہ بلند ہیں، اور انکی بعض تصانیف میں خصوصاً فتوحات اور فصوص وغیرہ میں ملحدین اہل باطل نے بہت سے کفریہ مضامین داخل کردیئے ہیں۔ فرمایا کہ شیخ ابوطاہر نے اپنے شیخ بدرالدین ابن جماعۃ سے نقل کیا ہے کہ شیخ محی الدین ابن العربی کی کتابوں میں جسقدر مضامین جمہور علماء کے خلاف پائے جاتے ہیں وہ سب ملحدین کے اضافہ کئے ہیں۔ اور شیخ مجدالدین صاحب قاموس بھی یہی فرماتے تھے۔

اور پھر سو سال تک ادھر ادھر دوڑ دھوپ کرتے ہوں گے اور اپنے رب کے روبرو بجز ہو کر انسے ہی جھگڑتے ہوں گے اور یہ فرماتے تھے کہ قیامت کا ایک دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا لیکن مومن مخلص پر اس طرح سے یہ طویل مدت گذر جائیگی جیسے ایک ساعت۔ تو اے عاقل! اس چندہ روزہ دنیا میں اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی طاعات میں شدائد کی سختی پر صبر کرلے۔ تاکہ تجھ پر قیامت کے دن کے شدائد اور اور مصائب آسان ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا فرمانے والے ہیں سیدھی راہ کے

باب پنجم

(دوزخ اور دوزخیوں کے احوال کا بیان)

حضرت فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جہنم ایک ہزار سال تک دھونکائی گئی ہے یہاں تک کہ دھک کر بالکل سرخ ہوگئی، پھر اور ایک ہزار سال تک جلائی گئی یہاں تک کہ سفید ہوگئی۔ پھر اسکے بعد ایک ہزار سال تک اور روشن کی گئی یہاں تک کہ سیاہ پڑگئی۔ چنانچہ وہ مانند تاریک رات کے بالکل کالی ہے۔

حضرت یزید بن مرثد کے متعلق روایت میں آتا ہے کہ وہ برابر روتے رہتے یہاں تک انکی آنکھوں سے آنسو نہ تھمتے تھے اسکے بارے میں ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ کیوں اسقدر رو رہے ہیں تو فرماتے کہ اگر اللہ تعالیٰ فرماتے کہ تمکو حمام میں محبوس کردیا جائے گا جب بھی حق تھا کہ اتنا رُلایا جائے کہ آنسو نہ تھمیں چہ جائیکہ وعید فرمائی گئی کہ ہمکو ایسی آگ میں ڈالیں گے جو کہ تین ہزار سال سے جلائی جارہی ہے۔

حضرت مجاہدؒ سے روایت ہے کہ جہنم میں کنوئیں ہیں جس کے اندر ونت کی

گردن کی طرح موٹے موٹے سانپ ہوں گے اور کالے خچر کے برابر بچھو ہوں گے جو جہنمی کو اپنے منہ سے سر کے بال سے لیکر پاؤں کے ناخن تک کاٹ کر رکھدینگے جنکی تکلیف سے اسکے لئے سوا دوزخ میں بھاگ جانے کے اور کوئی مفر نہ ہوگا (اور وہاں جو عذاب ہوگا وہ ظاہر ہے۔

حضرت عبداللہ بن جبیرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ دوزخ میں اونٹ کی گردن کے برابر سانپ ہیں جو ایسے زہریلے ہیں کہ ایک انمیں سے جنکو کاٹ لے تو وہ اسکی سوزش چالیس سال تک محسوس کریگا۔ اسی طرح سے دوزخ میں بچھو ہیں جو خچر کے برابر ہیں جسے ڈس لیں تو چالیس تک اسکی جلن محسوس کرے۔

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تمھاری یہ (دنیوی) آگ دوزخ کی آگ کا سترواں حصہ ہے اگر وہ تمھارے اس اتنے بڑے سمندر میں دوبار بجھادی جائے تو یہ تمام پانی سمندر کا تمھارے کسی کام کا نہ رہ جائے۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ تمھاری یہ آگ بھی دوزخ کی آگ سے پناہ مانگتی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دوزخ کے عذاب میں سب سے کمتر وہ شخص ہوگا جس کے قدموں میں آگ کی دو جوتیاں پنہا دی جائینگی اور اسکی وجہ سے اسکا دماغ مانند ہانڈی کے جوش مارے گا۔ اسکی کنپٹیاں انگارہ ہوجائنگی اسکے ڈاڑھ انگارہ ہوجائیں گے۔ اسکے لبوں سے آگ کا شعلہ اٹھتا ہوگا۔ اسکی آنتیں پیٹ سے نکلکر قدموں میں آجائیں گی۔ وہ اپنے طور پر سمجھ رہا ہوگا کہ اسے سب سے زیادہ اور سخت عذاب ہو رہا ہے حالانکہ وہ سب سے کم عذاب والا ہوگا۔

حضرت قتادہؓ ابوایوب ازدیؓ سے اور وہ حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت کرتے ہیں کہ دوزخی لوگ دوزخ میں مالک (داروغۂ جہنم) کو پکاریں گے پس چالیس سال تک تو انکو کوئی جواب ہی نہ دیا جائے گا اور اسکے بعد جو جواب بھی ملیگا تو یہ کہ اِنَّكُمْ مَاكِثُوْنَ یعنی بس چپ چاپ پڑے رہو تمکو اسی میں ہمیشہ رہنا ہے۔ پھر وہ لوگ اپنے رب تعالیٰ کو پکاریں گے کہ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ

یعنی اے ہمارے رب ہمکو جہنم سے نکال دیجئے (اب ہم آپ کی نافرمانی نہ کرینگے) اگر دوبارہ ہم نافرمانی کریں تو بیشک ہم ظالم ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ بھی اسکا کچھ جواب رحمت نہ فرمائیں گے اتنے زمانہ تک کہ جو دنیا کی مدت ہے اور اتنی ہی مدت اور۔ پھر اسکے بعد یہ جواب ملیگا کہ اِخْسَئُوْا فِیْہَا وَلَا تُکَلِّمُوْنِ دور رہو اسی جہنم میں ذلیل ہوکر پڑے رہو اور مجھ سے بات مت کرو۔ راوی کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اسکے بعد یہ قوم ایک لفظ بھی نہ کہہ سکے گی اور اسکے بعد ان کے لئے جہنم میں صرف زفیر اور شہیق ہوگی۔ یعنی انکی آواز گدھے کی آواز کے مشابہ ہو جائیگی (جو کہ دو حصے پر مشتمل ہوتی ہے) اول حصہ زفیر کہلاتا ہے اور دوسرا شہیق۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں اے قوم! سوچو کیا تم اس سے بچ سکتے ہو؟ یا کیا تم اس پر صبر کر سکتے ہو؟ پس آج اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا تمھارے لئے زیادہ آسان ہے لہٰذا اطاعت کرو اسی میں خیر ہے

کہا گیا ہے کہ اہل نار ایک ہزار سال تک جزع فزع کریں گے اسکی وجہ سے انکو کچھ نفع نہ ہوگا تو آپس میں کہیں کہ ہم لوگ دنیا میں مصیبت کے وقت صبر کر لیا کرتے تھے تو کشائش ہو جایا کرتی تھی چنانچہ ایک ہزار سال صبر کریں گے اس سے بھی کوئی نفع نہ ہوگا اور ان کے عذاب میں کوئی تخفیف نہ ہوگی تو یہ کہیں گے کہ سَوَاءٌ عَلَیْنَا اَجَزِعْنَا اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِیْصٍ یعنی ہمارے حق میں دونوں برابر ہے ہم فریاد کریں یا صبر کریں ہم کو اس سے نجات نہیں مل سکتی۔ پھر اس کے بعد عذاب کی سختی کی وجہ سے انھیں بڑے زور کی پیاس لگے گی جس کے دور کرنے کیلئے وہ اللہ تعالیٰ سے پانی طلب کریں گے تاکہ گرمی اور پیاس کی شدت میں تخفیف ہو جائے، جب ایک ہزار سال تک آہ وزاری کرلیں گے تو اللہ تعالیٰ جبرئیلؑ سے دریافت فرمائیں گے کہ یہ لوگ کیا چیز طلب کر رہے ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام عرض کرینگے کہ پروردگار! آپ تو جانتے ہی ہیں کہ یہ لوگ کیا طلب کر رہے ہیں۔ یہ لوگ پانی کے طالب ہیں۔ پس انکے لئے ایک سرخ رنگ کا بادل ظاہر ہوگا

جسے دیکھکر وہ لوگ تو اس امید میں ہوں گے کہ ان پر وہ پانی برسائے گا لیکن اسکے اندر سے خچر کے برابر بچھو گریں گے جس کسی کو کاٹ لیں گے اس سے اسکی تکلیف ایک ہزار سال تک نہ جائیگی پھر ایک ہزار سال تک اور اللہ تعالیٰ سے پانی مانگیں گے تو انکے لئے سیاہ بادل ظاہر ہوگا اسے دیکھکر کہیں گے کہ ہاں یہ پانی والا بادل ہے لیکن اس میں سے بختی اونٹ کی گردن کے برابر برابر سانپ گریں کے جس کسی کو وہ ڈس لیں گے تو وہ اسکی سوزش ایک ہزار سال تک محسوس کرے گا۔ یہی معنی ہیں اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد کے وَزِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ یعنی بما کانو یکفرون و یعصون اللہ تعالیٰ۔ یعنی ہم ان کے لئے ایک عذاب پر دوسرا عذاب زیادہ ہی کرتے رہیں گے بسبب ان کے فساد کرنے کے یعنی کفر کرنے کے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کے

ابو اللیث ثمر قندیؒ فرماتے ہیں کہ پس جو شخص اللہ تعالےٰ کے عذاب سے بچنا چاہے اور اسکے ثواب کو حاصل کرنا چاہے تو اسے لازم ہے کہ دنیا کی شدائد برداشت کرے اور اللہ تعالےٰ کی طاعات میں لگے اور معاصی نیز شہواتِ دنیوی سے اجتناب کرے اسلئے کہ جنت مکارہ ہی سے اور جہنم خواہشات سے گھری ہوئی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے نظم

۱۔ بڑھاپے (یعنی بال کے سفید ہو جانے) میں ایسی دلیل موجود ہے جو ایک سمجھدار شخص کو غفلت کی باتوں سے روک سکتا ہے یعنی رخسارے پر سفیدی کی یہ چمک روشن ہو کر اسکو متنبہ کرتی ہے کہ کھیتی پک گئی ہے اب جب ذکٹ جائے۔

۲۔ میں انسان کو دیکھتا ہوں کہ وہ اپنے عیش گذشتہ پر غبطہ کرتا (کہ کاش وہی دور پھر لوٹ آتا) جس وقت کہ اسکی کھیتی کے پودے سرسبز ہو چکنے کے بعد زرد پڑ جاتے ہیں۔

۳۔ برے ساتھیوں سے بچو اور ان سے میل جول رکھنے میں احتیاط رکھو۔ اور اگر تمھارے لئے ایسوں سے ملاقات ناگزیر ہی ہو تو مدارات کی حد تک پیش آؤ

یعنی صرف ظاہری خاطر مدارات نہ کہ دلی دوستی۔

۴۔ سچے دوست پیدا کرو انھیں کے ساتھ رہو۔ برے لوگوں سے بچو۔ تم بھی انکی جانب سے خالص محبت کا برتاؤ دیکھو گے بشرطیکہ ان سے جھگڑا نہ کرو۔

۵۔ اسی طرح سے جب کسی کو پڑوسی بناؤ تو کسی شریف النفس کا پڑوس اختیار کرو جو جفاکش بھی ہو تم بھی اسکے جوار کی وجہ سے بلند مرتبہ ہو جاؤ گے۔

۶۔ اور سن لو کہ جو شخص کسی نااصل کے ساتھ سلوک کرتا ہے تو وہ اپنے احسان کو یا تو وسط بحر میں ڈالدیتا ہے یا دریا کے اس پار اسے پھینک دیتا ہے۔

۷۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے ان آسمانوں کے بقدر (بلکہ اس سے بڑی) جنت ہے لیکن وہ مکارہ سے گھری ہوئی ہے۔ جیساکہ حدیث شریف میں ہے کہ حفت الجنۃ بالمکارہ

فقیہ ابواللیث ثمرقندیؒ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو بلایا اور فرمایا کہ جاؤ جنت کو دیکھو اور ان تمام نعمتوں کو دیکھو جو میں نے اہل جنت کے لئے اسمیں تیار کرائی ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام گئے اور دیکھکر واپس آکر عرض کہ پروردگار! جنت اور اسکی نعمتوں کا تو کیا کہنا لیکن مجھے یہ اندیشہ ہو رہا ہے کہ اسمیں شاید ہی کوئی داخل ہو سکے (راقم عرض کرتا ہے کہ مضمون سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہاں سے کچھ حصہ حدیث کا نقل ہونے سے رہ گیا ہے۔ ہمارے مرشد حضرت مصلح الامۃ نے جس طرح سے ایک موقع پر یہ حدیث سنائی تھی وہ یوں ہے کہ ۔ جبرئیل علیہ السلام نے واپس آکر عرض کیا کہ سبحان اللہ وہ جنت تو ایسی عمدہ ہے کہ سب ہی لوگ جو بھی اسے سنیں گے اس میں داخل ہو جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے مکارہ یعنے تکالیف کی باڑھ سے گھیر دیا اور فرمایا کہ اچھا جاؤ اب اسے دیکھکر آؤ۔ حضرت جبرئیل گئے اور دیکھا تو آئے اور آکر عرض کیا کہ پروردگار مجھے تو یہ اندیشہ ہو رہا ہے کہ کہ اب تو شاید ہی کوئی اس میں داخل ہو سکے) پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں دوزخ کو دیکھنے کے لئے بھیجا اور فرمایا کہ جاؤ جہنم کو اور دوزخیوں کے لئے جو جو عذاب

میں نے اس میں تیار کر رکھا ہے ان سب کو دیکھکر آؤ۔ حضرت جبرئیل دیکھکر آئے اور عرض کیا کہ آپ کی عزت وجلال کی قسم جو شخص بھی اسکو سن پائے گا کہ وہ ایسی ایسی ہے تو وہ اس میں داخل ہونے کی ہمت نہ کریگا اس طرح سے کوئی بھی اسمیں داخل نہ ہوگا اسکے بعد اللہ تعالےٰ نے اسکو شہوات اور لذات کی باڑھ سے گھیر دیا اور فرمایا کہ اچھا جاؤ اب اسے دیکھکر آؤ۔ جبرئیل علیہ السلام گئے اور واپس آکر عرض کیا کہ آپ کی عزت وجلال کی قسم مجھے تو اندیشہ ہے کہ اب تو شاید ہی کوئی ایسا باقی رہیگا جو اس میں نہ داخل ہو جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم دوزخ کے متعلق جتنا بھی سوچ سکو سوچ لوگو تمھارے گوشۂ تصور میں جو بھی آئیگا جہنم اس سے کہیں زیادہ سخت چیز ہے

حضرت میمون بن مہران سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ یعنی ان سب لوگوں کے جمع کیے جانے کی جگہ ہوگی تو سلیمان نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھا اور گھر سے نکلکر بھاگ گئے پھر بڑی مشکلوں سے تین دن کے بعد پکڑ کر گھر لائے گئے۔

زید رقاشیؒ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایسے وقت آئے کہ اسوقت کبھی نہ آتے تھے چہرے کا رنگ بدلا ہوا (نہایت پریشان حال) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ جبرئیل کیا بات ہے کہ میں تمھیں اس حال میں آج دیکھ رہا ہوں۔ انھوں نے عرض کیا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آج ایسے وقت آپ کے پاس آیا ہوں جبکہ اللہ تعالےٰ نے دوزخ دھونکا دینے والوں کو حکم دیدیا ہے کہ وہ اس میں پھونک ماریں اور جو شخص یہ جانتا ہو کہ جہنم حق ہے اور اسکی آگ حق ہے۔ اور عذاب قبر حق ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت بڑا ہے اسکو چین کب پڑ سکتی ہے سوا اسکے کہ اسے ان چیزوں کی جانب سے اطمینان ہو جائے

یہ سنکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے جبرئیل ذرا دوزخ کا کچھ اور حال بیان کرو۔ عرض کیا بہتر ہے سنیئے:۔

اللہ تعالیٰ نے جب جہنم کو پیدا کیا تو اسکو ایک ہزار سال تک دھکایا اور روشن کیا یہاں تک کہ وہ بالکل سرخ ہو گئی پھر اُسے مزید ایک سال تک جلنے دیا یہاں تک کہ وہ سفید ہو گئی پھر ایک ہزار سال تک اور اسکو بھڑکایا یہاں تک کہ وہ سیاہ ہو گئی پس اسوقت وہ بالکل سیاہ و تاریک ہے جسکا شعلہ اور انگارہ بجھتا نہیں قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے اگر سوئی کے ناکہ کے برابر بھی اسکا کوئی حصہ کھول دیا جائے تو ساری دنیا کو جلا کر بکھیر خاکستر کر دے۔ اتنی سخت اسکی گرمی ہے۔ اسی طرح سے قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو مبعوث فرمایا ہے اگر دوزخیوں کے چند کپڑے آسمان اور زمین کے درمیان لٹکا دیئے جائیں تو تمام زمین والے اسکی بو اور گرمی سے مر جائیں۔ اور قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے اگر ایک گز اس زنجیر میں سے جسکا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا دنیا کے کسی پہاڑ پر رکھدی جائے تو وہ اسکی گرمی سے پگھل جائے اور یہ کہ زمین کے ساتویں طبقہ میں پہونچ جائے۔ اور قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنایا اگر زمین کے مغرب کے کنارہ میں اس دوزخ کا عذاب کسی شخص کو دیا جائے تو مشرقی کنارہ کا انسان اسکی گرمی کیوجہ سے جل جائیگا، دوزخ ایسی شئے ہے۔ اسکی گرمی بہت ہی سخت ہے، اسکی گہرائی کا ٹھکانا ہی نہیں۔ اس میں لوہے کے زیورات ہوں گے۔ گرم پانی اور پیپ لہو وہاں پینے کو ملیگا۔ لباس وہاں آگ کے ٹکڑوں کا بنا ہوا ہوگا۔ اسکے سات دروازے ہوں گے۔ ہر دروازہ سے جانے والے مردوں اور عورتوں کا کوٹہ مقرر ہوگا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل سے دریافت فرمایا کہ اسکے دروازے کیا ایسے ہی ہوں گے جیسے ہمارے مکانوں کے ہوا کرتے ہیں انھوں نے عرض کیا کہ جی نہیں بلکہ وہ کھلے ہوئے

ع۔ یعنی انکو ایسی زنجیر ... جسکی ... ۱۰۳ گز ... [illegible]

پھاٹک کی شکل میں ہیں اور اوپر تلے ہیں اور ایک بازو سے دوسرے بازو کا فاصلہ ستر سال کی مسافت کا ہے اور ہر نچلے طبقہ کا دروازہ اپنے اوپر والے سے ستر گنا زیادہ گرم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو (یعنی کافروں کو اور منافقوں کو) انکی جانب ہانک کر لیجایا جائے گا۔ اور جب پھاٹک کے قریب پہونچیں گے تو زبانیہ (یعنی دوزخ کا فرشتہ) بیڑی ہتھکڑی اور زنجیروں سے انکا استقبال کرے اور زنجیر کا ایک سرا اسکے منھ میں ڈالکر دبر میں سے نکال لے گا اور اسکے بائیں ہاتھ کو موڑکر گردن سے باندھ دیں گے اور داہنے ہاتھ کو سینہ چیرکر قلب کے پاس سے نکالکر دونوں مونڈھوں کے درمیان سے نکالکر پیچھے کی جانب زنجیروں سے باندھ دیا جائیگا اور ہر انسان کے ساتھ اس کا شیطان بھی اس زنجیر سے بندھا ہوگا اور پھر اسکو منھ کے بل کھینچتے ہوئے اور لوہے کے گرز سے مارتے ہوئے جہنم میں ڈھکیل دیں گے جس میں وہ کسی طرح جانا نہ چاہیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے كُلَّمَا اَرَادُوْا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا اُعِيْدُوْا فِيْهَا جب جب وہ اس سے نکلنا چاہیں گے تو پھر دوبارہ اس میں لوٹا دیئے جائیں گے

یہ سنکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ اچھا جبرئیل یہ تو بتاؤ کہ ان ساتوں دروازوں میں کون لوگ داخل ہوں گے؟ حضرت جبرئیل نے عرض کیا کہ سب سے نیچے والے دروازے میں سے منافقین اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کھانا (مائدہ) طلب کرنے والے کفار اور آلِ فرعون داخل ہوں گے اور اس طبقہ جہنم کا نام ہاویہ ہے۔ اور دوسرے باب سے مشرکین داخل کئے جائیں گے اور اس طبقہ کا نام جحیم ہے ۔ اور تیسرے دروازے سے صابی لوگ داخل ہوں گے اور اسکا نام صقر ہے اور چوتھے دروازے سے ابلیس اور اسکے متبعین اور مجوس جائیں گے اور اسکا نام لظی ہے۔ اور پانچویں باب سے یہود داخل کئے جائینگے اسکا نام حطیم ہے۔

کیونکہ انبیاء علیہم السلام امت کی طرف جو متوجہ ہوتے اور ان کو پیغام حق پہنچاتے ہیں سو اسی لئے کہ اس توجہ اور تبلیغ کا انکو حکم ہے اور اسکا امتثال ان پر واجب ہے حضرات انبیاء کی اس توجہ الی الخلق کے ساتھ توجہ الی اللہ کی مثال یہ ہے کہ اگر تم کسی آئینہ کی طرف اسلئے متوجہ ہو کہ اس میں تمھارے محبوب کا عکس نظر آرہا ہے جبکہ کسی وجہ سے خود اسکے عین کو نہ دیکھ سکو تو گو ظاہراً تمھاری توجہ آئینہ کی طرف ہے لیکن حقیقۃً یہ توجہ عین محبوب کی طرف ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے لئے تمام خلائق مرأۃ ہیں جنکی طرف متوجہ ہونے سے مقصود انکا توجہ الی الحق ہے پس ان کیلئے توجہ الی الخلق توجہ الی الحق سے مانع نہیں۔

(۱۲۹۔ رجوع بجانب سرخی (محبان حق کی کیا حالت ہوتی ہے)

غرض محبان حق غیر حق کیطرف متوجہ ہونے سے غیرت کرتے ہیں اور اسی صفت غیرت سے ان میں جوش دین پیدا ہوتا ہے جس کو لوگ تعصب کا غصہ سمجھتے ہیں اور وہ ایسا مطلوب ہے جس کے نہ ہونے سے وہ شخص الٹ دیا گیا۔ پس یہ شخص ظاہر میں نیک تھا اور واقع میں نیک نہ تھا۔ پس وہ قاعدہ نہ ٹوٹا۔ یا اگر وہ واقع میں بھی نیک ہو تو وہ صورۃً ہلاکت ہوتا ہے اور معنًی رحمت

(۱۳۰۔ رجوع بجانب سرخی (مقتداوہ ہوسکتا ہے جو کامل العقل ہو)

بہر حال یہ بات ثابت رہی کہ نیکوں کی بعض برکات اضطراری بھی ہوتی ہیں جنمیں قصد اور اختیار کی ضرورت نہیں لیکن جو برکت اختیاری ہوگی اسکے لئے عقل کامل وافر کی احتیاج ہے سو ایسے ہی لوگ جو کامل العقل ہیں اہل ارشاد ہوتے ہیں اور بعض اولیاء اللہ جن سے کوئی تربیت عام کا کام متعلق نہیں ہوتا ایسے لوگ البتہ بھولے ہوتے

سا۔ اور یہ شبہ کہ دونوں کے اجتماع میں کسکا اثر ظاہر ہوگا اسکا جواب یہ ہے کہ غالب یا اکثر کا اول جیسا ما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم ثانی جیسا حدیث قلنا یارسول اللہ انھلک و فینا الصالحون قال نعم اذا کثر الخبث ۱۲

ہیں کیونکہ ان کے سپرد صرف اپنی ذات کا معاملہ ہے اور اس میں وہ اسی قدر کے مکلف ہیں جس قدر انکو عقل دی گئی ہے کسی دوسرے شخص کی تربیت اسکے ذمہ نہیں ہے سو حاصل یہ ہوا کہ جن لوگوں کے متعلق تربیت عام ہے جیسے انبیاء امت جو مسند ارشاد پر متمکن ہیں ایسے لوگ بھولے بھالے نہیں ہوتے یہ لوگ بڑے ذہین پورے عاقل ہوتے ہیں اور یہی کامل ہیں۔ اور جن لوگوں سے متعلق کسی دوسرے کی تربیت نہیں ہوتی بلکہ محض اپنے ہی نفس کے لئے پیدا ہوتے ہیں یہ لوگ البتہ بھولے بھالے ہوتے ہیں۔ اس لئے بعض نے یہ تقسیم کی ہے کہ انسان چار قسم کے ہیں ایک وہ جنکو دین کی عقل کلی ہے اور دنیا کی کلی جیسے انبیاء و علماء اور ورثۃ الانبیاء یعنی وہ علماء جو مسند ارشاد پر متمکن ہیں۔ دوسرے وہ جنکو دین کی عقل ہے اور دنیا کی نہیں جیسے بھولے بھولے صلحاء و اولیاء امت تیسرے وہ جنکو دین کی عقل نہیں ہے اور دنیا کی عقل ہے جیسے عاقل کفار چوتھے وہ جنکو نہ دنیا کی عقل ہے نہ دین کی جیسے بیوقوف کفار۔

(۱۳۱) انبیاء اور علماء محققین کامل العقل ہوتے ہیں گو تجربہ زیادہ نہ ہو

غرض انبیاء اور علماء محققین کامل العقل ہوتے ہیں گو تجربہ میں اسلئے کمی ہو کہ وہ دنیاوی امور میں منہمک نہیں ہیں بعض لوگوں نے اس میں عجیب غلط کردیا ہے کہ عقل اور تجربہ کو ایک چیز سمجھتے ہیں اس میں فرق نہیں کرتے اور چونکہ علماء کو تجربہ کا نہیں پاتے اسلئے انکو کم عقل اور بیوقوف کہتے ہیں حالانکہ تجربہ دوسری چیز ہے اور عقل دوسری چیز ہے۔ تجربہ تکرار مشاہدہ جزئیات کا نام ہے۔ مثلاً سقمونیا کو دس مرتبہ آزمایا گیا اس نے اسہال کا فائدہ دیا تو اس تکرار مشاہدہ سے کہیں گے کہ سقمونیا مسہل ہے۔ اور عقل ایک قوت ہے جو خدا تعالیٰ نے انسان میں ودیعت کی ہے جس سے کلیات کا ادراک کرتا ہے۔ مولوی محمد حسین عظیم آبادی سے جو کہ میرے ایک دوست تھے ان کے طالب علمی کے زمانے میں ایک طالبعلم نے سوال کیا

مان پر کل کس قدر ستارے ہیں ؟ انھوں نے فرمایا کہ مرصودہ تو معلوم ہیں مگر غیر مرصودہ
علوم نہیں۔ اس طالب علم نے کہا کہ مولوی صاحب تعجب ہے کہ سائنس کا اتنا
ردری مسئلہ اور آپ کو اسکی اطلاع نہیں مولوی صاحب نے فرمایا کہ اچھا بتلائیے
سندر میں کتنی مچھلیاں ہیں ؟ اس طالب علم نے کہا مجھے تو علم نہیں تو مولوی صاحب
رماتے ہیں کہ افسوس ہے آپ اسقدر سائنس کے دلدادہ ہیں اور آپ کو زمین کی
چیزوں کی بھی اطلاع نہیں پھر جب آپکو خود زمین کی بھی پوری اطلاع نہیں ہے تو
مجھکو آسمان کے ستاروں کی اطلاع نہ ہونا کیا تعجب ہے یہ جواب سنکر ان طالب علم
صاحب کی آنکھ کھلی اور ہوش آیا اسی طرح لوگ صناع قوموں کو کہتے ہیں کہ یہ بڑے
عاقل ہیں حالانکہ وہ صرف ایک صنعت کے تجربہ کار ہیں لہٰذا انکو صناع کہنا چاہئے نہ کہ
عاقل۔ صناعی دوسری چیز ہے عاقل ہونا دوسری بات ہے اگر ہم ایک بڑے
فلاسفی مثلاً افلاطون کو ایک بُنکر کے گھر لیجادیں اور اسکی کارگہ میں بٹھلادیں
اور کہیں کہ ایک تھان تنزیب بنو تو یقیناً وہ اس پر قادر نہ ہوگا اور بنکر عمدہ سے عمدہ
بُن دیگا کیا اس فرق کی وجہ سے یہ کہدیں کہ بنکر اس فلسفی سے زیادہ عاقل ہے
ہرگز نہیں، ہاں یہ کہیں گے کہ یہ فلسفی اس صنعت کو اس قدر نہیں جانتا جس قدر
یہ بنکر جانتا ہے۔ پس علمار محققین خواہ تجربہ کار نہ ہوں مگر کامل العقل ہوتے ہیں
اور یہی ورثۃ الانبیار ہیں ان ہی کے متعلق ارشاد و تربیت کا کام ہوتا ہے پس
ان کے ساتھ احکام و حکم دینیہ میں کسی کو حق مزاحمت نہیں ہے جیسا کہ اس قاعدۂ
شرعیہ کو کہ مفسدہ کی وجہ سے مصلحت غیر ضروریہ کو چھوڑ دیتے ہیں، نہ سمجھنے سے
بعض کو غلطی ہوگئی کہ وہ علمار سے مزاحمت کرنے لگے۔

۱۳۲۔ رجوع بجانب سرخی (آخری جمعہ کو خطبۃ الوداع پڑھنا بدعت ہے)

غرض جو چیز مطلوب نہ ہو اور اسکے ارتکاب میں مفسدہ بھی ہو تو اسکو ترک
کردینگے جب یہ قاعدۂ کلیہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھنا چاہئے کہ الوداع کا خطبہ کسی دلیل سے

شرعاً مطلوب نہیں ہے اور اسکے پڑھنے میں بہت سے مفاسد ہیں لہٰذا اس کو ضرور ترک کیا جاوے گا۔ رہی یہ بات کہ لوگ اس بہانے سے آجاتے ہیں اگر یہ نہ ہوگا تو لوگ نماز میں آنا چھوڑ دینگے سو سمجھ لینا چاہیئے کہ جو لوگ خدا کے لئے نماز پڑھتے ہیں وہ تو ہر حالت میں آوینگے خطبۂ وداع پڑھا جاوے یا کوئی دوسرا خطبہ اور جو لوگ محض پابندئ رسم کے لئے آتے ہیں وہ اگر اسکے ترک سے آنا چھوڑ بھی دیں تو ان کے اس خیال سے ہم ایک مقدمۂ قبائح کے کیوں مرتکب ہوں خواہ وہ آویں یا نہ آویں۔

(۱۳۳۔ دین اس سے مستغنی ہے کہ کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے اسکی خواہش کے تابع ہو۔ اور اسکا بیان کہ اسلام کی رُو سے امیر و غریب سب برابر ہیں)

ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ اگر نکاح بیوگان کا ذکر نہ کرو تو میں وعظ میں آؤں۔ میں نے کہا کہ آج تو ضرور ہی بیان کرونگا تمہارا جی چاہے آؤ تمہارا جی چاہے نہ آؤ۔ دین کسی کے آنے کا محتاج نہیں ہے

ز عشق ناتمام ما جمال یار مستغنی است ۔۔۔ بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبارا

جس کا حسن ذاتی حسن ہے اسکو تکلفات کی اور کسی کے دیکھنے نہ دیکھنے کی کیا پرواہ ہے خواہ کوئی دیکھے یا نہ دیکھے وہ بالکل مستغنی ہے اسی طرح ہم کسی کے آنے نہ آنے کی پرواہ نہ کرینگے اور مشروع کو اس مصلحت سے نہ چھوڑیں گے کہ ہمارے اکابر سلف کا اس استغنار مذکور پر پورا عمل تھا۔

حضرت عمرؓ بن الخطاب کے زمانۂ خلافت میں جبلہ ابن ایہم غسانی جو کہ ملوک غسان میں سے تھا مسلمان ہوا موسم حج میں خانۂ کعبہ کا طواف کر رہا تھا ایک دوسرا غریب آدمی بھی ساتھ ساتھ طواف کرتا تھا اتفاق سے اس غریب آدمی کے پاؤں کے تلے اسکی

زار کا کنارہ دب گیا جبکہ جب آگے بڑھا تو اسکی لنگی کھل گئی اور برہنہ رہ گیا چونکہ وہ اپنے کو
ہت بڑا آدمی سمجھتا تھا اور یہ دوسرا شخص نہایت غریب آدمی تھا لہٰذا اسکو بہت غصہ آ
ور اس نے ایک طمانچہ اس زور سے مارا کہ بیچارے کا دانت ٹوٹ گیا وہ شخص اسی
حالت کو لئے حضرت عمرؓ کی خدمت میں پہونچا اور عرض کیا کہ امیرالمومنین جبلہ نے میرا
دانت توڑ دیا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جبلہ کو میرے پاس بلا لاؤ۔ صاحبو! غور کیجئے یہ امتحان
کا مقام ہے کہ ایک بادشاہ کو ایک غریب آدمی کے معاملہ میں پکڑ کر بلایا جاتا ہے۔ چنانچہ
جبلہ کو بلایا گیا، حضرت عمرؓ نے واقعہ دریافت فرما کر اس غریب شخص کو اجازت دی کہ
جبلہ سے اپنا بدلہ لے لے۔ جبلہ نے یہ سنا تو طیش میں آکر کہا کہ امیرالمومنین مجھکو اور
ایک معمولی بازاری غریب آدمی کو کس چیز نے برابر کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسلام نے[5]

---

۵ تتمہ کا قصہ یہ ہے کہ جبلہ نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ کیا مجھکو ایک دن کی مہلت مل سکتی ہے؟
میں کل کو قصاص دینے پر آمادہ ہو جاؤنگا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر صاحب حق راضی ہو جاوے تو مہلت
ہے چنانچہ وہ غریب مسلمان راضی ہوگیا اور جبلہ قصاص سے بچکر رات ہی کو مدینہ سے بھاگ گیا جو کہ نصاریٰ
تھا اسکے بعد ایک صحابی سفیر بنکر حضرت عمرؓ کی طرف سے روم کے بادشاہ ہرقل کے پاس کسی ضرورت
سے گئے تو اس نے کہا تم جبلہ سے ملنا چاہتے ہو۔ انھوں نے کہا کہ ہاں وہ کہاں ہے میں اس سے ملونگا
اس نے کہا کہ وہ بہت عزت کے ساتھ ہمارے پاس ہے چنانچہ وہ اس کے پاس گئے تو بڑی شان
کے ساتھ موتیوں سے جڑا ہوا تاج پہنے ہوئے ریشمی لباس اور سونے چاندی کے ساز و سامان
کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اردگرد بہت سے غلام اور باندیاں خدمت کو موجود تھیں کیونکہ نصاریٰ کو
جبلہ کے مرتد ہونے کی بہت خوشی تھی اسلئے کہ وہ اسلام سے پہلے نصرانی تھا اور صاحب سلطنت
تھا اسلئے اسکو بہت عزت سے رکھا جب وہ صحابی اسکے پاس پہونچے تو آپ نے اس طرح
سلام کیا سلام علی من اتبع الہدیٰ کہ جو ہدایت کی پیروی کرے اسکو سلام پہونچے تو جبلہ نے کہا کہ تم نے
السلام علیکم مجھ کو کیوں نہیں کہا انھوں نے فرمایا کہ اس طرح سلام کرنا مسلمانوں کے لئے مخصوص
ہے اور میں تمکو اسلام کے خلاف دیکھتا ہوں۔ اس نے کہا کہ اگر میں دل سے مسلمان ہی ہوں تو

اور اس میں امیر غریب سب برابر ہیں۔ تم نے اسکا دانت توڑا تمھارا دانت ضرور توڑا جاوے گا

(۱۳۴- اسلام کی رو سے امرا و غربا سب برابر ہیں اور اسکا بیان کہ اہل اللہ کا برتاؤ اس زمانہ میں بھی اسکے موافق ہے)

دیکھئے یہ ہے اخوت اسلامی ایک آج وقت ہے کہ امرا و رؤسا کا عالم ہی اس عالم سے جدا اور نرالا ہے۔ غربا کو وہ گویا انسانیت ہی سے خارج سمجھتے ہیں لیکن اس گئے گذرے وقت میں بھی اگر اسکا کچھ اثر باقی ہے تو اللہ والوں میں ہے

۵۵۔ صحابی نے فرمایا کہ میں اسی خوشخبری کے سننے کا مشتاق ہوں خدا کرے تم دل سے مسلمان ہی ہو مگر جبلہ نے بات کو ٹال دیا پھر اس نے چاندی یا سونے کی کرسی ان کے بیٹھنے کے لئے پیش کی انھوں نے فرمایا کہ ہمارے نبیؐ نے ہمکو اس سے منع فرمایا ہے تو جبلہ نے حضورؐ کا نام سنکر آہستہ سے روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا ان صحابی نے کہا کہ اے جبلہ میں تیرے اندر اسلام کی محبت پاتا ہوں پھر تو مسلمان کیوں نہیں ہوجاتا اس نے کہا کہ کیا اب بھی میرا اسلام دوبارہ قبول ہو سکتا ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں اسلام میں تنگی نہیں توبہ کرلو پھر اسلام قبول ہو جائے گا اس نے کہا کہ میں اس شرط سے مسلمان ہوں گا کہ مجھ سے وہ قصاص نہ لیا جائے دوسرے حضرت عمرؓ اپنی بیٹی سے میرا نکاح کردیں، اور اپنے بعد میرے واسطے خلافت کی وصیت کردیں۔ ان صحابیؓ نے کہا کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ شرطیں منظور ہوں یا نہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و محبت کی باتیں کرتا رہا۔ پھر اور باتیں ہوئیں اور اخیر میں وہ رونے لگا کہ اے کاش میں اسوقت قصاص دینا منظور کرلیتا اور اس سے انکار نہ کرتا کہ حالت عیش و عشرت کی اگرچہ اب مجھے بہت کچھ نصیب ہے مگر اس سے وہ فقر کی حالت ہی بہتر تھی ان صحابیؓ نے یہ باتیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آکر بیان کیں تو آپ نے فرمایا تم نے اسکی شرطیں منظور کیوں نہ کرلیں۔ قصاص والے کو ہم دیت قبول کرنے پر راضی کردیتے اور عمر کی بیٹی کیا بڑی چیز تھی اس سے اسکا نکاح بھی ہوجاتا رہا خلافت کا مسئلہ تو اسوقت *

حکایت: حضرت مولینا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپکے یہاں ایک بڑے عہدے دار کوئی شخص مہمان آئے، جب کھانے کا وقت ہوا تو حضرتؒ نے اپنے ساتھ انکو بٹھلایا کیونکہ وہ بڑے آدمی سمجھے جاتے تھے انکو ساتھ بیٹھا دیکھکر دوسرے غریب طلبہ مہمان پیچھے کو ہٹے۔ حضرت مولنا نے فرمایا صاجبو! آپ لوگ کیوں پیچھے ہٹ گئے کیا اس وجہ سے کہ ایک عہدہ دار میرے ساتھ بیٹھا ہے؟ خوب سمجھ لیجئے کہ آپ لوگ میرے عزیز ہیں میں جسقدر آپ کو معزز سمجھتا ہوں اسکے سامنے انکی کچھ بھی وقعت نہیں۔ چنانچہ سب غریب طلبہ کو بھی ساتھ بٹھلاکر کھلایا۔ شاید اس سے کسی کو یہ شبہ ہو کہ مولانا نے اپنی شان جتلانے کے لئے ایسا کہدیا ہوگا، خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ وہاں شان اور بڑائی کا نام بھی نہ تھا ــــ

٭ ہم اسکو منظور کر لیتے پھر مسلمان جسکو چاہتے خلیفہ بناتے۔ اسکے بعد پھر جبلہ کی خبر انتقال کی پہونچی اور بظاہر اس نے اسی حالت کفر پر جان دی باقی دل کا حال خدا کو معلوم ہے۔ (ہکذا اذکر من تاریخ الطبری)۔

یہاں یہ اشکال ہوگا کہ حضرت عمرؓ نے ایک ذرا سی بات پر اسپر اتنی سختی کیوں کی وہ اسلام سے پھر گیا قصاص نہ لیتے تو کیا ہو جاتا مگر یہ شبہ وہی کر سکتا ہے جسکی نظر میں اسلام کی وقعت نہیں۔ اگر آپؓ ایسا کرتے تو اسلام کی بنیاد سست ہو جاتی کیونکہ یہی تو وہ بات ہے جو یہود و نصاریٰ نے اختیار کرلی تھی جب ان میں سے کوئی معزز آدمی زنا کرتا تو اسکو صرف رسوا کر دیتے سنگسار نہ کرتے اور غریب آدمی زنا کرتا تو اس پر حد جاری کرتے یعنی پتھروں سے مار ڈالتے۔ حضرت عمرؓ نے اسلامی حکم کی وقعت کے سامنے اسکی ذرا بھی پرواہ نہیں کی اور ایک جبلہ کیا اگر ہزار جبلہ جیسے باوجاہت ہوتے جب بھی آپ اسلامی حکم کو نہ بدلتے اور نہ بدلنے کا آپ کو کوئی حق تھا۔ دوسرے یہ کہ اسوقت تو ایک جبلہ ہی مرتد ہوا مگر ہزاروں عقلاء کی نظر میں اسلام کی وقعت قائم ہوگئی کہ اسلام میں مظلوم کی اتنی رعایت ہے کہ اس پر بڑے سے بڑا معزز بھی ظلم کرے تو اس سے بدلہ لیا جاتا ہے جس طرح ایک معمولی آدمی سے۔ اور اگر آپؓ اسکی رعایت کر جاتے تو ممکن تھا کہ جبلہ اسلام پر قائم رہ جاتا مگر ہزاروں عقلاء خلیفہ کے اس فیصلہ کو بری نظر سے دیکھتے اور اسلام سے بدگمان ہوجاتے پھر ایک کا دین پر رہنا یا نکل جانا اسکی اسلام میں ذرا پروا نہیں جو اسلام لاتا ہے

جن صاحبوں نے مولانا کو دیکھا ہے وہ تو خوب جانتے ہیں مگر جن لوگوں نے نہیں دیکھا ہے انکے
ایک قصہ بیان کرتا ہوں اس سے اندازہ ہوگا کہ وہاں شان اور بڑائی کتنی تھی۔
حکایت ۔ ایک مرتبہ حضرت مولاناؒ حدیث شریف کا درس دے رہے تھے ابر ہو رہا تھا
اچانک بوندیں پڑنا شروع ہوگئیں جسقدر طالب علم شریک درس تھے سب نے کتاب کی حفاظ
کے لئے کتابیں اٹھائیں بھاگے اور سہ دری میں پناہ لی اور کتابیں رکھکر جوتے اٹھانے چلے
کیطرف جو رخ کیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت مولانا سب کے جوتے سمیٹ کر جمع کر رہے ہیں
اس واقعہ سے معلوم ہوگیا کہ وہاں کسقدر شان کو جتلایا جاتا تھا شان نہ تھی بلکہ محض محبت
تھی کہ غربا کو امراء سے کچھ کم نہیں سمجھا۔ یہی لوگ ہیں جنکی بدولت دنیا کا کارخانہ قائم
نظام عالم مسلسل ہے جس دن یہ حضرات نہ رہیں گے قیامت قائم ہو جاویگی۔

اپنے فائدے کے واسطے کسی پر کیا احسان سے فمن شاء فلیؤمن و من شاء فلیکفر انا اعتد
للظلمین نارًا احاط بہم سرادقہا وان یستغیثوا یغاثوا بماء کالمہل یشوی الوجو
بئس الشراب وساءت مرتفقاً رہا یہ کہ آپ نے انکی باتیں سنکر فرمایا کہ تم نے شرائط منظور کر
ہوتیں تو آپکی شفقت کی دلیل ہے کہ آپکو اُسکے مرتد ہونے سے اسوجہ سے صدمہ ہوا تھا کہ جنت کی طرف
پھر دوزخ کی طرف چلا گیا۔ نیز یہ کہ جو شخص اسلام لانا چاہے اسکی کسی قدر تالیف قلب مناسب۔
البتہ جو اسلام لا چکے اسکی تالیف قلب کی ضرورت نہیں اُسلئے پہلی بار آپ نے رعایت نہ فرمائی کیو
وہ اسلام کا مدعی تھا اور اسوقت رعایت کرنا چاہی کیونکہ اسلام پھر قبول کرنا چاہتا تھا۔ اور حدیث
میں جو ہے اقیلوا ذوی الھیئات عثراتہم یہ انحقوق میں ہے جن کی معافی کا خود اختیا
رکھتا ہو مثلاً اس صورت میں کہ وہ صاحب معاملہ معاف کر دیتا یا حقوق اللہ میں جو غیر حدود ہو
حاکم ہی معاف کر دے اور وہ بھی استحباب کے لئے ہے اور لفظ عثرات مشیر ہے کہ اسکا
صدور خطاءً ہو لیجاً و استکبارًا وظلماً نہ ہو جیسا اس واقعہ میں ہوا تھا۔ فقط

ظفر احمد عثمانی

Regd. No. L2/9/AD-111

Monthly WASIYATUL IRFAN MAY 1983

23, Buxi Bazar, Allahabad-3

Rs. 30/-

Rs. 24/-

شمارہ ۶ جون ۱۹۸۳ء جلد ۶

العلوم

حاملِ مضامینِ تصوف واحسان ماہنامہ افاداتِ وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

وصیۃ العرفان
الہ آباد

چندہ ششماہی عہ ۱۲ ر بارہ روپئے

چندہ سالانہ عہ ۲۲ ر بائیس روپئے

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ | مدیر: عبد المجید عفی عنہ | دو روپئے

شمارہ ۶ | رمضان المبارک سنہ ۱۴۰۳ھ مطابق جون سنہ ۱۹۸۳ء | جلد ۶

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۲ بخشی بازار- الہ آباد ۳

عزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر اسرار کریمی پریس الہ آباد سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۲ بخشی بازار- الہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر: الہ-۲۱-۹-۷۲ ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

گذشتہ شمارہ یہ خیال کرکے کہ انشاء اللہ تعالیٰ بہت سے احباب
یہ رجب کی آخری تاریخوں ہی میں مل جائیگا معراج شریعت کا کچھ بیان اس میں دیدیا گیا تھا اللہ تعالیٰ
اسکو مفید اور نافع بنائے۔ اب یہ شعبان کا مہینہ چونکہ عربی مدارس کے تعلیمی سال کا آخری مہینہ
اسلئے ہر مدرسہ میں تیاری روداد وغیرہ کی ہما ہمی اور ہر شہر میں سفراء کی دوا دوش زوروں پر
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض تجربات ہی کی بناء پر کچھ قومی درد رکھنے والوں نے صحیح اور غلط اہل او
مقامات کی تحقیق کی خاطر ایک مطبوعہ فارم کی خانہ پری کرا کے ان مصدقہ مدارس کی کوئی فہرست
برائے رفاہِ عام شایع فرمادی ہے تاکہ اہل دُول کو معرفت کی معرفت حاصل ہونے میں سہولت
چنانچہ امسال ایک ایسا ہی فارم انجمن ندائے اسلام کلکتہ کی جانب سے ہمارے مدرسہ
حضرت قاری محمد مبین صاحب مدظلہٗ مہتمم مدرسہ کے نام بھی آیا' یہاں سے اسکا جو جواب دیا گیا
چونکہ وہ عامۃ المسلمین کے لئے بھی خالی از نفع نہیں اسلئے ناظرین کی خدمت میں بھی اسے
پیش کیا جاتا ہے :-

"مکرمی زید لطفکم - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ہمارا یہ مدرسہ وصیۃ العلوم۔ بخشی بازار۔ الہ آباد — حضرت مصلح الامۃ مو
شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا قائم فرمودہ ہے چنانچہ حضرت اقدسؒ نے اپنی حیات
میں خود بھی بہت سے اسباق حدیث وتفسیر، فقہ وتصوف اور منطق وفلسفہ کے اس میں پڑھائے
اور جیساکہ شاید آپ پر بھی مخفی نہ ہوگا کہ حضرت موصوفؒ حضرت حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب
تھانویؒ کے اجل خلفاء میں سے تھے اسی لئے تھانوی اصول کے تحت اس مدرسہ کا نہ کوئی سفیر تھا اور
نہ رسید تھی محض توکل پر یہ مدرسہ چلتا رہا۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ چلتا رہا ہے عامۃ المسلمین کے
چندے ہی سے (اس طرح سے کہ) جن حضرات کو حضرت والاؒ سے تعلق ہوتا اور اعتماد ہوتا
وہ اپنی خدمات پیش فرماتے تھے — ظاہر ہے کہ حضرت مصلح الامۃؒ کا سا توکل بعد کے

یں یہاں ہو سکتا تھا، تاہم بطور نقل کے ہم نے بھی ابتک اپنے حضرتؒ کے مدرسہ کا وہی طریقہ
باقی رکھا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ آئندہ بھی یہ حضرت ہی کے طریقہ پر چلتا رہے گا۔
آپ کا نادم طالب اسکی تفصیلات کے دیکھنے سے بڑی مسرت ہوئی کہ آپنے ایک اہم خدمت اپنے ذمہ
لے لی ہے اسکی وجہ سے انشاء اللہ تعالیٰ عام مدارس کی بدعنوانیوں کی روک تھام ہو کر اہل دول کے اموال
(صدقات وغیرہ) اپنے صحیح مصرف ہی میں پہونچ سکیں گے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔

اب اپنے مدرسہ کے چندہ کی خاطر تو ہمیں اس فہرست میں نام دیتے ہوئے تردد بھی ہوا
لیکن فی زمانہ یہ بھی دیکھا جا رہا ہے کہ بہت سے لوگ اپنی ذاتی اغراض کے تحت حضرت مصلح الامہؒ
کے نام اور آپ کی ذات والا صفات سے مختلف گوشوں سے رشتہ جوڑ کر چندہ کر رہے ہیں اور حضرتؒ کے
علق کو استعمال کر رہے ہیں، اسلئے مقصد اشاعت فہرست ہذا میں آپ سے اتفاق کرتے ہوئے
ہم نے اپنے مدرسہ کی تفصیل اسی لئے عرض کر دی تاکہ عام مسلمانوں کو عموماً اور منتسبین حضرت
مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کو خصوصاً ہر جگہ یہ معلوم ہو جائے کہ حضرت والا کا نفس نفیس
قائم فرمودہ مدرسہ (جسکو واقعۃً حضرتؒ کا مدرسہ آج کہا جا سکتا ہے وہ) صرف یہی ایک
مدرسہ ہے یعنی مدرسہ عربیہ وصیۃ العلوم واقع ڈھال والی مسجد۔ محلہ بخشی بازار۔ الہ آباد ۳ یوپی
جو حضرت مصلح الامہ کی وفات کے بعد سے لیکر آج تک بحمد اللہ آپ کے خلیفہ اور جانشین
حضرت مولانا قاری محمد مبین صاحب مدظلہٗ کے زیر سرپرستی اپنی سابق روایات کے مطابق
چل رہا ہے)۔

لہٰذا آپکی اس خدمت کی مکرر تائید کرتے ہوئے اتنی درخواست ضرور کروں گا کہ اگر
آپ اس مدرسہ کے نام کی بھی اشاعت کی ضرورت ہی محسوس فرمائیں تو شوق سے شائع فرمائیں
ان اسکے سامنے یہ نوٹ بھی ضرور لگا دیں کہ اس مدرسہ کی جانب سے نہ تو کوئی سفیر جاتا ہے
اسکی کوئی مطبوعہ رسید ہے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔ والسلام خیر ختام۔

کمترین بندہ محمد مبین عفی عنہٗ

مہتمم مدرسہ وصیۃ العلوم بخشی بازار الہ آباد (مہر)

حضرت مصلح الامہؒ کے بعد اس میں شک نہیں کہ مشکلات کا بڑا سامنا کرنا پڑا ہے ہم

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ توکل کی کمی کے باوجود اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے اسکا کام چلا ہی رہے ہیں حضرت قاری صاحب مدظلہ نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ ہمارے مدرسہ میں سفیر و رسید نہیں ہے تو اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہاں بحمد اللہ ایسے ہی لوگ رقوم عنایت فرماتے ہیں جنکو ہم پر اعتماد ہوتا ہے تو اب اپنے معتمد علیہ سے طلب رسید یہ اس پر سبب اعتمادی کو مشعر ہے اسلئے یہاں ایسا نہونا چاہیئے تو اسکا محمل وہی موقع ہے جہاں آپ براہِ راست کوئی رقم عنایت فرمائیں۔ اور اگر کسی واسطہ سے رقم ارسال فرمائی گئی ہے تو اس امر کی تصدیق میں کہ وہ مدرسہ میں پہونچ گئی یا نہیں کچھ مضائقہ نہیں ہے بعض مرتبہ تو ڈاکخانہ کی رسید بھی متعلقہ حضرات کو نہیں ملتی جسکی وجہ سے تردد ہونا فطری امر ہے اور رفع تردد لازم اور ضروری ہے اسکو ضرور بذریعہ خط دریافت فرمالیا جائے۔

الحمدللہ حضرت قاری محمد مبین صاحب مدظلہ بخیریت ہیں۔ خانقاہ کی مجالس بھی اپنے سابق اسلوب پر جاری ہے الحمدللہ جو حضرات شریک ہوتے ہیں متأثر ہی نظر آتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ سارا فیض حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ ہی کا ہے آپکی روحانیت سے خانقاہ کے درودیوار آج بھی منور ہیں ارباب بصیرت کا تو یہی کہنا ہے۔

تیسری یادگار حضرت والا کی یہی رسالہ ہے۔ ہزار صعوبتوں میں گھرنے کے بعد بھی اسکا ابتک باقی رہنا یہ بھی حضرت نور اللہ مرقدہ کی کھلی کرامت ہے اور اسکے اندر وہی اثر اور وہی تاثیر آج کم موجود ہے جسکا اندازہ آپکو خود بھی ہو رہا ہوگا دوسروں کی زبان سے بھی سنیئے:۔

ایک کرم فرما بہار سے لکھتے ہیں کہ ______ " مارچ اور اپریل کا رسالہ ابتک نہیں مل سکا ہے معلوم نہیں کیا وجہ ہوئی ہے کم بد ہن کہیں رسالہ بند تو نہیں ہو گیا ہے دل کو کچھ دنوں ہی کیلئے سہی ویران دل مطالعہ کے بعد آباد تو ہو ہی جاتا تھا۔ احساس و شعور زندہ ہو جاتے تھے اور حضرت علیہ الرحمۃ کی جدائی کے بعد یہ رسالہ ہی تھا جس سے ہم جیسے محروم القسمۃ کو تھوڑی سی تسلی و تشفی ہو جاتی تھی اور یکساعت صحبت اولیاء کا لطف آجاتا تھا۔ خدا کرے کہ رسالہ نہ صرف یہ کہ جاری ہی رہے بلکہ اسکو دن دونی رات چوگنی ترقی ہو۔

اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو صحت و عافیت سے رکھیں تاکہ یہ اسلامی اور روحانی مشن جاری رہے آمین۔"

(ادارہ)

۱۰۶۔ آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کون لوگ کہلاتے ہیں

فرمایا کہ ——— جامع صغیر کی شرح التیسیر میں (جو کہ علامہ عبدالرؤف مناوی کی مشہور کتاب ہے) لکھا ہے کہ آل رسول سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے وہ مومن قرابت دار ہیں جو خاندان بنی ہاشم یا بنی مطلب سے ہوں یا اس سے مراد آپکی امت کے اتقیاء ہیں۔ علامہ دوانی نے ھیاکل النور کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ کسی شخص کے آل وہ لوگ کہلاتے ہیں جو اسکی جانب منسوب ہوتے ہوں اس طور پر آل مصطفےٰ وہ لوگ ہوں گے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیجانب منسوب ہوں خواہ باعتبار نسب کے یا باعتبار نسبۃ کے۔ پس ان میں سے اول (یعنی جو نسب کیوجہ سے منسوب ہوں) وہ لوگ ہیں جن پر صدقہ حرام ہوا کرتا ہے یعنی بنی ہاشم اور بنی مطلب کے مؤمنین۔ اور ثانی (یعنی جو لوگ نسبۃ کے اعتبار سے تعلق رکھتے ہیں) انکی پھر دو قسمیں ہیں) ایک انمیں علماء ہیں جبکہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت کمال صوری کے طور پر رکھیں یعنی شریعت کے اور سنت کے کامل پابند ہوں (تو ایسے علماء بھی آل رسول ہی کہلائیں گے) دوسرے اولیاء کرام اور حکماء اسلام ہیں جبکہ یہ لوگ بھی دین و شریعت پر سختی سے پابند ہوں یعنی حقیقی کمال کے ساتھ متصف ہوں محض رسوم پر عکوف نہ کئے ہوں جسکا بھی حاصل یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انھیں باطنی قوی نسبت حاصل ہو۔

چنانچہ جس طرح سے پہلی قسم یعنی نسبی تعلق رکھنے والوں پر ظاہری صدقہ حرام ہے اسی طرح سے دوسری قسم یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت رکھنے والوں پر بھی باطنی اور معنوی صدقہ حرام ہوتا ہے یعنی یہ کہ علوم و معارف الٰہیہ میں ان کے لئے دوسروں کی تقلید اور خوشہ چینی کرنی یہ بھی حرام ہے۔ پس آل نبی وہ لوگ ہونگے جو آپ کی جانب منسوب ہوں خواہ نسب کے اعتبار سے (اور یہ آپکی حیات جسمانیہ مطہرہ کے اعتبار سے ہے) جیسے آپ کی خاص نسبی اولاد۔ یا وہ لوگ

جو آپ کے اقارب ظاہری میں سے انھیں حضرات کے نقش قدم پر چلے ہیں۔ یا وہ لوگ ہوں گے جنکو آپ سے باطنی نسبت حاصل ہے اور یہ باعتبار آپ کی حیات حقیقیہ کے ہے۔ جیسے آپ کی روحانی اولاد یعنی علمائے راسخین۔ اولیاء کاملین اور آپ کی امت کے عکاّ مسلمین جنھوں نے مشکوٰۃ نبوت سے فیض حاصل کیا ہے یہ سب حضرات بھی آپ کے آل ہی شمار ہونگے خواہ یہ لوگ زمانے کے اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گذرے ہوں یا بعد میں ہوئے ہوں۔ اور اس میں شک نہیں کہ یوں تو آل نبی یہ سب ہی حضرات داخل ہیں لیکن، ثانی قسم (یعنی اہل نسبۃ علمی و روحانی والے) اول قسم سے (یعنی صرف اہل نسب سے درجہ میں) بڑھے ہوئے ہیں اور دوسری قسم کی دوسری صنف (یعنی عالم ظاہری نہیں بلکہ حضرات اولیاء کاملین) دونوں قسموں کی پہلی صنف سے بڑھے ہوئے ہیں (یعنی آپکی امت کا ایک ولی کامل جنکو آپ سے قوی روحانی نسبت حاصل ہو وہ ایک سیّد محض سے یا صرف عالم ظاہری غیر سید سے درجہ میں زیادہ ہے۔ اور اگر کسی میں یہ دونوں جہتیں جمع ہو جائیں یعنی نسب بھی اور نسبت بھی یا تینوں ہی جہتیں جمع ہو جائیں یعنی نسب، علم ظاہر اور ولایت باطنی تو اسکا کیا کہنا وہ تو نورٌ علیٰ نور کا مصداق ہو جائے جیسا کہ عترت طاہرہ کے ائمہ مشہورین کہ وہ حضرات سادات کرام میں سے بھی تھے عالم بھی تھے اور اللہ تعالیٰ سے نسبت باطنی حاصل ہونے کی وجہ سے ولی کامل بھی تھے ان حضرات کی فضیلت کا کیا کہنا۔ سبحان اللہ۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ ماشاء اللہ نسب اور نسبت میں فرق جاننے کے سلسلے میں یہ نہایت ہی عمدہ تحقیق ہے۔ چنانچہ یہ جو کہا گیا ہے کہ لاشک ان الثانیۃ اعلیٰ من الاولیٰ یعنی بلاشبہ قسم ثانی (اہل نسبۃ والے) قسم اول (اہل نسب) والوں سے درجہ میں بڑھے ہوئے ہیں تو اسکی وضاحت کرتے ہوئے ہمارے حضرت اقدسؒ نے روح المعانی سے ایک حکایت بھی سنائی تھی وھو ہذا۔

(حکایت شریف خراسانی وموٰلی اسود)

فرمایا کہ ـــــــ روح المعانی میں ہے کہ جس کسی کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتساب کا شرف بخشا ہو یعنی وہ آپ کے خاندان سے ہو یعنی سید ہو) تو جسے اللہ پاک اس شرف سے نوازے اسکو زیب نہیں دیتا کہ وہ تقویٰ سے عاری ہو اور خود کو اس مرتبہ سے عاطل رکھے اور خواہشات نفس کی اتباع سے خود کو آلودہ کرلے اسلئے کہ نیکی اور بھلائی یوں تو بذات خود بھی بھلی ہی چیز ہوتی ہے لیکن بیت نبوت میں اگر پائی جائے تو پھر اسکا کیا کہنا اسمیں چار چاند لگ جاتے ہیں اور وہ احسن ہوجاتی ہے اسی طرح سے برائی کا حال ہے کہ بُری بات اپنی ذات میں تو بری ہوتی ہی ہے مگر اہل بیت نبوت سے اسکا صدور نہایت ہی درجہ مذموم ہو جاتا ہے چنانچہ یہی اتباع ہوئی ایک شریف ذی نسب کو ایسی حالت پر پہونچا دیتا ہے کہ وہ خود کو مارے غیرت کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیجانب منسوب کرنے سے شرماتا ہے حتیٰ کہ کبھی مارے حیا کے اسکا منکر تک ہو جاتا ہے (کہ نہ اپنے کو سید کہوں گا نہ لوگوں کو طعن کا موقع ملیگا) چنانچہ ایسے ہی کسی موقع پر ایک شریف النسب بدعمل کیلئے یہ کہا گیا ہے کہ ؎

قال النبی مقال صدق لم یزل	یحلو لدی الاسماع والافواہ
ان فاتکم اصل امرئ ففعالہ	تبینکم من اصلہ المتناھی
واراک تسفر من فعالک لم تزل	بین الانام عدیمۃ الاشباہ
وتقول انی من سلالۃ احمد	افانت تصدق ام رسول اللہ

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی سچی (اور نپی تلی) بات فرمادی ہے کہ ہمیشہ سب کانوں کیلئے اسکا سننا اور ہر زبان کے لئے اسکا کہنا پسند اور شیریں ہی معلوم ہوگا۔

۲۔ (وہ یہ کہ) اگر تمکو کسی انسان کی ذات اور اسکے نسب کا علم نہ ہوسکے تو اس کے

افعال کو دیکھو (اسی سے کچھ سراغ لگاؤ) وہ تمھیں اسکی اصل کا جس سے اسکا سلسلہ ملتا ہے پتہ دیدے گا۔

۳۔ اس طرح سے کہ ان افعال کو کرنے کی وجہ سے وہ لوگوں کی نظروں سے دن بدن گرتا ہی چلا جائے گا یہاں تک کہ ایک دن وہ زندہ رہتے ہوئے بھی معدوم شمار کیا جائے گا۔

۴۔ تو کہتا ہے کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ہوں تو میں تجھے سچا سمجھوں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تصدیق کروں اور آپ کو سچا جانوں ۔۔۔ ایسے وقت میں شریف کو خود اپنے نفس پر ملامت کرنی چاہیئے جبکہ وہ لوگوں کی جانب ایسا کوئی معاملہ دیکھے جو اسکے لئے تکلیف دہ ہو یا کوئی ایسا شخص اسکے عمل بد کی وجہ اسپر ملامت کرے جو نسب میں اسکا پاسنگ بھی نہ ہو (کیونکہ اس کراہت اور اس مذمت کا وہ خود ذمہ دار ہے لہٰذا اپنے ہی کو ملامت کرے۔ جیساکہ بیان کیا جاتا ہے کہ شہر خراساں کے بعض شرفاء نسب کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہاں کے دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں بہت قریبی تعلق رکھتے تھے ۔ مگر عمل کی رو سے وہ شریف فاسق کیا فاسق مجاہر تھا یعنی کھلم کھلا فسق و فجور میں مبتلا رہا کرتا تھا اور اسی شہر میں ایک اور صاحب تھے جو تھے تو حبشی غلام مگر علم اور عمل کے آفتاب و ماہتاب تھے جسکا اثر یہ تھا کہ لوگ انکے آگے بطور تعظیم کے جھکے پڑتے تھے۔ ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ یہی بزرگ اپنے گھر سے نکلکر مسجد کی جانب جارہے تھے اور پیچھے پیچھے خلق کثیر کا ایک مجمع (حضرت کے ساتھ نماز پڑھنے اور انکی صحبت سے برکت حاصل کرنے کے لئے) چل رہا تھا۔ ان بزرگ سے اس شریف کی ملاقات ہوگئی جسکا حال یہ تھا کہ شراب کے نشہ میں مست جارہا تھا اور کچھ لوگ اسکے آگے ہٹو بچو ہٹو بچو کہتے ہوئے چل رہے تھے۔ ان بزرگ کے مجمع سے جب وہ آگے بڑھا تو شیخ کا دامن پکڑ کر کہا کہ او کلوٹے جسکا سر سے لیکر پیر تک سارا بدن کالا ہے اور ہونٹ بھی موٹے موٹے اور کالے کالے ہیں اور کا

ابن کافر میں ابن رسول ہوکر ذلیل رہوں اور تو اس طرح سے باعزت رہے اور میری اہانت ہو اور تیری توقیر کیجائے (میرا مقابلہ کرتا ہے اور اپنے ساتھ ساتھ اتنا بڑا قافلہ لئے پھرتا ہے بتا یہ تجھے کب زیب دیتا ہے) شریف کی زبان سے یہ کلمات سنکران بزرگ کے ہمراہیوں نے تو ارادہ کیا کہ اسکی پٹائی کر دیں مگر شیخ نے منع فرما دیا کہ ایسا نکرو، اسکی یہ تلخ گفتگو اسکے نانا کی خاطر مجھے گوارا ہے اور میں نے تو اسے معاف بھی کر دیا اگرچہ بات حد سے بڑھی ہوئی تھی (اپنے لوگوں سے یہ کہکران بزرگ نے روئے سخن اس شریف کیطرف پھیرا اور کہا کہ) لیکن اے شریف محترم! سنیئے بات یہ ہے کہ میں نے اپنے ظاہر کی سیاہی کے ساتھ ساتھ اپنے باطن کو اجلا کر رکھا ہے اور آپ نے حسن ظاہری کے باوجود اپنے باطن کو سیاہ کر رکھا ہے۔ چنانچہ میرے قلب کی نورانیت اور سفیدی میرے چہرے کی سیاہی پر غالب ہو کر اسکے اوپر نظر آئی اسلئے لوگوں نے میری تحسین کی اور آپ کے قلب کی سیاہی آپ کے چہرے کی سفیدی پر غالب آئی اور اسکے اوپر دیکھی گئی اس لئے لوگوں نے آپ کو برا جانا (اسی بات کو یوں سمجھئے کہ) میں نے تو آپ کے والد محترم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرت اور آپ کے طریقۂ مبارکہ کو حاصل کیا اور آپ نے میرے باپ دادا کے طریقے کو اپنایا پس لوگوں نے مجھے تو آپکے نانا کے طریقہ پر دیکھا اور آپکو میرے باپ دادا کے طریقہ پر پایا لہٰذا انھوں نے مجھے تو آپکے باپ کا بیٹا جانا اور آپ کو میرے باپ کی اولاد گردانا پھر اسکے بعد آپکے ساتھ لوگوں نے وہی معاملہ کیا جو میرے باپ کے ساتھ ہونا چاہیئے تھا اور میرے ساتھ وہ برتاؤ کیا جو آپکے والد ماجد اور نانا محترم کے ساتھ کیا جانا چاہیئے تھا۔ چنانچہ اسی موقع یا اسی جیسے موقع کے لئے کہا گیا ہے کہ

ولاینفع الاصل من ہاشم　　اذا کانت النفس من باہلہ

یعنی کسی کا خاندان کی رو سے ہاشمی ہونا اسکو کچھ بھی نفع نہ دیگا جبکہ اسکا نفس بالکل جاہل رذیل اور کج خلق ہو۔ معلوم ہوا کہ اچھا علم و خلق اور اچھی نسبت اچھے نسب سے بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(روح المعانی تفسیر سورۂ حجرات)

۱۰۷ - رحمت اور مغفرت کا مہینہ

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ شعبان کی آخری تاریخ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک خطبہ دیا اس میں آپؐ نے یہ فرمایا کہ ——— فرمایا کہ اے لوگو! تم پر ایک مبارک مہینہ سایہ فگن ہوا ہے وہ ایسا مہینہ ہے کہ اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار ماہ کی راتوں سے بڑھکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ماہ کے روزوں کو فرض کیا ہے۔ اور اسکے قیام (یعنی تراویح) کو نفل قرار دیا ہے اور جو شخص اس ماہ میں کوئی بھی نفل کام کرے تو وہ ایسا ہے جیسا کہ اسکے غیر میں فرض کا ادا کرتا۔ اور جو شخص اس میں کوئی فرض ادا کرے تو وہ ایسا ہے جیسا کہ اسکے غیر میں اس نے ستر فرض ادا کئے ہوں۔ اور فرمایا کہ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ اور یہ مواساۃ (یعنی غمخواری اور جُود و سخا) کا مہینہ ہے۔ اور یہ ایسا مہینہ ہے جس میں مومن کی روزی بڑھا دی جاتی ہے۔ اور جو شخص اس ماہ میں کسی کو افطار کرائے تو یہ اسکی مغفرت کا ذریعہ بنے گا اور ایسا ہوگا گویا اس نے جہنم سے ایک رقبہ کو آزاد کرا لیا اور اسکو بھی اس روزہ دار کے برابر ثواب ملیگا بغیر اسکے کہ اُسکے اجر میں کچھ کمی ہو۔ حضرات صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم میں سے تو بہت سے لوگ ایسے نادار ہیں کہ کسی روزہ دار کو افطار کرانے کی استطاعت ہی نہیں رکھتے تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہ ثواب اسے بھی عطا فرمائے گا جو کسی روزہ دار کو ایک گھونٹ دودھ یا ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی ہی سے افطار کرادے۔ باقی جو شخص کسی روزہ دار کو پیٹ بھر کھانا کھلا دے تو اللہ تعالیٰ اسکو میرے ہاتھ سے ایسا پانی پلائیں گے کہ پھر وہ جنت میں داخل ہونے تک پیاسا نہیں ہوگا۔

اور فرمایا کہ یہ ایسا مہینہ ہے کہ جسکا اول رحمت ہے اور اوسط اسکا مغفرت ہے اور آخر اسکا دوزخ سے رہائی ہے۔ اور جو شخص اس ماہ میں اپنے غلام و خادم

سے کام لینے میں آسانی کرد ے تو اللہ تعالیٰ اسکی مغفرت فرما دیں گے اور اسکو دوزخ سے رہائی دیں گے۔

(۲) فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت رمضان المبارک کے لئے ابتدا رسال سے سجائی جاتی ہے چنانچہ جب رمضان کا پہلا دن ہوتا ہے تو عرش کے نیچے سے ایک ہوا چلتی ہے جو جنت کے پتوں سے گذرکر حورعین کے پاس کو پہونچتی ہے وہ کہتی ہیں اے ہمارے رب اپنے بندوں میں سے ہمارے لئے جوڑے بنا دیجئے جن سے ملکر ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ہمکو پاکر انکی آنکھیں ٹھنڈی ہوں (چنانچہ ہمکو جنت کی ہوا حوروں کی اس دعا کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی ہے۔ لہٰذا ایک مؤمن کے لئے اس پر ایمان لانا ضروری ہے)

۳۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان کی آخری شب میں اللہ تعالیٰ آپکی امت کے صائمین کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! کیا وہ شب لیلۃ القدر ہوتی ہے؟ فرمایا نہیں مگر بات یہ ہے کہ مزدور کی مزدوری کام ختم ہونے پر دیدی جایا کرتی ہے

۴۔ حضرت انس بن مالکؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو یہ ماہ مبارک ہمارے پاس آیا ہے اس میں ایک رات ہے جو ہزار (ماہ) کی راتوں سے بڑھکر ہے جو اس سے محروم رہا وہ ہر قسم کے خیر سے محروم رہا۔ اور اسکے خیر سے نہیں محروم رہا کرتا مگر وہی شخص جو بے نصیب اور ذوق عبادت سے عاری ہوتا ہے۔

۵۔ حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صیام اور قرآن دونوں بندہ کی شفاعت کریں گے۔ چنانچہ روزہ کہیگا کہ اے پروردگار میں نے دن بھر اسے کھانے پینے اور شہوات سے روک رکھا تھا لہٰذا اسکے بارے میں میری شفاعت قبول فرمائیے اور قرآن کہیگا کہ اے پروردگار میں نے

اسکو رات میں سونے سے روک رکھا تھا لہٰذا اسکے حق میں میری شفاعت قبول فرمائیے
(افسوس آج ہم اپنے ان دونوں سفارشیوں سے بے تعلق ہوگئے ہیں بقول اکبرالٰہ آبادی ؔ
صوم ہے ایمان سے ایمان رخصت صوم گم قوم سے قرآن سے قرآن رخصت قوم گم

۶۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہرنیکی کا ثواب ایک کا دس اور دس سے سات سو تک ملا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روزہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے اسلئے کہ وہ تو میرے لئے ہے اس لئے اسکا بدلہ میں ہی دوں گا کیونکہ بندہ اپنی شہوت کو اور اپنے کھانے پینے کو میری ہی خاطر ترک کرتا ہے۔

اور فرمایا کہ روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں ایک خوشی اسکو افطار کے وقت حاصل ہوتی ہے (اور یہ جسمانی خوشی ہوگی)۔ دوسری خوشی اسکو اس وقت ہوگی جبکہ وہ اپنے رب سے ملاقات کریگا (اور یہ خوشی اسکو روحانی ہوگی)۔

اور فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص روزہ رکھے ہوئے ہو تو اس کو چاہیئے کہ بے حیائی کی باتیں بکے نہ شوروشغب مچائے اور اگر کوئی دوسرا شخص اس سے گالی گلوچ کرنے لگے یا لڑنے لگے تو یہ کہکر وہاں سے الگ ہو جائے کہ میرا روزہ ہے۔

افطار فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگ ہمیشہ خیر پر رہینگے جبتک کہ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے یعنی جب تک اس سنت پر قائم رہیں گے شروفساد سے مامون رہیں گے۔ (اور افطار میں جلدی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ غروب آفتاب کے بعد پھر توقف نہ کیا جائے یہ مطلب نہیں کہ ایسی جلدی کرو کہ غروب سے قبل افطار کا شبہ پڑ جائے،

علامہ تورپشتی ؒ نے فرمایا کہ یہ تعجیل اسلئے مستحب ہوئی کہ اہمیں اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کی مخالفت ہے اسلئے کہ وہ لوگ خوب تارے پھیل جانے کے بعد افطار کرتے ہیں (چنانچہ ہمارے یہاں روافض وغیرہ کا بھی یہی طریقہ

ہے جو سنت کے بالکل خلاف ہے باقی یہ تعجیل محبوب اسلئے ہوئی کہ اس میں
بندہ کی عجز واحتیاج کا اظہار ہے جو عبودیت کے عین مناسب ہے اور
حق تعالیٰ کی جانب سے اجازت پاکر اسکی نعمتوں کی جانب سبقت اور مُبادرت (جلدی کرنا)
ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم)

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب افطار فرماتے
تھے تو یہ دعاء پڑھتے تھے اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ یعنی
اے اللہ میں نے آپ ہی کیلئے روزہ رکھا اور آپ ہی کے دیئے پر میں نے
افطار کیا۔

ابن ماجہ میں ہے کہ روزہ دار کے لئے اس کے افطار کے وقت
ایک دعاء ہوتی ہے جو رد نہیں ہوتی یعنی ضرور قبول ہوتی ہے چنانچہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم بوقت افطار یہ دعاء مانگا کرتے تھے یَا وَاسِعَ الْفَضْلِ اِغْفِرْلِیْ
یعنی اے وسیع فضل والے میری مغفرت فرما۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے بوقت افطار یہ دعاء بھی منقول ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَعَانَنِیْ فَصُمْتُ
وَرَزَقَنِیْ فَاَفْطَرْتُ یعنی تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے
میری مدد فرمائی تو میں نے روزہ رکھا اور مجھے رزق عطا فرمایا تو میں نے افطار کیا۔

سحری: حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے سحری کھانے کے لئے یہ فرماتے ہوئے بلایا کہ آؤ جی آؤ
مبارک کھانا کھاؤ۔ (دیکھئے آپؐ نے اسکو مبارک کھانا فرمایا) نیز آپؐ نے
یہ فرمایا تسحروا فان فی السحور برکۃ یعنی لوگو سحری کھایا کرو سحری میں برکت
ہوتی ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ مراد برکت سے اگلے دن کے روزہ پر طاقت کا
حاصل ہونا ہے چنانچہ ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ دن کے قیلولہ سے
رات کے قیام پر تقویت حاصل کرو اور رات کی سحری سے دن کے صیام پر قوت
حاصل کرو۔ نیز فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہمارے اور اہل کتاب

کے روزہ میں یہی سحری ما بہ الفرق ہے یعنی ہم مسلمان لوگ سحری کھاتے ہیں اور وہ نہیں کھاتے (اس لئے علماء نے فرمایا ہے کہ کچھ نہ کچھ سحری ضرور کھالیا کرے خواہ ایک پیالی چائے یا دودھ یا ایک گلاس شربت ہی کیوں نہ ہو تاکہ اہل کتاب کی مشابہت سے نکل جائے)

مقصد اصلی فرضیتِ صوم سے حصول تقویٰ ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یَاۤ اَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ ۔ یعنی اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح سے کہ تم سے پہلے کے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا اسلئے تاکہ تم متقی ہو جاؤ۔

حدیث شریف میں ہے کہ روزہ رکھکر جس شخص نے کذب اور فسق کو ترک نہ کیا تو اللہ تعالیٰ کو اسکے محض کھانا پانی چھوڑ دینے کی کوئی حاجت نہیں (اللہ تعالیٰ ایسے روزہ دار پر ناراضگی کا اظہار فرما رہے ہیں اسلئے کہ اسکا یہ روزہ غرض و غایت صوم سے خالی ہونے کی وجہ سے لغو اور بے مصرف عمل ہے)

صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ زور سے مراد قولِ باطل ہے جس کے ارتکاب سے گناہ ہو خواہ کذب ہو۔ جھوٹی گواہی ہو۔ افتراء و بہتان ہو یا غیبت و شکایت ہو یا سب و شتم اور باہم لعن طعن ہو اور عمل زور سے مراد ہر قسم کے فواحش اعمال ہیں۔

ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں جو روزہ اور وضو دونوں کے لئے ناقض ہیں (یعنی ان سے روزہ اور وضو ناقص اور مکروہ ہو جاتا ہے) وہ یہ ہیں :۔ جھوٹ بولنا۔ غیبت کرنا۔ چغلی کھانا۔ بدنظری۔ اور جھوٹی قسم کھانا۔

جامع صغیر میں ہے کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں جن سے روزہ افطار

ہو جاتا ہے (یعنی روزہ کا ثواب ختم ہو جاتا ہے اور رکھنا نہ رکھنا برابر ہو جاتا ہے روزہ ناقص اور خراب ہو جاتا ہے) وہ چیزیں یہ ہیں کبر۔ غیبت نمیمہ بد نظری اور جھوٹی قسم۔

مرقات میں ہے کہ قاضی بیضاوی فرماتے ہیں کہ مقصود صوم سے کسر شہوت ہے اور یہ کہ نفس امارہ مطمئنہ بن جائے تو جب معصیت میں ارتکاب کے سبب روزہ سے یہ بات نہ حاصل ہو سکی تو اللہ تعالیٰ کو اسکے صوم کی کچھ پرواہ نہیں ہے۔ اسکی جانب نظر عنایت نہ فرمائیں گے کہ کتنا بڑا نادان یہ شخص ہے کہ اتنا بھی نہیں سمجھتا کہ جو چیز اب سے پہلے مباح تھی یعنی کھانا پینا وہ تو اس نے ترک کر دیا اور جو امور ہر زمانہ میں حرام تھے انھیں ان ایام میں کر رہا ہے اس سے بڑھکر احمق اور بیوقوف اور کون ہوگا۔ روزہ تو حقیقۃً انھیں چیزوں سے اہتمام کے ساتھ بچنے کا نام تھا نہ کہ ان کے ارتکاب کرنے کا۔

اصل یہ ہے کہ روزہ کا ایک تو ظاہر ہوتا ہے وہ یہی کھانا پینا اور شہوت کا ترک کر دینا ہے اور ایک اسکا باطن ہوتا ہے یعنی محرمات شرعیہ سے بچنا اور کسی حرام فعل کا ارتکاب نکرنا اسی کا نام تقویٰ ہے اور یہی صوم کی حقیقت اور اسکا باطن اور روح ہے اور مشروعیت صوم سے یہی مقصود ہے۔ اگر یہی چیزیں نہ حاصل ہوں اور صرف بھوک اور پیاس کا نام روزہ سمجھ لیا جائے تو یہ محض لغو سی بات ہے ایسے روزہ کی اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی قدر و منزلت نہیں، اور ایسے روزہ پر چاہے مفتی صحت کا حکم لگا دے اور شریعت کی رو سے چاہے اسے صحیح کہدیا جائے مگر اللہ و رسول کے نزدیک وہ روزہ مقبول نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی روزہ مشروع ہی نہیں فرمایا جو کہ مثمر تقویٰ نہ ہو۔

روزہ میں نیت کا مقام

علامہ طیبی فرماتے کہ روزہ دار اگر ثواب کی نیت سے اور اخلاص کے ساتھ روزہ نہ رکھے اور معاصی مثلاً

جھوٹ۔ غیبت۔ بہتان وغیرہ سے نہ بچے تو اسکو سوا بھوک اور پیاس کے کچھ
حاصل نہ ہوگا۔

ابن ملک کہتے ہیں کہ یہی حال تمام عبادات حج وغیرہ کا ہے کہ جب
وہ اخلاص سے خالی ہوں گے تو ان کے کرنے سے بجز مال کے خسارہ کے ا
کچھ حاصل نہ ہوگا اور تعب بدن جو ہوگا وہ نقد وقت رہیگا

اسی لئے کہتا ہوں کہ صرف کھانا پانی چھوڑ دینا تو آسان ہے لیکن
جب اللہ و رسول کے منشار کے مطابق نیت خالص کر کے روزہ رکھیے گا تو آسان
اس بیان سے معلوم ہوا کہ روزہ کی خاص شان ہے۔ یہ دین کا ایک اہم فر
اور شعائر اسلام ہے اسلئے اسکا اہتمام بھی زیادہ ہے اگر آدمی اسکا حق
ادا کرے تو بہت زیادہ اجر اسکو ملے اور وہ حق یہی ہے کہ یہ سمجھے کہ یہ
بدن کی عبادت ہے یعنی کھانا پینا تو ترک کرنا ہی ہوگا اسکے علاوہ زبان کی
حفاظت کرنی ہوگی کہ غیبت نہ کرے جھوٹ نہ بولے اور یہ زبان کا روزہ
اور کان کا روزہ یہ ہے کہ کسی کی غیبت و شکایت نہ سنے اور اس میں آ
کی عبادت یہ ہے کہ کسی نامشروع محل میں اسکو استعمال نہ کرے جب انسا
ان سب امور کا لحاظ رکھے گا تو یہ علامت ہوگی اسکی کہ تقویٰ اسکے قلب
میں موجود ہے اور مقصود صوم حاصل ہو رہا ہے ـــــ اور ظاہر مع
کا ترک یہ تو تقویٰ کا پہلا درجہ ہے اور دوسرے درجات اسکے آگے ہیں
وہ یہ کہ اس میں فرشتوں سے مشابہت حاصل ہو جاتی ہے نیز انسان عدم ا
و شرب کے وصف سے متصف ہونے میں متخلق باخلاق اللہ تعالیٰ ہو جا

باقی یہ مقامات تو عالیہ ہیں انکو اور لوگوں کے لئے رہنے دیجیے آپ
صرف یہی کر لیں تو بہت ہے کہ اپنے آپ کو (اہتمام کیا تھا) ان ایام میں گناہ
سے بچا لیں اور گناہ نہ کریں (گانا بجانا نہ سنیں۔ سنیما تماشہ دیکھیں۔ لغو
فضول باتوں میں وقت نہ گذاریں۔ غیبت شکایت اور لڑائی جھگڑے۔

پرہیز رکھیں (تاش کیرم نہ کھیلیں۔ سونے کو منع نہیں کرتا اسکی وجہ سے گو ذکر و تلاوت اور دوسری طاعت نہ کرسکیں گے تاہم تمام لغویات سے تو بچے رہیگے ان ایام میں فرض نماز با جماعت کا بہت زیادہ اہتمام کرنا چاہیے۔

بہر حال روزہ رکھنا اور صحیح طریقہ سے رکھنا مومن کے لئے کچھ کم فرحت کی چیز نہیں ہے۔ مگر ہاں مشکل ضرور ہے اور جب اخلاص کے ساتھ کرنے کیوجہ سے مؤمن کا کوئی عمل عنداللہ مقبول ہوگیا تو اسکی وجہ سے جو چیزیں وجود میں آتی ہیں سب خدا تعالیٰ کے یہاں پسندیدہ ہیں۔ چنانچہ روزہ جب مقبول ہوگیا تو روزہ دار کے منھ کی بو خدا کے نزدیک مشک سے بہتر۔ جہاد جب مقبول ہوگیا تو مجاہد کے گھوڑے کی لید بھی قیامت میں تولی جائے گی۔ اس میں اشکال ہی کیا ہے؟ مشہور ہے کہ محبوب کی گلی کا کتا بھی محبوب ہوتا ہے یہ سب محبوبیت اور مقبولیت کے آثار میں سے ہے

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ممبر شریف پر چڑھتے وقت تینوں زینوں پر قدم رکھتے وقت تین بار آمین فرمایا۔ صحابہ کرامؓ دریافت فرمایا کہ آپ نے آج ایک ایسا عمل فرمایا ہے کہ اس سے قبل اسے کبھی نہیں کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب میں نے پہلے درجہ پر قدم رکھا تو جبرئیل نے کہا کہ خاک آلود ہو اس شخص کی ناک جو اپنے والدین کا بڑھاپا پائے اور انکی خدمت کرکے جنت نہ حاصل کرلے میں نے کہا آمین۔ پھر جب میں نے دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تو انھوں نے کہا خاک آلود ہو اس شخص کی ناک جسکے سامنے آپکا نام نامی لیا جائے اور وہ آپ پر درود شریف نہ پڑھے (یعنی کم از کم صلی اللہ علیہ وسلم نہ کہے)، میں نے کہا آمین۔ پھر جب میں نے تیسری سیڑھی پر قدم رکھا تو انھوں نے کہا کہ اس شخص کی بھی ناک خاک آلود ہو جو رمضان المبارک کا زمانہ پائے اور خدا کی رحمت و مغفرت سے فائدہ نہ اٹھالے یعنی اپنے گناہ بخشوا نہ لے۔ میں نے کہا آمین۔

اب لوگ ہم سے آکر کہتے ہیں کہ کیا باتیں بیان کریں کہ لوگوں پر اثر ہو میں کہتا ہوں کہ دیکھئے روزہ ہی کے متعلق کیسے کیسے فضائل بیان کئے گئے ہیں کیا اثر لینے کے لئے یہ ارشادات نبویہ کچھ کم ہیں انکو بیان کیجئے اوران سے لوگوں کا اثر ڈالئے۔ مگر اسکے لئے پہلے یہ ضروری ہوگا کہ بیان کرنے والا پہلے خود ان مضامین سے متاثر ہو تب دوسروں پر اثر ڈال سکتا ہے اور اگر خود ہی ان سے متاثر نہ ہوگا تو دوسروں پر بھی اثر نہ ڈال سکے گا۔

رمضان اور قرآن

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ یعنی رمضان شریف کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا (اسی ماہ کی ایک شب قدر میں سارا قرآن لوح محفوظ سے سماء دنیا پر نازل ہوا) علماء نے لکھا ہے کہ اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے لئے روزہ جیسی عبادت فرض کی گئی۔ پس منجملہ شکر ہی کے یہ بھی ہے کہ اس ماہ میں اسکی زیادہ سے زیادہ تلاوت کیجاوے۔ چنانچہ حفاظ کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح مسنون فرماکر تلاوت میں لگا دیا اور حضرت عمرؓ نے اسکا مروجہ نظم مقرر فرماکر تمام مسلمانوں کو اور مساجد مسلمین کو نور سے معمور فرمادیا۔ (تنبیہ الغافلین میں فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ حضرت عمرؓ نے تراویح پر جو لوگوں کو جمع کیا تو مجھ ہی سے ایک حدیث سنکر ایسا کیا ہے لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت وہ حدیث کیا ہے؟ فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے عرش کے گرداگرد ایک جگہ ہے جسکو "خطیرۃ القدس" کہا جاتا ہے وہ سراپا نور ہے وہاں اللہ تعالیٰ کے بیشمار فرشتے ہیں جو شب وروز اسکی عبادت کرتے ہیں اور وہ تھکتے نہیں جب ماہ رمضان کی راتیں آتی ہیں تو وہ ملائکہ حق تعالیٰ سے اجازت طلب کرتے ہیں کہ انھیں زمین پر جاکر مسلمانوں کے ساتھ نمازمیں شریک ہونے کی اجازت عطا فرمائی جاوے چنانچہ

وہ پورے رمضان بھر ہر شب اترتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ انسانوں میں سے جن کسی کے جسم کا ان سے مس ہو جاتا ہے یا وہ جن کسی سے ٹکرا جاتے ہیں تو وہ ایسی سعادت کے ساتھ متصف ہو جاتا ہے کہ پھر کبھی شقی نہیں ہوگا۔ یہ حدیث سنکر حضرت عمرؓ بولے کہ پھر تو ہم اسکے زیادہ مستحق ہیں کہ اسکے مواقع فراہم کریں چنانچہ انھوں نے لوگوں کو مساجد میں حفاظ کے پیچھے جمع فرما دیا اور ۔۔۔۔ تراویح کی موجودہ شکل قائم فرما دی۔

نیز حضرت علیؓ ہی سے منقول ہے کہ ایک شب رمضان میں آپ نے مکان سے باہر نکلکر مدینہ کی گلیوں کا چکر لگایا تو دیکھا کہ مساجد روشن ہیں[۱] اور تراویح میں ہر طرف قرآن پڑھا جا رہا ہے آپ کو یہ منظر بہت بھایا چنانچہ دہیں ٹھیر گئے، اور فرمایا کہ سبحان اللہ۔ اللہ تعالیٰ عمرؓ کی قبر کو نور سے بھر دے جسطرح سے کہ انھوں نے ہماری مساجد کو قرأۃ قرآن کے نور سے منور کر دیا ہے اور اسی طرح کی روایت حضرت عثمانؓ سے بھی ثابت ہے۔

مسئلہ: تراویح میں ترتیل اور صحت کے ساتھ تھوڑی مقدار میں قرآن کا پڑھنا ایسے تیز اور زیادہ مقدار پڑھنے سے کہیں بہتر ہے جس میں غلط قرآن پڑھا جائے اور سننے والے کی سمجھ میں سوا یا لمون تا لمون کے اور کچھ نہ آئے

مسئلہ: بدون اجرت کے اگر کوئی حافظ نہ ملتا ہو تو الم ترکیف پڑھ لینا اجرت لینے والے حافظ کے پیچھے قرآن سننے سے بہتر ہے۔

نیز علاوہ تراویح کے دن میں بھی تلاوت قرآن کا معمول رکھنا حق رمضان ہے۔

---

[۱] قولہ مساجد روشن ہیں۔ اقول مراد اس سے چراغاں نہیں ہے کہ وہ تو اسراف ہے، حرام ہے اور منع ہے۔ بلکہ عام طور سے بعد عشاء مساجد کے چراغ جو بجھا دیئے جاتے تھے اور مساجد تاریک نظر آتی تھیں ان دنوں خلاف معمول دیر تک روشنی جو نظر آئیں اسی پر آپ نے مسرت کا اظہار فرمایا۔ انتہیٰ۔

اعتکاف وشب قدر

رمضان شریف کے عشرۂ اخیرہ میں دو فضیلتیں اور جمع ہیں ایک شب قدر دوسری اعتکاف۔ قرآن شریف میں اس شب قدر کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ وہ ہزار ماہ کی راتوں سے بڑھکر ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسکی قدر بڑھانے ہی کے لئے اسکو کسی قدر مخفی فرما دیا ہے حدیث میں آتا ہے کہ لیلۃ القدر کو رمضان شریف کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو یعنی شب ۲۱-۲۳-۲۵-۲۷ اور ۲۹ ویں میں۔ بس اس سے زیادہ تعیین شریعت میں نہیں آئی لہٰذا ۲۷ ویں کو اپنی جانب سے شب قدر سمجھ لینا زیادت فی الدین ہوگی اور شریعت میں اپنی رائے لگانے کے مرادف ہوگا۔

غالباً اسی کی تلاش واہتمام کے لئے شریعت نے اسی کے ساتھ ساتھ ایک دوسری عبادت اعتکاف کو بھی مشروع فرما دیا ہے تاکہ دنیوی تمام علاقوں سے یکسو ہوکر حق تعالیٰ کے در پر ہی جا پڑے اور نہ صرف رات بلکہ اپنے دن کو بھی طاعات میں مصروف رکھے۔ چنانچہ اعتکاف رمضان مسنون ہے اور وہ دس دن کا ہے — ۲۰ ویں رمضان کو سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے اپنے محلہ یا بستی کی مسجد میں جس میں نماز با جماعت ہوتی ہو داخل ہو جائے اور صرف ضروریات شرعیہ اور طبعیہ کے لئے باہر نکلے باقی اپنا سارا وقت ذکر و تلاوت نوافل اور دینی باتوں کے سننے سنانے میں گذارے۔ دعاء اور استغفار خوب کرے یہاں تک کہ اپنے کو بخشوا ہی لے اور عید کا چاند دیکھکر مسجد سے باہر آئے۔

اور دوسرا درجہ اس سے کم ہے وہ یہ ہے کہ دس دن سے کم کا اعتکاف ہو۔ حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اگر درجۂ کمال حاصل نہ ہو تو ناقص درجہ کے حاصل کرنے سے فضیلت حاصل نہیں ہوتی اگر اس قدر نہو گی تو کچھ تو ضرور ہو جاوے گی ضاجو! اگر دسؔ دن نہ ہوسکے تو نو دن سہی۔ اسقدر بھی نہ ہوسکے تو ۷ دن سہی غرض جس قدر بھی ہوسکے اور جتنے دن بھی ہوسکے

چھوڑنا نہیں چاہیئے۔

اور ایک بہت بڑی فضیلت اعتکاف کی یہ ہے کہ معتکف کو ایام اعتکاف میں ہر وقت وہی ثواب ملتا ہے جو کہ نمازی کو نماز میں ملتا ہے دلیل اس کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے وہ شخص برابر نماز ہی میں رہتا ہے جو نماز کے انتظار میں بیٹھا رہے جسکا ماحصل یہ ہے کہ اگر مسجد میں بیٹھکر نماز کا انتظار کیا جائے تو وقت انتظار میں بھی وہی ثواب ملتا ہے جو وقت ادار صلوٰۃ میں ملتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ معتکف جب ہر وقت مسجد میں رہیگا تو اسکو نماز کا انتظار ضرور ہی رہے گا اگر یہ سوئے گا بھی تو اس نیت سے کہ اٹھکر فلاں نماز پڑھنی ہے کوئی کام بھی کرے گا تو اس نیت کے ساتھ کہ فلاں نماز تک یہ کام کرنا ہے غرض اسکا سونا، جاگنا، بیٹھنا، اٹھنا ہر ہر حرکت نماز کے حکم میں سمجھی جاوے گی۔ صاحبو! اس سے زیادہ اور کیا فضیلت ہوگی؟"

(راقم عرض کرتا ہے کہ دیکھا جاتا ہے کہ آج مسلمان الحمدللہ روزہ بھی شوق سے رکھتا ہے تراویح کا بھی اہتمام کرتا ہے۔ شب قدر بھی بہت سے لوگ جاگتے ہیں لیکن اعتکاف میں ہم لوگ بہت سست نظر آتے ہیں لہٰذا اس سنت کو بھی جاری کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

اوپر یہ جو بیان ہوا کہ اعتکاف میں ضروریات طبعیہ اور شرعیہ کے لئے باہر نکل سکتا ہے تو طبعیہ سے مراد پیشاب پاخانہ یا کسی لانے والے کا انتظام نہ ہونے کی صورت میں کھانا کھانے کے لئے گھر یا دکان پر جانا۔ اور شریعت سے مراد ہے مثلاً اسی مسجد میں جمعہ نہ ہوتا ہو تو جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے جامع مسجد جانا یہ شرعی ضرورت ہے۔ تنبیہ، لیکن غسل جمعہ یا غسل تبرید کے لئے یا نماز جنازہ پڑھنے کے لئے نہ نکلے کہ اولیٰ فرض نہیں اور موخرالذکر واجب کفایہ ہے اسلئے ان امور کے لئے بھی مسجد سے باہر نہ جائے۔ وضو چونکہ فرض ہے (اسی طرح غسل واجب کے لئے) باہر وضو اور غسل غالباً جا سکتا ہے)۔

(مکتوب نمبر ۲۱۶)

حال: اسکی نظر کرم کی خود مجھکو اڑا کے لیچلی
شبنم خستہ حال کو حاجت بال و پر نہیں

حضرت یہ پہلا رمضان شریف کا مہینہ گذرا جسکی قدر کرنے کی توفیق خداوند کریم نے اپنے فضل و کرم سے احقر کو بخشی اس سے پہلے یہی بابرکت مہینہ آتا تھا مگر بوجہ اپنی نفسانیت کے قدر نہیں کرتا تھا بلکہ بیقدری سے پیش آتا تھا اور اسی نحوست کی وجہ سے اپنے خالق و مالک سے بہت دور تھا مگر الحمدللہ اس مرتبہ حضرت والا کی برکت سے میں دیکھتا ہوں کہ جسم کے ہر حصہ نے اپنا پورا پورا حق ادا کرنے کی کوشش کی۔

آنکھوں نے عشق و محبت کے آنسو سے اس بابرکت مہینہ کا استقبال کیا، کانوں نے پورا مہینہ اپنے مالک کے ذکر ہی سننے میں گذار دیا۔ قدم صرف خداوند قدوس ہی کی طلب میں اٹھے۔ قلب بڑی مستعدی سے اپنے خالق میں لگا رہا۔

حضرت جب اپنے اخلاق رذیلہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تو الحمدللہ دیکھتا ہوں کہ ہر رذیلہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی یاد کی برکت سے بالکل بیجان ہو چکا ہے۔

نظر بد جیسا خبیث مرض جس نے ہمکو نہ معلوم کتنی بار خداوند کریم سے دور کر دیا تھا آج دیکھتا ہوں کہ رمضان شریف کی برکت سے ایسی شکست ہوئی ہے کہ انشاء اللہ اب دوبارہ ہمت نہیں کریگا۔

الحمدللہ حضرت والا نے جس غم کی مدح فرمائی ہے اسکا کچھ حصہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے احقر کو بھی عطا فرما دیا ہے۔ بہرحال میں اسی فکر میں لگا رہتا ہوں کہ کس طرح خداوند کریم کے قریب ہو جاؤں۔ ہمت کی دعا کرتا رہتا اور

اور ہمت کے ساتھ قدم آگے ہی بڑھا رہا ہوں اگر غفلت سے پیچھے بھی آجاتا ہوں تو تائب ہو کر بہت کچھ آگے بڑھ جاتا ہوں ۔ حضرت سوتا ہوں راستہ چلتا ہوں تو اسی غم میں غرق رہتا ہوں حضرت بخدا اس موذی دنیا سے نفرت بڑھتی ہی جارہی ہے

ہر طرف سے طبیعت کا میلان بجھتا ہی جارہا ہے بس خداوند قدوس سے قریب تر ہونے کی خواہش باقی رہ گئی ہے اور اس دھن میں واللہ وہ لطف آرہا ہے کہ جسکا اظہار لسانی یا تحریری نہیں کیا جاسکتا ۔ حضرت الحمدللہ امید کی جھلک بہت صاف نظر آنے لگی ہے قلب خاشع اور چشم نم نے بھی امید کا نغمہ محبت کی ایک خاص ادا سے سنانا شروع کر دیا ہے عقل نے قرب کا راستہ تلاش کرنا ہی اپنا خاص مشغلہ بنالیا ہے ۔ یہ سب کچھ ہمارے پیارے محسن حضرت والا کی نظر شفقت ہی کا ثمرہ ہے ۔ حضرت والا سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے احقر سے دیئے ہوئے غم کو واپس نہ لیں اور اس غم کو دن بدن بڑھاتے ہی جائیں ۔ حضرت خدا کی قسم ایک لمحہ بھی اپنے پروردگار سے غافل نہیں رہنا چاہتا ہر وقت بس یہی تمنا ہے کہ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ (تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کرونگا) پر پورے طریقہ سے عمل ہو جائے ۔ سبحان اللہ غالق کی یاد میں قلب کسقدر لطیف اور پاکیزہ ہو جاتا ہے

تحقیق: هنیئالکم الغم والفکر والاهتمام والانابة الی دار الخلود والاستعداد للموت قبل نزوله (آپکو یہ غم وفکر اور جنت کا اہتمام وتوجہ نیز موت کے آنے سے پہلے اسکی تیاری مبارک ہو)

حال: یا اللہ اپنے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں ہمارے مشفق حضرت والا کے درجات بلند فرما حضرت کی عمر دراز فرما ۔ حضرت سے پھر دوبارہ دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی یاد سے غافل

نہ فرمادیں۔ قلب و زبان کو اپنی یاد میں ہر وقت مشغول رکھیں۔
حال: حالات سے نہایت مسرت ہوئی یہ سب مقاصد طریق ہیں اللہ تعالیٰ ر
واستحکام نصیب فرمائے اور تکمیل کا داعیۂ صحیح پیدا فرمائے۔ اور اپنے مخلص
بندوں میں شامل فرمائے۔

(مکتوب نمبر ۳۱۷)

حال: حضرت والا کی مجلس میں حاضر ہونے سے نئی بات معلوم ہوئی گو وہ بات
ساڑھے تیرہ سو سال پرانی ہے چونکہ میں نے پہلی بار سنا ہے اسلئے میرے
نئی ہوئی کہ ـــــ روزہ تمام جسم کا ہوتا ہے آنکھ۔ کان۔ زبان اور قلب کا
روزہ ہونا چاہیئے ـــــ اس بیان کو سنکر قلب پر بہت گہرا اثر پڑا اور اس۔
اپنے محکوموں پر اثر ڈالا۔ لہٰذا امسال تمام جسمانی اعضاؤں نے بھی روزہ کا
ادا کیا۔ آنکھ نے غیر محارم کو دیکھنے سے اور کان نے غیر مستحسن باتوں کو سنـ
زبان نے غیبت اور جھوٹ بولنے سے اور دماغ نے معاصی کا منصوبہ سوچـ
گریز کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قلب میں ایک عجیب بیداری پیدا ہوگئی۔ تحقیق: الحـ
حال: اور محسوس کیا کہ ۳۰ سال کے روزے غفلت کی وجہ سے بے کیف اور غـ
طریقہ پر خلافِ تقوے گذر گئے جن کو سوچکر ندامت کے آنسو گرتے ہیں اور
کی بارگاہ میں دل سے معافی مانگتا ہوں کہ وہ اپنے فضل سے گذشتہ روز
کو قبول فرمالیں ـ تحقیق۔ آمین
حال: حضرت والا دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان شریف کی جو برکا
عطا فرمائی ہیں ان میں ترقی عطا فرمادیں۔ تحقیق: آمین۔ دعاء کرتا ہوں۔
حال: حضرت والا نے متعلق قراءت قرآن جو کچھ بیان فرمایا ہے اسکا اثر قلب
اچھا ہوا ہے۔ قرآن صحیح کرنے کا شوق ہوگیا ہے اور اسکو بفضلہ تعالیٰ صحیح کر رہا ہ
اور اسکو سمجھکر پڑھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ تحقیق: الحمد للہ۔

اسیطرح مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی اور مولانا معراج الحق صاحب دیوبندی کا بھی آنا ہوا۔ ایک دفعہ مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری اور ایک بار مولانا ظریف احمد صاحب سہارن پوری بھی تشریف لائے اور جماعت اسلامی کے صدر مولانا ابو اللیث صاحب نے یہاں بھی حضرت سے ملاقات کی۔ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتابگڈھی بھی اب کبھی کبھی یہاں مجلس میں تشریف لانے لگے اور اور بابا نجم احسن صاحب پرتابگڈھی نے بھی یہیں حضرتؒ کو مسند ارشاد پر بیٹھا ہوا پہلی بار دیکھا تو فرط مسرت سے یہ اشعار موزوں فرمائے ؎

دیکھ دیوانے دیکھ اے احسن ۔۔۔ یہ بھی گلشن ہے اشرفی گلشن
مجلس حضرت وصی اللہ ۔۔۔ ہے نمود بہار تھانہ بھون

بابا نجم احسن صاحب کے اس فرمانے پر کہ ؎

مجلس حضرت وصی اللہ ۔۔۔ ہے نمود بہار تھانہ بھون

راقم کو بے ساختہ ایک بات یاد آگئی کہ وہ یہ کہ ہمارے حضرتؒ یہ فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح سے یوپی میں اللہ تعالیٰ نے مولانا تھانویؒ کو پیدا فرما کر ان سے دین و اصلاح کا اتنا بڑا کام لیا اسیطرح سے بہار میں حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیریؒ کا یہی مقام تھا اور یہ فرماتے کہ اگر اسی طرح کے دو چار بزرگ اور ہندوستان میں پیدا ہو جاتے تو سارا ہندوستان ہی دین کے رنگ میں رنگ جاتا اسی طرح کی ایک بات ایک اور بزرگ فرماتے تھے کہتے تھے کہ حضرت تھانویؒ کے خلفاء تو بہت ہوئے ہیں اور سب ہی سے اللہ تعالیٰ نے دین کا کام لیا لیکن ان میں سے دو حضرات ایک مولانا محمد حسن صاحب امرتسریؒ اور دوسرے ہمارے حضرت مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہٗ ان میں سے ایک نے پاکستان کو رنگ دیا دوسرے کا فیض ہند میں عام ہوا۔ چنانچہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ بابا نجم احسن صاحب حضرت والا کی مجلس کو "نمود بہار تھانہ بھون" فرما رہے ہیں۔ آخر کچھ تو دیکھا ہوگا؟ بات یہ ہے کہ حضرت تھانویؒ کے مجاز تھے، بہار تھانہ بھون دیکھ چکے تھے۔ ہمارے حضرت کی مجلس کو

اسکا آئینہ دیکھکر اصل کی یاد تازہ ہوگئی جو قلب سے زبان پر آگیا - ایک پیر بھائی کا اپنے پیر بھائی کی اصطلاح سے تعریف کرنا یا تو پہلے زمانہ کے ساتھ مخصوص تھا یا اہل اخلاص ہی کا شیوہ ہوا کرتا ہے جو اس زمانہ میں اگر نایاب نہیں تو نادر اور کمیاب تو ضرور ہی ہوگیا ہے - یہ تو آپ نے چمنِ تھانہ بھون کے ایک گل کی تعریف سنی اب ذرا دوسرے گل کی تعریف بھی سنیئے - مفتی مولانا محمد شفیع صاحب کتنے بڑے شخص ہوئے ہیں، حضرت تھانوی کے اجل خلفاء میں سے تھے ایک مرتبہ انکو حضرت مولانا محمد حسن صاحب امرتسری کی مجلس امرتسر میں شرکت کا اتفاق ہوا اس کا تاثر خود انکی زبان سے سنیئے اور لطف حاصل کیجئے - فرماتے ہیں کہ ؎

یہ اعجوبہ بفیض فضل مولانا حسن دیکھا — کہ امرتسر میں ہم نے آج اک تھانہ بھون دیکھا
سنا وہ درس قرآن دل کی آنکھیں کھل دیں جسنے — معارف ہائے قرآنی کا دریا موجزن دیکھا
شریعت میں طریقت کو طریقت میں حقیقت کو — کھلی آنکھوں سے ہر حاضر نے گویا ہمقرن دیکھا

ہمارے مفید مطلب تو بس یہی اشعار تھے لیکن ناظرین کی تنشیط طبع کے لئے بقیہ تین اشعار جو مجھے مل سکے وہ بھی درج کرتا ہوں ؎

منادی حرم کی پھر سنی آواز مستانہ — پھر ان آنکھوں نے گویا وہ مدینہ کا چمن دیکھا
جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی یاد حق دادی — مسلماں را بطرز نو تو دیرینہ سبق دادی

الٰہی پھر مسلمانوں میں پیدا ذوق قرآں ہو
اسی میں انکا جینا ہو اسی میں اُن کا مرنا ہو

سبحان اللہ! کیا خوب ہے یہ کلام حضرت مفتی صاحبؒ کا صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی تال سے دونوں سُر نکلے ہوئے ہیں جس حال سے متاثر ہوکر بابا نجم احسن صاحبؒ کو الہ آباد میں تھانہ بھون یاد آیا تھا اسی نوع کے مناظر پیش نظر ہوکر حضرت مفتی صاحبؒ کو بھی امرتسر میں اپنے محبوب شیخ کا مسکن یعنی تھانہ بھون یاد آگیا - ماشاء اللہ کیسے پیر تھے اور کیسے مرید تھے - کیسی سب کی محبت تھی اور کیسی انکی مناسبت تھی - اور اس نوع کا کلام وہ بھی ایسے باکمال حضرات کی زبان سے نکلنے نے ان بزرگ کے ارشاد کی تائید

کردی کہ حضرت تھانویؒ کے یہ دونوں خدام واقعی یک جان دو قالب ہی تھے۔

اسی طرح یہیں الہ آباد میں مولانا زین العابدین سجاد میرٹھی بھی اپنے پٹنہ کے سفر سے واپسی میں ملے اور بیعت بھی ہو گئے۔ یہیں مولوی محمد رفیع صاحب بن حاجی محمد شفیع صاحب حضرت والاؒ سے ملے اکثر مجلس میں حاضر ہوتے رہے نیز الہ آباد کے رؤسا میں سے شیخ ذوالفقار اللہ صاحب۔ مصطفیٰ رشید شیروانی صاحب نے بھی حضرت والا سے بار با ملاقات کی۔ اسی طرح سے بشیر احمد صاحب ایڈوکیٹ جو ایک زمانہ میں اسمبلی کے ممبر بھی رہے وہ نیز نفیس احمد کاظمی صاحب ایڈوکیٹ بھی اکثر حضرت والا سے ملتے رہے۔ اسی طرح سے الہ آباد ہی کے قیام کے زمانہ میں سید محمود صاحب مرحوم کو بھی حاضری کا موقع ملا چنانچہ وہ بھی چند بار تشریف لائے اور حضرت اقدسؒ سے بیعت بھی ہوئے۔ انکا ایک ابتدائی خط ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت والا کو لکھا

۱۱ دسمبر ۱۹۶۱ء۔ ۲ تغلق کریسنٹ۔ نئی دہلی — ممبر آف لوک سبھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضور والا۔ السلام علیکم۔ حالانکہ جناب والا کا وطن مالوف اعظم گڈھ ہے لیکن اس ناچیز کو اب تک جناب سے واقفیت نہ تھی کل لکھنؤ میں عزیزی سید حسن صاحب سے ملاقات ہوئی اور کچھ دیر تک بزرگوں کا ذکر رہا اسی دوران میں انھوں نے جناب والا کا ذکر کیا سید حسین صاحب میرے محترم دیرینہ دوست سید سلیمان ندوی صاحب کے داماد ہیں اسلئے مجھکو ان سے ربط ہے انکی گفتگو نے اس حقیر کے دل میں جناب عالی سے ملنے کا شوق پیدا کر دیا اور میں نے اسی وقت تہیہ کر لیا کہ جلد از جلد جناب کی زیارت سے مشرف ہوں۔ چنانچہ ۲۵ یا ۲۶ دسمبر کو یہ ناچیز الہ آباد جناب کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوگا مصطفیٰ رشید شروانی کے یہاں قیام کروں گا اور ۱۱ بجے تک انشاء اللہ آستانہ بوسی کروں گا۔

سید حسین صاحب نے آپ کا ایک مختصر رسالہ جو قرآن کی تلاوت کی

یت کے متعلق ہے دیا تھا جسے میں نے پڑھ یا طبیعت کو بیحد لذت حاصل
ں ۔ مجھے یہی عرصہ سے علمار کرام سے شکایت رہی ہے کہ قرآن پر زور نہیں دیا جاتا
نہ مسلمانوں میں قرآن کی تعلیم عام کیجاتی اور نہ قرآن سے وعظ و نصیحت حاصل
تی ہے ۔ میں عربی نہیں جانتا اور نہ قرآن سمجھتا ہوں لیکن ترجمہ کی اعانت سے
ن اسکے معنی و مطالب سمجھ میں آجاتے ہیں بدن میں کپکپی پیدا کر دیتے ہیں
نوں میں آنسو ڈبڈبا آتے ہیں ۔

مولانا کے ترجمان القرآن کا انگریزی میں ترجمہ کر رہا ہوں کچھ عرصہ ہوا میں نے
نا مرحوم کو خواب میں زور زور سے قرآن کھڑے ہو کر پڑھتے ہوئے دیکھا انکی
ھ کچھ بڑھی ہوئی تھی ہم دونوں نے ایک دوسرے کو ہاتھ اٹھا کر سلام کیا اور وہ
شغول ہو گئے ۔ اسکی تعبیر میں نے یہ نکالی کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ بس اب قرآن ہی
تعلیم و تلقین مسلمانوں کا بڑا کام ہے ۔ اس رسالہ میں جناب کی یہی تعلیم و تلقین
کہ طبیعت بہت حیرت یاب ہوئی ۔ جی تو چاہتا تھا کہ چند دن جناب کی صحبت بابر
گذاروں مگر سر دست بہت سی پریشانیوں میں مبتلا ہوں اسلئے صرف ایکدن
رسکوں گا ۔ حضرت مولانا رائپوری اور مولانا ۔ ۔ ۔ سے بھی شرف نیاز حاصل
کا ہوں ۔ اگر جواب کی عزت بخشی جائے تو خوشی کا باعث ہوگا ۔

تیق : ـــ مکرمی بندہ زیدت مکارمکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔
جو دیکہ یہ آپکا پہلا خط ہے تاہم آپ سے اجنبیت بالکل نہیں محسوس ہوئی غالباً
ی وجہ یہی ہے جو آپ نے تحریر فرمائی ہے کہ "سید حسین صاحب میرے محترم دوست
ست سید سلیمان صاحب ندوی مرحوم کے داماد ہیں اس سلئے مجھے ان سے
ابطہ ہے" ـــ یعنی آپ کو سید سلیمان صاحب سے ربط ہے اور انکو مجھ سے
ط ہے اس طرح آپ گویا میرے دوست کے دوست ہوئے پس بظاہر آپ کو
ے واقفیت نہ تھی لیکن باطناً ایک دیرینہ ربط باہم تھا گویا بالواسطہ تھا اور طرق
تعلق ہی کا اعتبار ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ یہی وجہ ہو اجنبیت نہ محسوس ہونے کی

تشریف آوری کی خبر نے مجھے بھی جناب کی ملاقات کا مشتاق بنا دیا اللہ تعالےٰ
با حسن وجوہ موقع نصیب فرما دیں۔ اجازت ہے۔ شوق سے تشریف لائیے۔
انشاء اللہ تعالیٰ ان تاریخوں میں الہ آباد ہی میں رہوں گا۔ آپ کو وقت کم تھا اسلئے
جی تو یہی چاہتا تھا کہ خانقاہ ہی میں جناب کا قیام ہوتا تاکہ اس کم وقت میں زیادہ سے
زیادہ صحبت کا موقع مل جاتا مگر شاید آپ کو وہاں جیسا آرام یہاں نہ مل سکے یا آپکی
دوسری مصالح بھی ہوں اسلئے آپ ہی کو اختیار دیتا ہوں جہاں سہولت ہو قیام
فرمایا جائے۔ قرآن شریف کے متعلق اپنے سے آپ کے مذاق کو متحد پا کر ایک خاص قسم
کی مسرت ہوئی اور اس سلسلہ میں مزید کچھ کام کرنے کا شوق تازہ ہو گیا۔ اس
قحط الرجال کے دور میں جب کسی اہل فہم سے کام کی کچھ تائید مل جاتی ہے تو
بڑی ہمت بڑھ جاتی ہے۔ میری مراد اس سے آپ کے خط کا یہ مضمون ہے
کہ مجھے بھی عرصہ سے یہ شکایت رہی ہے کہ قرآن پر زور نہیں دیا جاتا ہے اور نہ
مسلمانوں میں قرآن کی تعلیم عام کیجاتی ہے اور نہ قرآن سے وعظ و نصیحت کیجاتی
ہے میرا بھی یہی خیال ہے۔ باقی میں علاوہ اسکے اتنی بات اور کہتا ہوں کہ آج
ہم لوگوں نے قرآن سے بھی غفلت برتی اور ساتھ ہی ساتھ سنت سے بھی اعتنائی
برتتے ہوئے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ یہ بھی قرآن ہی سے غفلت کا نتیجہ اور اسی کی
فرع ہے کیونکہ کتاب و سنت دونوں باہم لازم و ملزوم ہیں اسلئے کہ جس شخص کے
پیش نظر کتاب اللہ کی یہ نصوص ہونگی (۱) مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ
فَانْتَھُوْا (جو کچھ تمکو رسول دیں اسکو لے لو اور جس بات سے منع کریں اس سے بچو)
(۲) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (۳) لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ
محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں ـــ تمہارے لئے رسول اللہ کے اندر ایک اچھا اسوہ ہے)
آخر اسکو اوامر و نواہی رسول ـــ رسالات نبی اور اسوۂ پیغمبر کے علم سے کس طرح مبرّا
اور ظاہر ہے کہ ان امور کی تفصیل سنت ہی سے دستیاب ہو سکتی ہے۔ اسی طرح
کتاب اللہ کے احکام معلوم کئے بغیر وہ شخص بھی نہیں رہ سکتا جس کے قلب میں اسکی

قدر وعظمت کو ان احادیث نے راسخ کر دیا ہو۔ سنیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

(۱) اما بعد فان خیر الحدیث کتاب اللہ و خیر الھدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) و شر الامور محدثاتھا و کل بدعۃ ضلالۃ (الابداع شیخ علی محفوظ)

(اما بعد پس بہترین قول اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔ اور بدترین شئے دین میں بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

(۲) ابن مسعودؓ سے موقوفاً و مرفوعاً دو طرح مروی ہے قال انما ھما اثنتان الکلام والھدی فاحسن الکلام کلام اللہ واحسن الھدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم الا ایاکم و محدثات الامور فان شر الامور محدثاتھا ان کل محدثۃ بدعۃ (حوالہ بالا)

(وہ دو ہیں ایک کلام اور ایک طریقہ پس بہترین کلام، کلام اللہ ہے اور بہترین طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے اور سنو! اپنے کو نئی نئی چیزوں سے بچاؤ اسلئے کہ نئی باتیں ہی سب سے بُری چیزیں ہیں اور بلاشبہ (دین میں) نئی چیز جو ہو وہ بدعت ہے۔

(۳) نیز حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قال ان احببت ان لا توقف علی صراط طرفۃ عین حتی تدخل الجنۃ فلا تحدث فی دین اللہ حدثا برایک

(اگر تم چاہتے ہو کہ دخول جنت کے راستہ میں دم بھر کے لئے بھی روکا وٹ نہ ہو تو اللہ تعالٰی کے دین میں کوئی نئی بات نہ نکالو)

اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ کے دین میں احداث سے بچنا کتاب و سنت دونوں کے کامل علم کے بعد ہی ہو سکتا ہے اور لوگ آج ان دونوں ہی سے غافل ہیں چنانچہ اسی غفلت کا یہ نتیجہ ہے جو موجودہ بدحالی کی صورت میں ہمارے اور آپ کے سامنے ہے آج معاصی کی کثرت کا یہ حال ہو رہا ہے کہ دور جہالت کا نقشہ ہمارے سامنے

پیش کردیا ہے اور معصیت کی شدت نے کفر کی سرحد تک عوام کو گویا پہونچا دیا ہے حضرت امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کی کتاب الایمان میں یکے بعد دیگرے دو ابواب قائم فرمائے ہیں۔ چنانچہ ایک میں تو یہ فرمایا ہے کہ باب کفران العشیر وکفر دون کفر۔ اسکی شرح فرماتے ہوئے صاحب فتح الباری نے قاضی ابوبکر ابن العربی کا قول نقل فرمایا ہے کہ مراد اس سے بخاریؒ کی یہ ہے کہ یہ بتائیں کہ جس طرح سے طاعات کو ایمان کہا جاتا ہے اسی طرح سے معاصی پر بھی کفر کا اطلاق کبھی کردیا جاتا ہے اس کفر سے مراد وہ کفر نہیں جسکی وجہ سے آدمی ملت ہی سے خارج ہو جاتا ہے۔ العیاذ باللہ۔ (پس کفر کے بھی درجے ہوئے بعض کفر بعض سے اشد ہوتا ہے) اور دوسرے باب میں فرماتے ہیں کہ "باب المعاصی من امر الجاہلیۃ" یعنی جس قدر بھی معاصی ہیں وہ سب جاہلیۃ کے زمانہ کی چیزیں ہیں۔ اسلام سے انکا کچھ جوڑ نہیں ہے۔ یہ ایک بات درمیان میں آگئی تھی اس خیال سے ذرا تفصیل سے عرض کردیا کہ بہت ممکن ہے کہ آپ بھی اس سے محظوظ ہوں۔

خط میں آپ نے کلام اللہ کے معانی کے خطور سے جس کیفیت کا طاری ہونا لکھا ہے یہ توعین تقاضائے ایمان و ایقان ہے اللّٰھم زد فزد اور خواب کی جو تعبیر تحریر فرمائی ہے صحیح ہے اللہ تعالیٰ اس کام سے ہمکو بھی اور آپ کو بھی حصۂ وافر نصیب فرمائیں۔ آمین۔

میرے مکان کا پتہ تو وہی ہے جو آپ نے لفافہ پر تحریر فرمایا ہے یعنی ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد۔ یہ جگہ الٰہ آباد اسٹیشن سے بالکل قریب بھی ہے تقریباً ۲½ یا ۳ فرلانگ کا فاصلہ ہوگا بخشی بازار کے ڈھال والے چوراہے کے متصل ہی غریب خانہ ہے ہمارے کرم فرما ڈاکٹر صلاح الدین صاحب آپکو لینے کیلئے اسٹیشن جائیں گے۔ اطلاعاً عرض ہے۔ باقی عند التلاقی۔

والسلام۔ وصی اللہ عفی عنہ

اسی طرح سے یہاں الٰہ آباد میں حضرت اقدسؒ کی خدمت میں

حضرت مولانا ابرار الحق صاحب مدظلہ بھی متعدد بار تشریف لاسکے یوں آپ حضرت والا کے یہاں حضرت کے فتحپور کے زمانہ قیام میں بھی تشریف لیجا چکے تھے اور یاد آتا ہے کہ گورکھپور بھی تشریف لے گئے تھے۔ لیکن الہ آباد میں آجانے کے بعد حضرت اقدس سے کئی بار ملنے کا اتفاق ہوا تھانہ بھون کے بعض حالات کے سلسلے میں حضرت مولانا پھولپوریؒ نے ہمارے حضرت سے جو کچھ فرمانا چاہا تو اس میں حضرت مولانا ہردوئی مدظلہ واسطہ بنتے رہے۔

حضرت مولانا ابرار الحق صاحب مدظلہ بھی حضرت اقدس مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہ کے خلفاء میں سے ہیں اور مجاز بیعت ہیں اسکے باوجود مولانا مدظلہ نے اپنا یہ طریقہ رکھا کہ حضرت تھانویؒ کے بعد حضرت اقدس کے کسی نہ کسی خلیفہ سے اپنا خصوصی تعلق برابر قائم رکھا چنانچہ حضرت تھانویؒ کے بعد حضرت کے جلیل القدر خلیفہ حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوری سے مولانا موصوف کا خاص تعلق رہا۔ یعنی آمد و رفت بھی وہاں رہتی اور اپنے خصوصی معاملات میں استفسار بھی حضرت ہی سے فرماتے۔ ادھر اپنے حضرت اقدس کی خدمت میں چند بار جو آنا جانا ہوا تو تعلق اور محبت میں اضافہ ناگزیر تھا۔ حضرت اقدس بھی مولانا ہردوئی کی تشریف آوری پر خوش ہوتے اور کبھی کبھی فرماتے کہ آج مجلس میں کچھ آپ بیان کر دیجئے چنانچہ مولانا الامر فوق الادب پر عمل فرماتے ہوتے کچھ بیان فرما دیتے اس قرب و مناسبت کا اثر یہ ہوا کہ حضرت مولانا پھولپوریؒ کے وصال کے بعد پھر مولانا ہردوئی نے حضرت اقدس کا انتخاب فرمایا یعنی آمد و رفت میں ایک تسلسل قائم ہوگیا۔ چنانچہ الہ آباد کے علاوہ بمبئی بھی تشریف لے گئے اور ہمارے حضرتؒ کو مولانا کی جانب توجہ بیش از بیش ہوگئی یہانتک کہ بمبئی کے زمانہ قیام میں مولانا ابرار الحق صاحب مدظلہ کا خط آیا کہ کوئی آپریشن ہونا ہے حضرت اقدس اس خبر کو سنکر بے چین ہوگئے اور یہ فرمایا کہ اپنی جماعت میں اب یہی ایک نوجوان شخص تھے امید تھی کہ کچھ کام کریں گے یہ بھی بیمار ہو گئے، تم سب لوگ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ مولوی صاحب کو صحت کامل عطا فرمائے۔

اور چھٹے دروازے سے نصاریٰ داخل ہوں گے اسکا نام سعیر ہے۔ اتنا بیان کرکے حضرت جبرئیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرماتے ہوئے اور آپؐ کا ادب کرتے ہوئے رک گئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جبرئیل تم چپ کیوں ہوگئے تم نے یہ نہ بتلایا کہ ساتویں دروازے سے کون جہنم میں داخل ہوگا تب حضرت جبرئیل نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس میں آپکی امت کے وہ لوگ داخل ہوں گے جو گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوں گے اور بدون توبہ کئے مر گئے ہونگے۔ یہ سنتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیہوش ہوکر گر گئے۔ حضرت جبرئیل نے فوراً آپ کے سر مبارک کو اپنی گود میں لے لیا یہانتک کہ آپ کو افاقہ ہوا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اے جبرئیل تم نے یہ سنا کر میری مصیبت کو بڑھا دیا اور میرے غم کو زیادہ کر دیا۔ واقعی یہ بتلاؤ کہ کیا میری امت میں سے بھی کوئی دوزخ میں جائیگا؟ انھوں نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپکی امت میں سے جو اہل کبائر ہوں گے وہ داخل ہوں گے یہ سنکر پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روئے اور حضرت جبرئیل بھی رونے لگے (سچ کہا ہے کہ ؎)

(روتی ہے خلق میری تباہی کو دیکھکر — روتا ہوں میں کہ ہائے مری چشم نم نہیں)

اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان میں تشریف لے گئے اور خلوت گزیں ہوگئے لوگوں سے ملنا ترک فرما دیا صرف نماز کے لئے باہر تشریف لاتے، نماز پڑھتے اور کسی شخص سے بھی گفتگو نہ فرماتے پھر اندر تشریف لیجاتے۔ اور نماز میں بھی خوب روتے اور اللہ تعالےٰ سے بہت زیادہ گریہ وزاری فرماتے (تین دن یہی حال رہا)۔ جب تیسرا دن ہوا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ہمت کی اور درِ دولت پر حاضر ہوئے اور دروازے کے پاس سے آواز دی السلام علیکم یا اہل بیت الرحمۃ! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی کوئی صورت ممکن ہے؟ اندر سے کوئی جواب نہیں ملا تو روتے ہوئے واپس آگئے۔ اسکے بعد حضرت عمرؓ تشریف لے گئے اور انھوں نے بھی یہی کلمات عرض کئے مگر ہنوز کوئی جواب نہ ملا تو وہ بھی روتے ہوئے لوٹ آئے۔ اور کبھی بیٹھ جاتے پھر کبھی کھڑے ہو جاتے یہانتک کہ

حضرت فاطمہؓ کے مکان پر تشریف لے گئے اور دروازے پر سے پکار کر عرض کیا کہ السلام علیک یا ابنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت علیؓ اسوقت مکان میں موجود نہیں تھے حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ اے بنت رسولؐ (ایک پریشان کن خبر سنو کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے علاحدہ ہو کر خلوت گزیں ہو گئے ہیں۔ صرف نماز کے لئے نکلتے ہیں کسی سے بولتے نہیں اور کسی کو اندر جاکر ملنے کی بھی اجازت نہیں ہے آج تین دن گذر گئے ہیں۔ یہ سنکر حضرت فاطمہؓ نے فوراً ایک چادر اوڑھی (یعنی نقاب پہنا) اور سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت خانہ پر حاضر ہوئیں دروازہ پر سے عرض کیا کہ السلام علیکم یا رسول اللہ! میں ہوں فاطمہ۔ اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں پڑے رو رہے تھے (آواز سنکر) سجدہ سے سر اٹھایا اور فرمایا کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک (لخت جگر نور نظر) فاطمہ آئی ہیں ان سے تھوڑا ہی پردہ ہے انھیں اندر بلالو۔ دروازہ کھولدو۔ چنانچہ دروازہ کھول دیا گیا اور وہ اندر تشریف لائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھکر خود بھی رونے لگیں اور بہت روئیں۔ دیکھا کہ آپؐ کا چہرۂ مبارک زرد پڑ گیا ہے اور شدت غم سے روتے روتے رخسار مبارک بالکل پچک گئے ہیں جیسے چہرہ پر گوشت ہی نہو یہ دیکھکر دریافت کیا کہ یا رسول اللہ آپ پر کوئی آیت نازل ہوئی ہے کیا؟ آپؐ نے فرمایا کہ اے فاطمہ! جبرئیل آئے تھے انھوں نے دوزخ کی تفصیل بیان کی اس سلسلہ میں یہ بھی کہا کہ اسکے سب سے اوپر کے طبقہ میں میری امت کے اہل کبائر ہونگے اسی کی وجہ سے میں رو رہا ہوں اور اسی کی وجہ سے مجھے یہ رنج و غم ہے جو تم دیکھ رہی ہو۔ یہ سنکر حضرت فاطمہؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! یہ لوگ اس میں کس طرح داخل ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں ہوگا یوں کہ فرشتے انکو ہانکتے ہونگے اور نہ تو ان کے چہرے سیاہ ہوں گے اور نہ انکی آنکھیں نیلگوں ہونگی نہ انکے منہ پر مہر لگی ہوگی کہ بول نہ سکیں نہ انکے ہمزاد شیاطین کو انکے ساتھ جوڑا جائے گا اور نہ انکے ہاتھ میں ہتھکڑی اور پاؤں میں بیڑی پڑی ہوگی۔ حضرت

فاطمہؓ نے عرض کیا کہ پھر یا رسول اللہ! انکو فرشتے کھینچتے کس طرح سے ہوں گے
آپؐ نے فرمایا کہ مردوں کو تو انکی ڈاڑھی پکڑ کر کھینچیں گے اور عورتوں کو انکے سر کے
بال پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ بہت سے بوڑھوں کی ڈاڑھی پکڑ کر جہنم کی جانب لیجائیں گے
اور وہ چیخیں گے ہائے میرا بوڑھاپا اور ہائے میری کمزوری اور کتنے جوانوں کو
جب ڈاڑھیاں پکڑ پکڑ کر دوزخ میں ڈالیں گے تو وہ چلائیں گے کہ ہائے رے
میری جوانی اور ہائے رے میرا حسن اور چہرہ کی خوبصورتی۔ اسی طرح سے کتنی
عورتیں ہونگی کہ جب انکی چوٹی پکڑ پکڑ کر دوزخ میں ڈالیں گے تو وہ فریاد کریں گی
کہ ہائے رے میری رسوائی اور وائے بر سر محشر میری یہ بے عزتی (بہرحال یہ لوگ
شور وفغاں کرتے ہی رہیں گے کہ انھیں اسی طرح جہنم کے داروغہ مالک کے
حوالہ کردیا جائیگا) جب وہ انکو دیکھے گا تو انکو لے جانے والے فرشتوں سے
دریافت کریگا کہ یہ کون لوگ ہیں جتنے بھی شقی اور بدنصیب لوگ یہاں میرے پاس آئے
ان میں ان لوگوں کی عجیب شان دیکھ رہا ہوں۔ نہ انکے چہرے سیاہ نہ انکی آنکھیں
نیلگوں نہ انکی زبانوں پر مہر۔ نہ انکے ہمراہ انکے شیاطین۔ نہ انکے ہاتھ میں ہتھکڑی
نہ انکے پیر میں بیڑی۔ نہ انکے ہاتھ مونڈھوں پر بندھے ہوئے۔ یہ عجیب قسم کے
لوگ ہیں (اس طرح کیوں لائے گئے ہیں) فرشتے کہیں گے کہ یہ تو ہم کو بھی
نہیں معلوم کہ یہ کون لوگ ہیں باقی اس طرح سے لانے کا ہمکو سرکار عالی ہی سے
حکم ہوا تھا۔ پھر مالک خود انکو مخاطب کرکے کہے گا کہ اے بدبختو! تم کون لوگ ہو؟
ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ جب فرشتے انکو اس طرح سے کھینچکر لا رہے ہونگے
تو وہ ندا کرتے ہونگے کہ وا محمداہ (لیکن جونہی مالک (داروغہ جہنم) کی شکل دیکھیں گے
تو خوف کی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہی بھول جائیں گے۔ چنانچہ جب
مالک ان سے دریافت کرے گا کہ تم کون لوگ ہو؟ تو کہیں گے کہ ہم وہ لوگ ہیں جنپر
قرآن نازل ہوا تھا اور ہم لوگ رمضان شریف کے روزے رکھا کرتے تھے مالک
یہ سنکر کہیگا کہ قرآن تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ جب وہ لوگ مالک کی

زبان سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی سنیں گے تو بڑی زور سے چیخیں گے اور کہیں گے کہ ہاں ہاں ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی امت میں سے ہیں۔ یہ معلوم کرکے مالک ان سے کہے گا کہ کیا قرآن میں تم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روکنے اور منع کرنیوالی آیتیں نہیں پڑھیں تھیں (اسوقت تو خاموش رہیں گے لیکن) جب جہنم کے کنارہ پر آئیں گے اور اسکی آگ کے پاس لائے جائیں گے اور زبانیہ کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ اے مالک! اجازت دو تو ہم اپنے کیئے پر روئیں۔ مالک کہیگا کہ رو۔ چنانچہ روتے روتے ان کے آنسو خشک ہو جائیں گے۔ اس کے بعد وہ سب خون کے آنسو روئیں گے۔ مالک کہیگا کہ کیا خوب ہوتا کہ تم دنیا میں آخرت کے خوف سے ایسا رونا روتے، اگر تم دنیا میں خدا کے خوف سے اس طرح رو لیتے تو آج یہ روز بد تمھیں دیکھنا نصیب نہ ہوتا اور آج تم دوزخ میں نہ جاتے۔ اسکے بعد مالک زبانیہ سے کہیگا کہ ڈالو انکو آگ میں ڈالو۔ جب وہ آگ میں ڈالدیئے جائیں گے تو سب کے سب ایک زبان ہوکر کہیں گے کہ لا الٰہ الا اللہ اس پر وہ آگ ان کو باہر واپس لے آئیگی۔ مالک کہیگا کہ اے آگ انکو پکڑ کر اپنے اندر واپس لے جا۔ وہ کہیگی میں انکو کیسے پکڑ سکتی ہوں یہ تو لا الٰہ الا اللہ کہہ رہے ہیں۔ یہ سنکر مالک دوبارہ کہیگا کہ اے آگ انکو پکڑ اور اندر لے جا وہ پھر کہے گی کہ میں انھیں کیسے پکڑوں یہ تو لا الٰہ الا اللہ کہہ رہے ہیں۔ تیسری بار مالک کہیگا کہ اے آگ میں جو تجھ سے کہہ رہا ہوں اسی کا رب العرش نے حکم فرمایا ہے یہ سنکر آگ انکو پکڑ لے گی۔ پھر کسی کو صرف قدموں تک پکڑے گی کسی کو گھٹنے تک کسی کو کاندھے تک کسی کو حلق تک پکڑ لے گی اور جب چہرہ پر چڑھنا چاہے گی تو مالک اسے منع کردے گا کہ اسکے چہرہ کو مت جلا شاید کہ اس نے انکو دنیا میں کبھی رحمٰن کے آگے سجدہ میں جھکایا ہوگا اور دیکھ ان کے قلب کو بھی مت جلانا شاید ان لوگوں نے انکو رمضان کے مہینہ میں پیاس کی گرمی سے جلایا ہوگا۔ اسی طرح سے یہ لوگ جب تک اور جتنی مدت تک خدا کو منظور ہوگا دوزخ میں پڑے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کو ان الفاظ میں پکار پکار کر

اس سے فریاد کرتے ہونگے کہ یا ارحم الراحمین یا حنان یا منان یعنی اے سب
بڑھکر رحم فرمانے والے اور اے ترس کھانے والے اور اے احسان فرمانیوا
چنانچہ جب اللہ تعالیٰ ان کے متعلق کچھ اور فیصلہ فرمانا چاہیں گے تو فرمائیں گے
اے جبرئیل وہ امت محمدیہ کے جو گنہگار لوگ تھے انکا کیا حشر ہوا وہ عرض کر
کہ پروردگار آپ تو خود ہی سب سے زیادہ جاننے والے ہیں مجھے کچھ خبر نہیں
حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ جاؤ انکا حال معلوم کرکے آؤ۔ چنانچہ وہ مالک
(داروغہ جہنم) کے پاس جائیں گے اور وہ آگ کے ایک اونچے ممبر پر جو وسط دو
میں ہوگا بیٹھے سب دوزخیوں کی دیکھ بھال کر رہے ہوں گے۔ جب مالک
حضرت جبرئیل کو دیکھیں گے تو تعظیماً کھڑے ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ اے
حضرت آپ نے یہاں تشریف آوری کی کیسے زحمت فرمائی؟ وہ کہیں گے ہا
یہ بتلاؤ کہ امت محمدیہ کے بھی کچھ لوگ یہاں ہیں انکا کیا حال ہے؟ اسی عصابۂ عا
(نافرمان جماعت) کا حال معلوم کرنے آیا ہوں۔ مالک جواب دیں گے کہ ار
انکا تو بُرا حال ہے، بڑی تنگی اور گھٹن میں پڑے ہوئے ہیں انکے بدن تو خاکستر
ہیں گوشت ختم ہو چکا ہے صرف انکے چہرے اور قلوب رہ گئے ہیں اس میں ایمان چمک
رہا ہے۔ حضرت جبرئیلؑ فرمائیں گے کہ ذرا اس کڑھاؤ کو تو اوپر اٹھاؤ کہ میں بچشم خ
انکا حال دیکھ لوں۔ چنانچہ مالک یہ سنکر دیگر ملازمین دوزخ سے کہیں گے کہ بھا
وہ امت محمدیہ والا کڑھاؤ ذرا اوپر تو اٹھاؤ اسکے اٹھانے پر حضرت جبرئیلؑ تو ا
معائنہ کریں گے اور وہ سب بھی جبرئیلؑ کو دیکھیں گے ان کے حسن صورت
صاف و شفاف لباس کو دیکھیں گے تو سمجھ لیں گے کہ یہ ملازمین دوزخ میں
نہیں ہیں کوئی اور بزرگ ہیں۔ دریافت کریں گے کہ یہ کون بزرگ ہیں کہ ہم نے ا
زیادہ خوبصورت کسی کو نہیں دیکھا مالک کہیگا کہ یہ حضرت جبرئیل ہیں جو حق تعا
کے نہایت معتمد علیہ اور محبوب فرشتے ہیں یہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی
کرتے تھے۔ جب وہ لوگ اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نام نامی اسم گرا

ئیں گے تو سب کے سب یک زبان ہو کر کہیں گے اے حضرت جبرئیل ایک کرم
م پر یہ فرما دیجئے کہ ہمارا سلام ہمارے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
سے عرض کر دیجئے گا۔ ہماری اس بدحالی کو جو آپ دیکھ ہی رہے ہیں سرکار کو
للاع کیجئے گا اور کہہ دیجئے گا آج ہماری آپ سے جدائی کا سبب ہماری معصیت
رنا فرمانی بنی ہے سے

مجھ سے میری جدائی کا باعث معصیت میری اور خطا کاری

رئیل علیہ السلام یہ منظر دیکھکر بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوں گے حق تعالیٰ فرمائینگے کہ
تم نے امت محمدیہ کا کیا حال دیکھا؟ عرض کریں گے کہ پروردگار انکا بہت برا حال ہے
ی تنگی اور گھٹن میں وہ لوگ ہیں۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ انھوں نے تم سے کچھ
خواست بھی کی ہے؟ عرض کرینگے کہ یارب انھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے
ں سلام کہلایا ہے اور کہا ہے کہ ہماری اس بدحالی کی انھیں اطلاع کر دینا۔
سبحان اللہ کیا کرم ہے ارحم الراحمین کا کہ خود ہی جبرئیل کو یہ سب باتیں یاد دلا رہے
ں۔ کسی نے خوب ہی کہا ہے سے

مانا بھیجدیں گے ہمکو جنت سے جہنم میں مگر جو دل پہ گذرے گی وہ دل ہی جانتا ہوگا

انچہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو پھر جاؤ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اطلاع کرو۔ جبرئیل ع
اں سے اٹھکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ آپ ایک سفید موتی
کے ممبر پر تشریف فرما ہوں گے جس میں چار ہزار دروازے ہوں گے اور ہر دروازہ
ں سونے کے پھاٹک ہوں گے۔ حاضر ہو کر عرض کریں گے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
ماہ عُصاۃ (نافرمان گروہ) کے پاس سے آرہا ہوں جو آپ کی امت سے ہیں اور
دزخ کے عذاب میں مبتلا ہیں ان لوگوں نے آپکو سلام عرض کیا ہے اور کہا ہے
ہمارا بُرا حال ہے بڑی ہی تنگی میں گرفتار ہیں۔ یہ سنتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ش الٰہی کے نیچے تشریف لاکر سجدہ میں گر جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریف
یں گے کہ کسی نے آج تک ایسی تعریف نہ کی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ

سر اٹھائیے مانگئے کیا مانگتے ہیں۔ آپ جسکی شفاعت فرمائیں گے قبول کیجائے گی۔ آپ فرمائیں گے کہ یارب اسی عصابۂ عصاۃ کے لئے عرض کرتا چاہتا ہوں کہ آپکا حکم ان میں جاری ہو چکا اور آپ کا انتقام ان سے پورا ہو چکا اب ان کے حق میں میری سفارش قبول فرمالیجئے یعنی انکو دوزخ سے نکال دیجئے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائینگے کہ آپ کی سفارش انکے حق میں منظور ہے۔ جائیے آپ خود اہل لا الہ الا اللہ کو دوزخ سے نکلوا لائیے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکو نکلوا لانے کے لئے دوزخ کی جانب تشریف لیجائیں گے۔ جونہی مالک آپ کو آتا ہوا دیکھے گا تعظیماً کھڑا ہوجائے گا۔ آپ جاتے ہی دریافت فرمائیں گے کہ اے مالک میری امت کے ان اشقیاء کا کیا حال ہے؟ وہ کہیگا کہ یا رسول اللہ! بہت ہی بُرا حال ہے اور وہ بہت ہی تنگی اور ضیق میں ہیں۔ آپؐ ارشاد فرمائیں گے کہ دوزخ کا پھاٹک کھولو اور انکے طباق کو اوپر نکالو۔ جب وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیں گے تو یک لخت چیخ اٹھیں گے کہ یا رسول اللہ جہنم کی آگ نے تو ہمارے جسموں اور کلیجوں کو جلا کر رکھدیا ہے۔ چنانچہ ان سب کو باہر نکالا جائے گا اس حالت میں کہ آگ نے سب کو جلا کر کوئلہ کردیا ہوگا۔ ان سب کو جنت کے پاس ایک نہر میں لے جایا جائیگا جس کا نام نہر حیات ہے اس میں ان سب کو غسل دیا جائے گا جسکی وجہ سے وہ سب نہایت ہی حسین۔ جوان العمر۔ عریاں۔ سرمہ لگے ہوئے اس سے باہر نکلیں گے ان کے چہرے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے اور انکی پیشانی پر لکھا ہوگا الجہنمیون عتقاء الرحمان (یعنی یہ لوگ شاہی قیدی ہیں جو کہ جہنم سے رہا کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد وہ جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ جب اور دوسرے جہنمی دیکھیں گے کہ امت محمدیہ کی رہائی ہوگئی ہے تو وہ کہیں گے یا لیتنا کنا مسلمین اے کاش کہ ہم بھی مسلمان ہوتے تو ہم بھی آج دوزخ سے نکال دیئے جاتے اسی کو حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں یوں ارشاد فرمایا ہے کہ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ یعنی بسا اوقات کفار تمنا کریں گے کہ کاش ہم بھی مسلمان ہوتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ موت کو ایک چتکبرے مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اے جنت والو تم موت کو پہچانتے ہو وہ لوگ اسکو دیکھکر پہچان لیں گے کہ ہاں یہی موت ہے اسی طرح سے دوزخیوں سے پوچھا جائیگا کہ تم لوگ موت کو پہچانتے ہو وہ لوگ بھی اسکو دیکھکر پہچان لیں گے چنانچہ اس مینڈھے کو جنت اور دوزخ کے درمیان ذبح کردیا جائے گا اور اعلان کردیا جائے گا کہ اے اہلِ جنت اب تمہارا یہاں قیام دائمی رہے گا تمکو موت نہ آئیگی۔ اور اے اہلِ دوزخ سن لو کہ اب تمھیں ہمیشہ ہمیش یہیں رہنا ہے نہ تم مروگے نہ یہاں سے نکل سکوگے۔ اسی کو اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف میں یوں فرمایا ہے کہ وَاَنْذِرْھُمْ یَوْمَ الْحَسْرَۃِ اِذْ قُضِیَ الْاَمْرُ الآیہ یعنی آپ انھیں اس حسرت کے دن سے ڈرائیے جبکہ معاملہ کا اسطرح سے فیصلہ کردیا جائے گا کہ اب اسکے بعد کچھ نہ ہوسکے گا اور حسرت نافع نہ ہوگی۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ کسی فاجر کی نعمت پر غبط (رشک) نہیں کرنا چاہئے کیونکہ (وہ تو چار دن کی چاندنی ہے پھر اندھیری رات ہے کا مصداق ہے) اس کے پیچھے بہت تیزی کیساتھ اسکا ایک طالب چلا آرہا ہے یعنی موت۔ حشر۔ دوزخ وغیرہ جہاں اسکا یہ حال ہوگا کہ کُلَّمَا خَبَتْ زِدْنَاھُمْ سَعِیْرًا جب جب اسکی آگ بجھنے لگیگی تو ہم اسکو اور دہکا دیں گے یعنی تیز کردیں گے بھڑکا دیں گے۔ واللہ تعالیٰ سبحانہٗ اعلم۔

راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت مصلح الامۃؒ فرمایا کرتے تھے کہ آج جنت اور دوزخ پر وعظ کہنے کی ضرورت ہے اور یہی اصلاح امت کا خدائی طریق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جنت کا اتنا اور ایسا ذکر فرمایا ہے کہ انسان کو اسکا طالب اور شائق ہی بنادیا ہے اور دوزخ کا ذکر اس اسطرح کیا ہے کہ لوگ اس سے ڈر جائیں اور پناہ مانگیں۔ چنانچہ حضرت فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے اوپر ذکر نار اور اہل نار کرکے امت کو اس سے ترہیب فرمائی ہے۔ اب آگے جنت اور جنتیوں کا بیان کرکے مسلمانوں کیلئے اسکی جانب ترغیب کا سامان فرمایا ہے اللہ تعالیٰ ہمارے اندر دوزخ کا خوف اور جنت کا شوق پیدا فرمادے۔ آمین

۱۔ دین کے کام میں دنیا کا فائدہ مقصود نہ ہونا چاہیئے اور اسکا بیان کہ طالب حق کی کیا حالت ہوتی ہے

غرض یہ تو حضرت عمرؓ کا امتحان تھا جس میں وہ پورے اترے۔ آگے جبلہ کا
ن ہے کہ دیکھیں کیا سمجھکر ایمان لایا ہے؟ آیا کوئی غرض دنیاوی عزوجاہ کی
کہ مسلمان ذی عزت ہوتے چلے جا رہے ہیں ان کے ہمرنگ ہو جاویں گے
و مجھکو بھی عزت نصیب ہوگی یا یہ کہ محض طلب آخرت کے لئے ایمان لایا ہے
بعض لوگ بزرگوں سے بھی اسلئے ملتے ہیں کہ لوگ انکی عزت کرتے ہیں
سمجھتے ہیں اگر ہم ان کے ساتھ رہیں گے ہماری بھی عزت ہوگی۔ اکثر
ٹ چھانٹ کر ایسے ہی بزرگوں سے بیعت ہوتے ہیں کسی جاہ والے سے
خواہ وہ کیسا ہی بزرگ اور نیک ہو بیعت نہیں ہوتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے
وگ محض مدعی ہیں ہم کو نہ طلب صادق ہے نہ محبت واقعی جہاں اپنی دنیوی غرض
ہوتے دیکھتے ہیں چار قدم بڑھا دیتے ہیں وہ نہ ہو تو یہ کچھ بھی نہیں۔ ایسے ہی
ہیں جو امتحان کے وقت ادھورے اترتے ہیں۔ عند الامتحان یکرم الرجل
ان (امتحان کے بعد یا تو انسان کی عزت ہوتی ہے یا ذلت) خوب

صوفی نشود صافی تا در نکشد جامے بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

(کامل اور پختہ نہیں ہوتا جب تک کہ شب الہی کا جام نوش کرنے کیلئے بہت طویل سفر نہ کیا ہو)
جبلہ کا امتحان ہوا اور وہ اس میں ناکامیاب ثابت ہوا۔ یعنی اس نے کہا کہ
[illegible]
[illegible]
[illegible]
طلب صادق اور محبت واقعی دین سے نہ تھی کہ دنیا کی ذلت گوارا کرتا

جسکا نتیجہ ابدالآباد کی ذلت ہے۔ ادھر حضرت عمرؓ کو دیکھئے کہ ذرا پرواہ نہیں کہ یہ امیر ہے دوسرا غریب۔ اُدھر انکو دیکھئے کہ ذرا سی تکلیف نفس پر گوارا نہ کر سکا۔ ایسے بہت لوگ ہیں کہ وہ اتباع شریعت محض نفع دنیاوی کے لئے کرتے ہیں لیکن جو خدا کے مخلص بندے ہیں انکی یہ حالت ہے کہ ان پر کچھ بھی گذر جائے مگر ان کو حق کے مقابلہ میں سب ہیچ معلوم ہوتا ہے ؎

کشند از برائے دلے بارہا خورند از برائے گلے خارہا

(ایک دل کی خاطر بہت سا بوجھ برداشت کرتے ہیں اور ایک گل حاصل کرنے کے لئے بہت کانٹوں کی تکلیف اٹھاتے ہیں)

اور پھر چاہے طلب اور جستجو میں عمر بھی ختم ہو جائے مگر گھبراتے اکتاتے نہیں کیونکہ انکی طلب صادق طلب ہوتی ہے اور انکو معلوم ہوتا ہے کہ محبوب اور مطلوب کون ہے وہ زبان حال سے کہتے ہیں ؎

طلبگار باید صبور و حمول کہ نشنیدہ ام کیمیا گر ملول

یعنی فن کیمیا کا طالب اکثر ساری عمر طلب میں برباد کر دیتا ہے اور ہمیشہ ایک تاؤ کی کسر میں رہتا ہے لیکن آپ نے کسی طالب کیمیا کو نہ دیکھا ہوگا کہ وہ ناکامی سے گھبرا کر اکتا گیا ہو اور کیمیا کی فکر چھوڑ دی ہو تو کیا خدا کا طالب کیمیا گر کے برابر بھی نہ ہو؟ خوب سمجھ لو کہ جو اکتا گیا وہ طالب نہیں صورت طلب کو طلب نہیں کہتے جیسے صورت آدمی کو آدمی نہیں کہتے۔ خوب کہا ہے ؎

— اینکہ می بینی خلاف آدم اند نیستند آدم غلاف آدم اند

(یہ جن لوگوں کو تم آدم کے اخلاق پر نہیں دیکھتے ہو بلکہ اسکے خلاف دیکھتے ہو یہ حقیقۃً آدم ہی نہیں بلکہ آدم کا غلاف چڑھائے ہوئے ہیں)

۱۳۶۔ مصالح کیوجہ سے بدعات کی اجازت نہیں دی جاسکتی

پس جو لوگ الوداع کے خطبہ نہ ہونے سے نہ آویں انکے نہ آنے کی کچھ بھی پرواہ نہ کیجاویگی اور ایسے وہمی مصالح سے اس قسم کی بدعات کی اجازت نہ دیجاوے گی۔

۱۳۷۔ فضائل رمضان کا بیان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے مہینہ کے برکات وآثار کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں ھو شھر اولہ رحمۃ واوسطہ مغفرۃ وآخرہ عتق من النیران ترجمہ یہ ہے کہ ماہ رمضان ایسا مہینہ ہے کہ اسکا اول حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرۃ ہے اور آخری حصہ آگ سے آزادی ہے۔ تو سمجھنا چاہیئے کہ یہ جو فرمایا گیا کہ اول حصہ رحمت ہے تو وجہ اسکی یہ ہے کہ رحمت ایک لطف ہے چونکہ ابتدائی حصہ میں خداوند تعالیٰ کی طرف سے عمل کرنے کی توفیق عطا ہوتی ہے کہ بدون اس توفیق کے کوئی عمل بھی نہیں ہو سکتا اسلئے رحمۃ فرمایا گیا۔

۱۳۸۔ آدمی کو اپنے عمل پر کبھی ناز نہیں کرنا چاہیئے

اور یہیں سے یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیئے کہ بعض لوگوں کو جو اپنے تھوڑے عمل پر ناز ہو جاتا ہے کہ ہم بہت کچھ کرتے ہیں یہ کوتاہیٔ نظر کی دلیل ہے انسان کوئی کام نہیں کر سکتا جب تک کہ اُدھر ہی سے امداد و توفیق نہ ہو۔ خوب کہا ہے ؎

بے عنایات حق و خاصانِ حق گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

(بدون حق کی عنایت کے اور خاصان حق کی عنایتوں کے کچھ نہیں ہے تا اگر کوئی فرشتہ بھی ہو تو اسکے تمام اعمال کو سیاہی سمجھو)

دوسری جگہ فرماتے ہیں ؎

ایں ہمہ گفتیم ولیک اندر بسیچ بے عنایات خدا ہیچیم و ہیچ

کہ گو ہم نے سب کچھ بتلایا لیکن عنایات خداوندی نہ ہو تو ہم کچھ بھی نہیں ۔ پس خدا کی عنایت سے توفیق ہوتی ہے اپنا کوئی کمال نہ سمجھے جب تک کہ دل میں کوئی بات نہیں ہوتی آدمی کچھ بھی نہیں کر سکتا اور یہ خدا کے اختیار میں ہے۔

دلِ من چو قلم در میان اصبعین ۔ (میں تو ایسا ہوں جیسے دو انگلیوں کے درمیان کا قلم)

آخر کیا سبب تھا کہ ابوجہل جو کہ نہایت سمجھدار سمجھا جاتا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کا رشتہ میں چچا ہوتا تھا تیرہ برس تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو دعوت ایمان فرمائی لیکن اسکو کلمہ پڑھنا نصیب نہ ہوسکا اور حضرت بلالؓ جو کہ حبشہ کے رہنے والے تھے اور کچھ بڑے زیرک سمجھے جاتے تھے نہ پہلے سے حضورؐ کی صحبت میسر ہوئی تھی۔ کیونکہ مکہ میں آکر ایک کافر کے پھندے میں پھنس گئے کہ آزادی بھی نصیب نہ تھی جس سے تحقیقات کا ہی موقع ملتا۔ پھر پتھر تپتا ہوا سینہ پر رکھدیا جاتا لیکن باوجود اسکے آپ کی زبان سے احد ہی احد نکلتا۔ بس وجہ یہی تھی کہ ابوجہل کو توفیق نہیں دی گئی اور ان کو توفیق دی گئی ؎

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم ز خاک مکہ ابوجہل این چہ بوالعجبی است

(بصرہ سے حسنؓ آئے۔ حبش سے بلالؓ آئے اور روم سے صہیبؓ آئے اور مشرف باسلام ہوئے اور خود مکہ میں کہ ابوجہل محروم رہا تعجب نہیں تو اور کیا ہے)

حقیقت میں جب تک ادھر سے مدد اور جذب نہ ہو کچھ نہیں ہوسکتا تو یہ کہنا کہ انا کذا وانا کذا (میں ایسا ہوں اور میں ویسا ہوں) محض جہل ہے۔

حکایت: ایک بزرگ کی حکایت لکھی ہے کہ وہ چلے جارہے تھے شاہی محل کے نیچے سے گذر ہوا بادشاہ نے انکو اپنے پاس ملنے کیلئے بلایا انھوں نے کہا کہ کیونکر آؤں کہ دروازہ بڑی دور ہے اور پھر وہاں پہرہ چوکی۔ بادشاہ نے کمند لٹکادی یہ اسکے سہارے اوپر پہنچ گئے۔ جب وہاں پہنچے تو بادشاہ نے ان سے گفتگو شروع کی اثنائے گفتگو میں بادشاہ نے پوچھا کہ آپ خدا تعالیٰ تک کیسے پہنچے؟ انھوں نے جواب دیا جس طرح آپ تک پہنچا یعنی جس طرح تم نے وہ کمند ڈالی اور اس کے ذریعہ سے مجھے کھینچ لیا اسی طرح سے خدا تعالیٰ نے بھی جذب کی کمند ڈال کر مجھے کھینچ لیا خوب کہا ہے ؎

نگردد قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدنہا کہ میبالد بخود ایں راہ چوں تاک از بریدنہا

(عشق کی راہ بھاگ دوڑ سے نہیں قطع ہوتی کیونکہ یہ راستہ بھی بڑھتا ہی چلا جاتا ہے جیسے انگور کی بیل قلم کرنے کی وجہ سے بڑھتی ہی جاتی ہے)

یہ تو اپنے عمل کے بارہ میں ہے اور ایک دوسرے شخص نے جذب کے بارے میں لکھا ہے لیکن یہ مضمون محبوب مجازی کے باب میں ہے اسلئے الفاظ اچھے نہیں ؎

خود بخود آں بت عیار بہ بر می آید نہ بزور و نہ بزاری نہ بہ زر می آید

(یعنی خود بخود جب چلا جاتا ہے تو وہ چالاک محبوب بغل میں آ جاتا ہے باقی یہ ہو کہ زبردستی یا زاری (یعنی خوشامد) یا زر زر دے کر قابو میں آ جائے تو وہ آنے والا نہیں ہے)
میں نے الفاظ بدل دیئے ہیں کہ محبوب حقیقی کے مناسب ہو جائے - ع خود بخود آں مہ دلدار بہ بر می آید ۔ جب محبوبان مجازی کا یہ عالم ہے تو اس محبوب حقیقی کو کون مجبور کر سکتا ہے وہ تو اسکے شائبہ سے بھی منزہ ہیں۔

۱۳۹ - دعاء کے وقت اسکو مشیت کیساتھ معلق کرنا بے ادبی ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قربان ہو جائیے فرماتے ہیں لا تقل اللّٰھم ارحمنی ان شئت فانہ لا مکرہ لہٗ کہ یوں دعاء نہ مانگو کہ اے اللہ اگر آپ چاہیئے تو ہم پر رحم فرمایئے اسواسطے کہ خدا تعالیٰ پر تو کوئی اکراہ و جبر کرنے والا نہیں ہے۔ صاحبو! دیکھئے ظاہر نظر میں مشیت پر موقوف کر کے دعاء مانگنا ادب معلوم ہوتا ہے لیکن واقع میں سخت بے ادبی ہے لیکن کسی کی نظر اس بے ادبی تک نہیں پہونچ سکتی، یہ نظر نورِ نبوت اور وحی کی محتاج ہے اور وجہ اسکے داخلِ بے ادبی ہونے کی یہ ہے کہ درخواست میں مشیت کی قید لگانے کی ضرورت تو اس وقت ہوتی جبکہ خدا تعالیٰ میں مجبور ہونے کا کچھ احتمال ہوتا اسلئے یہ قید لگاتے کہ اللہ تعالیٰ پر دباؤ نہ پڑے، یہاں یہ بات کہاں تم دس ہزار دفعہ مانگو اور دعاء کرو وہ چاہیں گے قبول کر لیں گے یا رد کر دیں گے پھر کیوں تم قید لگاتے ہو۔ میں سچ کہتا ہوں اگر دنیا بھر کے عقلاء جمع ہو کر غور کرتے تو اس دقیقہ تک نہ پہونچتے جہاں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) پہونچے ہیں۔

۱۴۰ - رجوع بجانب سرخی (آدمی کو اپنے عمل پر کبھی ناز نہ کرنا چاہئے

اور جب خدا تعالیٰ مجبوری سے بالکل پاک ہیں تو اگر تمکو توفیق روزہ رکھنے اور تراویح اور قرآن پڑھنے کی نہ دیتے تو تم کیا کر سکتے تھے اسی لئے فرمایا کہ اولٰئک رحمۃ

کیونکہ صوم وغیرہ کی توفیق دینا، عبادت کی توفیق دینا بہت بڑی رحمت ہے۔

۱۴۱۔ رجوع بجانب شرحِ فضائل رمضان کا بیان

اور چونکہ ارشاد خداوندی ہے کہ اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ کہ نیکیوں سے برائیاں معاف ہوجاتی ہیں تو جب اول رمضان میں توفیق ہوجانے کی وجہ سے اعمال نیک شروع ہوگئے تو ان سے گناہ معاف ہوجانے شروع ہوئے جب انکی بدولت گناہ معاف ہوگئے تو وسط رمضان مغفرت ہوا اسی کو فرماتے ہیں واوسطہ مغفرۃ اور ظاہر ہے کہ گناہوں کا معاف ہوجانا یہی دوزخ سے بچنا ہے۔ تو اس پر متفرع ہوکر یہ ارشاد صحیح ہوا کہ واٰخرہ عتق من النیران

۱۴۲۔ خداتعالیٰ کی بارگاہ میں نہ تو کسی کو آنے کی ممانعت ہے اور نہ وہاں کسی کے آنے نہ آنے کی پرواہ ہے

وہ بارگاہ عجیب بارگاہ ہے یہ حالت ہے کہ ؎

باز آباز آ ہر آنچہ ہستی باز آ — گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست — صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

(بازآجاؤ بازآجاؤ جیسے کچھ بھی ہو اور جن گناہوں میں مبتلا ہو ان سے بازآجاؤ اگر تم کافر ہو یا آتش پرست ہو یا بت پرست ہو تو بھی بازآجاؤ چونکہ میری یہ بارگاہ ناامیدی کی بارگاہ نہیں ہے اسلئے تم نے اگر سو بار بھی توبہ توڑ ڈالی ہو تو خیر اب بھی اب سے بازآجاؤ)

اور جس طرح وہاں ہر وقت باب رحمت کشادہ ہے کہ کسی کو آنے کی ممانعت اور روک ٹوک نہیں اسی طرح وہاں کسی کے آنے نہ آنے کی پرواہ بھی نہیں ؎

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو — دار و گیر و حاجب و دربان دریں درگاہ نیست

(جس کا جی چاہے کہو آوے اور جس کا جی چاہے کہدو کہ نہ آوے کوئی روک ٹوک چوکی پہرہ ہمارے دربار میں نہیں ہے)

کہ جسکا جی چاہے جب چلا آوے اور جس حالت میں چاہے چلا آوے اور ہر کہ خواہد

کے عموم سے یہ بات بھی سمجھ میں آگئی ہوگی کہ بعضے لوگ جو کسی ہندو یا عیسائی کو
مسلمان کرنے کے قبل اول غسل دیا کرتے ہیں اسکی کوئی ضرورت نہیں ہر کے کے
عموم میں بے غسل والا بھی داخل ہے۔ صاحبو! اسلام میں آنے کیلئے نہ غسل کی
ضرورت ہے نہ وضو کی بلکہ اگر استنجا بھی نہ کیا ہو تو اسکے انتظار کی بھی ضرورت
نہیں۔ پہلے مسلمان کرلو پھر غسل وغیرہ دو۔ اور ایک یہ بھی تو بات ہے کہ کسی کو
کیا خبر ہے کہ چار منٹ کے بعد زندہ رہیگا یا ختم ہو جائے گا بعض لوگ تو یہانتک
غضب کرتے ہیں کہ مسلمان ہو جانے کے بعد مسہل دینے کی تجویز کرتے ہیں میں کہتا ہوں
اگر طہارت دینے کے لئے یہی شرط ہے کہ حالت کفر کی کوئی چیز باقی نہ رہے تو فصد
بھی لینا چاہیئے بلکہ گوشت پوست بھی نیا ہونا چاہیئے۔

الحاصل یہ سب لغو قیود ہیں اس دربار میں جسکا جی چاہے جب چاہے اور
ورجس حالت میں چاہے چلا آوے۔ صاحبو! کیا آج کوئی بادشاہ ہے جو ننگا پاؤں کو
بھی اپنے دربار میں حاضری کی اجازت دے اسی کو عارف شیرازیؒ کہتے ہیں ؎

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو　　دار و گیر و حاجب و دربان دریں درگاہ نیست

غرض جس طرح یہاں کسی کو آنے کی ممانعت اور روک ٹوک نہیں اگر بگڑ جاوے
در کھنے کی بھی کوئی تمنا نہیں کرتا کسی کو اس طرح سر نہیں چڑھایا گیا کہ وہ ذرا بھی ناز
کر سکے۔

۴۴۔ خدا تعالیٰ کی بخشش سے کسی حال میں مایوس نہ ہونا چاہیئے گو کتنے ہی گناہ ہوں توبہ کرنے سے سب معاف ہو جاتے ہیں

تم اگر گناہوں کی پوٹ لیکر بھی حاضر ہو گے تو آؤ ہر کے ایک چھینٹے میں سب
دھل جائیں گے اسکی ایسی مثال ہے ؎

گر جہاں پُر برف گردد سر بسر　　تاب خور بگدازد ش از یک نظر

(اگر دنیا سر سے سر تک ساری برف سے بھر جائے (تو بھی کچھ خوف نہیں کیونکہ) آفتاب کی گرمی اسکو ایک آن میں پگھلا دیگی)

یعنی اگر سارا عالم بھی برف سے پٹ جاوے تو آفتاب عالمتاب کے نکلتے ہی
سب پانی ہوکر بہہ جاویگی۔ اسی طرح اگر سارا عالم بھی گناہ سے بھر جاوے تو اُدھر کی
ایک نگاہ کافی ہے۔ سبحان اللہ! کس پاکیزہ مثال سے کتنے بڑے مسئلہ کو حل کر دیا۔
واقعی چونکہ اہل اللہ پر حقائق کا انکشاف ہوتا ہے اس لئے ان سے زیادہ بہتر
کوئی بھی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ سچ ہے کہ یہی لوگ سچے فلسفی ہیں۔ چنانچہ افلاطون
کو کسی نے خواب میں دیکھا اور اس سے ایک ایک حکیم کا نام لیکر پوچھا کہ یہ کیسے
تھے؟ وہ سب کے متعلق یہی کہتا رہا کہ کچھ نہیں پھر اس سے حضرت بایزیدؒ حضرت
شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی نسبت پوچھا تو اس نے کہا اولئک هم الفلاسفۃ
حقا (ہاں یہ لوگ واقعی فلسفی تھے)۔

۱۴۴۔ جب خدا تعالیٰ کی عنایت ہوتی ہے تو ایک لمحہ میں کام بنجاتا ہے مگر چونکہ وہ لمحہ متعین نہیں ہے اسلئے ہمیشہ اسکا متلاشی رہنا چاہیئے

حق تعالےٰ کے جیسے الطاف وکرم ہیں ان پر نظر کرکے تو ایک دم کی بھی غفلت
جائز نہیں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی	شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

(پلک جھپکنے بھر کے لئے اس شاہ سے غافل ہونا شاید کہ وہ تمہاری جانب نظر کرے اور تم اس سے غافل رہو)
بخدا جسکا کام بنا ہے ایک ہی لمحہ میں بن گیا ہے۔ ایک ہی لمحہ کی عنایت کافی ہوتی
ہے مگر بہت دن تک اسکے لئے لگے رہتے ہیں کہ وہ لمحہ معین نہیں یعنی یہ معلوم نہیں کہ
وہ ایک لمحہ کس وقت ہوگا جس میں نگاہ اکسیر پڑ جاوے گی۔ اسی کو مولاناؒ بھی ایک
تفسیر یہ فرماتے ہیں

صحبت نیکاں اگر یک ساعت است	بہتر از صد سالہ زہد و طاعت است

نیکوں کی صحبت اگر گھڑی بھر کے لئے بھی مل جاوے تو وہ سو سال کی بے ریا طاعت سے بڑھ کر ہے۔

Regd. No. L2/9/AD-111

Monthly WASIYATUL IRFAN JUNE 1983

23, Buxi Bazar, Allahabad-3

Rs. 30/-

Rs. 24/-

مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی خانقاہ سے شائع ہونے والا

دینی اصلاحی ماہوار رسالہ

وصیۃ العرفان

شمارہ جولائی ۱۹۸۲ء جلد ۶

مکتبہ وصیۃ العلوم ۲۲، بخشی بازار
الہ آباد

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی

جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ | مدیر: عبدالمجید عفی عنہ | دو روپے ۲/

شمارہ ۷، | رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ مطابق جولائی ۱۹۸۳ء | جلد ۶

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبدالمجید صاحب ۲۴ بخشی بازار، الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبدالمجید صاحب پرنٹر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۴ بخشی بازار، الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱۷-ڈی ۱۱۱

(۱۰۷۔ قوم صوفیہ کا ذکر وفکر)

فرمایا کہ ـــــ صراط مستقیم میں سے ہے کہ ان لوگوں کی تسبیحات۔ تحمیدات
تکبیرات جبکہ ان کے ساتھ تواضعانہ افعال اور تعظیمی آداب بھی شامل ہوں
ان اذکار کے الفاظ کو زبان سے کہتے وقت ان کے معانی کا بھی استحضار
پہلے بیان کر آئے ہیں پایا جائے بالخصوص لاالہ الا اللہ کے ذکر میں کہ جو
تعالیٰ کی صمدیت اور اسکی ربوبیت کے اعلیٰ مراتب پر دال ہے جب یہ استحضار
ہے۔

اسی طرح سے علی الخصوص افراد ذکر میں سے تلاوت کلام اللہ کرنے میں
سب امور کو پیش نظر رکھا جائے۔ وہ کلام اللہ جس نے چار امور فطریہ کو
سے نہج سے بیان فرمادیا ہے کہ اس سے بڑھکر اور اس سے بہتر انکا بیان
ن نہیں اور اگرچہ کلام اللہ کے ساتھ منعم کے شعائر کی تعظیم بھی شامل ہے
لی جب اس پاک کلام کو مومن کمال تعظیم اور تدبر معانی کے ساتھ زبان پر
آتا ہے اور ان تمام ہی اذکار کی لذت سے اپنے کام و دہن کو لطف اندوز
ا ہے خاصکر اس کلام کی عظمت جب اسے شادکام کرتی ہے تو یہ لذت اسکے
ب و عقل کو مالا مال کر دیتی ہے اور اسکے الفاظ کی شیرینی معنی کی لطافت
ہ ہمکنار ہو کر اسکے دل ہی کو شکار کر لیتی ہے اور اسکے ہوش اور عقل ہی کو اڑا کر
رتی ہے اور اسکے جملہ اعضاء رئیسہ کو نور سے منور کر کے رکھدیتی ہے اور اسکے
ندہ اور منتشر خیالات اور وساوس کو نیز باطل آرزوؤں اور قصد معاصی کو
ماسوی اللہ کی تعظیم اور اسکی محبت کو پاش پاش کر کے لاشئ محض بنا کر رکھدیتی ہے
۔ اسکی عقل اور اسکے قلب کو حیوانی اثرات اور تقاضوں سے یکسر پاک کر دیتی ہے
ہے اس قوم کا ذکر چنانچہ ہم اسے ذکر ایمانی کے لقب سے ملقب کرتے ہیں۔
اور جیسا کہ ہمارے شروع بیان سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ لسانی اقوال اور

جسمانی افعال سے نفسانی احوال کو کمک پہونچتی رہتی ہے اور بہت کم
ملتی اور بہت ہی زیادہ آب وتاب اسے حاصل ہوتا ہے پس اسی
کی بناپر مذکورہ بالا طریقہ سے کیا ہوا لسانی ذکر بھی۔ امور اربعہ فطریہ کو ذاکر
اضافہ کرنے کا سبب بنجاتا ہے اور ایک تعلق اور محبت اور نئے قسم
تعظیم ذاکر کے باطن میں فوارہ کی مانند جوش مارتی ہوئی محسوس ہوتی۔
پھر اس جوش کی وجہ سے اس سالک کے قلبی تعظیم اور محبت کا ایک نہ
انداز ہو جاتا ہے پھر جانبین سے یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ لا
کا حقیقی مضمون بھی یعنی تنہا حق سبحانہ تعالیٰ کا الہ اور رب ہونا اور اس
فضائل ذاتیہ اور اسکی متعدی بخششوں کا لاثانی ہونا اور اسکی ذات
کے باب میں بے مثل ہونا اور نعمتوں کے عطا فرمانے میں اسکا عدیم ا
اور یہ سمجھ لینا کہ کسی تاثیر یا انعام میں کوئی دوسرا مستقل نہیں ہے اور
جانب سے نظر کا اصلا ہٹ جانا اور اسکو کسی شمار و قطار میں نہ لانا یہ
ذاکر کے قلب میں راسخ اور جاگزیں ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ عالم
جو چیز واقع ہوئی ہوتی ہے یا ہونے والی ہوتی ہے ان تمام چیزوں کو
حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے سبب سے بلا واسطہ ظہور پذیر سمجھتا ہے
وہ انعام جو اسپر یا اسکے غیر پر ہوا کرتا ہے ان سب کو کھلی آنکھوں
کی تربیت بالعنہ کے آثار کے منجملہ جانتا اور دیکھتا ہے اور موجودات
ذروں میں سے کسی بھی ذرہ میں جو کمال اسکو چمکتا ہوا دکھائی پڑتا۔
جمالِ لم یزلی کا پرتو سمجھتا ہے۔ اسی طرح ممکنات میں سے کسی مما
اندر جو بھی کمی اور نقص دیکھتا ہے تو اسکو بارگاہِ حق تعالیٰ سے دور
ان حالات کی بناء پر وہ لحظہ لحظہ قدرت کے عجائبات کے بحر میں غو
ہے اور ماتند حباب کے بجز ہوا کے اور کچھ اپنے پلے نہیں پاتا
بہر نوع کامل و قادر اور خود کو بہر حال ناقص و عاجز پاکر حق تعالیٰ کو

کا مطالعہ کرتا ہے اور اسکے مطالعہ سے سوا اپنی عاجزی اور خجالت کے اور اس
امر کی تصدیق کے کہ وہ حق تعالیٰ کے انعامات کے حقوق کی ادائیگی سے قاصر ہے
اور کچھ اسکے ہاتھ نہیں لگتا۔ بس یہی اپنے نقص اور عجز کا تصور بلکہ تصدیق) اس قوم
کا فکر ہے اور اسکو ہم صمدیت کے مراقبہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

(فائدہ) تسبیحات وتحمیدات وتکبیرات ممزوج بافعال خضوعیہ وحرکات تعظیم
وہمچنیں تہلیل وتلاوت قرآن پاک بکمال تعظیم وبتدبر معانی ۔ یہ ہے ذکر اس قوم
کا یعنی جو شریعت کے راستہ سے یہ راہ چلتے ہیں۔ حضرت والا نے ذکر کا خلاصہ مفہوم بتایا۔
ساعۃ فساعۃ بحر عجائب قدرت میں غوطہ لگانا اور حباب کی طرح ہوجانا اور
آناً فاناً اسکے انعام کی کتاب کا مطالعہ کرنا اور اسکے حقوق کی ادائیگی سے اپنے کو
قاصر رکھنا یہ ہے فکر اس قوم کی۔ یہ فکر کا حاصل ارشاد فرمایا
سبحان اللہ ذکر و فکر کا مفہوم کیسا واضح فرمادیا اور آخر میں یہ شعر پڑھا کہ ؎

نازم بچشم خود کہ جمالِ تو دیدہ است　　افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است
ہر دم ہزار بوسہ زنم دستِ خویش را　　کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

(یعنی میں اپنی آنکھ پر ناز کرتا ہوں کہ جس نے تیرا جمال دیکھا ہے اور میں اپنے
پیروں پر گرتا ہوں کہ وہ تیری گلی میں پہونچا ہے اور ہر وقت ہزاروں بوسے اپنے
ہاتھ کو دیتا ہوں جسنے تیرا دامن کھینچکر مجھکو میری جانب کھینچا ہے۔)

(۱۰۸ ۔ عالم کسے کہتے ہیں؟)

فرمایا کہ ——— فیض القدیر شرح جامع الصغیر میں احیاء العلوم کے
حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حجۃ الاسلام امام غزالی نے فرمایا ہے کہ عالم کا اعتماد
علوم میں اپنی خدا داد بصیرت اور ذاتی فہم نیز اپنے صفائے قلب پر ہونا چاہئے
نہ کہ صحف وکتب پر یا دوسروں سے سنے ہوئے مضامین یا غیروں سے نقل کی ہوئی
باتوں پر۔ کیونکہ اگر اسکے اندر خود فہم و بصیرت اور صفائے قلب وغیرہ امور تو نہ ہوئے

اور اس نے محض دوسروں کی کہی اور صرف دوسروں سے سنی ہوئی باتوں کے حفظ کرنے پر اکتفا کر لیا تو اسے علم کا ایک برتن تو کہا جا سکتا ہے عالم نہیں کہا جائیگا (فیض القدیر ص ۳ ج ۱)

اسلئے عالم کے لئے ضروری ہے کہ جہاں حق تعالیٰ سے فہم و بصیرت طلب کرے وہیں اپنے اندر صفائی قلب و باطن کی پیدا کرنے کا اہتمام رکھے

(۱۰۹ - علم کی فضیلت)

فرمایا کہ ــــ شامی میں ہے کہ بیہقی نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت، تفقہ فی الدین حاصل کرنے سے بڑھکر کسی ذریعہ سے نہیں کی گئی اور بزازیہ میں ہے کہ علم و فقہ کا طلب کرنا جبکہ تصحیح نیت کے ساتھ ہو جملہ اعمال بر (نیک کاموں) سے بڑھکر ہے۔ اسی طرح سے زیادتی علم کے ساتھ مشغولی بھی کیونکہ اسکا نفع تو اور عام ہے لیکن اسکے لئے شرط یہ ہے کہ اسکی وجہ سے اسکے اور دوسرے فرائض میں نقصان نہ ہو رہا ہو۔

اور تصحیح نیت یہ ہے کہ اس تحصیل علم سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا پیش نظر ہو مال و جاہ مطلوب نہ ہو اور اگر کسی کی نیت تحصیل علم سے یہ ہے کہ وہ جہالت سے نکل جائیگا یا یہ کہ خلق خدا کو نفع پہونچائے گا اور علم کے احیاء اور بقا کا ذریعہ بنے گا تو کہا گیا ہے کہ خیر یہ بھی صحت نیت میں داخل ہے اور اگر کسی شخص نے کچھ علم قرآن حاصل کیا اور اسکو فرصت اور فراغت ہے تو افضل اسکے لئے یہ ہے کہ تحصیل فقہ میں مشغول ہو کیونکہ قرآن شریف کا حفظ کرنا تو فرض کفایہ ہے اور امور ضروریہ کا علم فرض عین ہے۔ خزانہ میں کہا گیا ہے کہ اور تمام ہی فقہ کا جاننا ضروری ہے۔ مناقب میں ہے کہ حضرت محمد بن الحسن شیبانیؒ نے حرام و حلال (جائز و ناجائز) سے متعلق دو لاکھ مسائل کتاب و سنت سے مستنبط فرما کر جمع کئے ہیں لوگوں کیلئے انکو معلوم کرنا اور یاد کرنا ضروری ہے (شامی ص ۲۸ ج ۱)

(۱۱۰- حب دنیا کا اثر اور اسکی نحوست)

فرمایا کہ ــــــ فاتحۃ العلوم میں ہے کہ جب علماء کے قلوب حب دنیا کی جانب اور اسکو آخرت پر ترجیح دینے کی جانب مائل ہوجائیں تو اسوقت اللہ تعالیٰ حکمت کے چشموں کو اسپر بند کرکے سلب فرمالیتے ہیں اور ان کے قلوب سے ہدایت کا چراغ بجھا دیتے ہیں تو اسوقت حال یہ ہوجاتا ہے کہ زمانہ والوں میں ایک عالم تم سے بوقت ملاقات اپنی زبان سے یہ کہتا ہے کہ وہ خدا سے ڈرتا ہے اور حالت یہ ہوتی ہے کہ اسکا فسق و فجور اسکے عمل میں نمایاں ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں (توبہ توبہ) زبانیں کیا خوشگوار اور شاداب نظر آئیں گی اور قلوب کیسے اجڑے ہوئے اور قحط زدہ معلوم ہوں گے پس اس ذات وحدہ لاشریک کی قسم کھا کر کہتا ہوں جسکے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے کہ ایسا صرف اسی لئے ہوگا کہ معلمین نے غیر اللہ کے لئے دوسروں کو تعلیم دی ہوگی اور متعلمین نے غیر اللہ کیلئے علم دین حاصل کیا ہوگا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھی ہے کہ شیطان کبھی تم سے علم کیوجہ سے جیت جائے گا۔ عرض کیا گیا کہ یہ کیونکر؟ فرمایا کہ وہ تم سے آکر کہے گا "علم حاصل کرو" اور ابھی سے عمل کی فکر نہ کرو (ابھی اسکے لئے بہت زمانہ پڑا ہے) اور عمل اسوقت کرنا جبکہ تمھارے علم کی تکمیل ہو جائے لہٰذا اسکے اسی وعظ یعنی ترغیب فی العلم میں انسان پھنسکر لفظی طور پر علم حاصل کرتا چلا جائے گا اور عمل کے متعلق خیال کرے گا کہ پھر کرلوں گا، جب چاہوں گا یہی کرتا رہے گا یہاں تک کہ ایک دن مرجائے گا۔ اور عمل کی نوبت نہ آئیگی (یہ ہے وہ گمراہی جو علم کی راہ سے انسان میں آجائیگی کہ شیطان کے اغواء سے علم کے چکر میں پڑا رہیگا اور عمل کی جانب اصلا توجہ نہ کرکے گمراہ ہوگا وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ کا مصداق بن جائے گا۔ العیاذ باللہ منہ)

(۱۱۱۔ حکیم الامت کی ایک حکمت)

فرمایا کہ ــــ علی گڑھ سے کوئی ماسٹر صاحب حضرت مولانا تھانویؒ
س آئے اور انھوں نے یہ سوال کیا کہ حضرت یہ جو حدیث شریف میں آتا ہے
جگہ زنا کی کثرت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ وہاں وبا بھیج دیتے ہیں یہ سمجھ میں
یا۔ حضرت تھانوی نے فرمایا کہ کیا سمجھ میں نہیں آیا؟ حدیث کا مطلب؟
یث کا مضمون تو بالکل صاف اور واضح ہے۔ یا جنایت اور عقوبت میں
یں سمجھ میں آیا۔ کہنے لگے جی ہاں یہی سمجھ میں نہیں آیا۔ فرمایا کہ جب یہ
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے تو آپ اسکو مان لیجئے اسکے متعلق
لیا؟ اس پر وہ بولے کہ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ یعنی تاکہ میرے دل کو اطمینان حاصل
ے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ کیا ضروری کہ جس سے حضرت ابراہیمؑ کو تسلی اور
ان حاصل ہو جائے اس سے آپ کو بھی ہو جائے۔ یہ سنکر خاموش ہو گئے
ڑی دیر کے بعد سلام کرکے چلے گئے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ بڑا ہی
نص تھا مولویوں کو بہت پریشان کرتا تھا لیکن آج حضرت ہی نے اس کا تکبر توڑا۔
اسکے بعد حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ آپ لوگ کہیں تو میں ان دونوں
جہ ربط بیان کر دوں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت ضرور بیان فرمائیے۔
۔ اس جرم اور اسکی سزا میں ربط یہ ہے کہ زانی نے زنا کرکے گویا اس نطفے کو
دیا کیونکہ ولد الزنا ثابت النسب بھی نہ ہوگا، دنیا میں کوئی اسکا پرسان حال
اور موت کی سزا موت ہے۔ یہ ربط سنکر لوگ پھڑک گئے کہ سبحان اللہ کیا عمدہ
ضرت نے بیان کیا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت اگر اسکو اس ماسٹر کے
بیان فرما دیتے تو وہ بھی یاد کرتا۔ فرمایا کیا میں اسکے سامنے بیان کرکے اسکے مرض
تا ــ اور اسوقت میں ماسٹر صاحب سے حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ماسٹر صاحب
ئے گا کہ ہمارے پاس اسکا جواب نہیں ہے جواب ہے مگر ــ

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست[۵]

(۱۱۲۔ ہمارے اسلاف کا تواضع و انکساری)

فرمایا کہ ــــــ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ جو ہمارے حضرت تھانویؒ کے استاد تھے انکا ایک خط سناتا ہوں دیکھئے کس قدر تواضع میں ڈوبا ہوا خط ہے اور کس طرح حضرات خود کو فنا کئے اور مٹائے ہوئے تھے۔ اپنے کسی طالب کو لکھا کہ:۔

اے عزیز محبت تمہاری خدا کے واسطے کی ہے خدا اسکو ترقی دے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ارواح کے لشکر جدے جدے ہیں جو اصل میں ایک دوسرے کی شناخت رکھتے ہیں انکی آپس میں الفت ہو جاتی ہے اور جنکی شناخت آپس کی نہیں ہوتی مختلف رہتے ہیں یہ معرفت اصلی روحی ہے کہ تمکو اس گنہگار کے ساتھ ربط بے دیکھے ہوا۔

اگرچہ تمہاری نیت اور قصد محض خیر اور بالکل خوبی ہے اور خدا تعالیٰ تمکو اسکا ثواب عطا فرمائیگا مگر کسی کا حال بے تجربہ اور بے برتے معلوم نہیں ہوتا۔ بزرگوں کے کلام نقل کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ دیکھو طوطا کیا ہو بہو آدمی کی بولی بولتا ہے کیا وہ آدمی ہو جاتا ہے؟ آدمی مشتاق اُسکا ہو جو کچھ آپ صاحب کمال ہو۔ نقل کرنیوالے کو کیا دیکھئے اصل کو ڈھونڈھیئے۔ تم اس عاجز کا حال اہل اجمیر سے معلوم کرو کہ کسقدر ابتر تھا بتاؤ اور ناچ راگ میں گذرتی تھی نماز و جماعت و تقویٰ و طہارت سے کچھ بحث نہ تھی اب ہر چند کہ ظاہر ان باتوں سے توبہ کی اور حضرت مرشد العالم حاجی صاحب مدظلہ، کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا مگر اصلی بات کہاں سے بدلتی ہے ویسا کا ویسا ہی رہا البتہ ظاہر کا ذرا پردہ ان عیوب کا ہو گیا یہ اسکی ستاری کی شان ہے ورنہ عالم الغیوب خوب جانتا ہے کہ باطن اس ناپاک کا کیسا کچھ خراب ہے روسیاہ اس قابل نہیں کہ کوئی اسکی صحبت میں آوے تمنے سنا ہوگا کہ برول کا پڑوس بھی خراب کرتا ہے اسلئے بہ نظر خیر خواہی تمھیں اپنا حال لکھا ہر چند ظاہر کرنا اپنے عیبوں کا بھی عیب اور گناہ ہے مگر تمہارے رفع اشتباہ کیلئے یہ لکھدیا۔ اب اس عاجز کو تم ایسا بھول جاؤ کہ گویا کبھی یاد بھی نہ تھا

[۵] (ترجمہ شعر بالا) مصلحت نہیں ہے کہ راز کو افشا کیا جائے ورنہ رندوں کی مجلس میں کوئی خبر ایسی نہیں ہے جو نہ ہو

(بقیہ مکتوب نمبر ۱۳۷)

حال: خدا کے فضل سے ایک عجیب کیف ونشاط تلاوت قرآن میں آتا ہے اور دین سیکھنے کا شوق وجذبہ پیدا ہو گیا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت والا کی مجلس سے بخوبی حاصل ہو رہا ہے۔ تحقیق: الحمد للہ

حال: دل سے دعاء نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت والا کی صحت قائم رکھیں تاکہ یہ دینی درس وتدریس کا سلسلہ قائم رہے اور ہم جیسے عامیوں کو دین سیکھنے کا سنہرا موقع ملتا رہے اور اس درگاہ سے فیضیاب ہوتے رہیں۔ تحقیق: آمین

حال: امسال ماہ رمضان سے ایک شوق قلبی پیدا ہوا ہے اور ایک چھوٹی سی تسبیح مجھکو مل گئی ہے جس پر بعد نماز سبحان اللہ سو بار لا الٰہ الا اللہ سو بار اور استغفار سو بار پڑھتا ہوں یہ تسبیح میں نے بلا اجازت حضرت کے شروع کر دی تھی لہٰذا اگر حضرت والا کی اجازت ہو تو میں اسکا پڑھنا جاری رکھوں ورنہ بند کر دوں۔ تحقیق: اجازت ہے

حال: طبیعت خلوت پسند ہو رہی ہے اور اکثر زبان پر لا الٰہ الا اللہ یا استغفر اللہ جاری رہا کرتا ہے اپنے دینی ودنیوی معمولات کو برابر مستعدی سے ادا کرتا ہوں اس میں خدا کے فضل سے گرانی نہیں معلوم ہوتی۔ خدا کا شکر ہے کہ بیوی اور بچے بھی دین کا شوق رکھتے ہیں۔ خیالات میں یکسانیت ہے مخالفت نہیں ہے۔ تحقیق: الحمد للہ۔

حال: نماز کی پابندی۔ روزہ کی پابندی۔ تہجد کی پابندی کرتے ہیں حضرت والا کی ہر مجلس کا خلاصہ سننے کے لئے تیار رہتے ہیں اور جب میں انکو سنا دیتا ہوں تو اثر لیتے ہیں۔ میں بھی دعاء کرتا ہوں۔ حضرت والا بھی دعاء فرما دیں۔
تحقیق: دعاء کرتا ہوں۔

(مکتوب نمبر ۳۱۸)

حال، امامی ومرامی آقائی ومولائی حضرت شیخ الکل فی الکل زیدت عنایتہم ودامت برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ طالب خیر مزاج اقدس بخیر۔ عاصی پر معاصی امید وار خلاصی کو دوری ومجبوری پر اب یارائے صبر نہیں بجز تحریری زیارت ودیدار کے کوئی چارۂ کار نہیں۔ زندہ ہوں اور حیات سرمدی کا طالب اور دعا کا خواستگار۔ ٹوٹے ہوئے قلم سے ٹوٹے ہوئے دل کی صدا ہے گر قبول افتد زہے عز وشرف۔

اے غائب از نظر کہ شدی ہمنشین دل　　می بینمت عیاں ودعا می فرستمت

حضرت سیدی ومرشدی! یہ خط لکھکر جمعہ پڑھنے چلا گیا۔ جمعہ کی نماز سے فارغ ہوکر گھر آیا اور چارپائی پر لیٹا نیند آگئی خواب دیکھا کہ حضرت کی خدمت بابرکت میں پہونچا ہوں عزیزم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سلمہ سے باتیں کر رہا ہوں اتنے میں چند طلباء اپنے درس سے فارغ ہوکر کتابیں لئے ہوئے آئے میں نے پوچھا کہ سبق ختم ہوگیا کہا کہ ہاں میں فوراً بعجلت جانے لگا کمرہ کے اندر پہونچا تو دیکھا کہ حضرت بیٹھے ہوئے اور مشغول ہیں اور قطار سے لڑکے کسی مدرس کی زیر نگرانی پڑھ رہے ہیں۔ میں حضرت کو مشغول دیکھکر پیچھے ہٹا جس پر مدرس صاحب نے اشارہ کیا کہ جاؤ جاؤ۔ جب میں حضرت کی طرف راست مڑا ہوں تو حضرت کو لیٹے ہوئے جذب کے عجیب عالم میں دیکھا بظاہر کچھ غصہ کی کیفیت تھی جب قریب گیا تو حضرت نے نہایت شفقت سے مجھے ہاتھ پکڑ بٹھا دیا پھر کیا دیکھتا ہوں حضرت نے مجھے غیر رسمی طور پر اپنی آغوش میں لے لیا پھر دیکھا کہ حضرت کے دونوں قدم مبارک تا کمر میرے کندھے پر ہیں اور میں کھڑا ہوں اور ادب واحترام سے جھکا جا رہا ہوں اور حضرت لیٹے لیٹے فرما رہے ہیں کہ لوگ شعر پڑھتے ہیں تو راگ سے (گانے کی طرح) میں نے عرض کیا کہ حضرت میں بھی تو اس لہجہ سے شعر پڑھتا ہوں جسمیں راگ پایا جاتا ہے مگر ایکبار مرتبہ

ف۔ اے وہ ذات جو نظروں سے غائب ہے مگر ۳۸۹ میرے دل میں تیرا وجود ہے میں تجھے کھلا کھلا
دیکھ [illegible]

جمعہ کے خطبہ میں میں نے شعر پڑھا تو اپنا انداز ولب ولہجہ بھول گیا او جگت اللغط پڑھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی اندر سے روک رہا ہے مگر پھر دیکھتا ہوں کہ حضرت نے بڑے پیار سے میرا سر اور ہاتھ ایک رسی سے باندھ دیا اوپر چھت میں ایک رسی لٹک رہی تھی اس میں میرے بندھن کو باندھ دیا۔ دو تین طلبہ بیٹھے ہوئے تھے ان سے حضرت نے فرمایا کہ انکو جھولا جھلاؤ۔ اتنے میں آنکھ کھل گئی تو اپنے کو چارپائی پر داہنی کروٹ سوئے ہوئے پایا ۔

خدایا خیر ہو اس خواب کی تعبیر کیا ہوگی   مری قسمت میں کیا تحریر ہے تصویر کیا ہوگی

تحقیق : ـــ یہ سب روحانی انبساط کے آثار ہیں آپ کو چونکہ مجھ سے روحانی انبساط حاصل ہے اسلئے باطنی چیز ظاہر بھی ہو جایا کرتی ہے۔ انشاء اللہ تعالےٰ آپ کو آئندہ اور فائدہ بھی ہوگا

(مکتوب نمبر ۳۱۹)

حال: حضرتا! یہ سیہ کار اپنی ناگفتہ بہ حالت پیش کرنا چاہتا ہے میرے حضرت نہایت لجاجت سے عرض ہے کہ آنجناب کی طرف سے جو احقر کو مولوی .... صاحب نے جواب دیا تھا وہ تو ایسا تھا کہ اپنی ناگفتہ بہ حرکت کو تصور کر کے ہم کو مایوس ہونا پڑتا ہے ہمارے لئے کوئی جائے پناہ نہیں چھوڑی کہ دوبارہ یہ سیہ کار آنجناب کی خدمت میں کوئی بات عرض کرے اسی کشمکش میں جان پڑی تھی کہ آج پھر ایک عاجزانہ تحریر دل نے لکھوائی۔ میرے حضرت میری ذات سے آپکو تکلیف پہونچی، آپ ہی کو معاف فرمانے کا اختیار ہے۔ میں اب بیحد پریشان ہوگیا ہوں اور ہر وقت ایک گھٹن ہے جسکی وجہ سے رات اور دن مصیبت سے کٹتی ہے۔ ہاتھ جوڑکر آپ کے سامنے کھڑا ہوں میری غلطی معاف فرمادیں بعد میرے گناہ پر نظر نہ فرمادیں۔ اگر حضرت والا آپ نے مجھ پر نظر نہ فرمائی اور میری بیکسی دور نہ فرمائی تو زندگی بھر رونا ہی رونا ہے اور ایسی زندگی سے موت اچھی ہے

رے حضرت میرے اس جرم کا منشا میری دنارت وخست ہے شرافت طبع
ہے اس قسم جرم سے مانع ہوتی ہے اور مجھے اپنی دنارت وخست کا اقرار ہے
میں اب اسکی اصلاح کرونگا۔ میرے حضرت میں اچھی طرح سے اپنے کیے
سزا پا چکا ہوں میری سمجھ میں آچکا ہے کہ مجھ سے حضرت والا کے علم کی بیقدری
کی اللہ تعالےٰ نے ویسی ہی سزا دی کہ آپ سے (میرا) سلسلۂ علم چھڑا لیا۔
ضرت میں صدق دل سے توبہ کر چکا ہوں للہ اب معاف فرمائیں اور حاضری کی
جازت عطا فرمائیں۔

میرے حضرت مولوی صاحب نے مجھے موضع ۔ ۔ ۔ ۔ میں ایک
رسہ میں بھیجا ہے تنخواہ چالیس روپیہ اور کھانا ہے۔

تحقیق: ــــ مایوسی کی تو کوئی بات نہیں ہے ــــ اتنی بات تو سب کو
معلوم ہے کہ کیسا ہی رنج وغم کیوں نہ ہو ابتداء میں اس سے جو تکلیف ہوتی ہے
ر قلب صد درجہ متاذی ہوتا ہے مرور ایام سے اس میں طبعاً کمی ہو جاتی ہے
ر تدریجاً کم ہوتے ہوتے ایک دن بالکل ختم ہو جاتی ہے آپکو بھی یہی سمجھنا چاہئے
تا اور ایذاء کے کم ہونے اور ختم ہونے کا انتظار کرنا تھا ــــ یہی مطلب تھا
کا جو لکھا گیا تھا کہ ہر ہفتہ ایک خط لکھدینے سے کام نہیں چلے گا بلکہ اپنے
ذیلہ اور اسکے منشا کو سمجھنا ہوگا ــــ اور اسی طرح سے قلب سے ذرا سا
ثر محو ہونے کو ہوتا ہے کہ ایک خط آکر پھر از سرِ نو اسکو تازہ کر دیتا ہے۔

باقی جس گھٹن اور پریشانی کو لکھا ہے اس میں تو ہم آپ دونوں شریک
ں مجھے کچھ خوشی اور راحت تھوڑا ہی پہونچی ہے مجھے بھی سخت ایذاء ہوئی لیکن
رق یہ ہے کہ بس تو آپ کو یہاں سے ہٹا کر اور نکالکر فارغ ہوگیا اور اب آپ
س خصلت سے سچی توبہ کر لیں اور اسکو اپنے اندر سے نکالیں یہ آپ کے اختیار
میں ہے۔

ملازمت مل گئی الحمد للہ یہ تو آپ کا عین مطلوب تھا۔

(مکتوب نمبر ۳۲)

حال :- حضور والا کی محض دعاء کی برکت تھی کہ میں اپنے امتحان میں کامیاب ہوگیا اور طب کی اونچی جماعت میں شریک ہوگیا فللہ الحمد والشکر بفضلہ تمام رذائل نفس میں کسی قدر تخفیف پاتا ہوں مگر حب جاہ ہی ایک ایسا ہے کہ لاکھ دور کرنے کی کوشش ہو دور نہیں ہو رہا ہے اور اسکا معاون حسد ہے اگر جاہ حاصل نہ ہوئے تو بس آغاز حسد ہے۔ اس بلا کے دفعیہ کی کیا صورت ہوسکتی ہے مجھے پوری امید ہے کہ حضرت والا ہی کی ہستی مجھے ان موذی امراض سے نجات دلائے گی۔ ع ندارم غیر از تو فریاد رس

تحقیق :- آپ نے لکھا ہے کہ امتحان میں کامیاب ہوگیا اور طب کی اونچی جماعت میں شریک ہوگیا فللہ الحمد والشکر اور اسکے بعد لکھا ہے کہ رذائل نفس میں سے حب جاہ ایک ایسا ہے کہ لاکھ دور کرنے کی کوشش ہو دور نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں کہ آپ جس میں کامیاب ہوئے وہ طب جسمانی تھی اور جس میں ناکام ہو رہے ہیں وہ طب روحانی ہے تو اگر آپ اس میں بھی کامیاب ہو جاتے تو جس طرح آپ نے وہاں لکھا ہے کہ فللہ الحمد والشکر میں بھی یہاں آپ کو لکھتا کہ فللہ الحمد والشکر۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ اُس طب میں تو کامیاب ہوں اور اِس طب میں ناکام! اسکی وجہ کیا ہے؟ آپ کی سمجھ میں نہ آئے تو اپنے استاذ سے دریافت کرکے لکھئے اگر آپ وجہ لکھ دیں گے تو سمجھونگا کہ آپ نے کچھ پڑھا ہے

(مکتوب نمبر ۳۲۱)

حال : میں اس مرتبہ ایک غیر معمولی مدت کے بعد حاضر ہوا تھا اس زمانۂ غیر حاضری میں برابر طبیعت حضرت والا کی طرف لگی رہی اور میں یہ سن چکا ہوں کہ بُعد جسمانی

بحالت قرب قلبی مضر نہیں ۔ تحقیق : بیشک
حال : مگر پھر بھی دور رہنے میں اپنے قلب کی حالت میں تغیر پاتا رہا ہوں
تحقیق : یہ بھی صحیح ہے ۔
حال : الا اسکے کبھی کوئی غیر معمولی چیز واقع ہوئی اور اسکے اثر نے اللہ تعالیٰ
کی طرف رجوع کرلیا ۔ حضرت والا مدظلہ العالی کے قریب رہ کر جو قلبی کیفیت
اور رجوع الی اللہ کی حالت رہتی ہے وہ دور رہ کر برابر نہیں ہوتی رہتی
حضرت والا سے توجہ کی درخواست ہے کہ صحیح نسبت مع اللہ پیدا ہو جائے
اور اس میں برابر ترقی ہوتی رہے ۔ تحقیق : دعا کرتا ہوں ۔
حال : اصل اعتبار تو آخر وقت کا ہے اور اس وقت حضرت والا کی توجہ سے
بھی امید ہے کہ کام بن جائے گا ۔ اور اسی توجہ اور آخرت کی معیت حاصل
کرنے کے لئے اس عہد کا اعادہ کرتا ہوں کہ میں حضرت والا کا آدمی ہوں
اور کسی دوسرے کا نہیں ہوں ۔ میں حضرت والا کے سپرد اپنے کو پہلے
کرچکا ہوں اور پھر کرتا ہوں ۔
تحقیق : خوب ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے ۔
حال : اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنی اور اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ان کے نائب اور نیک بندوں کی صحیح محبت عطا فرمائے جو دارین میں
کام آنے والی ہو ۔ تحقیق : آمین

(مکتوب نمبر ۳۲۲)

حال : دو تین یوم گذرے شب کے آخر حصہ میں یہ خواب دیکھا کہ دو گچھے سفید بالوں
کے عنایت ہوئے کسی غیر معلوم الذات والصفات ہاتف غیبی نے ظاہر کیا
کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک ہیں ۔ ایک گچھے میں سے ایک
بال اڑنے لگا احقر نے جلدی سے اسکو اسی گچھے میں شامل کرلیا غیبی آو

آواز آئی بڑا بخیل ہے معنی و مقام عطا نہیں معلوم ۔ حضرت والا اگر مناسب خیال فرمادیں تو تعبیر سے مطلع فرما کر احسان فرمادیں ۔

تحقیق : الحمد للہ بعافیت ہوں اور آپ کے خط سے بہت خوش ہوا ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے اور سب گھر والوں کو بھی ۔ اور جو خواب آپ نے لکھا ہے اسکا کیا کہنا سبحان اللہ موئے مبارک تو تبرک ہے اور لباس وغیرہ سے زیادہ تلبس حاصل ہوتا ہے اسکے پچھے ملے اس میں اشارہ ہے کہ آپکو بہت برکات ملیں گی اور آپ کا اڑنے والے بال کو سمیٹنا بخل نہیں ہے بلکہ تحفظ ہے اور حفاظت کے لئے کچھ بخل لازم سا ہے ۔ انشاء اللہ آپ سے سنت کی حفاظت ہوگی ۔ نہایت مبارک خواب ہے ۔ الحمد للہ ۔

(مکتوب نمبر ۳۲۲)

حال : اپنی حالت ناگفتہ بہ کیا عرض کروں لکھتے ہوئے شرم دامنگیر ہے میرا حال تو یہ ہے کہ ؎

چہل سال عمر عزیزت گذشت مزاج تو از حال طفلی نگشت

روکین جیسی نیند ہے برابر یہ ارادہ کر کے سویا ہوں کہ آخر شب میں اٹھوں گا مگر اپنی غفلت کہوں یا بدقسمتی کہوں کہ اکثر صبح صادق کے بعد خمار خواب ٹوٹتا ہے کف افسوس ملتا ہوں اور اپنی اس حالت پر تعجب کے ساتھ نادم ہوتا ہوں ۔ سچ ہے ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

نماز تہجد تو قضا ہوجاتی ہے لیکن تسبیحات کو پڑھ لیا کرتا ہوں ۔ دعاء فرمائیے کہ وہ مقلب القلوب حالت بدل دے اور دل میں اپنی محبت پیدا کر دے جو اصل ہے توجہ الی العبادت کا ۔ جب دل میں محبت پیوست ہو جائیگی ممکن نہیں کہ اسکی جانب سے ذہول و غفلت ہو

اے میرے شیخ ! اور اے میرے مقتدا ! اپنے کو آپ کے سپرد کیا

آپ ہی کے فیض وکرم کا محتاج ہوں۔

تحقیق: الحمدللہ بخریت ہوں۔ آپ نے جو حالات اپنے لکھے ہیں بہت عمدہ ہیں اللہ تعالیٰ ان میں یوماً فیوماً ترقی عطا فرمائے۔ باقی تہجد کے بارے میں جو آپ نے لکھا ہے کہ آنکھ نہیں کھلتی تو اسکا سبب دن کی محنت ہے۔ امام غزالیؒ نے تہجد میں آسانی کے جو اسباب شمار فرمائے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دن میں کام کم کیا جائے اور کچھ تھوڑا سا سو رہا جائے آپ کو اسکا موقع ہی نہ ملتا ہوگا۔ تاہم اپنی جانب سے ارادہ وعزم تو برابر رکھئے اور یہ کیجئے کہ بعد عشاء کچھ رکعتیں تہجد کی نیت سے ادا کر لیا کیجئے، اور پھر اگر شب میں آنکھ کھل جائے تو مکرر سہی۔

اسوقت ایک حدیث تہجد کی فضیلت میں اور ایک حدیث شب میں آنکھ کھلنے کے متعلق بیان کرتا ہوں:۔

(۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بقیام اللیل فانہ داب الصالحین وھو قربۃٌ لکم الیٰ ربکم ومکفرۃ للسیئات ومنھاۃ عن الاثم و فی المرقات المراد بھم الانبیاء والاولیاء لما سیاتی ان ال داؤد کانوا یقومون باللیل وفیہ تنبیہ علیٰ انکم اولیٰ بذالک فانکم خیر الامم وایماء الی ان من لایقوم اللیل لیس من الصالحین الکاملین بل بمنزلۃ المزکی علناً لا سراً

(۲) اما من کانت عادتہ القیام الی الصلوٰۃ المکتوبۃ او الی النافلۃ باللیل فغلبتہ عینہ فنام فقد ثبت ان اللہ یکتب لہٗ اجر صلوٰۃ ونومہ علیہ صدقۃ

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات کی نماز کو لازم پکڑو کیونکہ یہ صالحین کا طریقہ ہے تمہارے لئے سبب اجر ہے گناہوں کا کفارہ ہے اور برائیوں سے بچانیوالی چیز ہے چنانچہ مرقاۃ میں ہے کہ صالحین سے مراد انبیاء و اولیاء ہیں اسلئے کہ روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے گھر والے رات کو اٹھکر نماز پڑھا کرتے تھے اسمیں تنبیہ ہے کہ پھر تو تم اسکے زیادہ مستحق ہو کیونکہ خیر الامم ہو اور اشارہ ہے کہ جو شخص تہجد کی نماز نہ پڑھے وہ کامل دیندار نہیں ہے یعنی اسمیں ظاہری دینداری ہے باطنی نہیں ۔۔۔۔ نیز جس شخص کی عادت کسی فرض یا نوافل پڑھنے کی ہو اور وہ سو جائے تو حدیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکی نماز کا اجر اسے دینگے اور اسکی نوم اسپر صدقہ ہے)

چنانچہ اکثر و بیشتر علماء کرام کے اسماء آپ نے ملاحظہ فرمائے اب ان اطباء عظام کے نام بھی سنیئے جو بسلسلۂ معالجہ یا صرف برائے ملاقات حضرت اقدسؒ سے الٰہ آباد میں ملے۔

حکیم سید فخر الدین صاحب جعفریؒ پہلے سفر علاج میں حضرت سے ملے اس کے بعد تو انکا انتقال ہی ہو چکا تھا۔ ان کے خلف رشید جناب محمد سلیمان صاحب برابر مجلس میں آتے رہے۔ شفاء الملک جناب حکیم شمس الدین صاحب لکھنوی حضرتؒ کے خاص معالج ہی تھے لکھنؤ سے برابر تشریف لاتے رہے۔ حکیم نثار احمد صاحب کلکتہ والے بھی تشریف لائے۔ الٰہ آباد کے حکیم محمد سعید صاحب بھی برابر آتے رہے اور حکیم مولانا محمد میاں صاحب فاروقی کا تو حضرت والا سے تعلق ہی تھا اکثر مجلس میں اور علاوہ مجلس کے اکثر دوسرے اوقات میں تشریف لاتے تھے۔ علی گڑھ سے جناب حکیم انعام اللہ صاحب متعدد بار تشریف لائے۔ اسی طرح سے لکھنؤ کے حکیم افتخار احمد صاحب بھی کئی مرتبہ آئے۔ اناؤں کے حکیم حبیب اللہ صاحب بھی حاضر خدمت ہوتے رہے۔ میرٹھ کے حکیم بنیاد علی صاحب (داماد حکیم محمد مصطفیٰ میرٹھی) بھی الٰہ آباد میں آئے۔ جون پور کے حکیم منظور احمد صاحب اور مختار احمد صاحب بھی آئے۔ حکیم ظہیر الدین صاحب بھی برابر تشریف لاتے رہے اور کبھی کبھی بہت بہت دنوں تک قیام فرماتے۔ بمبئی کے حکیم مسعود صاحب معروف بہ حکیم اجمیری صاحب تشریف لائے۔ حکیم احمد عثمانی صاحب الٰہ آبادی اکثر و بیشتر تشریف لاتے۔ حکیم محمد شفیع اللہ صاحب جو حضرتؒ سے بیعت تھے برابر آتے تھے۔ دیوبند سے حکیم محمد عمر صاحب اور حکیم عزیز الرحمان صاحب اسکے قبل وطن میں حضرت سے ملاقات یا علاج بھی ان حضرات اطباء نے فرمایا تھا:-

حکیم الٰہی بخش صاحب اعظم گڑھ والے۔ حکیم محمد حسن صاحب پورہ معروف والے۔ حکیم محمد شفیع صاحب۔ حکیم حفیظ اللہ صاحب۔ حکیم بشیر الدین صاحب

بشیر الدین[22] صاحب ۔ حکیم نثار احمد[23] صاحب ۔ مچھلی شہر کے حکیم نعمان الحق[24] صاحب ۔ مئو کے حکیم سعد اللہ[25] صاحب و حکیم حبیب اللہ[26] صاحب و حکیم محمد نذر احمد[27] صاحب ۔ گورکھپور کے حکیم ابوالکلام[28] و حکیم وصی احمد[29] صاحب ۔ حکیم ... اللہ[30] صاحب ۔ حکیم عبد الحق[31] صاحب ۔ حکیم وجیہ اللہ[32] صاحب اور بعد میں ... میں حکیم عبد اللطیف[33] صاحب معروف بہ حکیم فلسفی ۔ حکیم عبد الحمید[34] صاحب ... سے ملاقات کے علاوہ اکثر حضرات مختلف اوقات میں حضرت کے معالج رہے ۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی سلسلہ میں ان اطباء انگریزی یعنی ڈاکٹر صاحبان کو بھی شمار کر دیا جائے جو بصورت تجویز نسخہ یا مشورہ خصوصی حضرت اقدس کے علاج معالجہ میں شریک رہے اور بطور خود بھی حضرت کے فیض سے مستفیض ہوتے رہے ۔ یہاں الہ آباد کے علاوہ دوسرے مقامات کے بھی حضرات کا نام اس فہرست میں شامل ہے ۔

۱۔ جناب ڈاکٹر غفران صاحب مانی کلاں جون پور ۔ ۲۔ جناب ڈاکٹر محمد شمیم صاحب جون پور ۔ ۳۔ ڈاکٹر محمد ظفر صاحب (ہومیو) کوریا پاری مقیم حال بنارس ۔ حضرت والا کے خاص معالج رہے ۔ ۴۔ ڈاکٹر صلاح الدین صاحب صدیقی الہ آباد ۔ ۵۔ ڈاکٹر صابر حسین صاحب (ہومیو) الہ آباد ۔ ۶۔ ڈاکٹر اشتیاق احمد صاحب الہ آباد ۔ ۷۔ ڈاکٹر محمد ابرار صاحب الہ آباد ۔ ۸۔ ڈاکٹر حماد صاحب ابن حکیم ... انی صاحب ۔ ۹۔ ڈاکٹر الیف خان صاحب (ہومیو) الہ آباد ۔ ۱۰۔ ڈاکٹر حفیظ اللہ ... ن صاحب گورکھپور ۔ ۱۱۔ ڈاکٹر عبد الجلیل صاحب فریدی لکھنؤ ۔ ۱۲۔ ڈاکٹر انصاری صاحب علی گڈھ ۔ ۱۳۔ ڈاکٹر اسحاق صاحب بمبئی ۔ اسکے علاوہ بمبئی میں چند اور مسلم ڈاکٹروں سے بھی ربط ہو گیا تھا ۔

راقم نے یہاں ناظرین کے سامنے اطباء کرام اور ڈاکٹر صاحبان کی یہ طویل فہرست جو بیان کر دی ہے وہ یونہی بلا وجہ نہیں کی ہے بلکہ اس سے آپ حضرات

کے سامنے حق تعالیٰ کے ایک عجیب و غریب معاملہ کا جو اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کے ساتھ مقدر فرمایا تھا اسکا اظہار مقصود تھا وہ یہ ہے کہ :

حضرت اقدسؒ نے ماہ اپریل ۱۹۵۶ء کی کسی تاریخ میں وطن کو خیر باد فرما تھا پھر گورکھپور سے ۲۲ نومبر ۱۹۵۶ء کو الہ آباد تشریف لائے اور پھر یہاں سے علی گڑھ لکھنؤ اور جون پور اور بمبئی وغیرہ تشریف لے گئے تو ان مقامات پر تشریف لیجانے کی وجہ سے جہاں عوام کو اہل علم کو نفع ہوا وہ تو ہوا ہی ان کے منجملہ ایک خاص طبقہ یعنی اطباء و ڈاکٹر صاحبان کی بھی ایک خاص جماعت حضرت والا کے فیض سے مستفیض ہوئی اور اکثر جگہوں پر اس فیض کا سبب خود حضرت اقدسؒ کا علیل ہو جانا بنا ۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی قدرت کی نرالی ہی شان دکھلائی کہ ان حضرات کو روحانی صحت عطا فرمانے کے لئے اپنے ولی ہی کو بیمار فرما دیا تاکہ ان کے لئے اپنے مشاغل کثیرہ کا عذر باقی نہ رہے اور علاج و معالجہ ہی ان کے لئے سبب فلاح و اصلاح بنا دیا ۔ عجب نہیں کہ ان حضرات کی بے لوث خدمت خلق دیکھکر خالق کائنات نے باطن کے اس چشمۂ شیریں کو خود انھیں کے پاس پہونچا دیا۔ بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کا انتہائی فضل و کرم ہے جس بندہ پر ہو جائے ۔

جہاں تک مجھے علم ہے ان سب ہی حضرات کو حضرت مصلح الامۃؒ سے بقدر نصیب فیض ہوا ۔ البتہ حکیم مولانا سید فخرالدین صاحب جعفریؒ کا تعلق حضرت اقدسؒ سے مساویانہ رہا اسلئے کہ حکیم صاحب موصوف زیادہ عمر کے تھے اور خود ایک مستقل صاحب اجازت شیخ بھی تھے اور ایک مرشد خاص اپنے سلسلہ کے لوگوں میں سے تھے چنانچہ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ :۔

" فراغت تعلیم کے بعد پہلی بیعت حضرت مولانا مولوی حکیم حافظ صوفی محمد حبیب اللہ الہ آبادیؒ کی جنکا وصال اجمیر شریف میں حضرت قطب العالم شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے اس شعر ؎

گفت قدوسی فقیری در فنا و در بقا ۔ خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی

پر ہوا۔ مولانا الہ آبادیؒ قطب عالم آیۃ من آیات اللہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے اجل خلفاء میں تھے حضرت مولانا الہ آبادیؒ کے وصال کے بعد ہمارے حضرت (حکیم مولوی سید فخر الدین صاحب جعفری زینبی الہ آبادی) نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کو خط لکھا کہ ہماری تعلیم باقی رہ گئی ہے تکمیل کے لئے آپ کی خدمت میں آنا چاہتا ہوں مولانا گنگوہی نے تحریر فرمایا کہ چونکہ بھائی مولانا الہ آبادی اور مجھ میں کچھ اختلافات ہیں اسکی وجہ سے تم کو کچھ تکلیف ہو۔ ہمارے حضرت (حکیم موصوفؒ) نے لکھا کہ جن باتوں میں آپ کا اور انکا اختلاف ہے وہ فقہی مسائل ہیں اسکو میں مکمل حاصل کر چکا ہوں اور مطمئن ہوں اسکے لئے نہیں آنا چاہتا۔ جن مسائل میں آپ دونوں ایک ہیں اور آپ کا اتفاق ہے یعنی تعلیم تصوف علمی و عملی اسکو سیکھنا اور حاصل کرنا ہے۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ نے دعائیں لکھیں اور لکھا کہ تم نے صحیح لکھا ہم دونوں میں فقہی مسائل میں تھوڑا اختلاف تھا ورنہ ہم دونوں ایک ہی ہیں۔ تم جب چاہو آجاؤ۔

ہمارے حضرت (حکیم صاحب موصوفؒ) مولانا گنگوہیؒ کے یہاں جانے کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ حضرت گنگوہیؒ کا وصال ہو گیا حضرت (حکیم صاحب) کو اسکا بیحد رنج اور صدمہ تھا اور بہت ہی متفکر تھے کہ مولانا الہ آبادی کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں کہ بخاری صاحب سے بیعت کرو تعلیم مکمل ہو جائیگی۔ حضرت مولانا الہ آبادی کی ہدایت کے مطابق حضرت مولانا حکیم فخر الدین صاحبؒ نے حضرت بخاری صاحب سے بیعت کی اور مکمل تعلیم حاصل کی۔

حضرت بخاری صاحبؒ کا اسم گرامی سید محمد افضل ہے آپ

بخارا کے رہنے والے تھے عنفوان شباب میں وارد ہندوستان ہوئے اور یہیں سے حج کے لئے تشریف لے گئے۔ حج و زیارت سے فراغت کے بعد اعلیٰ حضرت قطب الاقطاب حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے بیعت کی اور حضرت کی خدمت میں عرصۂ دراز تک رکر تکمیل تعلیم کی اور خلافت سے بہرہ ور ہوکر بحکم اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ آگرہ میں مقیم ہوگئے آپ کا مزار پُر انوار چھم چھم گلی آگرہ میں (ایک مکان کے اندر واقع) ہے

(مصباح السالکین صـ طبع چہارم)

راقم عرض کرتا ہے کہ حکیم فخر الدین صاحبؒ کا حضرت اقدس مصلح الامۃ سے اسقدر الفت اور محبت کا تعلق اس امر کا تو پتہ دیتا تھا کہ حکیم صاحب موصوف اپنے سلسلہ سے بہت قریب کا تعلق رکھتے ہیں لیکن مذکورہ بالا تفصیل کا علم ہم لوگوں کو آج تک نہ ہوا تھا۔ ہمارے ایک محترم دوست بھائی انیس احمد صاحب پُرخاصوی نے چند دن ہوئے کتاب مصباح السالکین مطبوعہ پاکستان دکھلائی اس میں مذکورہ بالا تفصیل دیکھکر بہت مسرت بھی ہوئی اور اسلاف کے نزدیک فروعی اختلافات کی حیثیت بھی معلوم ہوئی کہ سبحان اللہ کیسے بے نفس لوگ تھے اور حضرت گنگوہی کی صفائی معاملات اور طالب خدا کی قدر افزائی کا جو علم ہوا وہ تو واقعی حضرت ہی کا حصہ تھا۔ اس تمام تفصیل کے جاننے سے معلوم ہوا کہ مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی۔ حضرت گنگوہی۔ حکیم الامۃ مولانا تھانوی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حکیم سید فخر الدین صاحب جعفری ایک ہی سلسلہ کے حضرات تھے اور الحمدللہ باہم خوب شیر و شکر تھے۔

پہلے زمانہ کے لوگ اسی طرح سے بے نفس ہوتے تھے ان میں جزئی اختلافات بھی ہوتے تھے تو اسکو اپنی حد پر رکھتے تھے چنانچہ جسکا طریقہ سنت اور شریعت سے قریب تر ہوتا تھا تو دوسرا اسکا لحاظ کرتا تھا میں نے بعض معتبر حضرات

سے سنا کہ حضرت تھانوی جب الہ آباد تشریف لاتے تھے مولانا محمد حسین الہ آبادی کبھی کبھ
حضرت کی دعوت فرماتے اور مولانا الہ آبادی کو قوالی کا ذوق تھا چنانچہ کھانے سے
فارغ ہوتے ہی متعینہ قوال آجاتے تھے اور قوالی شروع کر دیتے ایک مرتبہ حضرت
تھانوی بھی مولانا کے ساتھ دستر خوان پر موجود تھے کھانے سے فراغت کے بعد
حسب معمول قوال آئے اور انھوں نے چاہا کہ اپنا کام شروع کریں مگر حضرت
الہ آبادی نے انکو اشارہ سے منع کردیا اور یہ فرمایا کہ بھائی آج یہ مولوی صاحب
تشریف لائے ہوئے ہیں جو اس سے پرہیز کرتے ہیں اسلئے آج حذف۔

سبحان اللہ! اختلاف مشرب کے باوجود کیسی رعایت صاحب شریعت ر
کی تھی، آج کا زمانہ ہوتا تو کوشش کیجاتی کہ انکو کسی نہ کسی طرح قوالی ضرور سنا
چھوڑو۔

حاصل یہ کہ جس مسلک کو دیوبندیت کہا جاتا ہے وہ اسوقت بھی موجود
اہل زمانہ کی رسوم و بدعات بھی موجود تھیں لیکن دونوں جماعتوں میں عناد
مخالفت کا یہ حال نہ تھا جو آج مشاہدہ میں آرہا ہے۔ ہاں جب سے بریلویت
کا فتنہ شروع ہوا تو اسوقت سے یہ لوگ علماء حقانی وربانی کے درپئے آزار ہو
خلوص کی جگہ نفسانیت آگئی اسلئے مودت و محبت کی جگہ عناد و فساد نے لے
انا للہ وانا الیہ راجعون۔ گذشتہ زمانہ میں ہمیشہ ہی علماء ظاہر اور ارباب خوانق
طریقہ، کار اور مشرب میں کچھ اختلاف ہی رہا ہے لیکن یہ باہم کفر اکفری کا
انداز ہماری بدقسمتی سے آج نظر آرہا ہے یہ کبھی نہیں رہا مشائخ برابر یہ کہتے ر
کہ ان علماء کے پاس علم دین و شریعت ہے یہ لوگ امانت سنت کے حامل ہ
لہٰذا ہمارے ذمہ انکا احترام ضروری ہے اور علماء یہ کہتے تھے کہ ان صلحاء کی بع
رسوم اگرچہ شریعت سے مؤید نہیں ہے تاہم انکو حق تعالیٰ سے جو نسبت اور تعل
حاصل ہے وہ کم دولت نہیں ہے اور ہمارے پاس گو علم ظاہر ہے لیکن علم باطن ا
احوال باطنہ میں ان سے ہم کہیں کم ہیں لہٰذا ہمیں ان سے ملنا چاہئے اور اپنے

ن سے نہ عناد کرانی چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل خوانین نے علماء دیوبند سے پیار
بطار کھا اور ان سے بعض امور میں اختلاف کے باوجود انکو بنظر تحقیر کبھی نہیں دیکھا
د حضرت مولانا تھانوی نے اپنا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ ہمارے والد صاحب
آباد کسی مقدمہ میں آئے میں بھی ساتھ تھا طالبعلم تھا اور عمر بھی کم تھی۔ چنانچہ
الد صاحب نے ملا محمدی شاہ صاحب سے ملاقات فرمائی اور اپنے مقدمہ کیلئے
ن سے دعاء کی درخواست کی ہمراہ ہونے کی وجہ سے میرا بھی تعارف ہوا کہ یہ میرا
یہ مدرسہ دیوبند میں پڑھتا ہے۔ حضرت تھانوی نے فرمایا کہ اس کے بعد ملا صاحب
نے مجھ سے دریافت فرمایا کہو مولوی کون سی کتابیں پڑھتے ہو؟ میں نے جلالین
شریف وغیرہ کا نام لیا اس پر فرمایا ووجدک ضالاً فھدیٰ کا ترجمہ کرو
یں نے فوراً عرض کیا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ — اللہ نے آپ کو (اے نبی)
واقف پایا پس واقف کر دیا — ترجمہ سنکر شاہ صاحب بہت خوش ہوئے
ور بہت دعائیں دیں یہ موقع یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ضالاً کا
جمہ نشاء امتحان تھا حضرت اقدس نے کامل ادب کی رعایت فرمائی کہ ضالاً کا
جمہ "گمراہ" نہ کرکے "ناواقف" کیا اس پر شاہ صاحب بہت خوش ہوئے۔

حضرت مولانا تھانوی کے بزرگوں سے ملنے کا واقعہ تو آپ نے دیکھا
سی طرح سے حضرت مولانا گنگوہی کی صفائی معاملہ اور صاف گوئی بھی آپنے ملاحظہ فرمائی
حکیم صاحب کے شیخ اول سے جزئی اختلاف کی بناء پر اپنے ساتھ وابستگی
سے انکار فرمایا لیکن پھر انکو فہیم و طالب صادق پاکر اپنے ساتھ متعلق فرمانا منظور بھی
لیا اور فرمایا ہاں سچ کہتے ہو ہم میں اور ان میں چند مسائل میں جزئی اختلاف تھا
رنہ تو وہ اور ہم ایک ہی ہیں۔

اسی طرح سے بانی مدرسہ دیوبند حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب
ی بے نفسی کا ایک واقعہ سنیئے حضرت کی بستی میں کوئی صاحب مولوی فضل رسول
می رہتے تھے جو مسلکاً حضرت کے خلاف تھے حضرت کے کسی شاگرد نے ایکبار

حضرت کے سامنے انکو اس طرح سے یاد کیا کہ وہ مولوی فصل رسول (یعنی فضل کی بجگہ انھوں نے فصل کہدیا اور اپنے طور پر اپنی اس بلاغت پر خوش ہو رہے تھے کہ حضرت سے اسکی داد ملیگی لیکن) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے جب ان کے منہ سے یہ الفاظ سنے تو ان پر بہت ناراض ہوئے اور یہی بار بار فرماتے رہے کہ ان کا یہی نام ہے جو تم نے لیا ہے ؟ ان کا یہی نام ہے جو تم نے لیا ہے ؟ پھر تم نے انکے نام کو کیوں بگاڑا ؟ اور کیا یہ ولا تنابزوا بالالقاب (کسی کا نام بگاڑ کر اور بدل کر اسکو نہ پکارو) کی وعید میں داخل نہیں ہے۔ بالآخر جب تک انھوں نے معافی نہ مانگ لی حضرت مولانا ان سے ناراض ہی رہے۔

اہل حق کے انصاف اور اخلاق کا یہ حال ہوتا ہے۔ آج لوگ اپنے کسی مخالف کا نام کس کس طرح بگاڑ کر اور اس سلسلہ میں کیسی کیسی طبع آزمائی فرماتے ہیں اور پھر اس پر خوش ہوتے ہیں ہمارے لئے اپنے اسلاف کے ان واقعات میں عبرت ہے اور دوسروں سے ہم اسکے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ ؎

اولئک آبائی فجئنی بمثلھم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

یہ ہیں ہمارے اسلاف ان کے جیسے اے جریر تم بھی لے آؤ جبکہ ہمکو اور تمکو کوئی مجمع جمع کرے۔

حاصل کلام یہ کہ علماء ظاہر میں اور اہل خوانق متقدمین میں راہ ورسم اور میل ملاقات برابر جاری تھی یہ آج کا جو انداز آپ کے سامنے ہے یہ بعد کی نحوست ہے من سن سنۃ سیئۃ فلہ وزرھا و وزر من عمل بھا یعنی جس شخص نے کوئی برا طریقہ ایجاد کیا تو اسپر اسکا بھی وبال اور جس جس شخص نے بعد میں اسکے طریقہ پر عمل کیا ان سب کا وبال ہوگا۔ اللھم احفظنا منہ۔

اور فرمایا کہ شیخ شمس الدین مدنی میرے پاس فتوحات کا ایک نسخہ قلمی لائے جس کا مقابلہ اس نسخہ سے کیا ہوا تھا جو خود حضرت شیخؒ کے قلم کا لکھا ہوا تھا میں نے اسمیں تلاش کیا تھا تو اس میں غلط مضامین کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا

اسی طرح امام عمر بن محمد اشبیلی اشعری نے اپنی کتاب "لحن العوام"ؔ میں فرمایا ہے کہ امام غزالیؒ کی کتاب احیاء العلوم کے بعض مواضع ایسے ہیں کہ جو شخص تمام علوم میں ماہر نہ ہو اور ذوق سلیم نہ رکھتا ہو اس کے لئے انکا مطالعہ سخت مضر ہے۔ اسی طرح امام غزالی کا رسالہ کتاب النفخ والتسوۃ میں بہت سے غلط مضامین درج کر دیئے گئے ہیں

اسی طرح فرمایا کہ شیخ ابو طالب مکی کی کتاب قوت القلوب کے بعض مواضع بھی ایسے ہی ہیں نیز منذر بن سعید بنوطی کی کتابیں اعتزال سے بھری ہوئی ہیں۔ اسی طرح ابن برجان کی تصانیف اور علامہ زمخشری کی تفسیر کشاف کے بہت سے مواضع اعتزال سے بھرے ہوئے ہیں۔

اور فرمایا کہ کتاب اخوان الصفا جو باون رسالوں پر مشتمل مجریطی کی تصنیف ہے اسکے مطالعہ سے بھی اجتناب کرنا چاہیئے کیونکہ مشہور یہ ہے کہ یہ شخص خلاف اسلام عقائد رکھنے والا ملحدین میں سے تھا

نیز ابراہیم نظام اور ابن راوندی اور معمر بن مثنیٰ کی کتابوں کا مطالعہ بھی سخت مضر ہے۔

نیز شیخ عبدالکریم جیلی کا قصیدہ عینیہ منظومہ کا مطالعہ بھی مضر ہے۔

(لطائف المنن)

ؔ یعنی اغلاط العامۃ۔ اس کتاب میں امام موصوف نے ان غلطیوں پر متنبہ فرمایا ہے جن میں عموماً مسلمان مبتلا ہیں۔ ہمارے زمانے میں یہ کام مجدد وقت سیدی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے انجام دیا اور اس زمانہ کی اغلاط پر ایک رسالہ میں تنبیہ فرمایا جس کا نام "اغلاط العوام" ہے ۱۲ محمد شفیع

طالب علمی میں عمل کی کوشش | فرمایا کہ سیدی علی خواصؒ کا ارشاد ہے کہ طلبہ کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اپنے نفس کو
عمل سے فارغ رکھیں اور یہ سمجھیں کہ پہلے علم حاصل کرلیں فارغ ہوکر عمل کیطرف
توجہ ہوں گے۔ یہ شیطانی وسوسہ ہے جس کے ذریعہ شیطان انکو زائد علوم میں
جنکی ضرورت دین میں شاذ ونادر واقع ہوتی ہے مشغول رکھتا ہے اور عمل کی
توفیق نہیں ہوتی۔

نیز فرمایا کہ میں چاہتا ہوں علماء وطلباء کوئی حرفہ اور صنعت ضرور سیکھیں
جس سے انکا معاش حاصل ہو تاکہ وہ دنیا کے بدلے دین کو فروخت نکریں اور
لوگوں کے صدقات وخیرات پر انکی نظریں نہ جائیں کیونکہ (بلا ضرورت شدیدہ
ناجائز طور پر) صدقات کے کھانے سے انکی عقل کا نور مٹ جاتا ہے بخلاف
طعام حلال کے کہ اس سے نور عقل بڑھتا ہے

فرمایا کہ ایک مرتبہ میں ایسے حکماء کی ایک مجلس میں پہونچ گیا جو اپنے کھانے
پینے کی چیزوں میں احتیاط نہ کرتے تھے میں نے دیکھا کہ ان کے تمام علمی سوالات
ومذاکرات ایسے واہی اور بیکار امور کے متعلق تھے جو علماء کی شان سے بہت
گرے ہوئے تھے۔ میں نے سمجھا کہ یہ سب اسی مشتبہ کھانے کا وبال ہے

(لطائف المنن والاخلاق للشعرانی ص۳۷۲)

واللہ التوفیق والیہ مرجع والمآب (بندہ محمد شفیع ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ)

۶۹۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک نصیحت

حضرت امام مالکؒ نے موطاء میں نقل فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ نبینا علیہ
الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے

لاتکثروا الکلام بغیر ذکر اللہ فتقسوا ذکر اللہ کے سوا اور باتیں زیادہ مجھ کرو اگر ایسا

قلوبکم فان القلب القاسی بعید من اللہ ولکن لا تعلمون ولا تنظروا فی عیوب الناس کانکم ارباب وانظروا فی ذنوبکم کانکم عبید فانما الناس مبتلیٰ ومعافیٰ فارحموا اھل البلاء واحمدوا اللہ علی العافیۃ
(از ترغیب المنذری ۵۲۳)

کرو گے تو تمھارے دل سخت ہو جائیں گے اور سخت دل اللہ سے دور ہے لیکن تم جانتے نہیں اور آقا کی طرح لوگوں کے عیوب میں غور نہ کرو بلکہ غلاموں کی طرح اپنے گناہوں کی فکر کرو کیونکہ آدمی دو قسم کے ہیں گرفتار بلا اور بعافیت تو تمھیں چاہیے گرفتار بلا (یعنی گنہگار) پر رحم کرو اور اپنی عافیت خدا کا شکر ادا کرو

۷۰ ۔ حقیقی حیاء

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

الاستحیاء من اللہ حق الحیاء ان تحفظ الراس وما وعیٰ وتحفظ البطن وما حوی ولتذکر الموت والبلاء ومن اراد الاٰخرۃ ترك زینۃ الدنیا فمن فعل ذلك فقد استحیی من اللہ حق الحیاء
(رواہ الترمذی از ترغیب المنذری ص ۳۵۳)

اللہ تعالیٰ سے کامل حیا کرنے کی صورت یہ ہے کہ تم اپنے دماغ اور اسکے خیالات کی حفاظت کرو کہ خلاف شرع کوئی چیز اس میں نہ آئے اور اپنے پیٹ اور اسکے اندر کی چیز کی حفاظت کرو کہ کوئی حرام چیز اس میں نہ جانے پائے اور یہ کہ تم موت اور اسکے بعد خاک ہو جانے کو یاد کرو اور جو شخص آخرت کا ارادہ رکھتا ہو وہ بے ضرورت دنیا کی زینت چھوڑ دیتا ہے بس جس شخص نے یہ کام کرلئے اس نے اللہ تعالیٰ سے حیا کا حق ادا کیا

۷۱ ۔ آلات جدیدہ اور مسلمان

عیسائی مورخین خواہ کتنی ہی غلط بیانیوں سے کام لیں مگر تاریخ اور منصف عیسائی مورخوں کی شہادتوں کو ہرگز جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مصر کا شا

رجی زیدان جو ہمیشہ مسلمانوں کے بڑے سے بڑے کارنامے کو اس انداز سے بیان
یا کرتا ہے جس سے اسکا وزن کم ہو جائے اور اسکی واقعیت اور اہمیت میں کمی واقع
و یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے، جرجی زیدان لکھتا ہے۔

"اس میں شبہ نہیں کہ مسلمان ہی فن کیمیا (جدید سائنس) کے موجد ہیں"

(ملاحظہ ہو تمدن عرب)

رجی زیدان کے علاوہ اور بے شمار مورخین اور مصنفین نے مسلمانوں کو جدید علوم و
فنون کا موجد تسلیم کیا ہے۔ خود جرجی زیدان نے مسلمانوں کے علوم و فنون کے تذکرہ
ں ان ایجادات کا شمار کرایا ہے جن پر جدید سائنس کا دارومدار ہے۔ ٹیلیگرام، ٹیلیفون
ائرلیس، توپ، بارود، ہوائی جہاز، تیزاب، صابون وغیرہ جن کو لوگ جہالت اور
لم علمی کے باعث یورپ کی ایجادات بتلاتے ہیں یہ چیزیں مسلموں ہی کی بنائی ہوئی
یں اور ان چیزوں کی ایجادات کا سہرا مسلمانوں کے سر ہے۔

مسلمان جب ممالک عالم فتح کرتے کرتے آگے بڑھتے گئے تو انکو یونانیوں
کا وہ ذخیرہ بھی ہاتھ لگا جو کیمیا سے متعلق تھا۔ یونانیوں کا خیال تھا کہ سونا اور چاندی
پارہ اور گندھک وغیرہ مخصوص طریقہ پر آمیزش سے بنا ہے۔ شروع شروع میں مسلمانوں
نے جب اس عجیب و غریب نظریہ کو معلوم کیا تو اسکی تحقیق اور عملی درجہ میں یہ تکمیل
پہونچانے کی سعی شروع کر دی مختلف قسم کے تجربات اور شواہد عمل میں لائے مگر
یونانیوں کا یہ نظریہ نظریہ کی حیثیت سے آگے عملی درجہ میں صحیح ثابت نہ ہو سکا۔

اس سلسلہ میں مسلمانوں نے جو تجربات کئے وہ انکی قدیم تصنیفات میں ملتے ہیں
جو بدقسمتی سے یورپ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

علم کیمیا کی تاریخ تو بہت طویل ہے مگر بہ نظر اختصار اتنا عرض ہے کہ امام
جعفر معاویہ بن یزید بن معاویہ جابر خالد اور حکیم رازی اس فن کے فاضل امام شمار
کئے جاتے ہیں۔ علم کیمیا میں جابر بن حیان کو یورپ والوں نے استاد تسلیم کیا ہے
اور بیشتر علم کیمیا کے بنیادی اصول انہی حضرات کے تجربات و شواہد ہیں جابر بن حیان

نے اس فن پر بہت سے رسالے لکھے جواب کمل کہیں کہیں جستہ جستہ کہنے پر ملجاتے ہیں فرانس کے مشہور مورخ ڈاکٹر لیبان نے اپنی کتاب "تمدن عرب" میں جابر بن حیان کا زمانہ آٹھویں صدی عیسوی بتلایا ہے۔

مسلمانوں نے جب اس علم کی طرف توجہ کی تو اسکو درجۂ عروج پر پہنچا کر ایک ترقی یافتہ فن بنادیا۔ ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں :-

"علم کیمیا میں عربوں نے یونانیوں سے جو کچھ پایا تھا وہ بہت ہی کم تھا وہ بڑے بڑے مرکبات جن سے یونانی بالکل ناواقف تھے عربوں نے ہی ایجاد کئے" (تمدن عرب ص۴۷۵)

جابر بن حیان کے متعلق لکھتے ہیں :-

"جابر کی تصنیفات میں بہت سے ایسے مرکبات کا ذکر ہے جو اس سے قبل معلوم نہ تھے انکی تصنیفات سب سے پہلے کیمیائی عملیات مثلاً تصعید، قلم بندی، پانی میں حل کرنے اور گلانے کا بیان ہے"

ان حوالجات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے علم کیمیا میں شب و روز کی جدوجہد سے نئی نئی معلومات حاصل کیں اور اس فن کو کہیں سے کہیں تک پہونچادیا۔ اگرچہ شروع شروع میں مسلمانوں نے اس فن کی طرف توجہ اس نیت سے کی تھی کہ وہ سونا چاندی بنانے میں کامیاب ہوجائیں گو انکو اس مقصد میں کامیابی نہ ہوئی مگر ہر چیز کی تحلیل و ترکیب کے نئے اصول و قواعد ضرور معلوم ہوگئے۔

ڈاکٹر لیبان نے اپنی کتاب میں مسلمانوں کی اس جدوجہد کو سراہا ہے جو انھوں نے اس فن کو ترقی دینے کے سلسلہ میں کی تھی۔ ڈاکٹر لیبان اگرچہ یوروپین مورخ ہیں مگر ان میں تعصب اور ہٹ دھرمی نہیں اسلئے ہر انصاف کی بات کو وہ لکھنے سے گریز نہیں کرتے۔

ڈاکٹر صاحب نے کیمیاوی تحقیقات کے ذیل میں ان یوروپین مورخین کی غلط بیانی کی پرزور تردید کی ہے جو انھوں نے مسلمانوں کے عظیم الشان کارناموں کو

علیف ترین ثابت کرنے کے لیے غلط ترین کوشش کی ہے مثلاً عام طور پر یورپین کیمسٹری کی تاریخ اور ایجادات کے سلسلے میں بارود کا موجد راجر بیکن کو بتلایا ہے ڈاکٹر موصوف نے اس تحقیق کی تغلیط کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ راجر بیکن بارود کا موجد نہیں بلکہ مجدد تھا۔ راجر بیکن کو عربوں کا بارود کا پرانا نسخہ ہاتھ لگ گیا تھا اور اسی نسخہ کی راجر بیکن نے تجدید کی تھی۔ ڈاکٹر موصوف بارود کے تذکرہ کے ضمن میں لکھتے ہیں:-

"رینو اور فاوسے کی تحقیقات اور اس سے پہلے ؟ کا کیسری، آندرے وغیرہ کی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ بارود عربوں ہی کی ایجاد ہے انھوں نے توپ اور بندوق کی ایجاد کی"

آگے چل کر ڈاکٹر موصوف نے یہ بھی بتلایا ہے کہ یورپ والوں کو بارود کیسے اور کہاں سے ہاتھ لگی اور پہلی مرتبہ کب انھوں نے بارود استعمال کی۔ آگے لکھتے ہیں کہ:-

"توپ سب سے پہلے ۱۳۴۶ء میں کریسی کی لڑائی میں یورپ والوں نے استعمال کی لیکن عربوں کی تصنیفات سے پتہ چلتا ہے کہ توپ اس سے بہت پہلے استعمال ہو چکی تھی"

آگے ابن خلدون کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:-

"ابو یوسف سلطان مراکش نے ۱۲۷۳ء میں سجلماسہ کا محاصرہ کیا اس نے آلات محاصرہ کو شہر کے سامنے لگایا ان میں عرادے اور نفط کے ہندام تھے جن سے لوہے کے ریزے برسائے جاتے تھے۔ یہ ریزے ہندام کے صندوق میں بھرے جاتے تھے اور ان کے پیچھے بارود ہوتی تھی جس میں آگ لگا دی جاتی تھی۔ اس محاصرہ کے وقت انگریز کونٹ ڈربی اور سالبری وہاں موجود تھے انھوں نے بارود کے اس نئے استعمال کو دیکھا اور اس ایجاد کو اپنے ملک میں لے گئے اور چار سال بعد کریسی کی لڑائی میں توپ کا استعمال کیا"

اس سلسلہ میں یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ عربوں کی قدیم تصنیفات میں بارود کے نسخہ میں اجزار کا جو وزن درج ہے وہ کم وبیش اسی طرح آج بھی یورپ میں زیر استعمال ہے۔ اوزان اور اجزار کے تطابق سے اس نظریہ کی نہ صرف تائید بلکہ تحقیق ہو جاتی ہے کہ بارود کے موجد درحقیقت مسلمان عرب ہی تھے۔

۱۷۲۔ حضرت بشر حافیؒ کے بعض حالات و مقالات

آپ دوسری صدی ہجری کے ان بزرگوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے علم ظاہر و باطن شریعت و طریقت کا امام بنایا تھا۔ حضرت امام مالکؒ، حماد بن زیدؒ، فضیل بن عیاضؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ جیسے ائمہ حدیث سے آپ نے حدیث حاصل کی اور محدثین کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے حدیث حاصل کی مگر غلبۂ تواضع اور ورع و تقویٰ کی وجہ سے مستقل طور پر تعلیم حدیث کی خدمت اختیار نہیں فرمائی بلکہ زہد و عبادت اور خلوت و گمنامی کا رنگ اختیار فرمایا۔

ایک مرتبہ آپ نے دیکھا کہ راستہ میں ایک کاغذ پڑا ہوا ہے جس پر اللہ کا نام لکھا ہوا ہے اور وہ پامال ہو رہا ہے آپ نے اسکو اٹھا کر صاف کیا ایک درہم پاس تھا اسکی خوشبو خریدی اسکو لگا کر ایک دیوار کے اندر حفاظت سے رکھدیا خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ اے بشر تم نے ہمارے نام کو خوشبو سے معطر کیا ہم تمھارے نام کو دنیا و آخرت میں معطر کریں گے

آپ فرماتے تھے کہ جب کوئی شخص قرآن مجید حفظ کرلے اور جامع سفیانؒ کو ضبط کرلے تو اب اسکو چاہیئے کہ عبادت میں لگ جائے (کیونکہ علم بقدر ضرورت حاصل ہو گیا اور مقصود علم سے عمل ہے اب اس میں لگے) ــــ جامع سفیان خود سفیانؒ کی جمع کی ہوئی ایک کتاب ہے جس میں سفیان ثوری کے فتاویٰ اور مسائل فقہیہ جمع کئے تھے۔

آپ فرماتے تھے کہ جب حق تعالیٰ کو کسی بندہ کی بھلائی منظور ہوتی ہے تو اس پر ایسے آدمی کو مسلط کر دیتا ہے جو اسکو ایذا پہنچائیں۔ اور حضرت سفیان ثوری فرماتے تھے کہ اس شخص میں کوئی خیر نہیں جسکو لوگوں سے ایذا نہ پہونچے۔ اور بندہ حلاوتِ ایمان کا ذائقہ اسوقت تک نہیں پا سکتا جب تک کہ چاروں طرف سے اس پر بلائیں نازل نہ ہوں۔

فرمایا کہ جو شخص یہ چاہے کہ اسکو دنیا میں عزت اور آخرت میں شرف حاصل ہو تو اسکو چاہیئے کہ تین خصلتیں اپنے اندر پیدا کرے۔ ایک کہ کسی سے کسی چیز کا سوال نہ کرے۔ دوسرے یہ کہ کسی کو برائی سے یاد نہ کرے۔ تیسرے یہ کہ کسی کی دعوت قبول نہ کرے۔

ف: جو شخص اخلاص کے ساتھ دعوت کرتا ہے اسکی دعوت قبول کرنا سنت ہے جو عین عزت و شرف ہے مگر اس زمانہ میں عموماً دعوتوں میں اخلاص غائب ہے اسلئے حضرت بشر کا یہ ارشاد ایسی ہی دعوت کے متعلق ہے۔

۲۲۷ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ جنازہ پر خلق اللہ کا وہ ہجوم تھا کہ صبح کی نماز کے بعد جنازہ گھر سے نکلا تو مغرب کے وقت قبرستان پہونچ سکا حالانکہ گرمی کے طویل دن تھے۔

احمد بن فتح فرماتے ہیں کہ بعد وفات میں نے انکو خواب میں دیکھا کہ ایک باغ میں ہیں دسترخوان بچھا ہوا ہے اور بشر حافی اس پر بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے ہیں میں نے پوچھا کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رحم فرمایا اور بخشدیا اور تمام جنت میرے لئے مباح کر دی اور حکم دیا کہ تمام جنت میں جہاں چاہو رہو اور جو چاہو کھاؤ پیو کیونکہ تم دنیا میں اپنے نفس کو خواہشات کے اتباع سے روکتے تھے — میں نے پوچھا کہ آپ کے بھائی امام احمد بن حنبلؒ کہاں ہیں؟ فرمایا وہ جنت کے دروازہ پر ہیں۔ اہلسنت والجماعت جو کلام اللہ کے غیر مخلوق ہونیکو مانتے ہیں انکے لئے شفاعت کرتے اور جنت میں داخل کراتے ہیں (تاریخ ابن عساکر ج ۳)

چھٹا باب

جنت اور اہل جنت کے حالات کا بیان

فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ جنت کیسی ہے؟ کس چیز سے وہ بنی ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ پانی سے ہم نے پھر عرض کیا کہ ہمکو اسکی تعمیر کے متعلق کچھ تفصیل سنائیے۔ آپ نے فرمایا کہ اسکے محلات میں ایک اینٹ سونے کی ہے تو ایک اینٹ چاندی کی ہے اور اسکا پلاسٹر خوشبودار مشک کا ہے اور جنت کی عام مٹی زعفران کی ہے اسکے ٹیلے موتیوں اور یاقوت کے ہیں جو شخص اس میں داخل ہو جائیگا بڑے ہی لطف اور تنعم کی زندگی گذاریگا نہ وہاں گھبرائے گا اور نہ مایوس ہوگا ہمیشہ ہمیش اس میں رہے گا اور اسکو موت کبھی نہ آئیگی نہ اسکے کپڑے میلے یا پرانے ہونگے اور نہ اسکی جوانی ہی ختم ہوگی۔ اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین قسم کے لوگ ہیں جنکی دعا رد نہیں کیجاتی ایک امام عادل۔ دوسرے روزہ دار جبکہ وہ روزہ افطار کر رہا ہو۔ تیسرے مظلوم کی دعا اسلئے کہ وہ تو بادل سے اوپر اٹھکر اپنی قبولیت کی منتظر رہتی ہے۔ حق تعالیٰ سبحانہ اسکی جانب نظر فرماتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ اپنی عزت و جلال کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تیری نصرت ضرور کر دونگا اگرچہ کچھ عرصہ بعد ہی سہی

حضرت ابو سلمہؓ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ نے فرمایا کہ جنت میں ایک ایک درخت ایسا بھی ہوگا کہ سوار اسکے سایہ میں ایک سال چلے گا اور سایہ ختم نہ ہوگا اور فرمایا کہ اگر تم چاہو تو یہ آیت قرآنی پڑھ لو وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ یعنی وہاں لمبے لمبے سائے ہوں گے جن میں جنتی چلتے ہوں گے۔ اسی طرح سے جنت میں ایسی ایسی نعمتیں ہونگی جنھیں نہ تو

کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا نہ کسی کان نے سنا ہوگا اور نہ کسی قلب بشر میں اس کا خطرہ ہی گذرا ہوگا چاہو تو اس پر یہ آیت پڑھ لو کہ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ الآیہ یعنی کسی نفس کو نہیں معلوم ہوگا کہ اسکے لئے کیا کیا چیزیں مخفی رکھ چھوڑی گئی ہیں جو انکی آنکھوں کے لئے ٹھنڈک کا ذریعہ ہیں اور فرمایا کہ جنت کے ایک کوڑے بھر کی جگہ بھی دنیا و مافیہا سے بڑھکر ہے جی چاہے تو یہ آیت پڑھ لو فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ یعنی جو شخص دوزخ سے دور رکھا گیا یعنی بچالیا گیا اور جنت میں بس اسکا داخلہ ہی ہوا (اسکو مقامات عالیہ اور مراتب نہیں ملے) تو وہ بھی کامیاب ہوگیا

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ جنت میں ایک حور ہے جس کا نام لُعبہ (گڑیا) ہے وہ چار چیزوں سے بنائی گئی ہے مشک سے عنبر سے کافور سے اور زعفران سے۔ اسکے خمیر کو ماء حیوان سے گوندھا گیا ہے اس کے بعد حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ ہوجا پس وہ ہوگئی اور اس شان کی ہوئی کہ دوسری تمام حوریں اسکی محب اور عاشق ہوگئیں اگر وہ سمندر میں اپنا لعاب دہن گرا دے تو کھر شور شیریں ہوجائے اسکے سینہ پر یہ لکھا ہوا ہے کہ جس شخص کو یہ منظور ہو کہ مجھ جیسی حور اسکو مل جائے تو اسکو چاہیئے کہ اپنے رب کی طاعت میں لگ جائے

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جنت کی زمین چاندی کی طرح صاف و شفاف ہے اور اسکی مٹی مشک (کی طرح خوشبودار) ہے اسکے درختوں کے تنے چاندی کے ہیں۔ اسکی شاخیں موتی اور زمرد کی ہیں جسمیں پتیاں اور پھل لگے ہوں گے جو کھڑے کھڑے اس میں سے پھل کھانا چاہے گا وہ اسکے لئے آسان ہوگا (یعنی پھل اسکی پہونچ سے اونچا نہیں ہوگا) اور جو شخص بیٹھے بیٹھے اسکے پھل توڑنا چاہے گا وہ بھی اسکے لئے مشکل نہ ہوگا پھر آپ نے یہ آیت پڑھی وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا یعنی اسکے پھل اور خوشے قریب ہوں گے کہ کھڑے سے بیٹھے ہر طرح انسان اسے پاسکے گا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ اس ذات کی قسم
جس نے اپنی کتاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی ہے جنتی جنت میں اپنے
حسن وجمال میں اس طرح سے روز بڑھتے رہیں گے جس طرح سے کہ دنیا میں زیادہ
ہوتے رہتے ہیں (کہ انسان پہلے بچہ ہوتا ہے پھر صبی لا یعقل ہوتا ہے پھر مراہق
ہوتا ہے پھر جوان اور بالغ ہو جاتا ہے پھر ادھیڑ ہوتا ہے پھر شیخ اور بوڑھا ہوتا
پھر ہرم کی عمر کو پہونچ جاتا ہے اسی طرح سے جنت میں اسکی ترقی باعتبار حسن کے
کے ہوتی رہے گی)۔

حضرت عبدالرحمن بن لیلیٰ حضرت صہیبؓ سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو جا
تو ایک منادی اعلان کرے گا کہ اے جنتیو تمھارے لئے تمھارے پروردگار کے
ایک وعدہ باقی ہے جسے وہ پورا فرمانا چاہتے ہیں وہ لوگ کہیں گے کہ اب کون
وعدہ باقی رہ گیا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے ہمارے نامۂ اعمال کو وزنی نہیں فرما دیا؟
اس نے ہمارے چہروں کو روشن اور منور نہیں کردیا اور کیا اس نے ہمکو
دوزخ سے نہیں بچالیا اور کیا اس نے ہمکو جنت میں نہیں داخل فرما دیا؟ پھر ا
کون سی بات پوری ہونے کو باقی رہ گئی ہے؟ ___ اسکے بعد اللہ تعالیٰ درمیان
سے حجاب کو دور فرما دیں گے اور لوگ حق تعالیٰ کو بدون حجاب کے مشاہدہ کریں
تو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اہل جنت کو اللہ تعا
کے دیدار سے بڑھکر عمدہ کوئی چیز نہ ملی ہوگی۔

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
کی خدمت میں حضرت جبرئیل ایک سفید آئینہ لیکر حاضر ہوئے جس میں ایک سیاہ نقطہ
پڑا ہوا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اے جبرئیل! یہ
آئینہ کیسا ہے انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ جمعہ کا دن ہے اور یہ سیاہ
وہ حالت ہے جو اس دن میں موجود ہوتی ہے۔ آپ اور آپ کی تمام امت ا

کے ساتھ اپنے سے پہلی سب امتوں پر ترجیح دیئے گئے ہیں اور دوسرے لوگ
اس باب میں آپ کے تابع ہیں یعنی یہود اور نصاریٰ۔ اور اس دن کے اندر
ایک گھڑی ایسی ہے کہ جس میں کوئی مومن اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا سوال نہیں کرتا
مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اسکی دعاء قبول فرماتے ہیں اور کسی شر سے پناہ نہیں مانگتا مگر یہ کہ
اللہ تعالیٰ اس سے اسکو محفوظ رکھتے ہیں۔ حضرت جبرئیل نے فرمایا کہ اس دن کو
ہم لوگ یوم مزید کہا کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یوم المزید کیا؟
انھوں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت الفردوس میں ایک وادی بنائی ہے
جس میں مشک کے ٹیلے ہیں جب جمعہ کا دن آتا ہے تو وہ ٹیلہ نور کے منبروں سے
گھیر دیا جاتا ہے جس پر انبیاء علیہم السلام آکر جلوہ افروز ہوتے ہیں اور کچھ منبر سونے کے
ہوتے ہیں جن میں یاقوت اور زمرد جڑے ہوتے ہیں انہیں صدیقین اور شہداء اور
صالحین آکر تشریف رکھتے ہیں اور جنت کے اہل غرف جنگلے اور بنگلے والے لوگ
بھی آکر ان حضرات کے پیچھے اسی ٹیلہ پر بیٹھ جاتے ہیں ـــــ اسکے بعد سب لوگ
حق تعالیٰ کی جانب متوجہ ہوکر اسکی حمد وثناء کرتے ہیں اللہ تعالیٰ خوش ہوکر ان سے
فرماتا ہے کہ مانگو کیا مانگتے ہو۔ وہ لوگ عرض کریں گے کہ پروردگار ہم لوگ آپ کی
رضاء کے طالب ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں تو سب سے راضی ہوں دیکھتے
نہیں ہو کہ میں نے تمکو اپنے دار یعنی جنت میں ٹھیرایا اور تمھیں کیسی کیسی نعمتوں سے
نوازا۔ اسکے بعد اللہ تعالیٰ ایسی تجلی فرمائیں گے کہ سب لوگ دیدار الٰہی سے مشرف
ہو جائیں گے (چنانچہ ایسا ہی ہر جمعہ کو ہوا کرے گا لہٰذا) جنتیوں کے نزدیک اس لذت
تصور کی وجہ سے کوئی دن جمعہ کے دن سے زیادہ محبوب نہ ہوگا اسلئے کہ اس دن
ان کے اکرام میں اس خاص چیز کا اضافہ ہوا کرے گا۔

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے
(جس وقت کہ سب لوگ اس نور و مشک کے ٹیلہ پر جمع ہو جائیں گے کہ) میرے
دوستوں کو کچھ کھلاؤ، چنانچہ وہ رنگ برنگ اور نوع بنوع کے کھانے دسترخوان

رکھیں گے جو ایسے ہوں گے کہ اسکے ہر لقمہ کی لذت دوسرے سے مختلف ہوگی۔ جب وہ لوگ کھانے سے فارغ ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اب میرے بندوں کو کچھ پلاؤ چنانچہ طرح طرح کی پینے کی چیزیں لائی جائیں گی ایسی کہ اسکے ہر گھونٹ کا لطف پہلے سے مختلف ہوگا۔ جب وہ لوگ کھا پی کر فارغ ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں تمھارا رب ہوں تم نے میرے وعدے کی صداقت تو دیکھ لی اب اور مانگو کیا مانگتے ہو میں تمھیں دوں گا وہ دو بار یا تین بار یہی عرض کریں گے کہ پروردگار بس مجھے آپکی رضا اور خوشنودی چاہیئے اور کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ہاں بہت اچھا میں تم سے راضی ہوں اور میرے پاس تو اس سے بھی بڑھکر ایک اور شئے ہے آج کے دن میں تمھارا اکرام ایک ایسی چیز سے کرونگا جو ان موجودہ اشیاء سے بڑھکر ہے چنانچہ حجاب اٹھا دیا جائے گا اور لوگ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے لطف اندوز ہوں گے اور جتنی دیر تک خدا کو منظور ہوگا لوگ اسے دیکھتے رہیں گے اسکے بعد سب کے سب سجدہ میں گر جائیں گے اور جب تک خدا کو منظور ہوگا سجدہ میں پڑے رہیں گے پھر اللہ تعالیٰ ہی ارشاد فرمائیں گے کہ سجدہ سے سر اٹھاؤ یہاں اب آج یہ عبادت کی جگہ نہیں ہے۔ چنانچہ وہ لوگ اس سے قبل کی سب نعمتوں کو بھول جائیں گے اور خدا تعالیٰ کے جانب کی ایک نظر ان کے نزدیک سب نعمتوں سے بڑھکر ہوگی۔ پھر وہ لوگ اپنے اپنے مستقر پر لوٹیں گے اور عرش کے نیچے سے ایک ہوا چلے گی سفید مشک کے ڈھیر پر سے گذرتی ہوئی اور ان سب کے سروں اور ان کے گھوڑوں کی پیشانیوں پر مشک چھڑکتی ہوئی چلی جائیگی جب اس مشک پاشی کے بعد وہ لوگ اپنے اپنے گھر لوٹیں گے تو ان کے اہل خاندان کے حسن اور رونق کو اس سے کہیں بڑھا ہوا پائیں گے جس حال میں کہ وہ ان سے جدا ہوئے تھے چنانچہ سب گھر والے کہہ پڑیں گے کہ آپ تو ماشاء اللہ حسن وجہ اور رونق جسد میں پہلے سے بھی زیادہ ہوکر واپس ہوئے۔

فقیہ ابو اللیث سمرقندی فرماتے ہیں کہ حجاب اٹھائے جانے کا مطلب یہ ہے

کہ لوگوں کی آنکھوں سے وہ حجاب مرتفع ہو جائے گا جو ان کے لئے دیدار الٰہی سے مانع ہو رہا تھا۔ اور یہ جو فرمایا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہونگے تو بعض علماء نے اسکا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ رفع حجاب کے بعد حق تعالیٰ کی جانب سے ایسی کرامتوں کا مشاہدہ کریں گے جو اس سے قبل انھوں نے نہ دیکھا ہوگا اور اکثر اہل علم فرماتے ہیں کہ یہ اپنے ظاہر ہی پر محمول ہے یعنی لوگ رفع حجاب کے بعد بنفس نفیس حق تعالیٰ ہی کو دیکھیں گے لیکن اس طرح سے کہ نہ اسکی کوئی کیفیت بیان کیجا سکتی اور نہ اسکو کسی شے سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ پس جس طرح دنیا میں حق تعالیٰ کی معرفت بدون کیف وتشبیہ کے انھیں حاصل تھی آخرت میں دیدار بھی بلا کیف وتشبیہ کے ہوگا۔

حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں کہ جنت میں اہل جنت کی عمر (مرد وعورت سب کی) ۳۳ سال کی ہوگی اور قد ان کے ساٹھ ہاتھ کے ہوں گے جیسا کہ ان کے باپ حضرت آدم کا قد تھا سب کے سب نوجوان ہوں گے بدن پر (سوا چند گچھوں کے) بال نہ ہوں گے امارد ہوں گے آنکھوں میں سرمہ لگا ہوگا (یا آنکھیں سرمگیں ہونگی) ہر ایک کے بدن پر ستر جوڑے ہوں گے اور ان میں ہر جوڑہ ایک گھنٹہ میں ستر رنگ بدلے گا۔ مرد اپنی شکل اپنی بیوی کے منور منہ میں اسکے صاف وشفاف سینہ میں اور اسکی سیمیں پنڈلی میں دیکھے گا۔ اسی طرح سے عورت بھی اپنی صورت اپنے مرد کے چہرے سینہ اور پنڈلی میں دیکھے گی اور ان لوگوں کے نہ تھوک نکلیگا نہ ناک سے رینٹھ تو اسکے علاوہ اور گندگیاں (پیشاب، پاخانہ، خون، قے وغیرہ) وہ سب تو بدرجۂ اولیٰ نہ ہوں گی حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر کوئی عورت اپنا ایک ہاتھ آسمان سے نکالے تو اسکی چمک سے آسمان اور زمین کے درمیان کا کل حصہ روشن ہو جائے

حضرت زید بن ارقمؓ سے مروی ہے کہ اہل کتاب کا ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے ابوالقاسم (یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت تھی) کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ اہل جنت جنت میں کھائیں گے

ہیں ؟ آپؐ نے فرمایا ہاں ہاں تمہیں اس میں شبہ کیا ہے ؟ قسم ہے اس ذات
کی کہ محمدؐ کی جان جسکے قبضہ میں ہے جنت میں ایک ایک مرد کو سو سو مردوں کی قوت
کھانے پینے اور جماع کے سلسلے میں دی جائیگی ۔ اس نے کہا یہی تو وجہ تردد ہے
جب انسان کھائے پیئے گا تو اسکو قضائے حاجت (پیشاب پاخانہ) کی بھی ضرورت
ہوگی اور جنت گندگی کا محل نہیں ہے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہاں کا فضلہ
پسینہ کی شکل میں خارج ہو جائے گا جو خوشبو میں مشک کی مانند ہوگا ۔

حضرت معتب بن سمیؓ سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَ طُوْبٰی لَھُمْ وَحُسْنُ
مَآب کی تفسیر میں منقول ہے فرماتے ہیں کہ طوبیٰ جنت کے ایک درخت کا نام ہے
جنت کا کوئی محل ایسا نہ ہوگا جہاں اسکی کوئی شاخ نہ پہونچی ہو اس میں نوع بنوع
کے پھل لگے ہوں گے جو جسامت میں بختی اونٹ کے برابر ہوں گے وہاں جب
کوئی شخص کسی پرند کی خواہش کرے گا تو اسکو اپنے سامنے دسترخوان پر پائیگا
اس طرح سے کہ ایک جانب تو بوٹی بوٹی کے ٹکڑے ہوں گے اور دوسری جانب
مسلم بھنا ہوا گوشت ہوگا وہ شخص حسب خواہش اس سے کھالیگا اور پھر وہ اڑ کر چلدیگا
(اسلئے کہ جنت کی کسی شئے کو فنا نہیں ہے)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
پہلی ٹولی میری امت میں سے جو جائیگی وہ چودھویں رات کے چاند کی شکل کی ہوگی
پھر ان کے بعد جو لوگ جائیں گے وہ سب سے روشن ستارہ کی طرح ہوں گے
پھر اسکے بعد حسب مراتب انکی چمک ہوگی نہ وہاں پیشاب و پاخانہ کی حاجت پڑیگی
نہ ناک اور رینٹھ نکلے گی نہ تھوک نکلیگا انکی کنگھیاں سونے کی رہیں گی
خوشبو دان میں عود جلے گی اسکی خوشبو مشک کی ہوگی ۔ ان سب کے اخلاق
یکسانی ہوگی ۔ اپنے باپ آدمؑ کے قد کے برابر ساٹھ ہاتھ لمبا سب کا قد ہوگا ۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
جنتی لوگ نوجوان ہوں گے امارد کی شکل پر اور انکے بدن بھر میں سوا سر اور

بھوں اور آنکھوں کی پلک کے اور کہیں بال نہیں ہوگا نہ انکی بغل میں بال ہوگا نہ زیر ناف ہی بال ہوگا۔ اپنے باپ آدم کی طرح ساٹھ ساٹھ ہاتھ کے ہوں گے عیسیٰ بن مریم کی عمر پر ہوں گے یعنی ۳۳ سال کی عمر ہوگی۔ سب کا رنگ گورا گورا ہوگا۔ سبز جوڑے زیب تن کئے ہونگے۔ ان میں سے ایک شخص اپنے سامنے دستر خوان بچھائے ہوگا کہ اتنے میں ایک پرندہ اسکے پاس سے گذرے گا اور کہے گا کہ اے اللہ کے ولی! میں نے نہر سلسبیل سے پانی پیا ہے اور عرش کے نیچے والے باغ یعنی ریاض الجنۃ سے میں نے غذا حاصل کی ہے یعنی اس چمن کے پھل کھائے ہیں اور یہ دیکھو میرا ایک حصہ پکا ہوا گوشت کا ہے اور دوسرا حصہ بھنا ہوا گوشت کا ہے آپ کو ان میں سے جو پسند ہو نوش فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ کے مخصوص دوستوں کو وہاں ستر جوڑہ ملیگا اور ہر جوڑہ الگ الگ رنگ کا ہوگا۔ ان کے ہاتھوں میں دس انگوٹھیاں ہونگی۔ ایک میں لکھا ہوا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ (یعنی تم پر سلامتی ہو اور تمھیں مبارک ہو دنیا میں تمھارا صبر کرنا لو یہ اسی کا بدلہ ہے) دوسری انگوٹھی پر لکھا ہوگا اُدْخُلُوهَا بِسَلَامٍ آمِنِينَ (یعنی تم اب جنت میں سلامتی کے ساتھ اور امن وامان لئے ہوئے داخل ہو جاؤ اور اس میں ہمیشہ رہو) تیسری میں لکھا ہوگا تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (لو یہ جنت جس کے تم وارث بنائے گئے ہو اپنے عمل کیوجہ سے یعنی تمھارے عمل ہی پر ہمارا فضل مرتب ہوا اور اس فضل کی وجہ سے تمکو یہ جنت ملی) چوتھی میں لکھا ہوگا رفعت عنكم الاحزان والهموم (میں نے تم سے ہر قسم کا حزن وغم دور کر دیا اب لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ) پانچویں میں لکھا ہوگا البسناكم الحلى والحلل (ہم نے تم کو زیور اور جوڑے پہنائے ہیں) چھٹے میں لکھا ہوگا کہ زوجناکم حور العین (ہم نے تمھارا نکاح حور عین سے کر دیا ہے۔) ساتویں میں لکھا ہوگا کہ ولکم فیھا ما تشتھیه الانفس وتلذ الاعین (یعنی تمھارے لئے جنت میں ہر وہ چیز ہوگی جسکے تمھارے نفوس خواہشمند ہوں یا جو تمھیں لذیذ و عزیز ہوں)

یک زمانے صحبت با اولیا بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

(تھوڑی دیر کے لئے بھی تمہارا سی اولیاء کے ساتھ صحبت سو سال کی طاعت بے ریا سے بہتر ہے) بعض نے اسکی یہی توجیہ کی ہے کہ تمام اوقات میں سے ایک وقت ایسا ہوتا ہے چنانچہ شاہ بھیک صاحب اور شاہ ابوالمعالی صاحبؒ کا قصہ ہے کہ شاہ ابوالمعالی صاحبؒ کسی بات پر شاہ بھیک صاحبؒ سے خفا ہو گئے اور علیحدہ کر دیا یہ جنگلوں میں روتے پھرتے تھے برسات آئی حضرت کا مکان گر پڑا بی بی صاحبہ نے فرمایا ایک آدمی گنوار سا ان کاموں کے لائق تھا اسی کو آپ نے نکالدیا۔ حضرت نے فرمایا میں نے ہی تو نکالا ہے تم نے تو نہیں تم بلا لو میں تمکو منع نہیں کرتا۔ بی بی صاحبہ نے بلا بھیجا انکی عید آ گئی آ موجود ہوئے بی بی صاحبہ نے مکان کی حالت دکھائی وہ فوراً جنگل پہونچے اور لکڑی مٹی جمع کر کے مرمت میں لگ گئے حتیٰ کہ مکان کی تکمیل کر کے چھت پر مٹی کوٹ رہے تھے کہ حضرت گھر میں تشریف لائے اور کھانا کھانے بیٹھ گئے اور چھت پر سے مٹی کوٹنے کی آواز سنکر رحمت کا جوش ہوا اور باہر صحن میں تشریف لاکر انکو ٹکڑا روٹی کا دکھلایا کہ لو وہ وہیں سے کود پڑے حضرت نے لقمہ ان کے منھ میں دیا اور سینہ سے لگایا بس سارا کام ایک لمحہ میں بن گیا اس لئے کہتا ہوں کہ ایک لمحہ بھی غفلت مت کرو۔

(۱۴۵) گناہوں کی معافی کے لئے صرف استغفار کافی نہیں

اگر مغفرت چاہتے ہو تو خدا تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہو اور معاف کرانے کے یہ معنی نہیں کہ صرف تسبیح ہاتھ میں لیکر استغفر اللہ استغفر اللہ پڑھتے رہو بلکہ یہ بھی کرو کہ اسکے ساتھ اہل حقوق کے حقوق بھی ادا کرتے رہو اگر کسی کے پاس دوسرے کی زمین دبی ہو یا موروثی ہو اسکو چھوڑ دو۔ کسی کے ذمہ کسی کا قرض ہو اسکو ادا کرو اور سبکدوش ہو جاؤ۔ لوگ اپنے جی میں کہتے ہوں گے کہ زمین چھوڑنے کی بڑی مصیبت ہی پھر ہم کھائیں گے کہاں سے۔ لیکن صاحبو ا

کسی شخص کے موروثی کھیتوں میں سے کوئی ریل نکالی جاوے اور اسکے سب
یت ریل میں آجاویں اور معاوضہ ملے زمیندار کو تو یہ شخص کیا کرے گا اور کہاں
سے کھاوے گا؟

۱۴۱۔ اسکی شکایت کہ آجکل لوگوں کے دلوں میں اسلام کے احکام کی قدر نہیں اور اسکی وجہ

افسوس ہے کہ ظاہری حکومت کے سامنے تو کان نہ ہلایا جائے اور
راوندی حکم کے سامنے چوں وچرا کی گنجائش ہو؟ اصل یہ ہے کہ آپ لوگوں
کے دلوں میں اسلام کی اور اسکے احکام کی، چونکہ بلا مشقت مل گئے ہیں باوجود
رتا سر نافع ہونے کے کہ بڑا نفع رضائے حق ہے قدر و قیمت نہیں ہے خوب
ا ہے ؎

اے گرانجاں خوار دیدستی مرا زانکہ بس ارزاں خریدستی مرا
اے برتر جان والے تو نے مجھے اسلئے حقیر و بقیمہ سمجھ لیا ہے کہ تو نے مجھے سستا خرید لیا ہے (اور مفت پالیا ہے)
رشاد خداوندی ہے وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ (لوگوں نے خدا کا حق جیساکہ
پہچاننا چاہئے تھا نہیں پہچانا) سبب یہ ہے کہ اسلام کے ملنے میں کچھ زر تو خرچ نہیں ہوا
۔ اسکی قدر ہوتی ؎

ہرکہ او ارزاں خرد ارزاں دہد گوہرے طفلے بقرص ناں دہد
یعنی جو ارزاں خریدتا ہے ارزاں دے بھی دیتا ہے کو دیکھو ایک بچہ ایک ہیرا روٹی کے ایک ٹکڑے (اور ایک بسکٹ کے عوض دیدیتا ہے)
احکام کی خوشنودی تو بڑی بڑی کوششوں سے زر و جواہر خرچ کرنے سے
حاصل ہوتی ہے بخلاف رضائے خداوندی کے۔ لیکن حقیقت میں یہ سخت
ذلالت ہے۔ کیونکہ جس قدر زیادہ احسان کسی کا ہوتا ہے اسی قدر اسکے سامنے
جھلاکرتے ہیں اور شرماتے ہیں نہ کہ اسلئے شرارت اور نافرمانی پر کمر بستہ ہوجاویں

لہٰذا اپنی اس معمولی تکلیف اور مشقت کی کچھ پرواہ نہ کرنی چاہیئے۔

۱۴۷-ادائے حقوق کی ضرورت اور اسکا موجب آسائش ہوتا

ایک شبہ کا جواب

اگر کسی کے پاس موروثی زمین ہے تو اسکو چاہیئے کہ فوراً اسکو چھوڑ دے بلکہ میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص موروثی زمین کو چھوڑ دے تو وہ زیادہ آرام سے رہیگا کیونکہ ایسا کرنے سے وہ ایماندار اور خوش معاملہ مشہور ہو جاوے گا پھر زمیندار کوشش کریگا کہ اسکی زمین اسی کی کاشت میں رہے اگر اب بھی لوگوں کی سمجھ میں نہ آوے اور نہ مانیں تو وہ جانیں۔ دو شخص ضلع سہارنپور کے میرے پاس آئے میں اتفاق سے موضع بھینسانی گیا ہوا تھا وہ میرے پاس وہیں پہونچے کہ ہم کو مرید کرلو میں نے پوچھا کہ تمھارے پاس موروثی زمین تو نہیں معلوم ہوا کہ ہے میں نے کہا کہ اسکو چھوڑ دو کہنے لگے کہ پہلے مرید کرلو پھر چھوڑ دیں گے میں نے کہا کہ پہلے چھوڑ آؤ پھر مرید کرونگا۔ یہ سنکر چھوڑ کر آنے کا وعدہ کر گئے اور آج تک واپس نہیں آئے ایک گاؤں کے لوگ مدت سے مجھے بلا رہے ہیں لیکن اس لئے جانے کی نوبت نہیں آئی کہ وہاں سب کے پاس موروثی زمین ہے وہ میرے اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے کہ مجھکو روٹی کہاں سے کھلاؤ گے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اگر ایک درہم حرام اور نو حلال کے ہوں تو اس ایک کے مل جانے سے اسکی سب عبادت غارت ہے اور غضب یہ ہے کہ لوگ حرام کمائی بیوی بچوں کے لئے کماتے ہیں یہ بھی نہیں کہ اپنے لئے ایسا کریں لیکن اسی سے کوئی یہ تجویز نہ کرلے کہ جب ہمارے پاس حلال کی آمدنی نہیں ہے اور حرام کی آمدنی کھانے سے روزہ قبول نہیں ہوتا تو روزہ رکھنے سے کیا فائدہ؟ کیونکہ یہ بھی تو صرف ایک گناہ ہے کہ حرام مال سے پیٹ

پھر اور اگر روزہ نہ رکھو گے تو ایک دوسرے اس سے بھی زیادہ سخت گناہ میں ماخوذ ہوگے۔

(۱۴۸۔ احکام شرعیہ کے حکم اور اسرار کس طرح معلوم ہوسکتے ہیں)

اسرار و حکم میں غور و فکر کرنا مناسب نہیں کیونکہ جو کچھ فکر سے حاصل ہوگا تمہارے ذہن کا اختراع ہوگا نہ کہ حکمت کیونکہ فکر وصول الی الحقائق کا طریق بھی نہیں ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ ۔ جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

(زیرکی اور ہوشیاری سے راہ آسان نہیں ہوا کرتی بجز شکستہ دل کے اور کسی پر شاہ کی توجہ نہیں ہوا کرتی)

پس ہمکو بالکل شکستگی اختیار کرنی چاہیئے اس سے البتہ ہم پر فیضان ہوسکتا ہے۔ خوب کہا ہے ؎

ہر کجا پستی است آب آنجا رود ۔ ہر کجا مشکل جواب آنجا رود

(جہاں کہیں پستی ہوتی ہے پانی وہیں جاتا ہے جہاں کہیں شبہ ہوتا ہے جواب بھی کے سمجھ میں آتا ہے)

ہر کجا دردے دوا آنجا رود ۔ ہر کجا رنجے شفا آنجا رود

(جہاں کہیں درد ہوتا ہے دوا وہیں جاتی ہے۔ جہاں کہیں بیماری ہوتی ہے شفا وہیں جاتی ہے)

تو جب تم اپنے کو بالکل سپرد کردو گے تو خدا تعالیٰ خود بخود ان علوم کا القار تمہارے قلب میں کریں گے اور وہ حالت ہوگی ؎

بینی اندر خود علوم انبیار ۔ بے کتاب و بے معید و اوستا

(تم اپنے اندر انبیار کے علوم بدون کتاب کے مطالعہ کے اور کسی ساتھی یا استاد کے مشاہدہ کرو گے)

۱۴۹۔ مصالح پر احکام کا مدار نہیں اور نہ طالب عمل کو اسکی اجازت ہے کہ مصالح کی تفتیش کرے

حکمت کا پائے سے سمجھنا اور اس پر بنار حکم کرنا کافی نہیں مدار اصلی
تشریع ہی پر ہے اگرچہ اسکی حکمت بالکل نہ معلوم ہو البتہ بعد میں تشریع کے
ذریعہ کچھ حکمت سمجھ میں آسکتی ہے باقی حکمت کے سمجھنے پر حکم کا ماننا موقوف نہیں
ہماری تو وہ حالت ہونی چاہیئے ؎

زباں تازہ کردن باقرار تو نینگیختن علت از کار تو

(زبان کو بس تیرے اقرار سے تازہ کرنا چاہیئے باقی تیری باتوں میں علت نہیں نکالنی چاہیئے)

اور ہمارا وہ مذہب ہے جیسا حضرت استاذی علیہ الرحمۃ کا ارشاد ہے کہ
"ہر درویشے کہ چوں وچرا کند و ہر طالب علمی کہ چوں چرا نکند ہر دو را از درگاہ
باید فرستاد" طالب علم کو تو چون وچرا کا حق اسلئے ہے کہ وہ طالب فن
ہوتا ہے لیکن طالب عمل کو اسکی اجازت ہرگز نہیں

۱۵۰۔ مصالح کی تفتیش کا مفسدۂ عظیمہ

اور حکمت کی تلاش میں ایک مفسدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ عوام یوں سمجھ جاتے
ہیں کہ یہی مصالح بنار حکم ہیں اور جب کسی حکم میں انکو مصالح نظر نہیں آتے
تو اس حکم کے من اللہ ہونے میں انکو شبہ ہونے لگتا ہے یا اگر کوئی مصلحت
اپنے ذہن سے مخترع کی اور اسکو مدار حکمت سمجھا اور وہ مخدوش ہوگئی تو اسکے
انہدام سے حکمت کے انہدام کا شبہ ہوجاتا ہے ہاں اگر مصلحت خودبخود ذہن
میں آجاوے تو اسکے بیان میں مضائقہ نہیں اور وہ بھی ظناً غرض جب اُدھر سے
بولنے کا اشارہ پاوے جیسے بلاتکلف کوئی وارد قلب میں آجاوے زبان کھولے
ورنہ لب بستہ رہے کہ نطق وسکوت میں اسی کے تابع رہنا چاہیئے ۔ خوب
کہا ہے ؎

بگوش گل چہ سخن گفتہ کہ خنداں است بعندلیب چہ فرمودہ کہ نالاں است

(آپنے پھول کے کان میں کیا کہدیا ہے کہ وہ ہنس رہا ہے اور بلبل سے کیا فرما دیا ہے جو کہ وہ شور وغل مچا رہی ہے)

۱۵۔ محفل میلاد کی تحقیق اور اسکا بیان کہ جناب نبیؐ کی کیساتھ دنیا کے بادشاہوں کا سا برتاؤ بے ادبی ہے

آجکل ہمارے چند اخوانِ زماں نے ایک عظیم الشان مفسدہ کی بنیاد ہندوستان میں ڈالی ہے یعنی یوم ولادت جناب نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یوم عید بنانے کی تجویز کی ہے اور یہ خیال ان کے ذہن میں دوسری اقوام کے طرز عمل کو جو وہ اپنے اکابرین کے ساتھ کرتے ہیں دیکھکر پیدا ہوا ہے لیکن اس قاعدۂ مذکورہ کی بنا پر لوگوں کو سمجھ لینا چاہیئے کہ یوم ولادت کی خوشی دنیاوی خوشی نہیں ہے یہ مذہبی خوشی ہے پس اسکے تعین طریق کے لئے وحی کی اجازت ضروری ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ ہم بطور سال گرہ کے دنیوی طرز پر کرتے ہیں تو میں یہ کہوں گا کہ ایسا کرنے والے سخت بے ادبی اور گستاخی جناب نبوی میں کر رہے ہیں۔ صاحبو! کیا حضورؐ کو اس جلال وعظمت میں دنیا کے بادشاہوں پر جن کو حضورؐ سے کچھ بھی نسبت نہیں ہے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس فرحت کے لئے بس ایک دنیوی رذیل سامان اسی طرح کا کرتے ہو جیسا ان سلاطین کے لئے کیا کرتے ہو چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ مجھے اس موقع پر ایک بزرگ کی حکایت یاد آگئی کہ وہ جنگل میں رہتے تھے اور ایک کتیا پال رکھی تھی۔ اتفاق سے ایک مرتبہ کتیا نے بچے دیئے تو آپ نے تمام شہر کے معززین کو مدعو کیا لیکن ایک بزرگ شہر میں رہتے تھے انکو نہیں بلایا ان بزرگ نے ازراہ بے تکلفی دوستانہ شکایت کی تو ان بزرگ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ حضرت میرے یہاں کتیا نے بچے دیئے تھے اسکی خوشی میں سگان دنیا کی دعوت کر دی سخت گستاخی تھی کہ میں ان دنیا کے کتوں کے ساتھ آپ کو مدعو کرتا جس روز میرے یہاں اولاد ہوگی اور مجھکو خوشی ہوگی اس دن

آپ کو دعوکروں گا۔ اب اسکی دلیل سنیئے کہ یوم ولادت مذہبی خوشی ہے دنیوی خوشی نہیں ہے۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ دنیا کا اطلاق اس خطۂ زمین پر زیادہ سے زیادہ چند فرسخ اس کے متصل ہوا پر ہوتا ہے پس اگر کوئی دنیوی خوشی ہوگی تو اسکا اثر اسی خطۂ زمین تک محدود رہے گا اس سے متجاوز نہ ہوگا اور ولادت حضورؐ پرنور کے دن نہ صرف زمین کے موجودات بلکہ ملائکۂ عرش وکرسی اور باشندگان عالم بالا سب کے سب مسرور اور شادماں تھے وجہ یہ تھی کہ حضورؐ کی ولادت شریفہ کفر وضلالت کی ماحی اور توحید حق کی حامی تھی جسکی بدولت عالم کا قیام ہے کیونکہ قیامت اسی وقت قائم ہوگی جب ایک شخص بھی دنیا میں خدا کا نام لینے والا نہ رہے گا اور قیامت قائم ہونے سے فرشتے بھی اکثر فنا ہو جائیں گے پس آپ کا ظہور چونکہ سبب تھا تمام عالم کے بقا رسکا اسلئے تمام عالم میں یہ خوشی ہوئی۔ جب اسکا اثر دنیا سے متجاوز ہوگیا تو اس خوشی کو دنیوی خوشی نہیں کہہ سکتے۔ جب معلوم ہوا کہ یہ دنیوی خوشی نہیں بلکہ مذہبی خوشی ہے تو اس میں ضرور ہر طرح سے وحی کی احتیاج ہوگی یعنی اسکے وجود میں بھی اور اسکی کیفیت میں بھی۔ اب مجوزین ہم کو دکھلائیں کہ کس وحی سے یوم ولادت کے یوم العید بنانے کا حکم معلوم ہوتا ہے اور کیا صورت اسکی بتلائی گئی ہے اگر کوئی قل بفضل اللہ سے استدلال کرے تو میں کہوں گا کہ صحابۂ کرام جو کہ حضورؐ کی صحبت اٹھائے ہوئے تھے اور تمام عالم سے زیادہ کلام مجید کو سمجھتے تھے انکی سمجھ میں یہ مسئلہ کیوں نہیں آیا بالخصوص جبکہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بھی انکے رگ وریشہ میں سرایت کی ہوئی تھی علی ہذا تابعین جن میں بڑے بڑے مجتہد ہوئے ہیں انکی نظر یہاں تک کیوں نہیں پہونچی۔ ہاں جن امور کے متعلق حضورؐ کی اجازت ہے اسکو ضرور کرنا چاہیئے مثلاً آپ نے اپنی ولادت کے دن روزہ رکھا اور فرمایا ذلک الیوم الذی ولدت فیہ اسلئے ہمکو بھی اس دن روزہ رکھنا مستحب ہو سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ پیر کے دن نامۂ اعمال

حق تعالیٰ کے روبرو پیش ہوتے ہیں پس یہ مجموعہ وجہ ہوگی اس حکم کی اور اگر منفرداً بھی مانا جائے تب بھی صحیح ہے لیکن صرف اسی قدر کی اجازت ہوگی جتنا کہ ثابت ہے

۱۵۲۔ بزرگوں کے عرس کا طریقہ محض لغو ہے مع دلیل اور اسکا بیان کہ موت بزرگوں کیلئے وصل محبوب ہے

اور جس طرح یوم ولادت کی خوشی کے اختراعات باطل ہیں اسی طرح کسی کی وفات کی تاریخ کے وہ دن بزرگوں کی خوشی کا دن ہو اختراعات باطل ہیں اور یہیں سے معلوم ہوگیا کہ آجکل جو لوگوں نے بزرگوں کے عرس کا طریقہ ایجاد کیا ہے یہ بھی محض لغو اور تجاوز عن الحد ہے۔ اصل حقیقت اسکی یہ تھی کہ عرس کے معنی لغت میں شادی کے ہیں اور حاصل شادی کا یہ ہے کہ محب کا محبوب سے وصل ہو پس چونکہ ان حضرات کی موت ان کے لئے وصل محبوب ہے اسلئے ان کے یوم وصال کو یوم العرس کہا جاتا ہے۔ نیز ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ جب کسی مقبول بندہ کی وفات ہوتی ہے اور فرشتے اس سے قبر میں آکر سوال کرتے ہیں تو سوال و جواب کے بعد کہتے ہیں نم کنومة العروس (سو رہ مانند دلہنوں کے سورہ) تو وہ دن ان حضرات کے لئے یوم العرس ہوا۔ اسی کو ایک بزرگ خوب کہتے ہیں ؎

خوشا روزے و خرم روزگارے ۔۔۔ کہ یارے برخورد از وصل یارے

(کیا ہی خوب اسکا دن ہے اور کیا اچھا اس شخص کا زمانہ ہے کہ جس وقت کسی محب کو اپنے محبوب سے وصل میسر ہو)

۱۵۳۔ وصل دنیوی اور اخروی کا فرق

اور گو وصل ان حضرات کو دنیا میں بھی ہوتا ہے تاہم اس وصل اور اور اس وصل میں فرق ہے، یہاں حجاب ہے اور وہاں بلا حجاب۔

Regd. No L2/9/AD.111

Monthly WASIYATU'L IRFAN JULY 1983

23, Buxi Bazar Allahabae-3

Rs. 24/-

Rs. 30/-

Rs. 40/-

... نور اللہ مرقدہ کی خانقاہ ... والا

دینی ... ماہوار رسالہ

وصیۃ العلوم

...

زیرِ سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ	مدیر: عبد المجید عفی عنہ	دو روپے

شمارہ ۸	شوال المکرم ۱۴۰۳ھ مطابق اگست ۸۳ء	جلد ۶

فہرست مضامین

خط و کتابت کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر مینجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲۔ ۹۔ ۱۔ ۷۔ ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آہ! حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب

(مہتمم دار العلوم دیوبند طیب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ)

لوگ کہتے ہیں کہ منظر مر گیا — درحقیقت منظر اپنے گھر گیا

۶ شوال ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۷ جولائی ۱۹۸۳ء کو عصر اور ظہر کے درمیان ایک صاحب نے دروازہ پر سے پکار کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا کہ حضرت قاری محمد طیب صاحب کا وصال ہوگیا ریڈیو پر اطلاع آئی ہے۔ علالت کی اطلاع تو تھی ہی اور نقاہت کا بھی علم تھا اس لئے احتمال کے درجہ میں مان ہی لیا لیکن دل نہ چاہتا تھا کہ یہ خبر صحیح ہو کہ اتنے میں دوسرے صاحب نے آکر یہی خبر دی اور پھر تیسرے نے آکر یہی اطلاع دی اس لئے یقین کرنا پڑا۔ تار کے ذریعہ ادارہ اور اہل خانقاہ کی جانب سے تعزیت نامہ تو دوسرے ہی دن صبح حضرت مولانا محمد سالم صاحب مدظلہ کے نام (اللہ تعالیٰ انھیں حضرت مہتمم صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا صحیح جانشین بنائے) ارسال کردیا گیا اور حاضرین مجلس کو مطلع کرکے اپنے اپنے طور پر ایصال ثواب کی درخواست کردی اور خود کسی قدر تفصیل کا منتظر رہا کیونکہ جی چاہتا تھا کہ حضرت کے آخری حالات نیز تجہیز و تکفین، نماز جنازہ و دعائے تدفین کا علم ہو جاتا تو شاید ہم سب کے لئے بھی کسی قدر سبب سکون و تسکین ہو جاتا۔

ایک طالب علم نے آکر اتنا ضرور کہا کہ مولانا محمد سالم صاحب مدظلہ نے آپ لوگوں کو سلام کہا ہے اور حضرت قاری محمد مبین صاحب مدظلہ کی بابت دریافت کیا ہے کہ وہ کہاں ہیں؟ اور دریافت کرنے پر اتنا اور کہا کہ نماز جنازہ تو دورہ میں ہوئی اور مولانا محمد سالم صاحب مدظلہ نے پڑھائی اور قبرستان قاسمی میں اپنے جد امجد قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے آغوش میں جانب مغرب متصل ہی دفن ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اس قبرستان میں نازل ہونے والی برکتوں سے حضرت مہتمم صاحبؒ کو بھی حصہ وافر نصیب فرمائے اور

خود حضرت موصوف پر ایسی رحمت و مغفرت کی بارش فرمائے کہ اسکا چپہ چپہ سیراب ہو کر سب ہی اہل قبور کے لئے باعث راحت اور سبب ازدیاد مسرت بنے۔ آمین۔

حضرت مہتمم صاحبؒ سے اپنا تعلق کئی اعتبار سے تھا ایک تو ذاتی وہ یہ کہ حضرتؒ میرے والد صاحب مرحوم جناب مولانا سراج الحق صاحبؒ کے ہم سبق تھے۔ والد صاحبؒ کو دادا مرحوم نے مولانا عبدالسمیع صاحبؒ کی اتالیقی میں دیوبند بھیجا تھا لیکن والد صاحب وہاں صرف چند ہی ماہ رہے اور دل نہ لگنے کے سبب دادا مرحوم کے پاس آگرہ واپس چلے آئے اندنوں دادا مرحوم بسلسلہ ملازمت آگرہ ہی میں تھے، اور حضرت مہتمم صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے جو علم و فضل عطا فرمایا وہ ان کے ساتھ کسی درجہ میں بھی نسبت ہو کر شرف کے لئے کافی ہے۔

دوسری جہت جماعتی آپ سے تعلق اور محبت کی حکیم الامۃ حضرت مولانا تھانویؒ قدس سرہٗ سے آپ کا خصوصی تعلق تھا۔ ظاہر ہے کہ حضرت حکیم الامۃؒ اپنے مجددانہ کارناموں کی بناء پر آج بھی اور ان شاء اللہ تا قیامت ارباب صلاح و تدین کے لئے انکی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہی بنے رہیں گے اسلئے جو آپ کا محبوب ہوگا وہ لاریب صالحین زمانہ کو بھی ضرور محبوب ہوگا اور حضرت مہتمم صاحب موصوف کا محبوب اشرف ہونا اظہر من الشمس تھا چنانچہ اسی نسبۃ کی وجہ سے ہمارے حضرت مصلح الامۃ نوراللہ مرقدہٗ کی نظروں میں بھی آپ کا جو مقام تھا وہ رسالہ ہذا کے شمارہائے ماضیہ کے صفحات سے عیاں ہے۔ آپ کی محبوبیت اور مقبولیت ایک ایسی کھلی حقیقت تھی جسکا اعتراف دیگر اکابر نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ قومی آواز مجریہ ۲۰ جولائی ۱۹۸۳ء میں حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہٗ کا ایک مضمون نظر سے گذرا اس میں وہ فرماتے ہیں کہ :۔

(حضرت مولانا) قاری (محمد) طیب صاحبؒ کی سی ہر دل عزیزی کم ہی لوگوں کو ملی۔ واقعہ یہ ہے کہ شاید کم سے کم ہندوستان میں کسی علمی و دینی شخصیت کو کم ایسی ہر دلعزیزی، عام شہرت و مقبولیت اور مختلف دینی ادارون اور جماعتوں کا اعتماد حاصل ہوا ہوگا (الا ماشاء اللہ) اور اسکو اتنے طویل عرصہ تک دارالعلوم دیوبند جیسے عظیم و جلیل بین الاقوامی شہرت کے ادارہ کی خدمت و ترقی کا موقع ملا ہوگا

جیسا کہ قاری صاحب کو ملا۔

ان کی اس عام مقبولیت و جامعیت اور آپکی ذات کے اختلافات سے بہت حد تک بالاتر ہونے ہی کا نتیجہ تھا کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کے روز اول ہی سے جو ہندوستان کے مختلف الخیال گروہوں، دینی جماعتوں اور اداروں کا نمائندہ ہے انکی وفات کے دن تک ان سے زیادہ موزوں اور متفق علیہ صدر نظر نہیں آیا اور وہ اس عہدے پر باتفاق آراء شروع سے آخر تک فائز رہے۔

ان کو بانی دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ سے نسبت گرامی کا شرف حاصل تھا اور وہ نصف صدی تک (یعنی تقریباً پچاس برس تک) مسلسل اس موقر اور عظیم ادارہ کے منصب اہتمام پر فائز رہے اور ان کے اہتمام میں اس ادارہ نے ایسی ترقی کی جو اسکے ابتدائی دور کے دیکھنے والوں کے خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔

انھوں نے بڑے بحرانی موقعوں پر اس ادارہ کی رہنمائی کی، انھیں کے عہد میں اور انکے زیر اہتمام مارچ ۱۹۸۰ء میں اسکا عظیم صد سالہ جشن منعقد ہوا جو اسکی عظیم شہرت اور قبولیت کا نقطۂ ارتقاء تھا۔"

اسی اخبار میں ایک دوسری سرخی یہ نظر سے گزری کہ ـــــ قاری محمد طیب صاحب گوہر نایاب۔ انکے بغیر ہماری تاریخ نامکمل۔ اور اسکے تحت اپنے دارالعلوم ندوہ کے ایک تعزیتی جلسہ میں مولانا نے یہ بھی فرمایا کہ:۔

"میں نے قاری صاحبؒ کی بعض ایسی خصوصیات دیکھی جو اولیاء اللہ اور بے نفس انسانوں کی تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ انسان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے خلاف سننے کی صلاحیت رکھتا ہو اور سخت سے سخت بات برداشت کرلے۔ میں نے قاری صاحب موصوف کو اس معاملہ میں بہت ہی عالی ظرف اور قوی الارادہ پایا۔ اس کے علاوہ پورے حلقہ میں جو بات

مسلمات میں سے ہے کہ قاری صاحب موصوف نہایت ہی کریم النفس ۔ بڑے ہی شیریں اخلاق، نرم خو و نرم رو اور نرم گفتگو تھے . . . . ۔ قاری صاحب کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے دارالعلوم دیوبند کو ایک ہردلعزیز ادارہ بنا دیا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس میں انکا کوئی شریک نہیں . . . . آپ شیخ وقت (حضرت حکیم الامۃ) مولانا اشرف علی (صاحب) تھانویؒ کے تبع تھے (یعنی خلیفہ اور مجاز تھے)۔ حسن تقریر اور اصلاح ان کے تعارف میں معاون بنی . . . . ۔ قاری صاحب موصوف نے ہزاروں انسانوں کے دلوں میں دین کے احترام کا جذبہ پیدا کیا اور علماء کے متعلق حسن ظن پیدا کیا ۔ ایسا خوش بیان ۔ وسیع معلومات اور نورانی شکل کا عالم جس پر پہلی نظر پڑے اور وہ یہ بشارت دے کہ یہ فطرتاً معصوم ہیں ۔ اور اسکی میں شہادت دیتا ہوں کہ قاری صاحب موصوف میں ضرر پہونچانے کی یا تو بالکل صلاحیت نہ تھی یا بہت ہی کم تھی اور ایسے بے ضرر انسان کی خوبی سے لوگ غلط فائدہ اٹھاتے ہیں . . . . ۔ قاری صاحب ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامیہ کے رکن تھے ۔ آپ ہماری تاریخ کے جزء ہیں ان پر مضامین لکھے جائیں گے، کتابیں لکھی جائیں گی وہ ایک گوہر نایاب ہیں جن کے بغیر ہماری تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی اور نہ ہم تاریخ کا حق ادا کر سکتے ہیں"۔

اپنے مضمون میں حضرت علی میاں صاحب ندوی مدظلہ العالی نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:۔

"اور ان کو اپنی زندگی کے آخری مرحلہ میں اس عظیم روحانی صدمہ اور جگر خراش احساس سے دوچار ہونا پڑا اور زندگی کے آخری دن اس ادارہ کی ذمہ داری سے الگ ہو کر گذارنے پڑے جو ان کے دادا کا لگایا ہوا باغ اور ان کا اپنے خون پسینے سے سینچا ہوا چمن، انکی عزت کا نشان اور انکے تسکین قلب کا سامان تھا ۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجے بلند فرمائے اور انکی دینی وعلمی خدمات کا شایان شان صلہ عطا فرمائے ۔ اور دارالعلوم دیوبند اور خود ملت اسلا

کو ان فتنوں سے بچاسے جو ایک مخلص معتمد علیہ ہستی، بزرگوں کے جانشین اور ایک روشن ضمیر عالم دین کے اٹھ جانے سے پیدا ہوتے ہیں"۔ انتہی۔

راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت مولانا ندوی مدظلہ کے آخر کے یہ چند جملے جس قدر محبت بھرے دل سے نکلے ہیں کاش حضرت قاری صاحب مرحوم کی زندگی ہی میں بھی چند اور مخلصین اسی درجہ کے انکو اپنے ہمنوا مل جاتے تو شاید آج یہ افسوس ہی نکرنا پڑتا۔ بہرحال۔ ما قدر اللہ کان۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہی غالب آتی ہے۔ اس دنیا میں ایسا بھی ہوتا ہے اور اسی میں تاسی بھی ہے حضرات انبیاء علیہم السلام اور حضرات اولیاء کرام کی۔ ہمارے حضرت مصلح الامۃ رح نے ایک موقع پر فرمایا ہے کہ "کعب احبارؓ نے حضرت موسیٰ خلالیؒ سے پوچھا کہ آپ نے اپنی قوم کو اپنے حق میں کیسا پایا؟ فرمایا کہ الحمد للہ لوگ کام کرنے والے ہیں اور اطاعت کرنیوالے ہیں حضرت کعبؓ نے فرمایا کہ تورات تو اسکی تصدیق نہیں کرتی۔ حضرت موسیٰ خولانی نے دریافت کیا کہ تورات میں کیا آیا ہے؟ حضرت کعب احبارؓ نے فرمایا کہ یہ لکھا ہے کہ وایم اللہ ماکان رجل حلیمٌ فی قوم قط الا بغوا علیہ وحسدہ یعنی خدا کی قسم کوئی علیم شخص کسی قوم میں نہیں ہوا ہے مگر یہ کہ لوگوں نے اس پر بغاوت (یورش) کی ہے اور اس سے حسد کیا ہے"۔ علیہ صد سالہ نے تو "لوگ کام کرنے والے اور اطاعت کرنے والے (یعنی تکریم و تعظیم) کرنے والے ہیں" کا سماں دکھایا تو آخری دور کے حالات نے "مخالفت اور بغاوت" کا بھی نقشہ پیش کر دیا۔

اس موقعہ پر اپنے حضرت نور اللہ مرقدہ کا ایک ملفوظ اپنے احباب اور حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے منتسبین اور متعلقین کی تسلی کے لئے پیش کرتا ہوں فرمایا کہ:۔ "مخالفین کا ہونا۔ مخالفت کیا جانا اور اس پر صبر کرنا یہ سب بھی حضرات انبیاء علیہم السلام کی سنت اور انکا اسوہ ہے۔ اور جن لوگوں کے ساتھ یہ معاملات پیش آئیں وہ خوش ہوں۔ الحمد للہ انکو تاسی انبیاء علیہم السلام کی حاصل ہے مگر اسکو سمجھنا اور جھیلنا یہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل ہی سے ہوتا ہے" (طریقہ اصلاح)۔

الحمد للہ کہ ان تمام ہی صفات سے حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہ متصف

تھے۔ چنانچہ ان کے آخری وقت کے حالات جو آج ہی کی ڈاک سے ایک مخلص محترم نے
تحریر فرمائے اس سے اندازہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بڑی کرامتوں سے حضرتؒ کو نوازا تھا
ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء — محترم لکھتے ہیں :—

"عید کے روز اور عید کے بعد بھی عقیدت مندوں کا ہجوم رہا اور وصال سے ایک روز قبل تک بیعت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ ۶ر شوال بروز یکشنبہ مطابق ۱۷ر جولائی ۱۹۸۳ء کو بھی طبیعت صبح تک بحال تھی دس بجے کے قریب حالت میں کچھ تبدیلی پیدا ہو گئی لیکن پہلے بھی چونکہ ایسا ہوتا رہا اس لئے اسکو کچھ زیادہ اہمیت نہ دیکر معالج طبیب حکیم محمود علی صاحب کو بلوایا گیا چنانچہ حضرت والا نے ان سے اپنا حال خود بیان فرمایا۔ حضرت مولانا محمد سالم صاحب کے علاوہ اور دو تین خدام جو اس وقت موجود تھے ان سے گفتگو کرتے کرتے حضرت اچانک خاموش ہو گئے۔ لوگ گھبرا گئے لیکن حضرت کے ہونٹھوں میں جنبش ہو رہی تھی حاضرین نے غور سے سنا تو کلمہ شریف وردِ زبان تھا۔ حکیم صاحب نے نبض پر ہاتھ رکھا پھر جھک کر آنکھوں کو دیکھا پھر سینہ پر غور کیا تو وہ اوپر کو ابھرتا ہوا معلوم ہوا اور اسکے بعد پورا جسم حضرت کا قدرتی طور سے قبلہ کی جانب ہو گیا اتنے میں حکیم صاحب نے جو مسلسل نبض پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے مایوسی کے انداز میں سر ہلایا اور حضرت کی رحلت کا گویا اعلان کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بوقت رحلت حضرت کے چہرہ پر تبسم تھا۔ پیشانی نم تھی بظاہر تو محو خواب معلوم ہوتے تھے لیکن درحقیقت واصل بحق ہو چکے تھے۔ گیارہ بجکر دس منٹ پر یہ حادثہ پیش آیا۔

حیرت انگیز طور پر بنگلہ دیش سے ایک طویل قافلہ ۸ بجے شب کو دیوبند پہونچا۔ جنازہ میں بلیاں باندھی گئیں تقریباً پچاس ہزار انسانوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ صاحبزادہ محترم حضرت مولانا محمد سالم صاحب مدظلہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ بعد دوشنبہ میں ۱۱½ بجے تدفین عمل میں آئی۔ آپ کیلئے

لحد بانیٔ دار العلوم حضرت نانوتوی کی بغل میں جانب غرب تیار کی گئی۔ دن میں گرمی شدید تھی اور موسم بہت گرم تھا لیکن ۱۲ بجے کے بعد ہلکی سی بدلی اٹھی کچھ ترشح ہوا۔ ہوا خنک چلی اور موسم آناً فاناً تبدیل ہوگیا ہر شخص پکار اٹھا کہ یہ حضرت مہتمم صاحبؒ کی کرامت ہے۔ دوسری کرامت یہ ہوئی کہ آس پاس کے علاقہ میں تو بارش ہوئی مگر دیوبند میں اس دن بارش نہیں گو موسم ٹھنڈا ہی رہا، اگر بارش ہو جاتی تو اتنے بڑے مجمع کے ساتھ نماز جنازہ اور تدفین مشکل ہو جاتی۔" انتہی۔

بہرحال حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہٗ تو اس دنیا سے الحمد للہ اچھی حالت میں تشریف لے گئے، اللہ تعالیٰ انکی آخرت کو بہتر سے بہتر بنائے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ بقول حضرت مولانا ندوی مدظلہٗ ــــ "انھوں نے (حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ نے) اپنا نام اور زندگی اس ادارہ (دار العلوم دیوبند) کے نام اور اسکی زندگی سے ایسی وابستہ کر رکھی تھی کہ انمیں سے ایک کا تصور دوسرے کے ساتھ آتا تھا" انتہی ــــ اب حضرت مرحوم کے بعد یہ خلاء کس طرح پُر ہوتا ہے؟ ماضی قریب تک تو مدرسۂ دیوبند کی یہ تاریخ رہی ہے کہ یہاں کے چپراسی سے لیکر مہتمم تک سب ہی لوگ صاحب نسبت اور اللہ والے ہوتے تھے۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ اس انقلاب کا نقطۂ ارتقاء اسکو بنائے کہ پھر اس میں اسلاف کا سا تدین اور تقویٰ اور انابت الی اللہ لوٹ آئے ورنہ سنگ مرمر کی عمارت کا بن جانا اور انگریزی کالج کا شعبہ کھل جانا یا طبیہ کا میڈیکل کالج ہو جانا اور مدرسہ عربی دیوبند کا نام "دیوبند یونیورسٹی" قرار پا جانا، ان سب امور کے لئے مدرسۂ دیوبند کی وضع نہیں ہوئی تھی ہمارے اسلاف اور بزرگوں کا تو یہی طرز فکر تھا۔

پھر عجیب بات یہ ہے کہ آج اگر ایک ماہر ریاضیات تاریخ کا کوئی واقعہ نہ بتلاسکے یا کوئی تاریخ داں اقلیدس کی کوئی شکل نہ حل کر سکے یا کوئی ماہر ڈاکٹر انجینئری میں کچھ دخل نہ رکھتا ہو یا کوئی انجینئر آپریشن نہ کر سکے تو یہ اسکا کوئی عیب نہیں شمار کیا جاتا ــــ اور ایک ماہر دینیات یا کوئی دیندار فاضل دیوبند کے اندر دنیوی علوم میں سے کسی میں کچھ کمی دیکھی

جاتی ہے تو اسکو نکما، ناکارہ مہمل اور دنیا سے معطل سمجھا جاتا ہے اسکی وجہ آج تک سمجھ میں نہ آسکی سوا اسکے کہ دنیا کی قدر نظروں میں ہے اور دین کو ضروری نہیں سمجھا جاتا۔

اسی ذہنیت کے پیش نظر آج ایک جانب یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ موجودہ صدی کے مجدد تھے اور دوسری جانب اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ آپ میں اپنے جملہ کمالات کے باوجود ایک کمی یہ رہی کہ جنگ آزادی میں آپ نے کوئی نمایاں حصہ نہیں لیا۔ یہ بھی کچھ اسی نوع کی بے جوڑ سی بات ہے۔ "ایں نہ مدح است او مگر آگاہ نیست"۔ کیونکہ کھلی ہوئی بات ہے کہ جامع الکمالات تو صرف انبیاء علیہم السلام ہی کی ذات ہوئی ہے بعد میں کسی نے کسی شعبہ میں ترقی کی کسی نے کسی میں۔ چنانچہ متقدمین میں ہم دیکھتے ہیں کہ جو مرتبہ حدیث نبوی کے باب میں شیخین کا ہوا دوسرے حضرات وہاں تک نہ پہونچ سکے حالانکہ حدیث جانتے تھے۔ اسی طرح سے تفقہ میں جو مقام اللہ تعالیٰ نے ائمہ اربعہ کو بخشا محدثین اس سے قاصر رہے۔ یہی حال اور دیگر کمالات کا بھی ہے۔ پس ہر فن میں کامل اور اعلیٰ درجہ کا کامل ہو جانا ہر شخص کے لئے ناممکن ہی ہے پس کسی کی تعریف کے موقع پر اسکا کوئی نقص بیان کر دینا ایسا ہی ہے کہ کسی شخص کے متعلق یہ کہا جائے کہ یہ جامع الکمالات کیوں نہیں ہوا؟ یہ بات ہی سرے سے صحیح نہیں ہے۔

بہرحال دین کا باب نہایت وسیع ہے اور الحمد للہ حضرت قاری محمد طیب صاحب رح کو اللہ تعالیٰ نے بہت ہی کمالات سے نوازا تھا اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جو شخص اس دنیا سے چلا جاتا ہے تو اسکی جگہ پر نہیں ہوا کرتی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت مہتمم صاحب موصوف رح کا کوئی نعم البدل امت کو نصیب فرمائے اور دار العلوم کے اس خلا کو غیب سے پُر فرما دے۔ اور تمام امت کی جانب سے انھیں انکی دینی کوششوں اور تمام کاوشوں کا بیش از بیش صلہ عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ حضرت رح کے متعلقین اور منتسبین کو صبر اور اجر سے نوازے۔ ادارہ ہذا اور خدام خانقاہ سب اس غم میں انکے برابر کے شریک ہیں۔ والسلام

۱۱۳۔ قرآن شریف میں حسن معاشرت کی تاکید

فرمایا کہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعثت سے پہلے اہل عرب کی حالت نہایت ناگفتہ بہ تھی کون سی برائی تھی جسکو وہ نہیں کرتے تھے۔ شرک، چوری، غارتگری انکا عام شیوہ تھا، شراب نوشی، زناکاری دن رات کا مشغلہ تھا۔ قساوت وسنگدلی، آپس کی لڑائی اس حد تک پہونچی ہوئی تھی کہ غیروں کو تو جانے دیجئے خود اپنی اولاد پر بھی انکو رحم نہ آتا تھا۔ اس معاملے میں عام حیوانات سے بھی زیادہ گئے گذرے اور گمراہ تھے۔ اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا انکے نزدیک کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ بنی اسرائیل کے قتل کے بارے میں فرعون کے مظالم مشہور ہیں اور عام طور پر اسکو فرعون کی انتہائی قساوت اور اعلیٰ درجہ کا ظلم سمجھا جاتا ہے مگر اہل عرب کا لڑکیوں کو قتل کرنا اس سے بھی زیادہ بے رحمی اور ظلم کی بات تھی کیونکہ فرعون کو تو لڑکوں سے اندیشہ تھا اسلئے انکو قتل کرتا تھا مگر لڑکیوں اور عورتوں پر اسکو بھی رحم آتا تھا انکو باقی چھوڑتا تھا مگر عرب کے جاہل ایسے بے رحم تھے کہ بے بس مسکین بچیوں پر بھی انکو ترس نہ آتا تھا اور بے دریغ اپنی اولاد کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ساری دنیا سے عموماً اور عرب سے خصوصاً کفر وشرک ظلم وعداوت ختم ہو اور مخلوق خدا جو اپنے ہی اعمال بد کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہے اور ان کی دنیوی زندگی بھی تلخ ہو رہی ہے ان پر اپنی رحمت مبذول فرمائے تو اپنے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا آپ ساری دنیا کے لئے خصوصاً عرب کے لئے رحمت بنکر تشریف لائے اور آپ نے انکی بگڑی ہوئی زندگی کو خوشگوار بنایا اور انکی گھریلو زندگی کی بھی اصلاح فرمائی کہ گویا آپ کی برکت سے دنیا نے نئی زندگی پائی۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

وکان الزمھم باصلاح تدبیر المنزل تدبیر منزل کی اصلاح اور اصحاب کی رعایت اور

ورعاية الاصحاب وسياسة مدنية بحيث لا يتصور فوقه يعرف لكل شئ قدرة (حجة الله البالغہ ص ۲۰۵)	اور شہر کے انتظام کو سب سے زیادہ لازم پکڑنے والے تھے کہ جس سے اوپر تصور ہی نہیں کیا جا سکتا اور ہر شئے کی قدر پہچانتے تھے۔

دیکھا آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کہ آپ اصلاح تدبیر منزل کے لئے لازم تھے گھریلو زندگی اسی طرح شہری زندگی کی ایسی اصلاح فرمائی کہ اس سے زیادہ کا تصور ہی نہیں ہو سکتا اور حسن تدبیر منزل، حسن معاشرت، حقوق باہمی کی نگہداشت کو اس طرح بیان فرمایا کہ فلاسفہ جن کو اپنی عقل پر غرہ ہوتا ہے انھیں بھی مجبوراً کہنا پڑا کہ حسن اخلاق سیاست مدن، تدبیر منزل کو شریعت مصطفویہ نے باحسن وجوہ بیان فرمادیا ہے اسکے لئے ہمارے بیان کی حاجت نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح توحید۔ رسالت۔ معاد کی تعلیم دی اور کفر و شرک کی ظلمت کو دنیا سے پاک کیا اسی طرح حقوق باہمی اور طریق معاش بھی دنیا کو سکھایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا کہ:۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَنْ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَاِذَا قُلْتُمْ	آپ کہئے کہ آؤ میں تمکو ایسی چیزیں پڑھکر سناؤں جنکو تمھارے رب نے تم پر حرام فرمایا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کیا کرو اور اپنی اولاد کو افلاس کے سبب سے قتل مت کیا کرو ہم انکو اور تمکو رزق دینگے اور بیحیائی کے جتنے طریقے ہیں ان کے پاس بھی مت جاؤ خواہ وہ علانیہ ہوں خواہ پوشیدہ اور جسکا خون کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کردیا ہے اسکو قتل مت کرو مگر حق پر اسکا تمکو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو۔ اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو مستحب ہے یہاں تک کہ وہ اپنے سن بلوغ کو پہنچ جائے اور ناپ اور تول پوری کیا کرو انصاف کے ساتھ

فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ أَوْفُوا ذٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔

ہم کسی شخص کو اسکے امکان سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔ اور جب تم بات کیا کرو تو انصاف رکھا کرو گو وہ شخص قرابت دار ہی ہو اور اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا کرو اسکو پورا کیا کرو ان کا اللہ تعالیٰ نے تمکو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم یاد رکھو۔ اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو کہ مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تمکو اللہ کی راہ سے جدا کردینگی اسکا تمکو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم احتیاط رکھو۔ (بیان القرآن)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مامورات اور منہیات کی ایک فہرست بیان فرمائی ہے ان میں سب سے پہلے شرک سے منع کیا ہے کیونکہ وہ اعظم محرمات اور اکبر کبائر سے ہے۔ اسکے بعد والدین کے ساتھ احسان کی تاکید فرمائی ہے کیونکہ نعمت والدین بندے کے لئے اللہ کی نعمت کے بعد سب نعمتوں میں بڑی ہے اسلئے کہ مؤثر حقیقی انسان کے وجود میں وہ اللہ عز و جل ہیں اور ظاہری مؤثر والدین ہیں۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں:۔

وبالوالدین احسانا ای احسنوا بھما احسانا کاملا لا اساءۃ معہ وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ یرید البر بھما مع اللطف ولین الجانب فلا یغلظ لھما فی الجواب ولا یحد النظر الیھما ولا یرفع صوتہ علیھما بل یکون بین یدیھما مثل العبد بین یدی سیدہ تذللا لھما۔

یعنی والدین کے ساتھ پورا پورا احسان کرو برائی کا ذرا بھی شائبہ نہ ہو۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ والدین کے ساتھ نرمی اور مہربانی سے سلوک کرے۔ سخت جواب نہ دے اور انکی جانب تیز نگاہ سے نہ دیکھے، ان کے سامنے آواز بلند نہ کرے، انکے آگے اس طرح سے عاجزی سے رہے جیسے غلام اپنے آقا کے سامنے ہوتا ہے۔

ایک بات یہ بھی سمجھنے کی ہے کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے تین جگہ ذٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ فرمایا ہے ہملوگ حضورؐ کی ایک ہی وصیت جانتے تھے یعنی اَلصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ یہاں تین تین وصیتیں موجود ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آپؐ نے فرمایا جس شخص کو یہ بات مسرور کرے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مُہر شدہ وصیت

کو دیکھے تو اسکو چاہیئے کہ یہ تین آیتیں قُلْ تَعَالَوْا سے تَتَّقُوْنَ تک پڑھ لے۔

اللہ تعالیٰ نے پہلی جگہ ارشاد فرمایا ہے ذالکم وصاکم بہ لعلکم تعقلون دوسری جگہ لعلکم تذکرون تیسری جگہ لعلکم تتقون صاحب روح نے اس تفنن فی الکلام کا یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ چونکہ یہ مشرکین شرک اور قتل اولاد اور زنا اور قتل نفس محرمہ کے عادی تھے اور انکی قباحت کو سمجھتے بھی نہ تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان باتوں کو منع فرماکر لعلکم تعقلون فرمایا تاکہ یہ لوگ ان کے حسن وقبح کو سمجھیں اور باز رہیں ــ اور یتیموں کے مال کی حفاظت اور ایفائے کیل اور عدل فی القول اور وفائے بالعہد پر عمل کرتے تھے اور اس سے متصف ہونے پر فخر کرتے تھے اسلئے اللہ تعالیٰ نے ان باتوں کا حکم فرماکر لعلکم تذکرون فرمایا۔ مطلب یہ کہ اگر یہ لوگ ان باتوں کو بھول گئے ہیں تو یاد کرلیں ــ ان دونوں آیتوں میں ماموراتِ ومحرمات کے بیان فرمانے کے بعد لعلکم تتقون فرمایا کیونکہ اوامر کے امتثال اور نواہی کے اجتناب ہی سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے اور اسی کو تقویٰ کہتے ہیں ــ پھر اسکے بعد والی آیت میں واتقوا لعلکم ترحمون فرمایا اسلئے کہ تقویٰ کا نتیجہ رحمت ہی ہے۔ سبحان اللہ! کیا مرتب کلام ہے۔

ان آیات کے متعلق صاحب روح المعانی نے کچھ روایات بھی نقل فرمائی ہیں وھو ھذا: ــ

عن عبادہ ابن الصامت رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایکم یبایعنی علی ھٰؤلاء الآیات الثلث ثم تلاھن الی آخرھن ثم قال فمن بھن فاجرہ علی اللہ تعالیٰ ومن انتقص منھن شیئا وادرکہ اللہ تعالیٰ فی الدنیا

حضرت عبادہ ابن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کا کون مجھ سے ان آیات پر بیعت ہوتا ہے پھر ان آیات کی آخر تک تلاوت فرمائی اسکے بعد فرمایا کہ جو شخص کامل طور پر ان آیات پر عمل کرے گا اسکا اجر اللہ کے ذمہ ہے اور جو ان میں کوتاہی کرے گا اور اللہ تعالیٰ نے اس سے مواخذہ فرمایا تو یہ دنیا ہی میں اس کی

كانت عقوبته ومن آخره الى الآخرة كان امره الى الله ان شاء اخذه وان شاء عفى عنه

سزا ہوئی اور جسکو اللہ تعالیٰ نے آخرت تک مہلت دی تو اسکا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ ہے خواہ اس سے مواخذہ فرمائیں یا معاف فرمادیں۔

واخرج ابو الشيخ عن عبيد الله بن عبد الله بن عدى قال سمع كعب رجلا يقرأ (قل تعالوا اتل الاية) فقال والذى نفس كعب بيده انها لاول آية فى التوراة بسم الله الرحمن الرحيم قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ الى آخر الآيات الثلاث

ابو الشیخ نے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عدی سے تخریج کی ہے کہ حضرت کعب رضؓ نے ایک شخص کو قل تعالوا اتل الآیۃ پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضہ میں کعب کی جان ہے کہ تورات کی یہی پہلی آیت ہے پھر بسم اللہ الرحمن الرحیم. قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم آخر آیت تک تلاوت کیا۔

وعن ابن عباس رضى الله عنهما هذه آيات محكمات لم ينسخهن شئ من جميع الكتب وهن محرمات على بنى آدم كلهم وهن ام الكتاب من عمل بهن دخل الجنة ومن تركهن دخل النار۔ هذا

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیات محکمات ہیں انکو کسی کتاب نے منسوخ نہیں کیا ہے۔ یہ تمام بنی آدم کیلئے محرمات ہیں۔ اور یہ ام الکتاب ہیں جو شخص انپر عمل کریگا جنت میں داخل ہوگا اور جو شخص انپر عمل نہ کریگا دوزخ میں جائے گا۔ اسکو محفوظ کرلو۔

صاحب روح المعانی نے اللہ تعالیٰ کے قول من املاق کے تحت نہایت مفید کلام کیا ہے۔ یہاں پر اسکا جاننا ضروری ہے۔ وہو ہذا۔

(ولا تقتلوا اولادكم من املاق) یعنی (فی الحال) فقر کی وجہ سے اپنی اولاد کو

من اجل فقر او من خشیة کما فی
قوله سبحانه (خشیة املاق)
وقیل الخطاب فی کل آیة
لصنف ولیس خطابا واحدا فالمخاطب
بقوله سبحانه (من املاق) من
ابتلی بالفقر وبقوله تعالیٰ (خشیة
املاق) من لا فقر له ولکن
یخشی وقوعه فی المستقبل ولهذا
قدم رزقهم ههنا فی قوله عزوجل
(نحن نرزقکم وایاهم) وقدم
رزق اولادهم فی مقام الخشیة
فقیل نحن نرزقهم وایاکم وهو
کلام حسن وایا ما کان فجملة نحن الخ
استئناف مسوق لتعلیل النهی
وابطال سببیة ما اتخذوه
سببا لمباشرة المنهی عنه وضمان
منه تعالیٰ لارزاقهم ای نحن نرزق
الفریقین لا انتم فلا تقدموا
علی ما نهیتم عن لذالك
(روح المعانی ص۴۳ ج۸)

قتل نہ کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد
خشیة املاق میں ہے۔
اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر دو آیت میں خطاب
ایک ہی صنف کو نہیں ہے (بلکہ دو صنف کو ہے)
تو مخاطب اللہ تعالیٰ کے قول لاتقتلوا اولادکم من
املاق میں وہ لوگ ہیں جو فی الحال فقر میں مبتلا
اور لاتقتلوا اولادکم خشیة املاق کے مخاطب
وہ لوگ ہیں جو فی الحال فقیر نہیں ہیں مگر اولاد کی وجہ
آئندہ فقر کا خوف کرتے ہیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ
یہاں پر نحن نرزقکم وایاهم میں پہلے قسم کے لوگوں
کو مقدم فرمایا ہے جنکو اپنا افلاس مدنظر ہے اسلئے
قتل کے جرم کے مرتکب ہیں) اور چونکہ دوسری جماعت
کے لوگوں کو اولاد کی وجہ سے فقر کا خوف تھا) اسلئے
ان کے اولاد کے رزق کو مقدم فرمایا اور یوں فرمایا
کہ ہم رزق دیتے ہیں انکو اور تمکو اور یہ کلام بہت ہی
نفیس ہے۔ حاصل کلام یہ کہ نحن نرزقکم وایاهم
یہ جملہ مستانفہ ہے اس میں نہی عن القتل کی علت بیان
کی گئی ہے اور ان لوگوں نے جس چیز کو منہی عنہ کے
ارتکاب کا بڑا سبب ٹھہرایا تھا اسکی سببیت کا ابطال
اور اللہ تعالیٰ کیطرف سے ان لوگوں کے رزق کا ضمان ہے یعنی ہم
اور انکو دونوں کو روزی دیتے ہیں تم روزی دینے والے نہیں ہو لہٰذا جس چیز سے تمکو منع کیا جائے اسپر اقدام مت
سبحان اللہ کیا عمدہ نکتہ ہے اور یہ کلام اللہ کی انتہائی فصاحت و بلاغت سے
یہ کلام اللہ کی خصوصیت ہے۔ چونکہ زمانہ جاہلیت میں یہ رسم بد شائع تھی کہ فقر یا خوف فقر

کی بنا پر عرب کے لوگ اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے اسلئے اللہ تعالیٰ نے جیسے شرک
اور عقوق والدین وغیرہ کو حرام فرما دیا ویسے ہی قتل اولاد کو بھی حرام فرما کر اس سے با
منع فرما دیا کہ جس طرح میں ہر شے کا خالق ہوں ویسے ہی رازق بھی میں ہی ہوں۔ رزق
اختیار میں نہیں دیا گیا ہے کہ اس میں کمی کے خوف سے اولاد کو قتل کر ڈالو، تو ہو سکتا
کہ عرب کے لوگ مساکین پر خرچ کرنے اور انکے ساتھ اچھا سلوک کرنے کو کچھ بہتر سمجھتے
ہوں مگر اولاد کے ساتھ انکا معاملہ نہایت برا اور دلخراش تھا ان پر خرچ کر
بار سمجھتے تھے اور لڑکیوں کو تو ننگ و عار اور فقر و فاقہ کے خوف سے زندہ درگو
کر دیتے تھے اسلئے اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین نے اس فعل شنیع سے منع فر
اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کان خلقه القرآن کی بنا پر اپنے ا
عیال کے ساتھ حسن خلق اور حسن معاشرت کر کے اور امت کو اپنے ارشادا
سے ترغیب اور تاکید فرما کر اس آیت کی شرح خوب ہی خوب فرما دی اور اہل
کی قدر و منزلت کو لوگوں کے دلوں میں راسخ فرما دیا اور یہاں تک فرما
ان پر خرچ کرنا موجب اجر و ثواب ہے بلکہ مساکین و فقراء کے دینے سے ز
ثواب ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا سبب ہے، تم ان پر بخوبی خ
کرو اور تنگدل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد نحن نرزقکم وایاھم کو مستحضر ر
اللہ تعالیٰ پر توکل کرو ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ پر توکل کی بھی زبردست تعلیم

(راقم عرض کرتا ہے کہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اہل عرب کی مع
خامیوں کی خوب ہی اصلاح فرمائی ہے اور حضرت کعب احبار کے ارشاد سے معلو
کہ یہی تورات کی بھی پہلی آیت ہے اس سے قرآن کریم کے اس وصف کی بھی تصدیق
جسے اس نے متعدد جگہ مختلف عنوان سے بیان فرمایا ہے کہ مصدقا لما بین یدیه
اس قرآن میں تصدیق ہے ان مضامین کی جو اس سے پہلی کتب میں آچکے ہیں۔
حضرت ابن عباس کا یہ فرمانا کہ یہ ام الکتاب ہے اسکی عظمت شان کے باب میں کا
ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔

سابق بیان سے معلوم ہوگیا کہ حضرت مصلح الامتہ کا ورود با مسعود الہ آباد میں ہوچکا ہے اور جائے ذتورع کے مناسب ہونے اور سفر کی سہولتوں کی بنا پر ہر جگہ سے اور ہر طبقہ کے لوگوں کا آنا جانا آسان ہوگیا ہے۔ چنانچہ بڑے بڑے اکابر تک کی آمد و رفت جاری ہے۔

تصنیفی مشق اور تالیفی سلیقہ نہ ہونے نیز کسی بھی جگہ کے تمام ہی واقعات مسلسل اور مرتب طور پر ذہن میں نہ ہونے کیوجہ سے قدم قدم پر رکاوٹ پیش آجاتی ہے کہ اب آگے کیا لکھوں چنانچہ اسی دشواری سے بچنے کے لئے راقم نے گورکھپور کے حالات کے بیان کرنے کے سلسلے میں یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ وہاں کے جو معزز حضرات تھے حضرت مصلح الامتہ کے ساتھ انکی وابستگی کا ذکر کرکے بہت کچھ واقعات پیش نظر کرلئے تھے اسلئے یہاں الہ آباد کے حالات بیان کرنے میں بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے چند مخصوص لوگوں کے حالات جو حضرت اقدسؒ سے متعلق رہے بیان کروں تاکہ القول بالقول یذکر کے طور پر بات سے بات یاد آتی چلی جائے۔

۱ — فخر الاطباء جناب مولانا حکیم شاہ سید فخر الدین جعفری صاحبؒ کے حالات عرض کرنے کے بعد اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ الہ آباد کے ایک اور عظیم المرتبت طبیب حاذق کا ذکر کروں یعنی

۲ — رئیس الحکماء جناب حکیم احمد صاحب عثمانیؒ الہ آباد کے مشہور طبیب جناب حکیم احمد حسین صاحب عثمانیؒ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ کے ذ چھوٹے بھائی محمد حسین صاحب بھی طبیب تھے یعنی والد طبیب اور ان کے یہ دونو صاحبزادے بھی طبیب تھے گویا ایں خانہ ہمہ آفتاب است کا مصداق تھے۔ حکیم عثمانی صاحب نے طبیب کے گھر آنکھ کھولی تو بچپن ہی سے طب کا ذوق ہوگیا اپنے وقت پر خود بھی زبردست طبیب ہوئے۔ وضع قطع عالمانہ ہمیشہ سر پر عمامہ بندھا رہتا تھا نہایت ہی وجیہ اور بارعب شخص تھے۔

حکیم فخر صاحب مرحوم کے موجود ہونے کے سبب سے ابتداً ہم لوگوں کا انکی جانب کچھ زیادہ مرجوعہ نہ تھا لیکن حکیم جعفری صاحبؒ کے وصال کے بعد جب حضرت والاؒ دوبارہ الہ آباد تشریف لائے تو ایک موقعہ پر کسی کے توسط سے حکیم عثمانی صاحب بھی حضرت اقدس کے معالجہ کے لئے بلائے گئے۔ حکیم صاحب تشریف لائے نسخہ لکھا، حضرتؒ سے ملاقات فرمائی آدمی دیندار تھے دیندار گھرانے کے تھے اسلئے جتنا نفع حضرت والا کو ان سے پہونچا اس سے کہیں زیادہ فائدہ حکیم عثمانی صاحب کو حضرت اقدسؒ سے ہوا۔ حضرت والا سے ملتے ہی حکیم صاحب کا حال بس اس کا مصداق ہوگیا تھا کہ ؎

آہن کہ بپارس آشنا شد فی الحال بصورت طلاء شد

حکیم صاحب چونکہ خود بھی اپنے فن کے کامل اور ماہر تھے اسلئے ان کے اندر ایک شان استغناء بھی پائی جاتی تھی لوگوں کا یہ کہنا تھا کہ کیسے کیسے بڑے علماء اور مشائخ آئے لیکن حکیم صاحب نے کسی کی جانب رخ تک نہیں کیا چنانچہ مقامی علماء و مشائخ کو تو خاطر میں نہیں لاتے تھے لیکن آخر میں آکر قائل ہوئے تو حضرتؒ کے اور جھکے تو حضرت کے آگے جھکے۔ چنانچہ کھلی آنکھوں دیکھا گیا کہ حضرت اقدسؒ کی ملاقات کا انکے قلب پر گہرا اثر ہوا اول ہی دن سے بڑی محبت بڑی عقیدت، بڑے ہی تأدب کے ساتھ حضرت سے ملے اور ان کا ادب روزافزوں ہی ہوتا گیا یہاں تک کہ حضرت والاؒ کبھی کبھی خود بھی ان کے مکان پر صرف ملاقات کے لئے تشریف لیجاتے اور حکیم صاحب بڑی ہی نیازمندی کے ساتھ ملتے چنانچہ حکیم صاحب موصوف جب حج بیت اللہ کو جانے لگے تو تاریخ روانگی کے دن حضرت والاؒ نے اس خادم ہی کو رکشہ پر اپنے ہمراہ لیا اور فجر کے بعد ہی حکیم صاحب کے مکان پر تشریف لے گئے حکیم صاحب اندر سے تشریف لائے اور درخواست کی حضرت کمرہ میں تشریف لے چلیں حضرت نے فرمایا کہ نہیں آج آپ کے سفر کا دن ہے سفر کی ضروریات اور مشغولیات زیادہ ہوتی ہیں میں بیٹھوں گا نہیں بس صرف آپ سے ملنے ہی آیا تھا اسلئے کہ اسٹیشن پر

کثرت ہجوم کے باعث ٹھیک سے ملاقات بھی مشکل ہو جاتی ہے بس آ یئے معانقہ کیجئے اور میرے واسطے دعا فرمایئے گا۔ حکیم صاحب نے بھی بڑی ہی لجاجت کیساتھ معانقہ کیا اور دعا کی درخواست کی حضرت کا ہاتھ چوما۔ اور حضرت والا فی امان اللہ کہکر وہاں سے مکان واپس ہو گئے۔ میں تو اس موقع پر موجود تھا ہی حکیم صاحب کے والد مولوی حکیم احمد حسین صاحب کے بارے میں ایسا ہی کچھ مشہور تھا اسی سلئے حکیم صاحب کو ہم بھی ابتک خشک ہی سمجھتے تھے لیکن حضرت کے ساتھ ان کی والہانہ عقیدت اور بزرگوں جیسی محبت دیکھکر معلوم ہوا کہ ابھی کچھ نہیں بزرگوں کا تعلق چونکہ اللہ تعالی سے صحیح ہوتا ہے اس لئے ساری ہی مخلوق کو ان سے انس ہو جاتا ہے اس میں مقلد غیر مقلد بدعتی حتی کہ غیر مسلم کی بھی تخصیص نہیں اور اپنے حضرت اقدس کے ساتھ تو ہم نے یہی معاملہ مخلوق کا دیکھا کہ ایسی شان محبوبیت تھی کہ جو شخص بھی ایک بار زیارت کرلیتا تھا وہ دیکھتا ہی رہ جاتا تھا اسفار کے موقعوں پر اسٹیشن پر دیکھا جاتا تھا کہ ہر شخص خواہ وہ اپنا ہو یا پرایا ہو، مسلم ہو یا غیر مسلم ہو پبلک کا عامی آدمی ہو یا ریلوے کا کوئی ملازم سب کے سب جب حضرت کو دیکھ لیتے تھے تو دیر دیر تک دیکھتے ہی رہ جاتے تھے۔

حکیم صاحب موصوف کا معاملہ بھی ایسا ہی ہوا کہ یا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انکو کسی عالم اور بزرگ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور یا تعلق ہوا تو ایسا کہ حکیم صاحب بالکل بدل ہی گئے۔ سچ ہے اللہ والوں کی نظر فیض اثر میں ایسی ہی تاثیر ہوتی ہے اور انکی صحبت میں ایسا ہی اثر ہوتا ہے بقول حضرت خواجہ صاحبؒ سے

وصلے گر از دل او بستہ گردد اگر خارے بود گلدستہ گردد

دل اس کا اس دل کے ساتھ بندھ جائے اگر گھاس و کانٹا بھی ہو تو مثل گلدستہ ہو جائے گا

چنانچہ الحمد للہ حکیم صاحب بھی اس باب میں بہت ہی خوش نصیب ثابت ہوئے اور اللہ تعالی کا کچھ کرنا ایسا ہوا کہ حکیم صاحب کا یہ سفر حج سفر آخرت بھی ثابت ہوا دیار محبوب میں جاکر وہاں سے واپس نہ آسکے وہیں انتقال فرما گئے اور وہیں دفن

اللہ تعالیٰ نے خاتمہ ایسا حسین فرما دیا جس کی تمنا ہر مسلمان کے دل میں ہوا کرتی ہے۔

چو رسی بکوئے دلبر بسپار جان مضطر کہ مبادا بار دیگر نرسی بدیں تمنا

یعنی جب محبوب کی گلی میں تم پہونچ جاؤ تو اپنی اس بیقرار جان کو وہیں سپرد کر دو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ شاید اب دوبارہ تم کو ایسا زریں موقع نہ میسر آسکے۔ سنا گیا ہے کہ حکیم صاحب مرحوم اپنے اس سفر میں جانے سے پہلے یہ دعاء فرمایا کرتے تھے کہ "یا اللہ اب آپ نے اپنے در پر حاضری کی توفیق دی ہے تو ہند میں واپس نہ لانا اور اس ستھرے ماحول سے اس دنیوی ماحول میں ملوث نہ فرمانا"۔ اللہ تعالیٰ نے حکیم صاحب کی یہ دعاء سن لی چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جا کر پھر واپس نہ آسکے۔ حج سے فراغت کے بعد غالباً رمی جمار کے موقع پر گر پڑے چوٹ آگئی اور وہی بہانہ بن گئی دنیا سے روانگی کا۔ بحر۔ خدا یہ موت دے سب کو ہم اس مرنے پہ مرتے ہیں۔

حکیم عثمانی صاحب باوجود متعدد بار آنے جانے کے بھی حضرت اقدسؒ کے سامنے بالکل خاموش ہی رہتے تھے طبی ضروریات سے کوئی بات دریافت کرنی ہوئی تو کرلیا بس اسکے بعد کچھ نہیں جیسا کہ اس زمانہ کا دستور ہو گیا ہے کہ بزرگوں کے پاس لوگ جائیں گے تو مقصد یہ ہوگا کہ ان سے ذرا تبادلۂ خیالات کیا جائے گا۔ یہی بے ادبی لوگوں میں آگئی ہے جس کی وجہ سے بزرگوں کے فیض سے محروم رہتے ہیں ورنہ ؎

اسکے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

لیکن حکیم صاحب نے اپنی خاموشی میں پالا مارلیا۔ اپنے اس معمول کے خلاف البتہ ایک بار حکیم صاحب موصوف حضرت والاؒ سے بولے اور دو بدو گفتگو فرمائی وہ بھی سنیئے، ہوا یہ کہ حضرت کو رعاف کا دورہ پڑا۔ بڑا خون نکلا اور برابر نکلتا ہی رہا ایک دن میں متعدد بار دورہ پڑنے لگا جسکی وجہ سے متعلقین گھبرا گئے حتیٰ کہ خود حضرت والا بھی تردد میں پڑ گئے کہ خون اتنا اتنا نکل رہا ہے انجام کیا ہوگا۔ اسلئے نزدیک و دور ہر جگہ کے مخصوص اطباء جمع ہوگئے چنانچہ ایک موقع پر بمبئی سے حکیم اجمیری صاحب

لکھنؤ سے حکیم خواجہ شمس الدین صاحب۔ جون پور سے حکیم منظور احمد صاحب۔ دیوبند سے حکیم محمد عمر صاحب۔ علی گڑھ سے حکیم انعام اللہ صاحب اور ان کے علاوہ اور بہت سے حکماء جمع ہو گئے۔ سارے اطباء تشخیص مرض اور تجویز نسخہ میں ہمہ تن مصروف تھے باہم مشورہ بھی ہو رہا تھا اور حضرت والا کے حکم سے طب کی کتابیں بھی دیکھی جا رہی تھیں کیونکہ حضرت کا علاج عام طبیب کے بس کی بات نہ تھی۔ دریافت فرماتے تھے کہ ایسا کیوں ہوا؟ اسکو کسی طب کی کتاب سے مبرہن بیان کرو اور مجھے بھی وہ موقع دکھلاؤ۔

اب جن حضرات نے وہ منظر دیکھا ہے وہی جان سکتے ہیں کہ کیا منظر ہوتا تھا۔ حضرت کی علالت بھی بڑے بڑے اطباء کے لئے مستقل ایک طبی امتحان ثابت ہو جاتا تھا۔ اسباب و علل کی تقریر اور اس کے علاج کو مدلل طریقہ پر حضرت کو سمجھانا اور مطمئن کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ مجھے یاد ہے کہ کتب طب کا مطالعہ جاری تھا کہ اسی اثناء میں کسی مسلم طبیب کی یہ عبارت ملی کہ مرضِ رعاف کے سلسلے میں کبھی مریض کی ناک سے خون کا فوارہ نکلتا ہے اور اتنا زیادہ اور اس قدر نکلتا ہے جیسے کوئی بکرا ذبح کر دیا گیا چنانچہ اسکی وجہ سے مریض بھی گھبرا جاتا ہے اور لوگ بھی ہراساں ہو جاتے ہیں۔ لوگوں نے حضرتؒ کو عبارت دکھلائی تو مرض کی جانب سے اطمینان ہوا۔ اسکے بعد علاج کے لئے اطباء کیا کہتے ہیں تلاش کرو اسکا مطالبہ شروع ہوا۔

بہرحال رعاف سے الحمدللہ سکون ہوا تو ہچکی کے مرض نے اسکی جگہ لے لی۔ اب اطباء کے لئے تحقیق کا یہ موضوع بن گیا۔ الحمدللہ اسکی طرف سے بھی اطمینان ہوا تو باہر کے اطباء اجازت لیکر اپنے اپنے وطن تشریف لے گئے اور یہاں یہ طے ہوا کہ حضرت اقدس کو ضعف بہت ہے اور اندیشہ ہے کہ رعاف یا ہچکی کا مرض عود کر آئے اسلئے حضرت والا بغرض علاج کچھ دنوں کے لئے لکھنؤ تشریف لیجائیں اور وہاں شمس الاطباء جناب شمس الدین صاحب کے نگرانی

آپ کا علاج ہو۔ اطبار کی بھی رائے ہوئی اور گھر کے لوگ بھی اس پر تیار ہو گئے
اور حضرت والا سے رضامندی بھی حاصل کر لی گئی مگر اس تجویز کی اطلاع حکیم عثمانی
کو نہیں ہوئی حکیم صاحب کو اُس دن معلوم ہوا جس دن کہ حضرت والا کی لکھنؤ کو روانگی
تھی۔ چنانچہ اس دن صبح حکیم صاحب تشریف لائے حضرت سے ملے اور حضرت
کی شدید علالت اور قصد سفر پر رنج و افسوس ظاہر کرتے ہوئے حضرت والا سے
اتنا کہا کہ ــــ حضرت سنا ہے کہ لکھنؤ جانے کا قصد فرمالیا ہے مجھے پہلے سے اطلاع
ہوتی تو اصرار کر کے روکتا۔ اب تو آپ بالکل پا بہ رکاب ہیں کیا عرض کر سکتا ہوں ہاں
مگر یہ ضرور عرض کروں گا کہ آپ نے جب ارادہ ہی فرمالیا ہے تو جائیے خدا حافظ
لیکن حضرت لکھنؤ میں کوئی دوسرا خدا نہیں ہے اور اطبار میں احمد عثمانی سے زیادہ
لائق کوئی طبیب بھی نہیں ہے۔ طبیب کی خدمت درکار ہو تو خادم حاضر ہی ہے
اور جو خدا وہاں ہے وہی یہاں بھی ہے اسلئے ضرورت سفر فرمانے کی تو نہ تھی
آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ اسقدر توحید میں ڈوبا ہوا جملہ شیخ وقت نے جب
سنا ہوگا تو قلب پر کیا گذر گئی ہوگی؟ حضرت بالکل خاموش تھے اور حکیم صاحب کا
اتنا کہکر قطعی خاموش ہو گئے۔

باقی اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ کی آب و ہوا میں بھی کچھ خاصیت رکھی ہے اتنے
الٰہ آباد کا تجربہ کرنے کے بعد خیال گذرا ہوگا کہ شاید وہیں سے صحت مقدر ہو اس لئے
حضرت اقدس نے لکھنؤ کا سفر فرمایا اور الحمد للہ کہ صحت یاب ہو کر تشریف لائے۔

۳ ــــ اوپر کہیں ذکر حکیم اجمیری صاحب کا آیا ہے آپ بھی پہلی بار حضرت
سے ملنے الٰہ آباد ہی تشریف لائے تھے۔ خود فرماتے تھے کہ میں حضرت تھانوی کا
معتقد کیا بلکہ عاشق تو تھا ہی مگر حضرت کے خلفار میں سے حضرت شاہ وصی
صاحب سے واقف نہ تھا کمبئی میں میرے پاس بھائی ظہیر احمد صاحب کا تہ
اعظمی تشریف لایا کرتے تھے ایک دن انھوں نے چند کتابچے مجھے دیئے
ہمارے حضرت کے یہ رسالے ہیں انھیں ملاحظہ فرمائیے میں نے اتفاقاً ا

لے تو لے لئے لیکن دل میں یہی کہا کہ ایسے ایسے بہت سے رسالے دیکھ چکا ہوں اور اخلاق و تصوف پر اب ہمارے حضرت تھانوی کے بعد کیا کوئی لکھے گا۔ پھر ان کے جانے کے بعد سوتے وقت میں نے کہا کہ لاؤ دیکھوں تو سہی شاہ صاحب نے ان میں کیا لکھا ہے اور انکو دیکھنے لگا سب سے پہلے جو رسالہ اٹھایا تو اسمیں یہ مضمون ملا کہ انسان جب عاجز ہو کر کسی انسان ہی سے کچھ طلب کرنا چاہے تو کیوں نہ اللہ تعالیٰ ہی سے دعا کرے ایسا کرے تو دیکھے کہ اللہ تعالیٰ اسکی دعا قبول فرماتے ہیں یا نہیں۔ میں ان دنوں اپنی ایک پریشانی میں مبتلا تھا وہ یہ کہ جس مکان میں اب ہوں وہ مکان فروخت ہو رہا تھا اسکے خریدنے کیلئے پاس پیسہ نہیں تھا اس لئے سوچ رہا تھا کہ آخر کس طرح کامیابی ہو اور کس سے مانگوں اور کس سے نہ مانگوں۔ اس حیرانی و پریشانی کے وقت شاہ صاحب کے ان الفاظ نے کیا کام کیا اسکو میں ہی جانتا ہوں میں نے ارادہ کر لیا کہ بس اب کسی مخلوق سے عرض مدعا نہیں کروں گا اور جو کچھ مجھے کہنا ہے اپنے اللہ تعالیٰ ہی سے کہوں گا۔ چنانچہ دعاء کرنی شروع کر دی پس جانیئے کہ بس چند ہی یوم میں اللہ تعالیٰ نے روپیہ کا بندوبست فرما دیا اور مجھے کسی سے ایک لفظ نہیں کہنا پڑا اس سے مجھے حضرت شاہ صاحب کی قدر ہوئی اور میں نے سمجھا کہ ہاں یہ واقعی بزرگ شخص ہیں اور انھوں نے حضرت تھانوی سے کچھ سیکھا ہے اس طرح سے حضرت سے تعلق غائبانہ ہوا اور پھر میں نے حضرت کو خط لکھا۔

اسی طرح سے ایک دفعہ یہ ہوا کہ یہی بھائی ظہیر احمد صاحب میرے پاس آئے اور کہا کہ ہم چند لوگ کل الہ آباد جا رہے ہیں کہیئے تو آپ کے لئے بھی ٹکٹ لے لوں۔ میں نے کہا کہ جی تو میرا بھی حضرت سے ملنے کو چاہتا ہے مگر اتنی جلد کیسے تیاری ہو سکتی ہے؟ انھوں نے کہا ٹکٹ لئے لیتا ہوں نہ تیار ہو سکئے گا تو واپس ہو جائے گا۔ چنانچہ میں نے تیاری کرلی اور الہ آباد حاضر ہو گیا۔ حضرت مجھ سے واقف تھے اسلئے الگ کمرہ میں ٹھیرنے کا بندوبست فرما دیا اور اپنے ایک داماد کو میرے اوپر

مستقلاً مقرر فرما دیا کہ دیکھو حکیم صاحب کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ اوقاتِ مجلس میں یا جب حضرت طلب فرماتے حضرت کے پاس حاضر ہو جاتا اور بقیہ اوقات اسی کمرہ میں رہتا جس میں ہر قسم کی راحت کا سامان حضرت نے مہیا فرما دیا تھا۔

پھر اسکے بعد تو حضرت سے خاصا تعلق ہوگیا جس کے سبب الہ آباد کئی بار حاضری ہوئی اور آخر میں تو حضرت بمبئی بھی تشریف لے گئے۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ حکیم صاحب ایسے مستغنی واقع ہوئے تھے کہ انکا کسی کی جانب رجوع ہونا مشکل معلوم ہوتا تھا اور یا جب سے تعلق ہوا تو اپنے کو اس طرح پیش کر دیا کہ تمام اہل بمبئی انگشت بدنداں تھے کہ یہ حکیم صاحب اسقدر کیسے بدل گئے حضرت والا بھی اپنے زمانہ قیام بمبئی میں تقریباً ہر دوسرے تیسرے دن ان سے ملنے ان کے مکان تشریف لے جاتے ایک مرتبہ حضرت والا کو اچانک کچھ تکلیف ہوگئی وہ یہ کہ جب ذرا نیند آتی تو بڑے زور سے چونک جاتے تھے حکیم صاحب کو طلب فرمایا حکیم صاحب تشریف لائے دوائیں استعمال کرائیں اور امتحان کی غرض سے رات بھر جاگتے رہے کہ دورہ پھر تو نہیں پڑتا حالانکہ اپنا گھر چھوڑ کر کسی کے یہاں شب کو رہنے کی اس سے قبل کوئی مثال نہیں تھی، دوسرے دن بھی غالباً قیام فرمایا جب اطمینان ہوگیا کہ دورہ نہیں پڑیگا تب مکان تشریف لے گئے۔

حکیم صاحب سے اور جناب قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند سے کچھ قریبی رشتہ بھی تھا اسلئے جناب قاری صاحب اکثر حکیم صاحب موصوف کے یہاں تشریف لاتے تھے چنانچہ ایک بار جب دیوبند کے مدرسہ کے حالات کچھ دگرگوں ہوئے تو بیمار ہو کر حضرت مہتمم صاحب بمبئی تشریف لائے تو حضرت والا کو جناب مہتمم صاحب کی علالت کی سخت فکر ہوگئی فرمایا کہ آپ یہیں بمبئی میں رہیے میں آپکا علاج کراؤں گا اور حکیم صاحب موصوف اور ڈاکٹر محمد اسحاق صاحب کو متعین فرما کہ آپ دونوں حضرات کی نگرانی اور مشورہ سے قاری صاحب کا علاج ہوگا۔

۴۳۔ امام اوزاعیؒ منصور عباسی کے دربار میں

اس سلسلہ میں آج جو چند مضامین پیش کئے جاتے ہیں میرے استاد محترم اور بہنوئی حضرت مولانا نبیہ حسن صاحب مرحوم سابق صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کی یادگار ہے آپ ہی کے قلم سے لکھے ہوئے کاغذات میں نکل آیا جس کے اوراق پریشاں دیکھکر مولانا مرحوم کا تصور آنکھوں میں کھینچ گیا ے

دل میں اک درد اٹھا آنکھ میں آنسو بھر آئے بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانیئے کیا یاد آیا

مناسب معلوم ہوا کہ ان مضامین عالیہ کو کشکول کا جزو بنا دیا جائے۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ اسلام کے ان لائق فرزندوں میں سے ہیں جنکے وجود پر اگر اسلام کو ناز ہو تو بجا ہے۔ آپ کے گراں قدر کارنامے صفحۂ تاریخ پر آج تک ایک نمایاں روشنی رکھتے ہیں۔ آپکا اسم گرامی عبدالرحمٰن ہے اور کنیت ابوعمر یہ علم و ہدایت کا آفتاب ۸۸ھ میں بعلبک کے افق پر طلوع ہوا تھا ابھی تک یہ نونہال آغوش مادر سے بھی مستغنی نہیں ہوا تھا کہ حوادث زمانہ نے اسکو یتیمی کا داغ دیا۔

والد کے سایۂ عطوفت کا بچپن میں سر سے اٹھ جانا بچوں کی تعلیمی زندگی کے لئے جس قدر مہلک ہے وہ ظاہر ہے مگر خداوند عالم کے الطاف خفیہ اور نعمائے غیر متناہیہ کسیکی ریاست اور حشم و خدم یا قبیلہ اور اعزا و اقربا کی شوکت دیکھکر نازل نہیں ہوتیں بلکہ اسکی شان تو یہ ہے انا عند المنکسرۃ قلوبھم میں شکستہ دلوں کے پاس ہوں۔ بہرحال آپکی تعلیم و تربیت اگرچہ والدہ کی آغوش میں ہوئی لیکن خداوند عالم کے فضل سے ابھی تک ایام شباب کو بھی نہیں پہنچے تھے کہ تمام علوم و فنون میں وہ مہارت حاصل کر لی جو محتاج بیان نہیں یہاں تک کہ قوت اجتہاد اور علم و عمل و ذکاوت طبع، تقویٰ و طہارت میں اپنے زمانہ کے ممتاز لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے۔

اسمٰعیل بن عیاش فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ عبدالرحمٰن اوزاعی علماء امت کے بہترین افراد میں سے ہیں۔

آپ پر علم کا وہ گہرا رنگ چڑھا تھا کہ اسکے آثار جوارح پر ظاہر ہوتے تھے۔ خشوع و خضوع آپ کے چہرہ سے مترشح ہوتا تھا۔ آپ کی ذات مبارک انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (اللہ کے بندوں میں علما ہی اس سے ڈرتے ہیں) کا مظہر اتم تھی۔

ابو مسہر کہتے ہیں کہ امام صاحبؒ رات بھر نماز و تلاوت قرآن اور آہ و زاری میں گذارتے تھے عمر بھر کسی نے آپ کو قہقہہ کے ساتھ ہنستے نہیں دیکھا بلکہ بلا ضرورت کلام بھی نہ کرتے تھے یوں تو آپ جملہ کمالات علمی و عملی میں ممتاز شان رکھتے تھے لیکن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر آپ کا خاص امتیازی وصف تھا۔ ہر شخص کو بالتخصیص امیر و غریب اور بلا خوف لومۃ لائم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے تھے۔ آپکی شان یہ تھی ؎

شاہ و گدا بہمت درد زاں یکے است پوشیدہ است پست و بلند زمیں در آب

(شاہ و گدا . . . . میں برابر ہیں جس طرح دیکھو بلند اور پست زمین جو پانی کے اندر ہو اور یکساں معلوم ہوتی ہے)

بہت مرتبہ آپ امر حق ظاہر کرنے کی بنا پر دشمنوں کے نرغے میں پھنس گئے مگر وہ ایک کوہ وقار تھے کہ مصائب کی سخت آندھیاں آپ کو اپنی جگہ سے ایک انچ نہ ہلا سکیں۔ ایک مرتبہ کا واقعہ خود امام ہمام بیان فرماتے ہیں کہ حاکم وقت نے مجھ سے بلا کر پوچھا کہ فلاں مسئلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ حق کہنے میں جان کا خوف تھا دل میں توحش پیدا ہوا لیکن معاً یہ خیال آیا کہ دنیا کی تکلیف عذاب آخرت کے مقابلہ میں کچھ حقیقت نہیں رکھتی بلا سے جان جائے مگر حق کہنے سے نہ رکنا چاہیئے چنانچہ صاف صاف جو حق تھا بیان کر دیا جس کو سن کر حاکم چراغ پا ہو گیا مگر الحمد للہ اسکا مجھ پر کچھ اثر نہ ہوا۔

اسوقت ہمیں امام اوزاعی کی سوانح نہیں لکھنا ہے بلکہ انکی عالی ہمتی اور اولوالعزمی کے کارناموں کا صرف ایک ورق ناظرین کے سامنے کھولا جاتا ہے اور انکا ایک واقعہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے جو انکو خلیفۃ المسلمین ابو جعفر منصور کے ساتھ پیش آیا جس میں آپ دیکھیں گے کہ خدا سے ڈرنے والا ایک بندہ ایک باجبروت بادشاہ کے سامنے کیسا جری ہو کر بے دھڑک تقریر کر رہا ہے۔

ایک روز امام ہمام (اوزاعی) خلیفۂ وقت ابو جعفر منصور کے دربار میں تشریف

ے گئے مگر نہ اسلئے کہ مداہنت کر کے اسکے مال وجاہ سے نفع اٹھائیں بلکہ اسلئے کہ اسکو
خدا عالم کے صحیح صحیح احکام بالمشافہ پہونچا دیں چنانچہ آپ نے ایک دلآویز تقریر شروع
کی جس کے دوران میں فرمایا کہ ۔ اے امیرالمومنین ہمیں یہ خبر پہونچی ہے کہ فاروق اعظم
باوجود اس عدل وانصاف کے جو آفتاب کی طرح روشن ہے اور جسکی روشنی کا اعتراف
سرچشم مخالفین اور کفار کو بھی کرنا پڑتا ہے فرمایا کرتے تھے کہ اگر فرات کے کنارے پر
بکری کا بچہ ضائع ہوکر مرتا ہے تو میں ڈرتا ہوں کہ کہیں قیامت کے روز مجھ سے اس کی
باز پرس نہ ہو۔ اے ابو جعفر! اب اپنی حالت پر تم خود غور کرو کہ تمھاری سلطنت میں
اولاد آدم انصاف سے محروم ہیں اور ظلم سے مرتے ہیں آخر تمھارا انجام کیا ہوگا؟ اے
امیرالمومنین! ہم سے یزید بن جابر نے بیان کیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عمرو انصاری نے
حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے کہ آپ نے انصار میں سے ایک صحابی کو صدقہ زکوٰۃ وغیرہ
وصول کرنے پر مقرر کیا یہ صاحب آپ کے پاس سے رخصت ہوگئے آپ کو خیال تھا کہ
اپنے کام پر چلے گئے ہوں گے لیکن کچھ دنوں کے بعد دیکھتے ہیں کہ وہ ابتک مدینہ میں مقیم ہیں
کار مفوضہ پر نہیں گئے آپ نے اسکا سبب پوچھا اور فرمایا کہ آپ نے خدمت مفوضہ میں
دیر کیوں کی؟ کیا آپکو خبر نہیں کہ ایسے لوگوں کا ثواب مجاہدین فی سبیل اللہ کے برابر ہے
انصاری ؓ نے کہا ہرگز نہیں آپ نے متعجب ہوکر وجہ دریافت کی۔ اُن بزرگ نے یہ جواب دیا
مجھکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث پہونچی ہے کہ تمام حکام جن کے قبضہ
میں آج لوگوں کے کاموں کی باگ ہے وہ قیامت کے روز ایسی حالت میں اٹھائے
جائیں گے کہ اسکے ہاتھ انکی گردنوں سے بندھے ہونگے۔ اس مصیبت سے سوائے
عدل وانصاف کے کوئی چیز چھڑا نہ سکے گی اسکے بعد انکو آگ کے پل پر کھڑا کیا جائیگا
جسکی لپٹ اور اڑنے والی چنگاریوں سے ایک ایک عضو پگھل جائے گا پھر خدا کے
فضل سے ایک ایک اعضاء جوڑے جائیں گے اور سلسلۂ حساب وکتاب شروع ہوگا
عدل وانصاف اچھی طرح کرنے کی صورت میں نجات ملے گی ورنہ ستر برس جہنم کی دہکتی
آگ میں رہنا پڑے گا۔ حضرت عمرؓ یہ سنکر سہم گئے اور دریافت کیا کہ تم نے یہ حدیث

کس سے سنی ہے؟ انصاری رضؓ نے کہا ابوذر اور سلمان فارسی سے (رضی اللہ عنہما) فاروق اعظمؓ اس حدیث کے مضمون سے بہت متاثر تھے فوراً ایک آدمی بھیجکر دونوں حضرات کو بلایا جب یہ حضرات تشریف لائے تو حدیث مذکور کے متعلق استفسار کیا دونوں صاحبوں نے کہا بیشک یہ حدیث ہم نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ فاروق اعظمؓ یہ سنکر کانپ اٹھے اور بیاختہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اپنے آپکو مخاطب کر کے کہنے لگے ہائے عمر ان تکالیف اور مصائب کے ہوتے ہوئے کون ناعاقبت اندیش بار حکومت کو اپنے سر پر لے گا؟ حضرت ابوذر غفاریؓ نے فرمایا کہ وہ شخص جسکو اللہ تعالیٰ نے ذلیل کیا ہو۔[؎] فاروق اعظم زار زار رونے لگے اور یہاں تک روئے کہ ان کے رونے پر مجھے رونا آیا۔

اے امیر المومنین! خلیفہ ثانی کے حالات دیکھو اور پھر اپنی عالت کا اندازہ کرو کہ تم نے انکی جانشینی کا کہاں تک حق ادا کیا؟

اے امیر المومنین فاروق اعظم رضؓ نے آئین جہانداری کے جو مستحکم اصول بیان فرمائے ہیں ہر اس شخص کو اپنے صفحۂ قلب پر لکھ رکھنا چاہیئے جسکو خداوند عالم نے اپنی مخلوق کا محافظ (بادشاہ) بنایا ہو۔

اے امیر المومنین! فاروق اعظم فرمایا کرتے تھے کہ نظام حکومت کے رشتہ کو وہی قائم رکھ سکتا ہے جو عقل کامل اور تفقہ فی الدین رکھتا ہو اور اس سے کوئی عیب ظاہر نہ ہو اور نہ امر حق میں لومۃ لائم کی پرواہ کرتا ہو۔

اے امیر المومنین! آپ فرمایا کرتے تھے کہ حکام چار قسم کے ہوتے ہیں (جنمیں سے) ایک وہ قوی ہمت ہے جو خود بھی جور وستم سے بچا رہا اور اپنے عملہ کے لوگوں کو بھی اس نے تشدد اور جبر آمیز حرکات سے باز رکھا ایسے حاکم عادل کا ثواب جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہے۔

؎۔ کیونکہ اکثر جب حکومت کی باگ انسان کے ہاتھ میں آجاتی ہے تو وہ مغرور ہو کر مظالم کی پرواہ نہیں کرتا نیز سلطنت اور خلافت کی کٹھن ذمہ داریوں کو بھی ہر شخص پورا نہیں کر سکتا، مگر اگر سلطان عادل ہو تو پھر اسکے لئے بڑے بڑے فضائل حدیث میں موجود ہیں چنانچہ فاروق اعظم اگلے امام المتقین ہی تھے ابوذرؓ نے فقط زجر کیلئے فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔

۷۴۔ خلیفہ مامون الرشید اور ایک کمسن قاضی کی خط و کتابت

خلیفہ مامون الرشید نے قاضی یحیی بن اکثم کو جب بصرہ کا قاضی بنا کر بھیجا تو انکی بہت کم تھی بعض لوگوں نے اس پر خلیفہ مامون الرشید کی خدمت میں طعن آمیز خط لکھا مون نے قاضی یحیی بن اکثم کو خط لکھکر دریافت کیا کہ آپکی عمر کیا ہے؟ قاضی یحیی بن اکثم نے جواب میں لکھا کہ :۔

میں اسوقت اس عمر میں ہوں جس میں حضرت عتاب ابن اسید رضی اللہ عنہ اُسوقت تھے جب انکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے والی بنایا تھا (عمدۃ الاحکام)

۷۵۔ اختلافِ صحابہؓ رحمت ہے

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ فرماتے ہیں کہ مجھے ہرگز یہ پسند نہیں کہ صحابہ کرام میں مسائل فرعیہ اختلاف نہ ہوتا کیونکہ اگر ایک ہی قول ہوتا تو لوگ تنگی میں پڑجاتے۔ یہ حضرات مقتدا و پیشوا ہیں جو شخص ان میں سے کسی کے مذہب پر عامل ہو اسکے لئے گنجائش ہے۔ (جامع العلم)

۷۶۔ قتال کفار میں مسلمانوں کی شدت احتیاط

تعلیماتِ اسلام اور تعاملِ صحابہؓ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ایک اسلامی لشکر کا عامل بنا کر بھیجا اور انکو وصیت فرمائی کہ :۔

کفار سے اسوقت تک مقاتلہ نہ کرو جبتک پہلے انکو دعوت اسلام نہ پہنچا دو (اگر اسلام کی حقانیت انکی سمجھ میں آجاوے اور قبول کرلیں فبہا) اور اگر اسلام سے انکار کریں تب بھی جنگ کی ابتداء تم خود نکرو پھر اگر وہ جنگ شروع بھی کردیں تو تم اسوقت بھی مقاتلہ شروع نکرو جب تک کہ وہ تم میں

سے کسی مسلمان کو شہید نہ کر دیں ۔ اور اگر کسی کو شہید بھی کر دیں اس وقت بھی قتال شروع نہ کرو بلکہ پہلے انکو اپنے شہید کی لاش دکھلاؤ اور ان سے کہو ھل الی خیر من ھذہ السبیل، فلان یھد اللہ تعالیٰ علیٰ ید یك خیر لك مما طلعت علیہ الشمس و غربت (یعنی کیا کوئی صورت تم ایسی بھی کر سکتے ہو جو قتل و قتال سے بہتر ہو) ۔۔۔ (کیونکہ تمھارے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ انکو ہدایت فرمادے تو یہ تمھارے لئے تمام دنیا و مافیہا سے بہتر ہے) ۔ (مبسوط شمس الائمہ سرخسیؒ ج ۱۰ ص ۳۱)

شمس الائمہ سرخسیؒ نے یہ حدیث مبسوط میں نقل کرنے کے بعد دوسری روایات ایسی بھی نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت و انذار میں اتنا مبالغہ ضروری نہیں دفعۃً مقاتلہ بھی جائز ہے لیکن محمل انکا یہی ہے کہ اگر امیر اور امام کو انکی ہدایت کی طرف سے مایوسی پہلے سے ہو چکی ہو تو پھر دفعتاً بھی قتال کر سکتا ہے ورنہ ترتیب وہی ہے جو حدیث معاذؓ میں ذکر کی گئی ہے۔

۷۷ ۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کوفہ میں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو فقہاء صحابہ میں مشہور و معروف ہیں آپ نے جب کوفہ میں قیام فرمایا تو علماء و طلباء کا وہ عظیم الشان ہجوم ہوا کہ خاص کوفہ میں آپ کے چار ہزار شاگرد تھے ۔ جب حضرت علیؓ کوفہ تشریف لائے اور حضرت ابن مسعود بغرض استقبال تشریف لائے تو آپ کے تلامذہ اور اصحاب بھی ساتھ تھے جن کے مجمع عظیم نے تمام افق کو بھر دیا تھا ۔ حضرت علی نے یہ دیکھکر فرمایا قد ملاءت ھذہ القریۃ علما و فقھا (مبسوط) آپ نے تو اس شہر کو علم و فقہ سے بھر دیا ہے۔

۷۸ ۔ حضرت سفیان ثوری عسقلان میں

ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ عسقلان تشریف لے گئے تین روز

تک کوئی شخص کوئی مسئلہ یا دین کی بات پوچھنے کیلئے نہ آیا تو اپنے رفیق سے فرمایا کہ بھائی میرے لئے سواری کرایہ پر لا دو کہ میں اس شہر سے نکل جاؤں کیونکہ یہ ایسا شہر ہے کہ اس میں علم مر جائے گا۔ (جامع العلم لابن البرؒ)

۷۹۔ صلاح وفساد کے ذمہ دار علماء و امراء

حضرت عبداللہ بن عباسؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کی دو جماعتیں ایسی ہیں کہ جب وہ درست ہوں گی تو سب آدمی درست ہو جائیں گے جب وہ فاسد ہونگی تو سب فاسد ہو جائیں گے۔ ایک جماعت امراء وملوک کی اور دوسری علماء کی ہے۔

اور حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ علماء کی مثال ایسی ہے جیسے نمک کہ جب کوئی چیز خراب ہونے لگے تو نمک اسکی اصلاح کر دیتا ہے لیکن اگر نمک خود ہی خراب ہو جاوے (مثلاً زیادہ ہو جاوے) تو اسکی اصلاح کسی چیز سے نہیں ہوتی۔

۸۰۔ حضرت زر بن حبیشؒ تابعی کا خط امیر المومنین عبدالملک بن مروان کے نام

حضرت ممدوح طبقہ تابعین کے ممتاز ائمہ حدیث میں سے ہیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ علی مرتضیٰ، عبداللہ ابن مسعود، عبدالرحمٰن بن عوف۔ ابی بن کعب، حذیفہ وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی صحبت پائی ہے اور انھیں سے روایت کرتے ہیں ایک سو بائیس سال کی عمر ہوئی آپ نے خلیفہ وقت امیر المومنین عبدالملک بن مروان کے نام وعظ ونصیحت کا ایک خط لکھا جس کے آخری جملے یہ تھے:۔

اے امیر المومنین تم اپنی جسمانی تندرستی سے اس دھوکے میں مبتلا نہ ہو جاؤ کہ تمھاری عمر ابھی بہت باقی ہے۔ پہلے لوگوں نے اس کے

بارہ میں ارشاد فرمایا ہے اسکو یاد کرو

اذا الرجال ولدت اولادھا ۔ و بلیت من کبر اجسادھا

وجعلت اسقامھا تعتادھا ۔ تلک زروع قد دنا حصادھا

(جب انسان کی اولاد کی اولاد ہو جاوے اور بڑھاپے کی وجہ سے اس کا بدن پرانا ہو جائے اور بیماریاں اس پر بار بار آنے لگیں تو سمجھ لو یہ ایک کھیتی ہے جس کے کٹنے کا وقت قریب آگیا ہے)

عبدالملک بن مروان نے خط پڑھا تو زار زار رونے لگا اور کہا کہ زر بن حبیش نے بالکل صحیح فرمایا (صفوۃ الصفوۃ لابن الجوزی ج۳ ص۱۶)

۱۸۔ سماع وغنا کے متعلق امام مجتہد شیخ تقی الدین سبکی کا معتدل فیصلہ

امام موصوف سے بعض لوگوں نے سوال کیا کہ مجلس سماع میں حاضر ہونا اور رقص و وجد کرنا کیسا ہے آپ نے ایک نظم میں جواب دیا ؎

واعلم بان الرقص والدف الذی ۔ سألت عنه وقلت فی اصوات

سمجھ لو کہ رقص اور دف اور گانا وغیرہ جن کے متعلق تم نے سوال کیا

فیه خلاف للائمة قبلنا ۔ شرح الهدایة قیادة السادات

اس کے جواز میں ہم سے پہلے ایسے بزرگوں کا اختلاف ہے جو ہدایت کی مجسم شرح اور سردار ہیں

لکنه لم یات قط شریعة ۔ طلبته او جعلته فی القربات

لیکن آج تک کوئی شریعت الٰہی دنیا میں ایسی نہیں آئی جس نے اسکو مطلوب تقرب الٰہی کا ذریعہ قرار دیا

والقائلون بحله قالوا به ۔ کسواه من احوالنا العادات

جو لوگ ان کے حلال ہونیکے قائل ہیں وہ بھی اسی درجہ میں جیسے دوسری عادات مباحہ کو حلال کہا جاتا ہے (نہ کہ عبادت سمجھ کر)

فمن اصطفاه لدینه متعبدا ۔ لحضوره فاعدده فی الحسرات

پس جس شخص نے اس کام کو اپنے دین کے لئے بطور عبادت اور تقرب الی اللہ کے اختیار کیا تو سمجھ لو یہ بڑی حسرت کی چیز ہے

والعارف المشتاق ان هو هزه ۔ وجد فقام یهیم فی السکرات

اور عارف و عاشق کو اگر وجد حرکت میں لائے اور وہ اسی سکر کی حالت میں کھڑا ہو کر وجد کرنے لگے

لا لوم یلحقه ویحمد حاله ۔ یا طیب ما یلقی من اللذات

اس پر کوئی ملامت نہیں بلکہ اسکا حال محمود ہے کس قدر عجیب لذتیں ہیں جنکو وہ حاصل کر رہا ہے

آٹھویں میں لکھا ہوگا رافقتم النبیین والصدیقین ہم نے تمہارے رفقاء یہاں جنت میں انبیاء اور صدیقین کو بنا دیا ہے۔ نویں میں لکھا ہوگا انتم شبابا لا تھرمون تم جوان ہو اب کبھی بوڑھے نہ ہوگے۔ دسویں میں لکھا ہوگا کہ اسکنتکم فی جوار من لایوذی من الجیران۔ میں نے تمھیں ایسے لوگوں کے پڑوس ٹھرایا ہے جنکو پڑوس کی طرف سے ایذا نہیں دی جاتی۔

حضرت ابواللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہے کہ وہ حشر میں مذکورہ بالا کرامتوں سے نوازا جائے تو اسکو چاہیئے کہ دنیا میں ان پانچ اشیاء کو لازم پکڑے۔

ایک یہ کہ اپنے نفس کو جملہ معاصی سے بچائے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَنَہَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی یعنی اور اس نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا تو بلا شبہ جنت اسکا ٹھکانا ہوگا۔

دوسری شئے یہ کہ قلیل دنیا پر قناعت کرے اسلئے کہ حدیث شریف میں ہے کہ جنت کی قیمت ترک دنیا ہے۔

تیسرے یہ کہ وہ طاعات پر حریص ہو یعنی جو طاعت سامنے آئے اس پر عمل کرے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہی طاعت اسکے لئے سبب مغفرت اور باعث دخول جنت ہو جائے (ع شاید کہ نگاہے کند آگاہ نہ باشی) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس جنت کے تم وارث ہوئے ہو اپنے عمل کے سبب۔ ایک جگہ فرمایا ہے جَزَآءً بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ یعنی انکو جنت ملے گی ان کے عمل کا بدلہ ہو کر اور کوئی شخص جو چیز حاصل کرے گا وہ عمل ہی بدولت حاصل کر سکیگا۔

چوتھے یہ کہ صالحین اور اہل خیر سے دوستی اور محبت رکھے اور ان کے پاس اٹھا بیٹھا کرے اسلئے کہ ان میں سے جسکی بھی مغفرت ہو جائیگی اور انشاءاللہ ضرور ہوگی تو وہ اپنے دنیوی دوست کو یاد رکھے گا اور اسکی بھی سفارش کر دے گا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دنیا میں دینی دوست بکثرت

بنایا کرو اسلئے کہ ہر بھائی اپنے دوسرے بھائی اور ہر دوست اپنے دوست کے لئے قیامت میں سفارش کرے گا۔

پانچویں یہ کہ کثرت سے دعار مانگا کرے اور اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کیا کرے اسی طرح سے خاتمہ بالخیر کی بھی دعار مانگا کرے

بعض حکمار نے خوب بات بیان فرمائی۔ فرمایا کہ آخرت کے ثواب کو جانتے ہوئے بھی دنیا کی جانب مائل ہونا پوری جہالت ہے اور اعمال کا ثواب جانتے ہوئے اسکے لئے کوشش نہ کرنا کاہلی اور عہدی پن ہے۔ نیز جنت میں بھی راحت ہوگی لیکن وہ اسے ملیگی جس نے دنیا میں راحت نہ طلب کی ہوگی۔ اسی طرح سے وہاں امیری اور ریاست بھی ہوگی مگر وہ اسے ملیگی جس نے دنیا میں فضولیات کو ترک کیا ہوگا اور تھوڑی چیز پر قناعت کی ہوگی

بعض زہاد کا یہ حال تھا کہ وہ ترکاری یا گھاس پات ہی کو نمک سے کھا کر دنیا میں گذر بسر کر لیتے تھے روٹی بھی نہیں کھاتے تھے۔ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ حضرت اس قدر قلیل معیشت پر آپ کیوں اکتفا فرماتے ہیں انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنی دنیا کو آخرت کیلئے اٹھا رکھا ہے اور تم لوگ اپنی دنیا کو پاخانہ میں ڈال آتے ہو۔ مطلب یہ کہ مرغن مال کھاتے ہو اور اس سے نہایت ہی متعفن پاخانہ بنتا ہے اور میں تو صرف اس لئے کھاتا ہوں تاکہ طاعت کیلئے طاقت حاصل کروں جسکی وجہ سے اللہ تعالیٰ شاید مجھے جنت نصیب فرمادے۔

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کا واقعہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے ارادہ فرمایا کہ حمام میں جاکر غسل وغیرہ فرمائیں تو آپکو اسکے مالک نے دروازہ ہی پر روکدیا اور کہا کہ حضرت پہلے اجرت ادا کیجئے پھر اندر جائیے اس پر حضرت ابراہیم بن ادہم روئے اور فرمایا کہ اللہ اکبر آج یہاں بیت الشیطان میں مجھے بدون اجرت کے داخل ہونے سے منع کیا جارہا ہے تو کل کو بیت الرحمٰن میں اور انبیاء اور صدیقین کے گھر میں مفت سفت داخلہ کی بھلا کیونکر اجازت ہوسکے گی۔

بعض کتب سماویہ میں آیا ہے کہ آیا ہے کہ اے ابن آدم با تو دوزخ کو تو بڑی بڑی قیمت دیکر خرید رہا ہے اور جنت کو معمولی داموں میں نہیں خریدتا۔ اسکی وضاحت یوں کی گئی ہے کہ اگر کوئی فاسق شخص ارادہ کرے کہ فاسقوں کے ایک مجمع کی دعوت کرے (جس میں خوب رنگ رلیاں ہوں، گانا بجانا ہو) تو ہو سکتا ہے کہ کھانے میں اسکے سیکڑوں روپئے خرچ ہو جائیں اور اسکے لئے یہ بہت معمولی بات ہے حالانکہ وہ اسکی وجہ سے دوزخ کی آگ خرید رہا ہے اور اتنی کثیر رقم اسکے لئے خرچ کر رہا ہے اور اگر اس سے کہا جائے کہ غرباء اور مساکین یا طلباء دین پر دو چار روپیہ صرف کردے تو یہ اس پر شاق ہوگا حالانکہ معمولی داموں میں جنت مل سکتی ہے (آج ہمارا عام طور پر یہی حال ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ہماری فہم درست فرمائے)

حضرت ابو حازمؒ فرماتے ہیں کہ اگر دخول جنت کے لئے یہ شرط لگادی جاتی کہ انسان اپنی جملہ مالوفات یعنی خواہشات کو ترک کرکے ہی اسکو پا سکتا ہے تو بھی یہ سودا سستا ہی تھا۔ اسی طرح سے جہنم سے بچنا اگر ہر قسم کی تکالیف دنیویہ کے برداشت کرنے کے بعد ہی ممکن ہوتا تب بھی یہ کچھ گراں نہ تھا۔ چہ جائیکہ یہ حال کہ اپنی دنیوی مرغوبات کا شاید ہزارواں حصہ کسی کو چھوڑنا پڑتا ہو جنت کے حاصل کرنے کے لئے اور دوزخ سے بچنے کے لئے مصائب و مشقت دنیویہ کے ہزار حصہ میں سے شاید ایک ہی حصہ برداشت کرنا پڑتا ہو (اسوقت بھی انسان جنت سے غافل رہے اور دوزخ سے نہ بچ سکے تو اس کے حال پر افسوس ہی ہے)۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی کہتے ہیں کہ ترک دنیا بلاشبہ ایک سخت مرحلہ ہے لیکن ترک جنت اس سے بڑھکر سخت چیز ہے اور جنت کا مہر یعنی اسکی قیمت ترک دنیا ہی ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال تین بار کرلیا تو جنت خود اسکے لئے اللہ تعالیٰ سے کہتی ہے کہ اسے اللہ! اسکو جنت میں داخل فرما دیجئے۔ اسی طرح جو شخص تین بار اللہ تعالیٰ سے جہنم سے پناہ طلب کرتا ہے تو خود جہنم کہتی ہے کہ اسے اللہ اسکو نار سے بچا لیجئے۔ چنانچہ ہم بھی اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ اللہ ہمیں دوزخ سے محفوظ رکھے اور جنت میں ہم کو داخل فرمائے آمین۔ اور اگر جنت میں کچھ اور نہ ہوتا سوا احباب کی ملاقات کے اور ان سب کے ایک ساتھ مل جل کر رہنے کے تو بھی وہ ایک عمدہ اور خوشگوار شئے تھی چہ جائیکہ وہاں اسکے علاوہ اور نہ معلوم کیسی کیسی نعمتیں ہیں اور خدائی اکرام اور نوازشیں ہیں

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایسے ایسے بازار ہوں گے کہ جن میں خرید و فروخت نہیں ہوگی بلکہ لوگ ان میں جائیں گے اور اپنے اپنے احباب کے ساتھ حلقوں میں تقسیم ہوکر بیٹھ جائیں گے اور باہم دنیا کا تذکرہ کریں گے کہ ہم اس اس طرح رہتے تھے اسطرح عبادت کرتے تھے دنیا میں غرباء اور مساکین کا کیا حال تھا امراء و روساء کا کیا رہن سہن تھا پھر کس کس طرح سے موت کا سانحہ پیش آیا اور اسکے بعد کتنی مشکلات طے کرکے اور کن کن دشواریوں سے گذر کر ہم جنت تک پہونچے۔ (غرض اپنی اپنی سرگذشت لوگ ایک دوسرے کو وہاں سنائیں گے اور مقصد اس سے اپنی موجودہ حالت پر اللہ کا شکر ادا کرنا ہوگا چنانچہ وہ کہیں گے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنَّا الْحَزَنَ (تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس نے ہم سے رنج و غم کو دور فرما دیا)۔

حضرت فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے کسی ثقہ شخص نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ لوگ پل صراط پر جہنم کے کنارہ پر کھڑے ہوں گے پھر اپنے اپنے اعمال کے بقدر اس سے گذریں گے چنانچہ بعض ان میں سے مانند بجلی کے

گذر جائیں گے اور بعضے ہوا کی مانند سر سے نکل جائیں گے بعضے پرندے کی مانند پھر سے اُڑ جائیں گے۔ اسی طرح کوئی مانند تیز رفتار گھوڑے کے زن سے نکل جائے گا اور کوئی ایک تیز رفتار اونٹ کی طرح تیزی سے بڑھ جائیگا اور کوئی ان میں سے تیز دوڑنے والے انسان کی رفتار سے گذر جائے گا یہاں تک کہ ان میں کا آخری شخص وہ ہوگا کہ پل صراط پر ذرا ہی چلا ہوگا کہ پل صراط اسے آگے بڑھنے سے روک دیگا (اسلئے کہ پل صراط ایک بہت ہی دشوار گذار شئے ہے اور نہایت ہی مزلۃ الاقدام ہے تلوار کی دھار سے زیادہ تیز اور باریک ہے اس پر سر جانب ببول کے سے کانٹے لگے ہوئے ہیں اسکے دونوں جانب فرشتے آگ کے آنکڑے لئے کھڑے ہیں اسکے ذریعہ سے لوگوں کو اسپر سے جہنم میں گرا رہے ہونگے۔ چنانچہ ان دشواریوں کے باوجود بعض لوگ ایسے ہوں گے کہ صحیح و سالم گذر جائیں گے۔ بعض ایسے ہوں گے کہ پار تو ہو جائیں گے مگر خراش لگ کر اور زخمی ہو کر۔ اور بعض زخمی ہو کر جہنم رسید ہو جائیں گے فرشتے اس منظر کو دیکھکر اپنی خیر مناتے ہوئے کہتے ہوں گے یا خدا بچانا یا خدا بچانا۔ پس وہ آخری شخص گرتا پڑتا کسی نہ کسی طرح پار ہو جائے گا اور یہی سب سے آخری شخص ہوگا جو جنت میں داخل ہوگا۔ جب پل صراط کو عبور کرے گا تو اسکو جنت کے پھاٹک کے پاس لاکر اسکے اندر کا حصہ دکھلائیں گے مگر اندر اسکو اپنا جائے قیام نظر نہ آئے گا جب وہ پھاٹک کو دیکھے گا تو کہیگا اے میرے پروردگار مجھے بس اسی پھاٹک میں جگہ دیدیجئے۔ حق تعالیٰ نے فرمائیں گے کہ یہ بتاؤ کہ اگر پھاٹک کی ڈیوڑھی ہی میں تمھیں جگہ دیدی جائے تو اور اندر تو نہیں جانا چاہو گے؟ وہ کہیگا نہیں آپ کی عزت و جلال کی قسم نہیں (جب میرا اندر نام ہی نہیں ہے تو میں کس طرح اندر جانے کی ہمت کروں گا) اسکو پھاٹک کے پاس کر دیا جائے گا۔ پھر اسکو جنت کے اور منازل دکھلائے جائیں گے تاکہ اسکے مقابلہ میں یہ جگہ اسکو حقیر معلوم ہو۔ چنانچہ اسے دیکھکر وافعی

اسکے منہ میں پانی آجائے گا اور عرض کرے گا کہ پروردگار اس منزل میں جانے کی اجازت مل جائے ۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تم نے ابھی کیا کہا تھا اچھا یہ اگر اسکی پہلی منزل میں تمھیں بھیج دیا جائے تو اور آگے تو نہ جانا چاہو گے وہ عرض کرے گا نہیں آپ کی عزت کی قسم نہیں اسکے بعد پھر نہ سوال کروں ۔ چنانچہ اسکو وہاں پر کر دیا جائے ۔ اسی طرح چار درجات تک وہ چڑھ جائے گا اور یہی کہتا رہے گا کہ آگے کا سوال نہ کروں گا ۔ چوتھے درجے میں جب اسے کر دیں گے تو اسکے لئے تمام وہ چیزیں جو ابتک اسے ملی ہیں کم معلوم ہوں گی آگے اس سے بھی عمدہ مناظر ہوں گے ۔ پس وہ ان سب کو کم تو سمجھے گا مگر اب زبان سے کچھ نہ کہیگا اس پر حق تعالیٰ خود ہی اس سے سوال فرمائیں گے اب چپ کیوں ہو گئے آگے سوال کیوں نہیں کرتے ؟ وہ عرض کرے گا کہ پروردگار جی تو چاہتا ہے مگر اتنی بار سوال اور وعدہ خلافی کر چکا ہوں کہ مجھے اب کچھ کہتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ (کی رحمت کو جوش آجائے گا) فرمائیں گے کہ اچھا تیرے لئے کل دنیا کے دس گنے کے برابر جگہ اور ساز و سامان دیا جاتا ہے ۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس یہ سب سے آخری شخص ہوگا جو جنت میں جائے گا ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رض راوی حدیث فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی اس حدیث کو بیان فرمایا ہے تو آپ ہنس دیئے ہیں اس طرح سے کہ آپ کے سامنے کے دندان مبارک نظر آگئے ہیں ۔

مروی ہے کہ حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ انسان کی جن ازواج کو اسکے ساتھ جنت میں جانا نصیب ہوگا اور وہاں اسکو حوریں بھی ملیں گی تو یہ دنیوی بیویاں حورعین سے زیادہ حسین اور عمدہ حال میں ہوں گی اسلئے کہ انھوں نے دنیا میں اعمال صالحہ کیا تھا اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں انھیں کے متعلق فرمایا کہ ہم انکو پیدا کریں گے اور ان سب کو کنواریاں عطا کریں گے ، عیوب سے پاک و صاف ہونگی اور سب میاں بیوی باہم ہمعمر ہوں گے ۔ اور یہ عمل اور بدلہ

اصحاب یمین کو عطا فرمائیں گے۔

ساتواں باب

(اللہ تعالیٰ کی رحمت پر امید رکھنے کا بیان)

حضرت سعید بن المسیبؒ سے مروی ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رحم اور رحمت کے سو حصے مقرر فرمائے ہیں پھر اس میں سے ننانوے حصے تو اپنے پاس رکھ لئے اور ایک حصہ اہل دنیا پر اتارا اسی سبب سے مخلوق باہم ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے یہاں تک کہ ایک گھوڑا بھی اصطبل میں اپنے پیروں کو اٹھائے رکھتا ہے اس اندیشہ سے کہ کہیں اسکے بچے کے اوپر نہ پڑ جائے۔

حضرت حسنؒ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے رحمت کے سو حصے ہیں جن سے اس نے صرف ایک حصہ کو اہل دنیا میں اتارا ہے جو ان میں انکی زندگی بھر تقسیم ہوتی رہتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اسکو قیامت کے قریب قبض فرمالیں گے اور اسکو ننانوے والے حصوں میں ملا کر سو کو پورا فرمالیں گے اور اب یہ سب کی سب اسکے اولیاء اور اہل طاعت کے لئے ہوگی۔

فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنین سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تذکرہ اس لئے فرمایا تاکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس فضل و احسان کو دیکھکر جو ان کے شامل حال ہوگی اسکی حمد کریں اور اسکا شکر ادا کریں اور عمل صالح کریں اسلئے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کا امیدوار ہوگا وہ ضرور عمل صالح کرے گا۔ اور خوب کوشش کرے گا تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو حاصل کرلے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے خود یہ فرمایا ہے کہ اللہ کی رحمت نیکوکاروں سے بہت قریب ہے اور فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار ہے اسکو چاہیئے کہ عمل صالح کرے۔ اور

فرمایا کہ میری رحمت ہر شئے کو گھیرے ہوئے ہے یعنی ہر شئے کو میری رحمت کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ملا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ رحمتی وسعت کل شئی یعنی میری رحمت ہر شئے کا احاطہ کئے ہوئے ہے تو ابلیس ملعون بہت خوش ہوا اور خوب اچھلا کودا اور کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میری رحمت ہر شئے کو محیط ہے تو میں بھی تو ایک شئے ہی ہوں (مجھے بھی کچھ حصہ اس سے ضرور ملے گا) پس اب میں بھی بخشدیا جاؤں گا۔ اسی طرح سے یہود اور نصاریٰ نے جب اس آیت کو سنا تو خوب ڈینگ مارنے لگے کہ مسلمان تو ہمارے بارے میں یہ کہتے تھے کہ ہم لوگ جنت میں جائیں گے ہی نہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ یہ فرمارہے ہیں لہٰذا ہم بھی بقول انکے بخشدیئے جائیں گے۔ پھر جب اسکے بعد کا حصہ نازل ہوا یعنی یہ کہ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ مطلب یہ ہوا کہ میں اپنی رحمت مخصوص کروں گا ان لوگوں کے لئے جو متقی ہوں گے یعنی شرک سے بچتے ہوں گے اور زکواۃ ادا کرتے ہوں گے اور وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ یعنی ان کے لئے جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہوں گے اور اسکی تصدیق کرتے ہوں گے۔ یہ سنکر ابلیس نے اپنا منھ پیٹ لیا اور اللہ کی رحمت سے ناامید ہوگیا۔ مگر یہود اور نصاریٰ نے کہا کہ ہم تو شرک سے بھی بچتے ہیں زکواۃ بھی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی آیات کی بھی تصدیق کرتے ہیں لہٰذا آخرت میں رحمت کے ہم بھی امیدوار ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ ٹکڑا نازل فرمایا کہ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ یعنی ان متقیوں کے لئے میری رحمت ہوگی جو نبی امی کا اتباع کرتے ہوں گے انکی تصدیق کرتے ہوں گے، چنانچہ یہ سنکر یہود و نصاریٰ بھی مایوس ہوگئے اور رحمت صرف امت محمدیہ یعنی مومنین کیلئے خاص ہوگئی۔

لہٰذا ہر مومن پر یہ لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان بخشکر اسکے ساتھ جو اکرام و نوازش کا معاملہ فرمایا ہے اور اسکا نام ہی جو مومن رکھا ہے اسپر اسکا شکر ادا کرے۔ (فنعمۃ علیہ)

جیسا مولانا رحمہ نے فرمایا ہے ؎

گفت مکشوف و برہنہ گو کہ من　　می نہ گنجم با صنم در پیرہن

(حق تعالیٰ نے) فرمایا کہ مجھے تم خواہ مکشوف البدن اور عریاں ہی سمجھو لیکن میں کسی بت کے ساتھ ایک لباس میں نہیں سما سکتا)

اگرچہ خدا تعالیٰ جسم اور لوازم اور عوارض جسم سے پاک ہے لیکن یہ مثال کے لئے کہا جاتا ہے اور جیسا حضرت غوث پاک رحمہ فرماتے ہیں

بے حجابانہ در آ از در کاشانۂ ما　　کہ کسے نیست بجز درد تو در خانۂ ما

(تو اے مرے محبوب بدون کسی حجاب کے میرے کاشانہ کے دروازہ میں چلا آ کیونکہ میرے گھر میں یعنی میرے دل میں سوا تیرے درد کے اور کوئی غیر نہیں ہے)

یہ کیفیت تو وہاں کے وصال کی ہے اور دنیا میں بوجہ حجاب اور بیصبری نہ ہونے کے انکی یہ حالت ہوتی ہے کہ ؎

دل آرام در بر دل آرام جو　　لب از تشنگی خشک بر طرف جو

محبوب بغل میں ہے اور محبوب کی تلاش میں ہیں لب پیاس سے خشک ہو رہے ہیں اور دریا کے کنارے پر کھڑے ہیں

نگویم کہ بر آب قادر نیند　　کہ بر ساحل نیل مستسقی اند

(میں یہ نہیں کہتا کہ یہ لوگ پانی پر قادر نہیں ہیں یہ کہتا ہوں کہ نیل کے ساحل پر کھڑے ہیں اور پیاسے ہیں)

۱۵۴ - اہل اللہ کو مرنے کی بڑی خوشی ہوتی اور وہ اسکی تمنائیں کرتے ہیں

اور چونکہ مرکر انکو یہ دولت نصیب ہوتی ہے اسلئے وہ اسکی تمنا کرتے ہیں اور شدت شوق میں یوں کہتے ہیں ؎

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم　　راحت جاں طلبم وز پے جاناں بروم

(میں اس دن خوش ہوں گا جس دن کہ اس ویران منزل سے جاؤں گا جان کی راحت مجھے نصیب ہوگی اور جاناں کے پیچھے چلا جاؤں گا)

اور ان حضرات کو چونکہ مرنے کی خوشی ہوتی ہے اسلئے اس میں نہایت مطمئن ہیں چنانچہ ایک نقشبندی بزرگ کی حکایت ہے کہ انھوں نے وصیت کی تھی کہ جب میرا جنازہ لیچلو تو ایک شخص ساتھ ساتھ یہ اشعار پڑھتا چلے ؎

مفلسانیم آمدہ از کوئے تو شیئاً للہ از جمال روئے تو

(ہم بالکل مفلس ہو کر آپ کی گلی میں آئے ہیں خدا کے لئے اپنے جمال سے کچھ عطا فرمائیے)

دست بکشا جانب زنبیل ما آفریں بر دست و بر بازوئے تو

(ہاتھ بڑھائیے ہماری زنبیل کی طرف آفریں ہو آپ کے دست کو اور بازو کو)

کیوں صاحب کیا بے اطمینانی میں کسی کو ایسی فرمائشوں کی سوجھ سکتی ہے یہ غایت فرحت کا اثر تھا۔ حضرت سلطان نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کی ایک حکایت مشہور ہے کہ جب آپکا انتقال ہوگیا اور جنازہ لے چلے ایک مرید نے شدت غم میں درد کے ساتھ یہ اشعار پڑھے ؎

سرو سیمینا بصحرا می روی سخت بے مہری کہ بے ما می روی

(میرے سرو قد چنبیلی جیسی خوشبو والے محبوب نے یہ آج صحرا کی راہ لی ہے بڑا ہی بیمروت ہے کہ وہاں بغیر ہمارے جارہا ہے)

اے تماشا گاہ عالم روئے تو تو کجا بہر تماشا میروی

(اے وہ ذات کہ جسکا چہرہ خود تماشا گاہ عالم رہا ہے اب تو کہاں کا تماشا دیکھنے جارہا ہے؟)

لکھا ہے کہ ہاتھ کفن کے اندر بلند ہوگیا۔ صاحبو! ایک ایسا شخص کہ جس کی یہ حالت ہو کہ "یا بدستے دگرے دست بدست دگرے" کیا اسکو وجد ہو سکتا معلوم ہوتا ہے کہ واقعی بیحد فرحت کا دن ہوتا ہے۔ ایک دوسرے بزرگ منتظرانہ و مشتاقانہ فرماتے ہیں ؎

وقت آں آمد کہ من عریاں شوم جسم بگذارم سراسر جاں شوم

(بس اب وہ وقت آگیا ہو کہ میں عریاں ہو جاؤں یعنی جسم کو چھوڑ دوں اور سراپا جان اور روح ہو جاؤں)

اور یہ حالت کیوں نہ ہو جبکہ وہ جانتے ہیں کہ اب پردہ ہٹا ہے ہیولانی جو کہ مانع دیدار تھے اٹھتے ہیں اور کوئی گھڑی ہے کہ محبوب حقیقی کا دیدار نصیب ہوگا صرف یہ نہیں کہ انکو جنت کی یا حوروں کی ہوس ہوتی ہے۔ حضرت ابن الفارض کا واقعہ لکھا ہے کہ جب انکا انتقال ہونے لگا تو جنت منکشف ہوئی آپ نے اس طرف سے منھ پھیر لیا اور کہا ؎

کان منزلتی فی الجنتکم ما قد رأیت فقد ضیعت ایامی
ی محبت کا صلہ آپ کے نزدیک یہی ہے جو دیکھ رہا ہوں تب تو میں نے اپنی عمر یونہی ضائع کر دی۔
ن تو آپ کے لئے دے رہا ہوں جنت کو کیا کروں ؟ آخر جنت چھپ گئی
ورًا تجلی ظاہر ہوئی اور جاں بحق ہوئے انکی بالکل وہی حالت ہوگئی کہ
گر بیاید ملک الموت کہ جانم ببرد تا نہ بینم رخ تو روح رسیدن ندہم
لموت میرے پاس میری جان لینے کیلئے آئے تو جب تک آپکے رخ انور کا دیدار نہ کرلوں گا اپنی جان کو نکلنے نہ دوں گا)
ف ان حالات کو سنکر تعجب کریں گے لیکن یہ تعجب صرف اس وجہ سے ہے کہ
ن سے محروم ہیں مگر ایسے لوگوں سے بس یہ کہا جاتا ہے کہ :-
تو مشو منکر کہ حق بس قادر است۔

رجوع بجانب سرخی (بزرگوں کے عرس کا طریقہ محض لغو ہے مع دلیل)

غرض بزرگوں کے اقوال اور حدیث وغیرہ سے بھی یہ بات ثابت ہوتی
کہ ان بزرگوں کی وفات کا دن "یوم العرس" ہے لیکن لوگوں نے اس کے
اور مصداق دونوں کو بالکل خراب کر دیا ہے۔ مصداق کی خرابیاں تو ظاہر
تمام شرک و بدعت اس عرس کا جزو ہو گئی۔ باقی مفہوم کی خرابی یہ کہ اس
کے لغوی معنی لیکر شادی کے لوازم بھی وہاں جمع کر دیئے چنانچہ اکثر جگہ رسم
بزرگوں کی قبر پر مہندی چڑھاتے ہیں نوبت نقارہ رکھتے ہیں۔ اسی طرح
وغیرہ سب لغو حرکتیں جمع کر رکھی ہیں۔ غریب مردہ پر تو بس چلتا نہیں
لت بنائی جاتی ہے۔ تو حقیقت میں وہ یوم العرس اس اعتبار سے
د ذکر کیا گیا کہ یہ بزرگوں کی خوشی کا دن ہے اور یہ کوئی دنیوی خوشی نہیں
، تو اس میں کوئی طریقہ مقرر کرنے کے لئے ضرورت وحی کی ہوگی ؟ اور وحی
ہی نہیں بلکہ اسکے خلاف پر ہے چنانچہ ظاہر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم
تے ہیں لا تتخذوا قبری عیدًا کہ میری قبر کو عید نہ بنانا عید میں تین چیزیں

ضروری ہیں ایک اجتماع، دوسرے تعیین وقت، تیسری فرحت تو ممانعت کا خلاصہ یہ ہوا کہ میری قبر پر کسی یوم معین میں سامان فرحت کے ساتھ اجتماع نکرنا ہاں اگر خود بخود کسی وقت میں کسی غرض سے اجتماع ہو جائے تو اور بات ہے دوسرے حضورؐ کو یہاں سے تشریف لے جانا اگرچہ آپؐ کے لئے باعث سرور ہے لیکن ہمارے لئے تو باعث حزن ہے۔ اور حضورؐ کی وفات سے جو ہم پر نعمت کامل فرمائی ہے جسکو میں نے نشر الطیب میں لکھا ہے وہ دوسرے اعتبار سے ہے۔ پس جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر ایسا اجتماع جائز نہیں تو دوسروں کی قبر پر ایسا اجتماع کیونکر جائز ہوگا؟ اور عجیب برکت ہے کہ آجتک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر اجتماع کا کوئی دن معین نہیں ہوا۔ بحمداللہ اس مسئلہ کی تحقیق کافی ہوگئی۔

۱۵۶۔ بری نظر اور بری نیت کا مرض آجکل عام ہو رہا ہے

یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور ترجمہ آیت شریف کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت کو جانتے ہیں اور جس شے کو سینے چھپاتے ہیں اسکو بھی جانتے ہیں یہ ایک آیت ہے جس کے الفاظ تھوڑے اور معانی بہت ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے ایک امر قبیح پر مطلع فرمایا ہے اور علاوہ اطلاع کے اس میں زجر بھی ہے۔ اسکو اسوقت اسلئے اختیار کیا ہے کہ جس مرض کا اس میں بیان ہے آجکل اس میں بہت ابتلا ہے اور امراض سے وہی مرض تنبہ کرنے کے لئے لیا جاتا ہے جس میں بہت ابتلا ہو۔

۱۵۷۔ معصیت بھی مرض ہے

اور مرض سے یہاں مراد معصیت ہے گو لوگ اسکو مرض نہ سمجھیں بلکہ تعجب ہوگا کہ اسکو مرض کیوں کہا گیا لیکن بعد بیان حقیقت مرض کے اسکی وجہ سمجھ میں

اجائیگی۔ مرض کی حقیقت ہے مزاج کا اعتدال سے خارج ہو جانا اور معصیت
یں بھی قلب کا مزاج اعتدال سے خارج ہو جاتا ہے۔

۱۵۸۔ معصیت کا مرض جسمانی سے اشد ہونا اور اسکا بیان کہ موت تمام تکلیفوں سے چھڑا دیتی ہے

بلکہ یہ خروج عن الاعتدال جو قلب کے متعلق ہے زیادہ مضر ہے
اسلئے کہ بدنی مرض کا انجام بہت سے بہت یہ ہے کہ مرجاویگا اور مرنے سے
بعض اوقات بہت سے جھگڑوں سے چھوٹ جاتا ہے کیونکہ جس قدر آلام ہیں
وہ اس بدن اور روح ہی کے تعلق کیوجہ سے ہیں۔ دیکھئے مرض خدر یعنی
سن ہو جانے میں اگر بدن کو کاٹ ڈالیں تو کچھ بھی تکلیف محسوس نہیں ہوتی اور
مفلوج کے فالج زدہ حصہ میں اگر سوئیاں بھی چبھوئیں تو کچھ بھی اثر نہیں ہوتا
کیونکہ روح کا تعلق بدن سے دیسا نہیں رہا باوجودیکہ اس حالت میں روح سے
تعلق رہتا ہے گو وہ ضعیف سہی اور اس تعلق ہی کا اثر یہ ہے کہ وہ عضو
گلتا سڑتا نہیں جیسے مردہ کا بدن گلجاتا ہے اور جب کہ بالکل ہی روحی مفارقت
ہو جاوے اور یہ تعلق ضعیف بھی نہ رہے تو بطریق اولیٰ تکلیف نہ ہوگی یعنی
جو مفہوم تکلیف کا ہمارے نزدیک ہے اور جو معنی تبادر الم کے ہیں وہ نہ ہوگی

۱۵۹۔ روح کو مفارقت جسم کے بعد جسم کو صدمہ دینے سے کس قسم کی تکلیف ہوتی ہے

ہاں دوسرے دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ روح کو بعد مفارقت جسم
کچھ ایذا ہوتی ہے جیساکہ بعض نصوص میں ہے کہ مردہ کی ہڈی توڑنا ایسا ہے
جیسا زندہ کی ہڈی توڑنا جس سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ ایسے فعل سے روح
کو کچھ الم ہوتا ہے مگر جس قسم کا الم روح کے تعلق مع الجسم کی حالت میں

ٹنے سے ہوتا ہے وہ الم نہیں ہوتا اسکو ایک مثال کے ضمن میں سمجھنا چاہئے
سلاً زید کے بدن کو اگر مارا جائے تو اسکو تکلیف ہوگی اور زید کی رضائی
ر چولہے میں اگر رکھ دی جائے تب بھی تکلیف ہوگی مگر دونوں
ین جدا جدا ہیں پس روح کے مفارق ہونے کے بعد روح کو
ہی تکلیف ہوتی ہے جیسے رضائی جلانے سے زید کو ہوئی اور اس
ت کی وجہ بھی وہی تعلق سابق ہے جو بدن کے ساتھ اسکو تھا وہ تعلق اسکو
مر ہوتا ہے اسلئے اسکو تکلیف ہوتی ہے۔

موت بڑے آرام کی چیز ہے اور اس پر ایک حکایت

خلاصہ یہ ہے کہ جب روح مفارق ہو جاتی ہے تو کوئی الم نہیں رہتا
ت ایک لطیفہ یاد آیا ایک طبیب کی تعریف کی گئی کہ یہ بڑے اچھے حکیم ہیں
کے علاج سے مرض ہی نہیں رہتا یعنی مریض ہی نہیں رہتا جو مرض رہے کیونکہ
نہ رہنے کی دو صورتیں ہیں یا تو مریض رہے اور تندرست ہو جاوے
مریض ہی چل دے جیسے کسی افیونی کی ناک پر مکھی آکر بیٹھی اس نے اڑا دیا
آ بیٹھی کئی بار اڑانے سے نہ گئی تو آپ نے چھری لیکر ناک کاٹ ڈالی اور کہا
اڈا ہی نہیں رہا جس پر بیٹھے گی۔ خلاصہ یہ کہ جب آدمی مرجاتا ہے نہ زکام رہتا
نہ کھانسی نہ بخار نہ فکر و رنج سب بلائیں اور آلام دور ہو جاتے ہیں۔ سکون کے
پر ایک شرعی لطیفہ یاد آیا اور وہ حکیمانہ لطیفہ ہے اور وہ حضرت ابوطلحہؓ اور
بیوی ام سلیمؓ کا قصہ ہے ان دونوں میاں بیوی کی حدیث میں بڑی فضیلت
ہے۔ ایک مرتبہ انکا ایک بچہ بیمار ہو گیا حضرت ابوطلحہؓ روز آکر بیوی اسکا حال
تے ایک روز وہ بچہ انتقال کر گیا حضرت ابوطلحہؓ اسوقت باہر تھے بیوی نے
ل کیا کہ اگر اب میں اطلاع کروں گی تو شب کا وقت ہے نہ کھانا کھائیں گے
نیند آئیگی خواہ مخواہ بیچین ہوں گے اسلئے مناسب ہے کہ اسوقت

اطلاع ہی نہ کیجائے۔ حقیقت میں دین عجیب چیز ہے تمام عمر کی اصلاح
کر دیتا ہے۔ حضرت ابو طلحہؓ جب باہر سے تشریف لائے تو عادۃً دریافت
فرمایا کہ بچہ کیسا ہے؟ اب یہ وقت بڑے امتحان کا تھا اگر سچ بولیں تو وہ مصلحۃ
ہوتی ہے اور جھوٹ میں شرعاً گناہ تھا حقیقت میں بڑی کشمکش کا وقت
تھا لیکن دین فہم کو تیز کر دیتا ہے چنانچہ منجانب اللہ ایک جواب انکو القا ہو
فرمایا کہ ابتو اسکو سکون ہے آرام ہے اسلئے کہ موت سے بڑھکر کوئی سکون
آرام نہیں ہے اسلئے کہ آرام و راحت میں دو صورتیں ہیں دفع مضرت یا جلب منفعت
دونوں حالتوں میں عرفاً آرام سے ہونا کہا جاتا ہے موت میں دونوں چیزیں ہو
دفع مضرت بھی ہے وہ تو ظاہر اور جلب منفعت یہ ہے کہ موت سے وصول
الی المحبوب الحقیقی ہوتا ہے یہ خاص مسلمانوں کے لئے ہے ایک لطیفہ یاد آ
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میرے باپ یعنی عباس رضی ا
تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا تو جیسا کہ ایک اعرابی نے مجھکو تسلی دی ایسی کسی ـ
نہیں دی بیچ یہ ہے کہ دیندار خواہ گاؤں کا ہو یا شہر کا اسکا فہم چونکہ دین کی وجہ
درست ہو جاتا ہے اسلئے وہ حقائق امور کو خوب سمجھتا ہے۔ وہ مضمون تسلی کا
یہ ہے ؎

اصبر نکن صابرین فانما صبر الرعیہ بعد صبر الراس
خیر من العباس اجرك بعدہ واللہ خیر منك للعباس

مطلب یہ کہ آپ صبر کیجئے ہم بھی آپ کی وجہ سے صبر کریں گے کیونکہ چھوٹوں کا صبر
بڑوں کے صبر کے بعد ہوتا ہے اور اس واقعہ میں نہ تمہارا کچھ نقصان ہوا بلکہ
نفع ہی ہے اور وہ نفع یہ ہے کہ تمکو ثواب ملا اور وہ ثواب تمہارے لئے
حضرت عباسؓ سے بہتر ہے اور حضرت عباسؓ کا بھی کچھ نقصان نہیں ہوا اسلئے
کہ وہ خدا تعالیٰ سے مل گئے اور اللہ تعالیٰ عباسؓ کے لئے تم سے بہتر ہے
یعنی تمہارے پاس رہنے سے اللہ تعالیٰ کے پاس رہنا بہتر ہے۔ عجیب

مضمون ہے حقیقت میں موت ایسے ہی آرام کی چیز ہے حدیث میں آیا ہے کہ موت مومن کا تحفہ ہے انسان کی حالت یہ ہے کہ اس سے بھاگتا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اس عالم کو دیکھا نہیں موت ایک ریل گاڑی کی طرح ہے جیسے گاڑی ایک جگہ سے دوسری جگہ پہونچا دیتی ہے اسیطرح موت اس عالم سے دار آخرت میں پہونچا دیتی ہے ۔ جب گاڑی میں آدمی بیٹھا ہوتا ہے تو اسکو کچھ خبر نہیں ہوتی کہ میرے لئے وہاں کیا کیا تیار ہو رہا ہے جب ریل سے اسٹیشن پر اترے دیکھا تو وہاں طرح طرح کے سامان ہیں ایک مخلوق استقبال کے لئے کھڑی ہے اقسام اقسام کی نعمتیں کھانے پینے کی موجود ہیں تو اسوقت جانتا ہے کہ اللہ اکبر یہاں تو ہمارے لئے بڑا سامان ہے اور جہاں سے آیا تھا وہ سب اسکی نظر میں ہیچ معلوم ہوتا ہے بلکہ اسکا خیال تک بھی نہیں آتا اسیطرح اس دنیا کا حال ہے کہ اسوقت یہاں کچھ خبر نہیں لیکن جب یہاں سے رحلت ہوگی تو انشاءاللہ تعالیٰ وہاں دیکھ لیں گے کہ ہمارے لئے کیا کیا نعمتیں ہیں اور بزرگوں نے بصر سے یا بصیرت سے دیکھا ہے اسلئے انکی نظر میں دنیا کی کوئی وقعت نہیں دنیا کو عالم آخرت کے ساتھ وہ نسبت ہے جو ماں کے رحم کو اس دنیا کے ساتھ ہے جیسے بچہ اپنی رضامندی سے اس دنیا میں نہیں آتا اسی طرح آدمی وہاں جانا نہیں چاہتا اور جیسے بچہ ماں کے رحم ہی کو سمجھتا ہے کہ تمام جہان یہی ہے اور آگے اسکی نظر ہی نہیں جاتی اور جب ماں کے رحم سے نکلتا ہے تو حقیقت معلوم ہوتی ہے ۔ اسی طرح ہملوگ جب یہاں سے جاویں گے تو اس دنیا کی حقیقت معلوم ہوگی بہرحال موت ہر طرح سکون و آرام کی چیز ہے اسیواسطے حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اب اسکو سکون ہے اسکے بعد حضرت ابوطلحہ نے کھانا کھایا اور پھر ان کو بی بی کے پاس جانے کی رغبت ہوئی اور بی بی کا حال یہ کہ ظاہر میں تو میاں جو کچھ کہتے تھے ان کی رضامندی کے لئے سب کچھ کر رہی تھیں مگر اندر جو کچھ تھا وہ حق تعالیٰ کو معلوم تھا۔ غرض میاں تو فارغ ہو کر سو رہے اور بی بی کو کیا نیند آئی ہوگی۔ صبح کے وقت جب حضرت ابوطلحہ نماز پڑھکر تشریف لائے تو بی بی نے پوچھا بھلا ایک بات تو بتلاؤ اگر کوئی شخص کسی کے پاس کوئی امانت رکھدے تو جب وہ اپنی امانت مانگے تو ہنسی خوشی دینا چاہیئے یا ناک بھوں چڑھانا چاہیئے انھوں نے فرمایا کہ نہیں ہنسی خوشی دینا چاہیئے۔ کہا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی امانت لے لی اب تم میرے میاں ناخوش بھی ہوئے کہ رات تم نے خبر نہ کی فرمایا کہ کیا نفع تھا تم پریشان ہوتے ۔ مجھے اس پر یہ قصہ یاد آیا کہ انھوں نے موت کا نام سکون رکھا۔

Regd. No L2/9/AD.111

Monthly **WASIYATI'L IRFAN** **AUG 1983**

23, Buxi Bazar Allahabae-3

Rs. 24/-

Rs. 30/-

Rs. 40/-

دینی اصلاحی ماہوار رسالہ

شمارہ ۹ ستمبر ۱۹۸۳ء جلد ۶

مضامین تصوف واحسان ماہنامہ افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

وصیۃ العرفان

الٰہ آباد

چندہ سالانہ ۲۲ روپے بائیس روپے	چندہ ششماہی ۱۲ روپے بارہ روپے

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی

جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ ۲ دو روپے — مدیر: عبد المجید عفی عنہ

شمارہ ۹ | ذیقعدہ ۱۴۰۳ھ مطابق ستمبر ۱۹۸۳ء | جلد ۶

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

عزازی پبلشر صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲۔۹۔۱۷۔ڈی ۱۱۱

فرمایا کہ ـــــ اس زمانہ میں یہ گمراہی بھی عام ہوگئی ہے کہ فقراء اور مساکین پر خرچ کرنے کو تو لوگ موجب اجر و ثواب سمجھتے ہیں لیکن اپنے اوپر اور اہل و عیال کے اوپر خرچ کرنے کو کوئی شخص ثواب نہیں سمجھتا حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ کے ارشادات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل و عیال پر خرچ کرنا فرض ہے اور اس میں سب سے زیادہ اجر ہے اب ہم ذیل میں انفاق مالی کے متعلق چند احادیث پیش کرتے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ اپنے اہل و عیال پر نفقہ کس قدر اجر عظیم ہے

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال عندی دینار فقال انفقہ علیٰ نفسک قال عندی آخر قال انفقہ علی ولدک قال عندی آخر قال انفقہ علی اھلک قال عندی آخر قال انفقہ علیٰ خادمک قال عندی آخر قال انت اعلم ـ رواہ ابوداؤد (مشکوٰۃ شریف)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آئے اور عرض کیا کہ میرے پاس ایک دینار ہے آپ نے فرمایا اپنے نفس پر خرچ کرو کہا کہ میرے پاس دوسرا دینار بھی ہے فرمایا اسکو اپنی اولاد پر خرچ کرو۔ عرض کیا میرے پاس ایک دینار اور بھی ہے فرمایا کہ اپنی بیوی پر خرچ کرو۔ عرض کیا کہ ایک دینار اور بھی ہے فرمایا اپنے خادم پر خرچ کرو۔ عرض کیا ایک اور ہے۔ آپ نے فرمایا تم زیادہ جانتے ہو یعنی عزیز و قریب میں جسکو زیادہ مستحق سمجھو دیدو۔

صاحب مرقاۃ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل اولاد کو اسلئے مقدم فرمایا ہے کہ اولاد بہ نسبت بیوی کے نفقہ کی زیادہ محتاج کیونکہ بیوی کو اگر شوہر طلاق دے دے تو وہ دوسرے شخص سے نکاح کر کے اپنے نفقہ کا انتظام کر سکتی ہے اور اولاد تو باپ ہی پر ہیں انکا دوسرا کون کفیل ہو سکتا ہے۔ بہرحال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نفقات کی ترتیب میں

لاہم فالاہم کو مقدم فرمایا ہے۔ چنانچہ یہاں سب سے پہلے اپنے نفس کو اسکے بعد اولاد اور پھر بیوی اور سب سے آخر میں خادم کو ذکر فرمایا۔

اسی سلسلہ کی ایک دوسری حدیث بھی سنیئے:۔

عن ابی مسعودؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا انفق المسلم نفقۃً علی اھلہ وھو یحتسبھا کانت لہ صدقہ (متفق علیہ)

حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان جب اپنی بیوی پر جب کچھ خرچ کرتا ہے اور اسکو ثواب سمجھتا ہے یہ اسکے لئے صدقہ ہے۔

(مشکوٰۃ شریف)

عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دینار انفقتہ فی سبیل اللہ و دینار انفقتہ فی رقبۃ ودینار تصدقت بہ علی مسکین ودینار انفقتہ علی اھلک اعظمھا اجرا الذی انفقتہ علی اھلک رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دینار جس کو تم نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور وہ دینار جس کو تم نے کسی غلام کے آزاد کرانے میں خرچ کیا اور وہ دینار جسکو تم نے کسی مسکین پر صدقہ کیا اور وہ دینار جسکو تم نے اپنے اہل پر صرف کیا ان سب میں اجر میں سب سے بڑھا ہوا وہ دینار ہے جس کو تم نے اپنے اہل پر خرچ کیا۔ (مشکوٰۃ شریف)

قال صاحب المرقاۃ (اعظمھا اجرا الذی انفقتہ علی اھلک) قیل لانہ فرض وقیل لانہ صدقۃ وصلۃ۔ صاحب مرقاۃ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل وعیال پر صرف کرنے کو اجر میں اسلئے بڑھا ہوا فرمایا ہے کہ اہل وعیال کا نفقہ فرض ہے اور ظاہر ہے کہ فرض کا ثواب غیر فرض سے بڑھا ہوا ہے یا اسلئے کہ اس میں دو جہت سے ایک صدقہ کی دوسرے صلہ رحمی

کی اور ظاہر ہے کہ جس میں دو جہتیں ہونگی اسکا اجر بڑھ جائے گا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے الصدقة علی المسکین صدقة وھی علی ذی الرحم ثنتان صدقة وصلة یعنی مسکین محتاج پر صدقہ کرنا تو بس صدقہ ہی ہے اور ذوی رحم پر صدقہ کرنے میں دو چیزیں ہیں ایک تو صدقہ اور دوسرے صلہ رحمی۔

نیز اور بہت سی احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے بال بچوں پر خرچ کرنے کا ثواب بھی ملتا ہے بلکہ فقراء اور مساکین پر خرچ کرنے سے زیادہ ثواب ملتا ہے کیونکہ اپنے نفس اور اہل وعیال پر خرچ کرنا فرض ہے اور ظاہر ہے کہ فرض کا ثواب نفل سے زیادہ ہے۔ اب یہ کس قدر گمراہی کی بات ہے اور کتنا بڑا حرمان ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنی رحمت اور شفقت کی بنا پر یہ آسانی فرمادی کہ اگر تم لوگ انفاق مال کا شرف حاصل کرنا چاہتے ہو تو یہ سمجھو کہ اپنے نفس اور اہل وعیال پر خرچ کرنا فرض ہے اور ثواب میں سارے نفقات سے بڑھا ہوا ہے اور بال بچوں پر خرچ کرنا تمھارا ایک طبعی تقاضہ بھی ہے اس لئے ان پر خرچ کرنے سے باز تو آوگے نہیں پھر کیوں نہیں اسی میں ثواب کی نیت کر لیا کرتے تاکہ یہ تمھاری طبیعت شریعت بن جائے اور عادت عبادت ہو جائے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہو۔

بہر حال ان مذکورہ احادیث سے انفاق میں ترتیب معلوم ہوئی اور الاقرب فالاقرب پر خرچ کرنے کی ترغیب مفہوم ہوئی۔ اب ہم مصارف زکوٰۃ کے سلسلہ میں یہاں پر فقہاء کرام کے ارشادات کو بھی مزید توضیح وتشریح کے لئے درج کرتے ہیں۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور آیات قرآنیہ کو جیسا فقہاء نے سمجھا ہے دوسروں کی رسائی وہاں تک نہیں ہو سکتی۔

صاحب مراقی الفلاح مصارف زکوٰۃ کے باب میں تحریر فرماتے ہیں۔

وکرہ نقلھا بعد تمام الحول لبلد آخر سال پورے ہونے کے بعد زکوٰۃ کا دوسرے

...ير قريب واحوج واورع وانفع
...مسلمين بتعليم والافضل
...رفها للاقرب فالاقرب من
...ل ذي رحم محرم منه ثم
...يرانه ثم لاهل محلته
...م لاهل حرفته ثم لاهل
...لدته۔

وقال الشيخ ابو الحفص الكبير
...حمه الله لا تقبل صدقة
...رجل وقرابته محاويج
...تى يبدأ بهم فيسد
...اجتهم

شہر کیطرف نقل کرنا مکروہ ہے بشرطیکہ دوسرے شہر کے لوگ رشتہ دار اور زیادہ محتاج اور زیادہ پرہیزگار اور مسلمانوں کو تعلیم کے ذریعہ زیادہ نفع بخش نہوں (ورنہ مکروہ نہیں) اور افضل یہ ہیکہ زکوٰۃ کو اپنے رشتہ دار ول اقرب فالاقرب پر صرف کرے اسکے بعد اپنے پڑوسیوں کو پڑوس والوں کو اسکے بعد اپنے محلہ والوں کو اسکے بعد اپنے ہم پیشہ اور اسکے بعد اپنے شہر والوں کو۔

شیخ ابو الحفص کبیرؒ فرماتے ہیں کہ آدمی کا صدقہ قبول نہیں کیا جاتا جبکہ اسکے رشتہ دار محتاج ہوں تا آنکہ انھیں لوگوں سے ابتدا کرے اور ان کی حاجت کو پوری کرے۔

قال الطحطاوي۔ وقوله كره
...قلها۔ اي تحريما ولو الى مسافة
...لقصر وقوله لغير قريب اما
...قلها للقريب فلا كراهته فيه
...لان الدفع الى الفقير منهم
...به صلة وصدقة۔

وقوله انفع للمسلمين بتعليم
...ال في المعراج التصدق على العالم
...لفقير افضل اي من الجاهل
...لفقير ولا يكره نقلها من دار الحرب
...لى دار الاسلام ولو مع وجود

طحطاوی میں ہے قولہ کرہ نقلها یعنی ایک شہر سے دوسرے شہر میں نقل کرنا مکروہ تحریمی ہے اگرچہ وہ دوسری جگہ مسافت سفر سے کم ہو اور قولہ لغیر قریب اگر دوسرے رشتہ دار ہوں تو نقل کرنا مکروہ نہیں ہے کیونکہ رشتہ دار فقیر کو دینا اس میں دہرا اجر ہے ایک صلہ رحمی کا دوسرے صدقہ کا

اور قولہ انفع للمسلمین بتعلیم معراج میں ہے عالم فقیر پر صدقہ کرنا افضل ہے یعنی جاہل فقیر سے

اور زکوٰۃ کا دار الحرب سے دار الاسلام کیطرف منتقل کرنا مکروہ نہیں اگرچہ دار الحرب میں بھی

المصرف هناك — مصرف ہو۔

قوله والافضل صرفها للاقرب فالاقرب قال في النهر والاولى صرفها الى اخوته الفقراء ثم اولادهم ثم اعمامه الفقراء ثم اخواله ثم ذوى الارحام ثم جيرانه ثم اهل سكنته ثم اهل ربضه قوله لاتقبل صدقة الرجل اى لا ثياب عليها وان سقط الفرض۔

اور قولہ "والافضل صرفہا الاقرب" نہر میں کہا ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ زکوٰۃ کو اپنے محتاج بھائیوں پر صرف کرے پھر انکی اولاد پر پھر اسکے بعد اپنے محتاج چچا کو اسکے بعد اپنے ماموؤں کو پھر اسکے بعد دوسرے رشتہ دار کو اسکے بعد پڑوسیوں کو اسکے بعد محلہ والوں اور پھر اپنے شہر والے اور اسکے گرد و نواح والوں پر صرف کرے قولہ لاتقبل الخ یعنی اس پر ثواب نہ ہوگا اگرچہ فرض ساقط ہو جاویگا

قال الشامي عن ابي هريرة مرفوعًا الى النبي صلى الله عليه وسلم انه قال يا امة محمد صلى الله عليه وسلم والذى بعثنى بالحق لايقبل الصدقة من رجل وله قرابة محتاجون الى صلته ويصرفها الى غيرهم والذى نفسى بيده لا ينظر الله اليه يوم القيامة اه رحمتی

حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعًا روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھکو دین حق لیکر بھیجا اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کا صدقہ قبول نہیں فرماتے جسکے رشتہ دار و اہل قرابت محتاج ہوں اسکے صدقہ کے اور وہ غیروں پر خرچ کرتا رہے۔ قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ اسکی طرف نظر نہ فرمائیں گے

والمراد بعدم القبول عدم الاثابة اليها وان سقط بها الفرض لان المقصود سد خلة المحتاج وفى القريب

عدم قبول سے مراد اس پر ثواب نہ ملنا ہے اگرچہ فرض ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ زکوٰۃ سے مقصود محتاج کی حاجت روائی ہے اور قریب میں صلہ اور صدقہ دونوں اسکے

جمع بین الصلة وصدقة ہو جاتے ہیں۔

خود سوچئے کہ اتنی توفیق تو کم ہی لوگوں کو ہوتی ہے کہ فقراء اور مساکین کو روپیہ پیسہ دیں اور اگر کوئی دیتا ہے تو نہایت قلیل، زکوٰۃ مفروضہ ہی ادا کر دیں تو بڑی بات ہے لہٰذا کل مال رات و دن اپنے بچوں ہی پر صرف ہوتا ہے اور اپنے جہل اور سوء عقیدت کی بنا پر اس میں اجر و ثواب کے معتقد ہی نہیں لہذا اسکی نیت بھی نہیں تو گویا نفقہ کے ثواب سے بالکلیہ محروم ہو جاتے ہیں۔ یہ اسی بداعتقادی کا ثمرہ ہے کہ اہل و عیال پر نفقہ جو فرض ہے اسکی نہ اہمیت ہی قلب میں ہے نہ اس میں ثواب ہی سمجھتے ہیں بخلاف صدقات نافلہ کے کہ اس کا اہتمام بھی ہے اور اسی میں ثواب سمجھتے ہیں حالانکہ اہل و عیال کا بقدر کفایت بقدر ضرورت نفقہ تو فرض ہے اور اگر اسی میں کسی قدر وسعت کر دی جائے تو اسی قدر نفل بن جائے گا اور فرض اور نفل دونوں کا ثواب مل جائیگا۔

مزید توضیح و تائید کے لئے ایک دوسری حدیث ترمذی شریف سے نقل کرتا ہوں :-

عن عون بن ابی جحیفة عن ابیہ قال اٰخیٰ رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین سلمان وابی درداء فزار سلمان ابی الدرداء فرأی ام الدرداء مبتذلة قال ما شانك مبتذلة قالت ان اخاك ابالدرداء لیس لہ حاجة فی الدنیا قالت فلما جاء ابوالدرداء قرب الیہ طعاما فقال کل فانی صائم قال ما انا باکل حتی تاکل

حضرت عون بن ابی جحیفہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے حضرت سلمان اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما کے درمیان عقد مواخات قائم فرمادیا تھا۔ ایک دن حضرت سلمانؓ حضرت ابوالدرداء کی زیارت کے لئے گئے وہاں پہونچکر ام الدرداء یعنی انکی بیوی کو نہایت خستہ حال دیکھا تو پوچھا کہ آخر کیوں اسقدر خستہ حال ہو انھوں نے جواب دیا کہ آپ کے بھائی ابوالدرداء کو دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے اسلئے ان سب باتوں کی طرف کوئی توجہ

قال فاکل فلما کان اللیل ذهب ابوالدرداء لیقوم فقال له سلمان نم فنام ثم ذهب لیقوم قال له نم فنام فلما کان عند الصبح فقال سلمان قم الاٰن فقاما فصلیا فقال ان لنفسك علیك حقا و لربك علیك حقا ولضیفك علیك حقا و ان لاهلك علیك حقا فاعط کل ذی حق حقه فاتیا النبی صلی اللہ علیه وسلم فذکرا ذلك له فقال صدق سلمان هذا حدیث صحیح

(ترمذی شریف جلد ثانی ص ۶۴)

بالکل نہیں رہتی) اسکے کچھ دیر بعد جب ابوال تشریف لائے تو حضرت سلمانؓ کے سامنے کھا پیش کرکے کہا کہ آپ (تنہا ہی) نوش فرمائیے کہ میں تو روزے سے ہوں۔ حضرت سلمانؓ نے کہ جبتک آپ میرے ساتھ کھائیں گے میں ہرگز نہ کھاؤنگا اس کہنے پر حضرت ابو درداء نے کھا کھایا پھر جب رات ہوئی تو حضرت ابوالدرداءؓ پڑھنے کے لئے جانے لگے تو حضرت سلمان نے اُن کہا کہ سوؤ تو سو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد نماز پڑھ کیلئے تیار ہوئے تو حضرت سلمان نے فرمایا کہ ابھی سوؤ (ان کے کہنے سے سو گئے (جب خوب سو چکے) اور صبح کا وقت قریب ہوا تو ان سے حضرت سلمان نے فرمایا کہ اب اٹھو۔

پس دونوں حضرات اٹھے اور نماز پڑھی اسکے بعد حضرت سلمان نے فرمایا یقیناً تمھارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور تمھارے پروردگار کا بھی تم پر حق ہے اور تمھارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے اور تمھاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اسلئے تمکو چاہیئے کہ ہر حقدار کے حق کو ادا کرتے رہو۔ اسکے بعد یہ دونوں حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے اس معاملہ کو بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلمان نے سچ کہا)

دیکھا آپ نے اس حدیث میں کس طرح حقوق بیان کئے گئے ہیں اور ان کے مراعات کی کیسی تاکید کی گئی ہے۔ یہ ہے اصلاح تدبیر منزل اور یہ ہے تعلیم حسن معاشرت اور یہ بھی سمجھئے کہ اس حدیث سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ اپنے نفس اور بیوی بچوں کے حقوق کے ساتھ مہمانوں کا بھی حق ہے اور یہ سارے حقوق واجب

ہیں تو کیا ان کے ادا کرنے سے ثواب نہیں ملیگا؟ اس حدیث میں حق اللہ اور حق العبد دونوں کا ذکر کیا گیا ہے اور اپنے نفس کو اسکا جائز حق جب دیا جائے گا تو یہ بھی حق العبد کی ادائیگی ہے اور اس میں بھی ضرور اجر ملے گا۔ آدمی مکلف بنایا گیا ہے کہ اپنے جسم کی بھی حفاظت کرے کیونکہ وہ عطیۂ خداوندی ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے انی لاحتسب قومتی کما احتسب نومتی یعنی میں جیسے اپنے قیام میں ثواب سمجھتا ہوں ویسے ہی اپنے نوم میں بھی ثواب سمجھتا ہوں۔ اسکی وجہ یہی ہے کہ قیام تو حق اللہ ہے اور نوم حق النفس اور حق العبد ہے اور دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں پھر دونوں کے کرنے میں کیوں نہ ثواب ہوگا

حضرت مولانا تھانوی فرمایا کرتے تھے کہ میں سر پر تیل اسلئے رکھتا ہوں کہ سرکاری مشین ہے اسکی حفاظت کا ذمہ دار ہوں تو کیا حضرت رحمۃ اللہ علیہ صرف دماغ ہی کی حفاظت کو ضروری سمجھتے تھے؟ نہیں بلکہ سارے اعضاء کی حفاظت کو ضروری خیال فرماتے تھے اور سب کو امانت سمجھتے تھے غذا وغیرہ جو کچھ تناول فرماتے تھے یہی سمجھکر کہ بدن کی قوت و حفاظت اسی سے ہو سکتی ہے۔ اسلئے حضرت کا کھانا پینا تیل وغیرہ استعمال کرنا سب ہی عبادت تھا۔

بہر حال ان احادیث اور صحابہؓ اور بزرگان دینؒ کے اقوال و افعال سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آدمی اپنے نفس پر اور اپنے اہل و عیال پر جو کچھ خرچ کرتا ہے سب کا ثواب اسکو ملتا ہے مگر اسکو ثواب کی نیت کرنی چاہیئے یہ سمجھکر کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔ بہت ہی تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو آسان سے آسان طریقہ اللہ تعالیٰ تک پہونچنے اور انکو راضی کرنے کا ہم کو بتا دیں اور ہم اسکی طرف التفات بھی نہ کریں اور خود ساختہ طریقہ سے پہونچنے کی لاحاصل کوشش کریں یہ رحمت اور شفقت کی ناقدری ہے اس طرح سے نہ کوئی خدا تک پہونچا ہے نہ پہونچ سکتا ہے۔

اسی سلسلے کی ایک اور حدیث سنیئے:۔

عن المقدام بن معدیکرب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ماکسب الرجل کسبا اطیب من عمل یدہ وماانفق الرجل علی نفسہ واھلہ وولدہ وخادمہ فھو صدقۃ

حضرت مقدام بن معدیکرب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بہتر کمائی ہاتھ کی کمائی ہے اور آدمی جو کچھ اپنے نفس پر اور اپنے اہل پر اور اپنے اولاد پر اور اپنے خادم پر خرچ کرتا ہے تو یہ سب صدقہ ہے۔ سبحان اللہ۔

(ابن ماجہ شریف)

یہاں پر چند حدیثیں بطور نمونہ کے ذکر کی گئی ہیں ورنہ اس مضمون کی احادیث بکثرت ہیں اب ایک طرف ان احادیث کو رکھیئے اور دوسری جانب اپنے حالات کو دیکھیئے تو معلوم ہوگا کہ ہم اپنے جہل و نادانی اور سوء عقیدت کی وجہ سے کتنے فضائل اور ثواب سے محروم ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و افعال ہی ہمارے لئے مشعل راہ تھے اور اسی سے ہمکو نجات ہوسکتی تھی اور دونوں جہاں میں سرخرو ہو سکتے تھے۔ یاد رکھو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کے بغیر نہ کسی کو راستہ ملا ہے نہ مل سکتا ہے نہ کوئی کامیاب ہوا ہے نہ ہوسکتا ہے ؎

میندار سعدی کہ راہ صفا توان رفت جز برپئے مصطفٰے

(اے سعدی تم یہ نہ سمجھ لینا کہ راہ صفا کا طے کرنا بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق پر چلے ہوئے ممکن ہے)

خلاف پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ کیخلاف جس شخص نے راہ طے کی تو اسکی منزل مقصود تک رسائی نہیں ہوسکتی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں بڑے برکات ہیں آدمی انکو اختیار کرکے فرشتوں سے بھی بڑھ جاتا ہے ورنہ آخرت کی محرومی کے ساتھ دنیا میں بھی ہر وقت کی ضیق میں مبتلا رہتا ہے آجکل ہم لوگوں کے جو حالات ہیں

وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں کوئی گھر ٹھیک نہیں خانہ جنگیوں نے تباہ کر رکھا ہے
ان لوگوں کے حالات برابر دیکھ رہا ہوں میرے پاس خطوط آتے ہیں، یہ خدا
کی طرف سے دنیاوی عقوبت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ترک کرنے کی
سزا سے عاجل ہے۔

ذیل میں ہم ابن ماجہ شریف سے ایک روایت نقل کرتے ہیں جسمیں
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف معاصی کے ارتکاب سے دنیا ہی
میں طرح طرح کے عذاب کا ذکر فرمایا ہے ۔ وہو ہذا ۔

عن عبد الله بن عمر رض	عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے
قال اقبل علینا رسول الله صلی الله	کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمپر متوجہ ہوکر
علیه وسلم قال یا معشر المهاجرین	فرمایا اے جماعت مہاجرین پانچ باتیں ہیں جب تم
خمس اذا ابتلیتم بهن واعوذ	ان میں مبتلا ہوگے (تو تمپر طرح طرح کا عذاب دیگا جسکا
بالله ان تدرکوهن لم یظهر الفاحشه	ذکر آئندہ آتا ہے) اور میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں کہ تم
فی قوم قط حتی یعلنوا بها	انکو پاؤ۔ جب کسی قوم میں زناکاری علانیہ طور پر ہونے
الا فشی فیهم الطاعون	لگے گی تو ان میں طاعون اور ایسی بیماریاں عام
والاوجاع التی لم تکن	ہونگی جو ان کے اسلاف میں نہیں ہوئی تھیں اور جب
مضت فی اسلافهم الذین	لوگ ناپ تول میں کمی کرنے لگیں گے تو قحط سالی اور
مضوا ولم ینقص المکیال	شقت اور محنت کی زیادتی اور بادشاہ کے ظلم میں
والمیزان الا اخذوا	گرفتار ہونگے۔ اور جب لوگ اپنے اموال کی زکوٰۃ
بالسنین وشدة المؤنة	نہ ادا کریں گے تو اسکی سزا میں، آسمان سے بارش
وجور السلطان علیهم ولم یمنعوا	ان لوگوں سے روک دی جائیگی اور اگر بہائم نہ ہوتے
زکواة اموالهم الا منعوا	تو کبھی ان پر بارش نہ ہوتی ۔ اور جب لوگ
القطر من السماء ولولا	اللہ کے اور اس کے رسول کے عہد وپیمان کو
البهائم لم یمطروا ولم	توڑیں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر دشمن کو مسلط

ینقضوا عهد الله و عهد رسوله کردیں گے جو ان میں سے نہ ہوگا۔ پھر یہ
الا سلط الله علیهم عدوا　دشمن جو کچھ ان کے ہاتھوں میں ہے اسکا بعض
من غیرهم فاخذوا بعض　حصہ لے لیں گے۔ اور جب لوگوں کے ائمہ
ما فی ایدیهم وما لم تحکم　اللہ کی کتاب کے موافق حکم نہ کریں گے اور
ائمتهم بکتاب الله و یتخیروا　اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں انکو
من ما انزل الله الاجعل الله　نہ اختیار کریں گے تو (اسکی سزا میں) اللہ
بأسهم بینهم　تعالیٰ انکو آپس کی لڑائی میں مبتلا کردیں گے

(ابن ماجہ شریف ص۳۰۰)

دیکھیے اس روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف معاصی کا ذکر فرمایا اور انکے ارتکاب پر مختلف عذاب اور طرح طرح کے دنیاوی عقوبات کی خبر دی ہے۔ احکام شرعیہ سے بے اعتنائی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے اعراض کا فوری اور لازمی نتیجہ دنیا کے مصائب اور آلام کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب مزید براں ہوگا۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ جن پانچوں باتوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی کو ڈرایا تھا اور اپنی امت میں پھیلنے ہونے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی تھی ہماری بدقسمتی سے آج ان میں سے ایک ایک کرکے ہم میں موجود ہیں۔ بدکاری اور مقدمات زناکاری کا آج جتنا چلن رواج بڑھتا جارہا ہے ظاہر ہے۔ اسیطرح جیسے ناپ تول کی کمی کی برائی تو درکنار آج اسکو ایک اعلیٰ فن اور کمال سمجھا جاتا ہے۔ زکوٰۃ کو عام طور سے ڈنڈ اور تاوان قرار دیا جارہا ہے اور اللہ ورسول کے عہد کو جس شوخی اور ڈھٹائی کے ساتھ توڑا جارہا ہے وہ بھی مشاہد ہے اسیطرح سے علماء کا اپنے فیصلوں میں کتاب اللہ کا نہیں ترک بھی ہونے لگا ہے۔

ان حالات میں خدا کی پکڑ اور اسکے عذاب سے بچنے کا واحد ذریعہ صرف یہی ہے کہ جن بےعملیوں میں ہم آج مبتلا ہیں ان سے توبہ کریں اور اپنی اصلاح کریں اور جلد ان سے باز آجائیں ورنہ إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ (اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچنا مشکل ہے)۔

(مکتوب نمبر ۲۲۴)

حال، والا نامہ شرف صدور لایا حضرت والا نے اب کے میرے خطوط میں بہت اختصار ہونے لگا ہے اسکی وجہ تحریر کرنیکا حکم فرمایا ہے حضرت والا کوئی خاص بات جسکی تفصیل لکھتا نہیں ہر تجارتی سلسلہ میں ایک آدمی کو دیانتدار سمجھکر اس پر اعتماد کئے ہوئے تھا اس نے دھوکا دیا اس وجہ سے بعض پریشانیاں پیش آگئی تھیں اور طبیعت بھی ناساز رہتی تھی حضرت والا کو کچھ تفصیلات اپنے حال کی لکھنا چاہتا تھا لکھنے کے وقت کوئی بات قابل تحریر یاد نہیں آتی تھی کبھی کبھی اپنی گندہ حالت کے پیش نظر ایک حالت یاس کی طاری ہوتی کہ اگر تھوڑی دیر اور باقی رہے تو قلب فنا ہو جائے، پھر حق تعالیٰ کی دستگیری شامل حال ہو جاتی تھی تحریر کرنے کا خیال ہوتا تھا لیکن اسکی تعبیر میں تکلف سا معلوم ہوتا تھا۔ خود حقیر کو بھی احساس رہا کہ بہت اختصار خطوط میں آ رہا ہے لیکن تفصیل کے لئے کوئی خاص بات تفصیل طلب یاد نہیں آتی اپنی کوئی حالت قابل اطمینان نظر نہیں آتی تھی۔ انجام کا خیال جب کبھی ہوتا تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ باقی حضرت اقدس سے اس نا بکار کا رشتہ و تعلق جو قائم ہے تو گو اسکا برابر خیال رہتا ہے کہ حضرت اقدس کے خدام میں میں ہی ایک نہایت درجہ کا نالائق ہوں کہ کسی مصرف کا نہیں ہوں تاہم حضرت والا کی توجہ اور دعا کی برکت سے حق تعالیٰ کی ایسی ستاری اور فضل شامل حال ہے کہ بہت ہی شرمندگی بعض اوقات معلوم ہوتی ہے۔

ابھی ایک ہفتہ کا واقعہ ہے کہ یہاں کے ایک طالبعلم . . . . . جنکا تذکرہ میں نے رمضان کے قبل ایک خط میں کیا تھا کہ وہ حضرت اقدس دامت برکاتہم کی خدمت میں بھی ایام تعطیل میں آئیں گے گو بعض موانع درپیش ہو جانے سے انکا سفر پورا نہ ہو سکا حیدرآباد تک جاکر واپس آگئے تھے ایک ہفتہ پیشتر دو واقعے پیش آئے اول یہ کہ ان کے سسرال میں سحر و آسیب کا تمام لوگوں کو وہم سا ہو گیا ہے۔ تین چار سال سے یہی حالت ہے حافظ صاحب موصوف اس کو وہم ہی قرار دیتے

خرات دن اسی کا تذکرہ مکان میں سنتے سنتے خود بھی متاثر ہو گئے۔ برادرم۔۔۔
۔عامل ہیں تعویذ مریض کے ہاتھ میں دیتے ہیں تو کچھ اثرات ظاہر ہونے لگتے ہیں
ن سے مرض ہونا یا آسیب یا سحر ہونا قرائن سے معلوم ہوجاتا ہے۔ حافظ صاحب نے
دلوی۔۔۔۔ صاحب سے تعویذ لیکر اپنی زوجہ کے ہاتھ میں دیکھا تو آسیب اور سحر
ہونا قرار پایا۔ اسیوقت سے ان حافظ صاحب کو بھی پریشان خواب اور سوئی وغیرہ کے
چبھن کا احساس ہونے لگا ہے۔ مجھ سے آکر کہنے لگے کہ رات کو بستر پر آکر پڑتا ہوں تو
سوئی سی چبھنے کا احساس ہوتا ہے تکلیف ہوتی ہے شیطانی حملے بھی ہونے لگے ہیں
بہت پریشانی ہے میری طبیعت میں یہ سنکر ایک جوش سا پیدا ہوا میں نے کہا کہ یہ آپ کا کیسا
عرفان ہے کہ ساری عمر مشائخ کی صحبت اٹھائی ہے آخر آپ بھی ان چیزوں سے متاثر
ہونے لگے اور پریشان بھی ہو گئے۔ رات دن قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہو، حدیث میں ہے
انا جلیس من ذکرنی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہو شیطان وغیرہ اسکا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ آپ پے
تعجب ہے! تھوڑی دیر کے بعد حافظ صاحب بہت بشاش بشاش میرے پاس آئے
اور کہنے لگے کہ ایک عجیب طرح کی قوت دل میں پیدا ہو گئی ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ
کوئی نئی چیز دل کے اندر آگئی ہے۔ اس دن سے اسکی وہ پہلے کی چبھکنیاں وغیرہ
تمام شکایتیں ختم ہو گئیں۔ **تحقیق:** الحمد للہ

حال: وہ بہت ہی تعجب کے ساتھ کہتے رہے کہ تو دیکھنے میں بہت ہی ضعیف
و نحیف معلوم ہوتا ہے لیکن قوت قلبی اور یقین تیرا بہت قوی ہے میں نے کہا کہ من آنم
کہ من دانم یہ تمام ہمارے حضرت قبلہ دامت برکاتہم کی دعا و توجہ اور ان کے طریقہ
کے نقل کی برکت ہے۔ حق تعالیٰ کی ستاری ہے۔ **تحقیق:** الحمد للہ

حال: دوسرا واقعہ پھر دو چار دن کے بعد یہ ہوا کہ مدرسہ میں تمام طلبہ ایک دن کیلئے
بطور تفریح جنگل کی طرف جاتے ہیں اسکی تیاری تھی ان حافظ صاحب کو موسمی بخار
آگیا۔ بخار شدت کا تھا مجھ سے کہنے لگے کہ بخار ہے میں کیسے آؤں مجھے معذور قرار دیں
میں نے جواب میں کہا کہ اور دو تین دن کا وقفہ درمیان میں ہے انشاء اللہ اسوقت

تک طبیعت اچھی ہو جائیگی ویسے آپ کو پیدل چلنا کبھی نہ ہوگا آپ گاڑی پر سوار آ جائیں گے پھر کہنے لگے مجھے معاف ہی کر دیجئے ہمت نہیں ہوتی تو اس پر میں نے زور سے کہا کہ آپ ابھی سے پست ہمت کیوں ہوگئے جاتے وقت دیکھیں گے بے اختیار میری زبان سے یہ جملہ بھی نکل گیا کہ آپ ضرور آئیں گے انشاء اللہ بخار بالکل نہ رہے گا۔ جائیے اطمینان سے رہیئے۔ جانے کے ایک دن قبل بلکہ سونے کے وقت تک بخار اور کمزوری بیحد ہوگئی تھی نماز کے لئے رکوع وسجدہ تک کرنا دشوار تھا صبح کو نماز کے قبل مسجد میں آکر دیکھا کہ وہ سنتیں ادا کر رہے ہیں بے تکلف رکوع وسجدہ کر رہے ہیں۔ نماز کے بعد مدرسہ پہونچے چہرے پر بشاشت اور تروتازگی کے آثار تھے۔ تحقیق: الحمد للہ

حال: کہنے لگے خواب دیکھا کہ ایک نورانی مقام ہے کوئی بزرگ جو نظر تو نہیں آئے فرماتے ہیں کہ اگر حق تعالیٰ تک پہونچنے کی راہ میں نفس وشیطان کی رکاوٹوں سے نکلنا چاہتے ہو تو (حضرت اقدس) مولانا اشرف علی صاحبؒ کا طریقہ اختیار کرو۔ بار بار یہی آواز آرہی ہے۔ حافظ صاحب نے دریافت کیا کہ مجھے نمونہ کی ضرورت ہے تو اس ناکارہ روسیاہ ازل خادم حضرت والا کو وہاں حاضر کر دیا گیا یا خود حافظ صاحب ہی کو اس ناکارہ کے پاس پہونچا دیا کہ یہ نمونہ ہے۔ تحقیق: خوب

حال: دن بھر حافظ صاحب ہمارے ساتھ باغ میں رہے نہ بخار تھا نہ ضعف کا کوئی اثر بہت خوش خوش تھے بالکل تندرست معلوم ہوتے تھے اس سے بڑے متاثر تھے کہتے تھے کہ اب اس طریقہ کے ساتھ مجھے ہر طرح اطمینان اور مناسبت معلوم ہو رہی ہے۔ تحقیق: الحمد للہ۔

حال: وہاں سے واپس ہوکر مغرب کے وقت مکان پہونچے تو پھر وہی پہلے دن کیحالت بخار وغیرہ عود کر آئی اسکا سلسلہ ابتک کچھ کچھ باقی ہے۔ حضرت والا اس واقعہ سے بیحد شرمندگی اور ندامت اس ناکارہ کو دل ہی دل میں ہونے لگی کہ کہ میری حالت تو سراپا گندہ ہے اور حق تعالیٰ کی ستاری اور تفضل اس طرح کارفرما ہے

تحقیق : بیشک

حال : حضرت والا میرے حق میں بہت بہت دعا اور توجہ فرمائیں تحقیق : دعا کرتا
حال : حق تعالیٰ کی کامل رضامندی حاصل ہو جائے ۔ اور حضرت والا کے طر
ہر طرح سے کامل و مکمل طور پر عمل کرنے کی توفیق و ہمت نصیب ہو اور یہ باقی ماندہ
پوری طور سے انکی مرضیات ہی میں صرف ہو جائے اور وقت پر خاتمہ ایمان پر
دنیا اور آخرت میں ہر حال میں انکی ستاری اور فضل شامل حال رہے ۔ حضرت
کا ہر طریقہ اور ہر ادا میرے لئے تا دم آخر مشعل راہ بنے حضرت والا کی محبت
تعلق رگ و پے میں سرایت کر جائے ۔ تحقیق : آمین ۔
حال : الحمد للہ ثم الحمد للہ حق تعالیٰ کو حاضر و ناظر سمجھکر کہتا ہوں کہ حضرت والا
طریقہ اور طرز عمل سے پوری پوری طرح مناسبت ہے ۔ تحدیث بالنعمۃ
طور پر عرض کرتا ہوں خوف بھی ہے کہ شاید چھوٹا منہ بڑی بات نہ ہو جائے
کہ حضرت والا کو یہ ناکارہ جس طرح سمجھا ہے اور حضرت والا سے اس ناکارہ کو جس
کا تعلق اور مناسبت ہے میرا احساس یہ ہے کہ اس طرح سے بہت ہی کم حضرات
ہوں گے ۔ حق تعالیٰ معاف فرمائیں اگر یہ دعویٰ ہے ۔ چونکہ حضرت اقدس
لکھ رہا ہوں لہٰذا ایک عرصہ سے یہ وسوسہ گذر رہا تھا لکھدیا تحقیق : اچھا کیا لکھ
تحقیق : آپ نے اس خط میں ایک خواب کے سلسلہ میں نقل فرمایا ہے کہ :—
" کوئی بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر حق تعالیٰ تک پہونچنے کی راہ میں نفس و شیطان
رکاوٹوں سے نکلنا چاہتے ہو تو (حضرت اقدس) مولانا تھانوی کا طریقہ اختیار کر
اور آخر میں میرے متعلق لکھا ہے کہ :—
" حضرت والا کو یہ ناکارہ جس طرح سمجھا ہے اور حضرت والا سے اس ناکارہ کو جس طر
کا تعلق اور مناسبت ہے میرا احساس ہے کہ اس طرح سے بہت کم ہی حضرات ہوں گے
اسپر کہتا ہوں کہ جب آپ نے اصل اور شاخ دونوں کو پکڑ رکھا ہے تو پھر
اب اسکے بعد رہ ہی کیا جاتا ہے ۔

چنانچہ اس خبر پر دیوبند سے نائب مہتمم صاحب علامہ ابراہیم بلیاویؒ کے اور بعض حضرات کے خطوط حضرتؒ کے پاس بطور ہدیۂ تشکر کے آئے حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ اس سے حقیقی خوشی تو مجھے اسوقت ہوتی جب آپ حضرات کے بجائے طلبہ کی جانب سے میرے پاس کوئی تحریر طلب خیریت کی آتی کیونکہ کسی مدرسہ کے مہتمم کی کوئی خدمت دراصل ان طلبہ کی بھی خدمت ہے جو ان کے زیر اہتمام تعلیم پارہے ہوں۔ اس سے اندازہ فرمائیے کہ حضرت مصلح الامۃ حضرت مہتمم صاحبؒ کی ذات والاصفات کو کس درجہ قابل احترام اور لائق تعظیم سمجھتے تھے۔ اور اس میں شک نہیں کہ ایسا انکی اسی نسبت کی وجہ سے تھا جو بزرگوں سے انکو حاصل تھی۔
بہرحال بزرگوں نے اپنے عمل سے اسکا ثبوت دیا کہ کسی نسبت کا کوئی شخص حامل ہو کر خود بھی کسقدر لائق تعظیم ہوا کرتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت اقدسؒ اس مزاج کے بھی نہ تھے کہ کسی انسان کو معصوم سمجھتے ہوں مدرسہ کے اندرونی معاملات میں دخیل بھی نہ تھے تاہم ان سب باتوں کے باوجود اتنا ضرور سمجھتے تھے کہ حضرت قاری صاحب اپنی ذات سے بھی اور اپنی نسبت کی رو سے بھی بڑے شخص ہیں اور مغتنمات زمانہ سے ہیں اب ان کے بعد لوگ ان کے جیسا بھی نہ پاسکیں گے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ "قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید" حضرت حکیم الامۃؒ نے مدرسہ کو جس حال میں دیکھنا چاہا تھا ابنار زمانہ کو وہ پسند نہ ہوا پھر اب حضرت مصلح الامۃؒ نے بھی جو چاہا اسکے خلاف ہی میں لوگوں کی مصلحت معلوم ہوئی چنانچہ حضرت قاری صاحب کو ہٹا دینے کے بعد بھی سنا ہے کہ وہاں کا عملہ چین سے نہیں ہے اور ایک ایک کرکے تمامی باہمی اختلافات رونما ہو رہے ہیں اللہ تعالیٰ ہی دارالعلوم کی حفاظت فرمائے۔

میرا مقصد یہاں صرف یہ بیان کرنا ہے کہ جس طرح سے حکیم صاحب موصوف کو حضرت اقدس کی صحت کا لحاظ تھا تو حضرت والا سے بھی عجیب نہیں کہ اسی کا صلہ ادا فرماتے ہوئے حکیم صاحب کے عزیز خاص یعنی سمدھی حضرت مہتمم صاحب کے ساتھ یہ معاملہ

فرمایا ہو چنانچہ حضرت قاری صاحب کے معالجہ پر اسقدر توجہ فرمائی کہ اساطین دیوبند کو بھی اسکا اندازہ ہو کر تشکر نامہ ارسال کرنا پڑا مثلاً اسی موقع پر جناب سید مبارک علی صاحب نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے حضرت والا کو یہ عریضہ تشکر ارسال فرمایا کہ

" حضرت مولانا محمد طیب صاحب زید مجدہٗ مہتمم دارالعلوم دیوبند کا گرامی نامہ ۱۱ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ کو موصول ہوا اس سے معلوم ہوا کہ الحمد للہ حضرت مہتمم صاحب کی طبیعت نسبتاً اچھی ہے دوا اور پرہیز کا سلسلہ جاری ہے نیز یہ معلوم ہوا کہ حضرت مہتمم صاحب کے علاج کے سلسلہ میں آنجناب کو بہت زیادہ اہتمام ہے اور نہایت محبت سے حضرت مہتمم صاحب کی طرف متوجہ ہیں۔ غایت درجہ مسرت اور طمانینت حاصل ہوئی اور اس عریضہ تشکر کے ارسال خدمت کرنے کا داعیہ قلب میں پیدا ہوا۔ ہم سب خدام دارالعلوم اسکے لئے ممنون اور شکرگزار ہیں امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ آنجناب کی روحانی توجہات سے جلد مرض کا ازالہ ہو جائے گا اور حضرت مہتمم صاحب عنقریب مراجعت فرمائے دیوبند ہو جائیں گے۔

یہ حقیقت ہے کہ اپنی جماعت میں جناب والا کی ذات گرامی مغتنمات میں سے ہے اللہ تعالیٰ تا دیر اس ظل عاطفت کو قائم رکھے۔ گو جناب والا بندہ سے واقف نہیں لیکن احقر عرصہ سے جناب کے عقیدت کیشوں میں شامل ہے۔ دعاء کے لئے مستدعی ہے۔ خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو۔ والسلام

نیاز کیش۔ بندہ سید مبارک علی

(نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند ۔ ۲۳ $\frac{۳}{۸۰}$ ھ)

اسی موقع پر ایک دوسرے حضرت علامہ بلیاوی کا خط بھی آیا ملاحظہ فرمائیے

" پرسوں یا ترسوں ایک ملفوف عریضہ ارسال خدمت کر چکا ہوں ۔

آج یہ عریضہ خاص مقصد کے لئے لکھ رہا ہوں ۔ مخدوما! یہ معلوم کرکے
از حد مسرت ہوئی کہ آنجناب نے حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم
کے حصول صحت و بقائے ذات میں کمال توجہ اور التفات تامہ سے کام لیا ہے۔
علاج اور وہ بھی براز کمال طبیب سے کرایا ہے۔ اگرچہ جناب نے اخوت روحانی
اور حفاظت دارالعلوم کا حق ادا کیا ہے مگر آنجناب کا یہ عمل
جماعت دارالعلوم پر جس میں جناب بھی داخل ہیں بڑا احسان ہے۔ اسلئے
احقر اور پوری جماعت ہدیہ تشکر خدمت اقدس میں پیش کرکے مزید توجہ
کے متمنی ہیں۔ زیادہ کیا عرض کروں ۔ ہاتھ میں طاقت نہیں ۔ والسلام۔

محمد ابراہیم ۲۸ / ۳ / ۸۳ھ

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ حضرت مہتمم صاحب کی ذات گرامی حضرت اقدسؒ کے نزدیک۔
اور ان دونوں بزرگوں کے نزدیک (جن میں سے ایک نائب مہتمم اور دوسرا
صدر المدرسین دیوبند ہے) کتنی عزیز اور کسقدر گرامی شخصیت تھی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ
کہ حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہ ان حضرات کے نزدیک مہتمم دارالعلوم کے واحد فرد
تھے

حضرت اقدسؒ نے ان دونوں خطوط کا یہ جواب مرحمت فرمایا :۔
"کل کی ڈاک سے جناب سید مبارک علی صاحب نائب مہتمم مدرسہ
دارالعلوم کا اور آج کی ڈاک سے جناب والا کا مکتوب گرامی حضرت
مہتمم صاحب کے علاج کے سلسلہ میں بطور تشکر کے آئے ۔ علاج تو
حضرت مہتمم صاحب کا جناب حکیم اجمیری صاحب اور ڈاکٹر اسحاق صاحب
کر رہے ہیں جنکا شکریہ تمام جماعت کی جانب سے ادا کرنے کے سلئے
میں خود کافی تھا چنانچہ میں تو ان حضرات کا شکریہ تقریباً روزانہ ہی
ادا کر رہا ہوں ۔ آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا اس سے کہیں زیادہ خوشی مجھے
اسوقت ہوتی جب آپ کے بجائے ان طلبہ کے خطوط جناب مہتمم صاحب

کی دریافت خیریت و دعا گوئی کے لئے آتے جو کم از کم مجھ سے
تعلق و محبت رکھتے ہیں، اس لئے کہ حضرت مہتمم صاحب کی بیماری کا
سبب طلبہ ہی بنے ہیں تو جن لوگوں سے بیماری آئی ہے انھیں
لوگوں کی جانب سے حضرت مہتمم صاحب کی خدمت میں تو اظہار نیازمندی
اور دسائط صحت کے لئے تشکر زیادہ زیب دیتا۔ اس سے زیادہ
کیا عرض کروں۔ والسلام خیر ختام نو ید کم۔

وصی اللہ عفی عنہ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ

حضرت قاری صاحبؒ کے معالجہ کا ذکر حکیم صاحب موصوف کے ذکر میں
ضمناً آگیا ورنہ تو اصل ذکر حکیم صاحب کا ہو رہا تھا۔ آپ گنگوہ کے رہنے والے تھے
اور آپ کے والد حکیم سعید صاحبؒ یا دادا جناب حکیم محمد اسماعیل صاحب مرحوم و مغفور
کچھ دنوں اجمیر رہے پھر وہاں سے بمبئی تشریف لے گئے اور وہیں رہنے ہی لگے
چونکہ اجمیر سے بمبئی تشریف لے گئے اسلئے وہاں بمبئی میں حکیم اجمیری کے نام سے
مشہور ہوئے۔ ان کے بعد پھر ان کے صاحبزادے جناب حکیم مسعود صاحب کو بھی لوگ
اجمیری کہنے لگے اور ان کے بھی بعد ان کے دو صاحبزادگان حکیم مولوی سعد رشید صاحب اور
حکیم مولوی سعود صاحب کو بھی لوگ حکیم اجمیری کے لقب سے پکارتے ہیں۔ بہرحال
جس طرح سے سعد کا مادہ اس خاندان کے مرد و عورت کے اسماء کا جزو لازم سا
ہوگیا اسی طرح سے اجمیر کی جانب نسبت بھی لازم سی ہوگئی اگرچہ وطن آپکا گنگوہ تھا۔
چونکہ بڑے حکیم صاحب حکیم سعید صاحبؒ کا تعلق حضرت حکیم الامۃؒ
سے تھا اسلئے حکیم مسعود صاحب کو بھی گویا حضرت تھانویؒ سے پیدائشی عقیدت
تھی۔ حضرت اقدس مولانا تھانویؒ بھی بڑے حکیم صاحب کا بیحد ادب فرماتے
تھے اور ان حکیم صاحب کو تمانند اپنی اولاد کے مانتے تھے اسلئے بھی کہ آپ کا
خاندانی سلسلہ حضرت اقدس قطب عالم مولانا عبدالقدوس صاحب گنگوہیؒ سے ملتا تھا۔
اس نسبت پر حکیم مسعود صاحب معروف بہ حکیم اجمیری صاحب کا ایک واقعہ

جو یہاں کے لوگوں سے سنا ہے یاد آیا عجیب واقعہ ہے۔

جن دنوں حضرت والا پر رُعاف کا دورہ پڑا تھا اور علاج کے سلسلے میں حکیم اجمیری صاحب بھی بمبئی سے طلب کئے گئے تھے تو ایک مرتبہ حکیم صاحب کے سامنے ہی حضرت کو بہت خون آیا ایسا کہ حکیم صاحب بھی پریشان ہو گئے طبی اصول کے تحت جو پرہیز ہونا چاہئے تھا اس میں حکیم صاحب نے کچھ کمی پائی مثلاً یہ کہ ایسی حالت میں مریض کو بالکلیہ آرام درکار ہے۔ تنہائی میں آئے ہوئے لوگوں سے گفتگو کرنا تو الگ رہا ان سے ملاقات کرنے میں بھی کمی رکھی جائے۔ یہ سب ہونا چاہیئے تھا یہاں حال یہ تھا کہ حضرت والا غیر اوقات دورہ میں لوگوں سے اسی طرح سے ملتے جیسے عام قاعدہ تھا۔ گفتگو فرماتے اس میں تیزی بھی ہو جاتی مواخذہ اور عتاب بھی فرماتے۔ یوں منع کرنے کو سب ہی اطبار اور ڈاکٹر نے حضرت کو اس سے منع کیا لیکن حضرت یہ فرماتے تھے کہ میرے پاس لوگ آویں گے تو مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا کہ میں چپ بیرن کر بیٹھ جاؤں میں ضرور بولوں گا اور انکی اصلاح کروں گا۔ لوگ میرے پاس آویں اور میں یونہی ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کا مصداق بنا رہوں اس سے مر جانا بہتر سمجھتا ہوں۔ بولنے سے زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا نا کہ خون آجائے گا آئے۔ مر جاؤں گا مر جاؤں آخر مرنا تو ایک دن ہے ہی۔ اور لوگ تو اس تقریر کے بعد خاموش ہو جاتے تھے لیکن حکیم صاحب چونکہ بڑے طبیب تھے اسلئے انھوں نے بھی محسوس کیا کہ حضرت کو مکمل آرام فرمانے کی ضرورت ہے اس لئے اس دن ذرا پریشان ہو کر یہ فرمادیا کہ اگر حضرت کا یہی حال رہے گا تو صحت مشکل ہے حضرت نے بھی سنا کہ حکیم صاحب کچھ فرما رہے ہیں۔ فرمایا کہ حکیم صاحب کیا فرمارہے ہیں؟ یہ سنکر حکیم صاحب ہی خود بولے کہ حضرت اگر آپ اسی طرح سے کام جاری رکھیں گے بولیں گے خفا ہوں گے تو خون پھر آجائے گا تھوڑی مدت اس گفتگو کو بند رکھا جائے۔ چونکہ حکیم صاحب کا یہ لہجہ حکیمانہ کے بجائے ذرا حاکمانہ انداز اختیار کر گیا تھا اس لئے حضرت نے فرمایا کہ میں تو بولوں گا دیکھیں تو خون کیسے آتا ہے؟

اسپر حکیم صاحب تو یہ کہکر اپنے قیام گاہ پر چلے گئے اور حضرت والا خاموش ہوگئے خدام ششدر کہ یا اللہ یہ گفتگو تو آج گڑبڑ ہوئی ۔ چنانچہ آدھ گھنٹہ گذرنے پر حضرت والا نے کسی خادم کو حکیم صاحب کے پاس بھیجا اور فرمایا حکیم صاحب خون دوبارہ تو نہیں آیا ۔ پھر آدھ گھنٹہ گذرنے پر دوسرے کو بھیجا کہ حکیم صاحب سے جاکر کہو کہ خون تو نہیں آیا ۔ تیسری بار پھر کہلوایا ۔ حکیم صاحب یہ سنکر حضرت والا کی خدمت میں خود حاضر ہوئے اور منشار کو سمجھکر دور کھڑے ہوکر ہاتھ جوڑکر عرض کیا کہ حضرت! میں نے جو کچھ عرض کیا تھا وہ قانونِ طب کے اصول اور قاعدہ کے ماتحت عرض کیا تھا باقی میں الحمدللہ اولیار اللہ کی کرامات کا منکر نہیں ہوں مطلب یہ کہ اب کسی کو اگر ان حالات میں خون نہ آسکے تو یہ اسکی کرامت ہے ۔ میں اسکا منکر نہیں ہوں۔ اس طرح سے گویا اپنی اس فی الجملہ تیز کلامی کی معافی طلب فرمائی ۔ حضرت والا کو یہ جملہ سنکر ہنسی آگئی ۔ پاس بلایا اور فرمایا کہ حکیم صاحب آج خیر ہوگئی اسوقت آپ کی اس بات پر میں نے تو آپ کو کچھ کہہ دیا ہوتا لیکن قطب عالم حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کی روحانیت آڑے آگئی اسلئے زبان سے کچھ نکل نہ سکا ۔ اس سے حکیم صاحب کی بھی اصلاح ہوگئی اور ہم لوگوں کے لئے اہل اللہ کا ایک ادب معلوم ہوا کہ وہاں تو انسان کو بجز ۔ "مجھے تو خوب ہے کہ ہر بات بہر بجا کہیے" کا مصداق ہونا چاہیئے اور یہ سمجھنا چاہیئے کہ ؎

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن   که جاہا سپر باید انداختن

یعنی ہر جگہ گھوڑے دوڑانے سے کام نہیں چلا کرتا کوئی کوئی جگہ ایسی بھی ہوتی ہے جہاں سپر ڈال دینی چاہیئے ۔

جیسا کہ عرض کرچکا ہوں کہ حضرت مصلح الامۃؒ کی علالت کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے اطبار کے لئے انکی باطنی صحت کا ذریعہ بنا دیا تھا، ہمارے حکیم اجمیری صاحب نے بلاشبہ حضرت والا کا معالجہ نہایت ہی خلوص کے ساتھ فرمایا چنانچہ اسی کے بقدر اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدسؒ کے فیض سے بھی حکیم صاحب مرحوم کو حصہ وافر عطا

یا اس سلسلہ میں حکیم صاحبؒ کے دو خط پیش کرتا ہوں ملاحظہ فرمائیے۔ اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ

ل: "کمینہ خدام کفش بردار مسعود عفی عنہ باادب و نیاز عرض گذار ہے کہ رسالہ میں ملفوظات عالیہ ہمیشہ ہی بے بہا جواہر ہوتے ہیں مگر تصوف کے عنوان سے ملفوظ عالی ایسا عجیب و غریب ہے کہ بیان نہیں کیا جا سکتا عمر اسی ماحول میں گذری مگر اس عنوان پر ایسا جامع اور شافی وافی مضمون نظر سے نہیں گذرا۔ نہایت ہی عجیب و غریب استدلات ہیں (مثلاً) "اسم محدث ہے تو مسمیٰ تو محدث نہیں" ۔ اور غل و غش کی وجہ سے تصوف کا رد و انکار ہے تو اصل صورت میں اسلام ہی کب باقی رہ گیا ہے" بہت ہی عمدہ اور مسکت دلیلیں ہیں اس پر مستزاد حوالے اور امام مالکؒ کا قول تصوف کے متعلق ذکر فرمانا یہ امور سونے پر سہاگہ ہیں۔ آنے جانے والوں کو سناتا ہوں۔ محظوظ ہوتا ہوں محظوظ کرتا ہوں۔

یہ مضمون پورا آجائے تو دل چاہتا ہے کہ ایک جلد خادم زادے سعود سلمہ کو مدینہ طیبہ بھیجوں حق کے جویاں وہاں بہت ہیں۔ خیال تھا کہ علامہ مودودی کو بھی بھیجدوں مگر وہ شخص حق کے جویا معلوم نہیں ہوتے۔

والا نامہ ملفوفہ صادر ہو گیا۔ شوال میں حاضری کی آرزو اور ارادہ ہے"

ق: "ملفوظات پر جو آپ نے اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے بہت مسرت کا موجب بنا آپ کی قدر دانی سے بڑا لطف آیا نقل کرا رہا ہوں تاکہ دوسروں کے لئے بھی مفید ہو" ۔ والسلام وصی اللہ عفی عنہ (از رجسٹر ص ۱۶)

(حکیم اجمیری صاحبؒ کا دوسرا خط بنام مصلح الامۃؒ)

ل: افاضات عالیہ میں ہر فیض اور ہر ملفوظ لاجواب اور بے مثال ہوتا ہے

مگر نسبت صوفیہ پر ملفوظ عالی تو معلوم ہوتا ہے کہ اسی خادم کو سامنے بٹھلا کر بیان فرمایا جایا ہے نہایت پر مغز اور بہت عظیم الشان اور انتہائی جلیل القدر علم ہے اور بڑے انوکھے اور دلنشین انداز میں اسے تعلیم فرمایا گیا ہے۔ ہفتہ وار مجالس میں اسے ہی بیان کر رہا ہوں اور اس دل کی لگن کو بڑی لگن کے ساتھ لوگ سنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بات کبھی ذہن میں بھی نہیں آئی تھی اور اب معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ سے جانتے ہیں قَالُوا هٰذَا الَّذِىْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ کا کتنا صحیح اور انوکھا مصداق ہے۔ حد ادب"

مبق: آج ارادہ کر ہی رہا تھا کہ آپ کو خط لکھوں کہ آئیے تشریف لائیے ملاقات کو طبیعت چاہتی ہے کہ اتنے میں آپکا محبت نامہ ملا۔ مضمون کے متعلق آپنے جو لکھا ہے تو میں تو آپ ہی کے خاندان کا خوشہ چین ہوں میری کیا حیثیت ہے باقی یہ مضمون نسبت صوفیہ جو آپکو پسند ہوا تو اس نسبت کی برکت سے جو اپنے اسلاف سے آپکو حاصل ہے والسلام مدنی اللہ

خط فرمایا آپنے حضرت حکیم صاحب موصوف کی مکاتبت۔ اتنا بڑا شخص اور خود کو حضرت اقدس کے سامنے کسقدر فنا کئے ہوئے ہے۔ ایسا وسیع النظر انسان جو بزرگوں کی صحبت بھی اٹھا چکا ہو حضرت کے مضامین کی تعریف ان لفظوں میں فرمائے کہ "ایسا شافی وافی مضمون نظر سے نہیں گذرا" ہے اندازہ فرمایئے کہ کس درجہ حضرت کے فیض سے حصہ پایا تھا کہ علامہ مودودی تک ان مضامین کے پہونچانے کا داعیہ پیدا ہو گیا تھا اور اسمیں شک نہیں کہ حضرت اقدس کی یہ تصنیف یعنی "رسالہ تصوف اور نسبت صوفیہ" ہے ہی اسی شان کی چنانچہ جسوقت ہمارے حضرتؒ نے اسکا کچھ حصہ حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی مدظلہ کو جبکہ وہ حضرت والا کے یہاں تشریف لائے ہوئے تھے راقم کے واسطے سے سنوایا تھا تو انھوں نے بھی برجستہ یہی فرمایا کہ ارے ابھی ابھی مجھ سے ملنے کیلئے یہاں مولوی ابو اللیث آئے تھے یہ انکے کام کی چیز تھی ہو سکتا تھا کہ انکو اس سے نفع ہوتا۔ اسی نوع کا تاثر ہمارے حکیم اجمیری صاحبؒ کا کہ جی چاہتا ہے ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کے پاس بھی اسکو بھیجدوں کہ لو اب تصوف کا انکار کرو۔

الغرض ان اطبائے کرام کی بھی ملاقات حضرت اقدس سے چونکہ الہ آباد ہی میں ہوئی تھی حالات الہ آباد کے ذیل میں کچھ ذکر ان حضرات کا بھی آگیا۔

امام موصوف کے کلام میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ شریعت اور دین میں اہل تصوف کے کسی سلسلہ میں سماع کو عبادت کی طرح معمول کسی نے نہیں بنایا یعنی جس طرح مریدین کو اذکار وعبادات کی تلقین کیجاتی ہے اشتغال سماع کی تلقین کسی بزرگ سے کہیں منقول نہیں زیادہ سے زیادہ یہ کہ بعض صوفیا رکرام نے اسکے اشتغال کو ضرور جائز سمجھا ہے۔

۸۲۔ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض ارشادات

ہرم بن حیانؒ فرماتے ہیں کہ ــــ میں نے حضرت اویس قرنیؒ سے عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کہ جب سوؤ تو موت کو اپنا تکیہ بناؤ اور اسی کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو۔ جاگو تو اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرو کہ وہ تمھارے قلب اور نیت کو درست فرمادے کیونکہ ان دونوں کا صحیح حالت پر باقی رہنا نہایت دشوار ہے کیونکہ بسا اوقات قلب ونیت شروع میں صحیح ہوتے ہیں اور دفعتاً بدل جاتے ہیں یا شروع میں صحیح نہیں ہوتے پھر صحیح ہو جاتے ہیں۔ اور گناہ کے چھوٹے ہونے پر کبھی نظر نہ کرو بلکہ اس ذات کی بڑائی پر نظر کرو جسکی تم نافرمانی کر رہے ہو

۸۳۔ خاتم الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت ورسالت پر کائنات عالم کی شہادتیں

ریاست دوجانہ کا ایک عجیب واقعہ

(از محترمہ والدہ محبوب احمد صاحب ریاست دوجانہ)

چند سال ہوئے ہیں کہ احقر نے "المفتی" کے ایک مستقل مضمون میں ایسے

واقعات جمع کئے تھے جن میں کائنات عالم کی غیر ذی شعور چیزوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق و حقانیت کی شہادت ظاہر ہوئی ہیں اور یہ مضمون مستقل بھی بنام "فکر العبد الشفیع فی ذکر السید الشفیع" شائع ہو چکا ہے ذیل کا واقعہ بھی اسی سلسلہ کی ایک چیز ہے اسلئے مناسب معلوم ہوا کہ اسکو بھی اسکا ضمیمہ قرار دیا جاوے اور بالفعل اسکو المفتی میں درج کر دیا جاتا ہے۔ یہ واقعہ رسالہ مسلمہ جالندھر شمارہ جلد ۹ ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ سے نقل کیا جاتا ہے۔

محمد شفیع عفا اللہ (مدیر مفتی)

۱۱ اگست کا ذکر ہے کہ میرے پاس میری خواہرزادی کا ایک خط آیا کہ عجیب بات آئی ہے جسے خوشی کے ساتھ لکھتی ہوں اور وہ یہ ہے کہ شب جمعہ کو والدہ صاحبہ نے مان پر بادلوں میں کلمہ لکھا ہوا دیکھا۔ ایک شب پھر دیکھا تو پاس ہی انکی چھوٹی لڑکی اور انجی سوتی تھیں انکو جگایا ان دونوں لڑکیوں نے بھی دیکھا میں نے یہ خط پڑھا اور ال آیا کہ کئی سال کا عرصہ ہوا جب بھی یہی سنا گیا تھا اور خود میری ایک عزیزہ نے ان کیا تھا کہ پچھلی شب کو ہم کسی ضرورت سے باہر آئے تو ہم نے آسمان پر جو نگاہ ، تو نہایت صاف اور موٹے الفاظ میں بہت صاف اور خوشخط کلمہ لکھا ہوا نظر آیا جسے حیرت کے ساتھ کتنی دیر تک ہم دیکھتے رہے۔ اسکا ذکر پھر گئی اور جگہ بھی سنا گیا اور بہت روز چرچا رہا۔

آٹھ نو سال کے عرصہ کے بعد آج میں نے اپنی بھانجی کے خط سے یہ حال معلوم کیا اور ہمشیرہ کی قسمت پر رشک آیا کہ کاش مجھے بھی وہ متبرک اور پیارا نام نظر آتا جسے خدا نے یہ عظمت دی کہ اپنے نام کے ساتھ لکھوا اسکا یہ معجزہ متعدد بار منکرین اسلام دکھایا کہ جا بجا یہ نام پاک شجر و حجر و آسمان پر لکھا دیکھا اور ہزاروں نے دیکھا۔

دہلی میں جبکہ نئے قلعہ کی تعمیر ہو رہی تھی وہاں سے پتھر جس وقت نکالے جا رہے تھے اسوقت ایک پتھر پر کلمہ لکھا ہوا نکلا تھا جسے دیکھنے کے لئے لوگ دور دور سے آئے تھے اور وہ آج تک محفوظ ہے۔

جس روز سے خط آیا تھا میرا معمول تھا کہ رات کو بستر پر لیٹ کر بڑے اشتیاق سے آسمان پر نظر کرتی اور دعا کرتی کہ خدایا مجھے بھی وہ کلمہ دکھادے جس کا ڈنکا چاردانگ عالم میں بجا اور بجتا رہے گا مگر میری یہ آرزو پوری نہ ہوئی (محترمہ والدہ صاحبہ نواب صاحب دوجانہ جو مجھ پر بہت مہربان ہیں اور انکی عنایت کی وجہ سے میں کچھ عرصہ سے ان کے پاس مقیم ہوں) میں نے ان سے ذکر کیا وہ بھی کبھی تو میرے ساتھ دعا میں شریک ہوتیں اور کبھی یہ فرماتیں کہ تمہاری ہمشیرہ کا تخیل ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ تخیل کا کرشمہ ہوتا تو آپ میں بھی تو آرزومند اور خیال میں ہیں مگر آرزو پوری نہیں ہوتی۔

کچھ روز کے بعد اپنی ہمشیرہ کے پاس گئی اور جب عزیزوں کی ملاقات سے فرصت ہوئی اور رات کو سوتے وقت یہی ذکر آیا تو میں نے مفصل دریافت کیا کہ کیا وقت تھا اور کس طرح دیکھا تو انھوں نے اس طرح بیان کیا کہ مجھے اکثر رات کو نیند نہیں آتی گرمی کی وجہ سے اور کچھ بے چینی سے کیونکہ (ان کے یہاں بچہ ہونے والا تھا) جمعہ کی رات کو دو بجے کے قریب جو میں نے کروٹ لیکر آسمان پر نظر کی تو کیا دیکھتی ہوں کہ آسمان پر دو تارے جو بہت قریب ہیں اور ان میں ایک بہت روشن ہے کچھ روز سے مشرق کی سمت سے نکل رہے ہیں اور مجھے آسمان پر دکھا کر بتایا جو اس وقت بھی سامنے ہی تھے جس میں سے ایک بہت چمک رہا تھا اور انکی شکل کچھ الف کے مشابہ ہوتی ہے ؛ کہنے لگیں کہ ان دو تاروں کا "لام" بن گیا اور ان کے درمیان بہت خوشخط موٹے موٹے حرفوں میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صاف لکھا نظر آیا اور ان کے درمیان میں ہزاروں باریک تارے اس طرح نظر پڑے جیسے افشاں چھڑک دی گئی ہو اور کلمہ کے چاروں طرف کچھ اور نام نظر پڑے مگر وہ مجھ سے صاف نہیں پڑھے گئے۔ کچھ خیال ہے کہ عبداللہ، عمر ایک دو نام تو پڑھے گئے باقی صاف نہیں دکھائی دیئے میں بڑی دیر تک حیرت کے عالم میں دیکھتی رہی اور جی چاہا کہ پاس ہی والدہ اور بڑی لڑکی اور کچھ فاصلے پر میرے خاوند سو رہے تھے انکو بھی جگا کر دکھاؤں

مگر زبان نہ اٹھی تو تالا گئی بولا نہ گیا۔ آسمان پر اس قدر رونق اور چمک تھی کہ لیٹی لیٹی قدرت خدا دیکھتی رہی یہاں تک کہ صبح صادق ہوگئی اور آسمان پر اجالا ہوکر یہ منظر نگاہوں سے روپوش ہوگیا۔ دل سرور سے لبریز تھا کلمہ پڑھ کر نماز کے لئے اٹھی اور سب اٹھے تو ان سے بیان کیا ہر ایک نے یہی کہا کہ ہمیں کیوں نہ اٹھایا۔

دوسری شب گذار کر تیسری شب کو پھر اسی وقت دو بجے کے قریب آسمان پر جو نظر کی تو دیکھا کہ پورا کلمہ نہیں ہے صرف محمد بہت صاف لکھا ہوا ہے اب خیال آیا کہ آج صاف اور پورا کلمہ نہیں ہے اسی حالت میں دیکھتے دیکھتے کچھ غنو سی طاری ہوئی تو آواز کسی کی آئی کہ یہ کلمہ نہیں ہے یہ تو محمد احمد نام ہے اسے خوب یاد رکھنا۔ آواز سن کر چونکی دیکھا تو کوئی نہ تھا۔ خیال آیا کہ کیا بطن میں جو بچہ ہے اس متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ یہ نام رکھا جائے یا کیا بھید ہے۔ کسی سے ذکر نہیں کیا صرف اپنے خاوند سے کہا۔ اسی خیال میں رہی اسی طرح دو چار روز گذر گئے اور ایک شب کو بڑی ہمشیرہ کی لڑکی بھی آئی ہوئی تھی اور میرے پاس ہی سو رہی تھی کہ اسی طرح بدستور نیند نہ آئی اور پچھلی شب پھر آسمان پر کچھ روشنی نظر آئی اب جو دیکھتی ہوں تو اسی طرح انہی صاف لفظوں میں کلمہ نظر کے سامنے ہے تھوڑی دیر تو دیکھتی رہی اس کے بعد بڑی مشکل سے زبان کھلی اور آہستہ آہستہ اپنی چھوٹی کو پکارا مگر صاف الفاظ ادا نہ ہوئے۔ بھانجی کی آنکھ کھلی اس نے کہا کہ خالہ جان کیسے بول رہی ہو زبان کو کیا ہوا؟ کیا کہتی ہو؟ بمشکل اس سے کہا کہ آسمان پر دیکھو اس نے جو نظر اٹھا[ئی] تو اس نے بھی دیکھا اور اس نے میری چھوٹی کو جو ماشاء اللہ جوان ہے پاس ہی سو [رہی] تھی اسے اٹھایا اور دونوں نے دیکھا مگر اس کے بعد اوروں کو جگانا چاہا تو ان لڑکیو[ں] کی بھی زبان نہ کھلی نہ کسی کو جگایا گیا اسی طرح یہ بھی دیکھتی رہیں یہاں تک کہ صبح ہو گئی حیرت پر حیرت تھی کہ یہ کیا راز ہے؟ آخر وہاں کے ایک درویش بہت بڑے عالم [تھے] ان سے یہ کہا گیا کہ عالم خواب نہیں بلکہ بیداری میں اور ہوش و حواس میں یہ منظر نظر آ[یا] انھوں نے فرمایا کہ ان کے پیٹ میں کوئی نیک روح ہے اور ایک شب جو محمد ا[حمد]

نام بتایا گیا ہے غالباً یہ اشارہ ہے کہ لڑکا ہو تو یہ نام رکھا جائے۔

پھر ہمارے ایک عزیز مولوی وقاری صاحب آئے ان سے ذکر کیا انھوں نے فرمایا کہ ان کا دماغ روشن ہے کوئی نیک بچہ ہوگا اسی کی نسبت یہ اشارہ ہے۔

اس کے مہینہ بیس روز کے بعد انکے یہاں لڑکا ہوا اور ماشاء اللہ خوبصورت اور تندرست ہے خدا اسے عمر طبعی عطا فرمائے اسکی بعض حرکات اور اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک اور عقلمند ہوگا میں ان ستاروں کو ہر شب دیکھتی رہی پھر ان ستاروں کا چرچا اوروں میں بھی ہوا کیونکہ یہ دو ستارے آسمان پر نمایاں طور پر دکھائی دیتے تھے اور قریب عشاء شمال مشرقی کونے پر ہوتے تھے اور پچھلی شب کو آسمان کے درمیان میں آجاتے تھے ایک ستارہ تو بہت روشن تھا جس کا رنگ کچھ سبزی مائل نظر آتا تھا دوسرا کم روشن کچھ سرخ معلوم ہوتا تھا اسکے لئے بڑی باتیں مشہور ہوئیں۔ کسی نے موجودہ لڑائی سے موسوم کیا کہ یہ انگے ستارے ہیں۔ ایک کا روشن ایک کا مدھم ہے اور وہ ستارے آج تک بدستور نکلتے ہیں مگر فرق یہ ہوگیا ہے کہ پہلے دونوں بہت قریب تھے اب ذرا فاصلہ پر ہیں پچھلی شب بہت آب وتاب دکھاتے ہیں کوئی مولوی، عالم یا ستاروں کے ماہر روشنی ڈالیں کہ کیا ہے؟ یہ ستارے کون سے ہیں اور میں نے جو ان کے متعلق واقعہ لکھا ہے بالکل سچ ہے ایک لفظ بھی غلط یا مبالغہ آمیز نہیں ہے۔

۴۸۔ دنیا سے دنیا دار بھی تنگ آگئے

(تہذیب جدید سے تنگ آکر قرآنی تعلیمات کا اعتراف)

(وائس چانسلر بنارس یونیورسٹی کی تقریر)

الہ آباد — ۸ فروری۔ دنیا کے موجودہ مصائب کا سب سے بڑا سبب یہ ہے

کہ تہذیب جدید کی بنیاد مادیت پر ہے جب تک ہم دنیا میں اپنا نظام جسکی بنیاد کچی روحانیت
پر ہو قائم نہیں کریں گے اسوقت تک امن قائم نہیں ہو سکتا۔

یہ وہ الفاظ ہیں جو سر رادھا کشن وائس چانسلر بنارس یونیورسٹی نے اسپیڈلا ہال
میں "دنیا کا موجودہ ابتلار" کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے کہے جلسہ ینگ انڈیا لیگ
کے زیر اہتمام منعقد ہوا تھا اور دینا رو ہو ناتھ نے صدارت کی۔ سر رادھا کشن نے
موجودہ جنگ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ جنگ حق و باطل کے درمیان ایک جنگ ہے
لیکن یہ سمجھنا غلط ہے کہ اسکے خاتمہ پر دنیا میں دائمی امن قائم ہو جائے گا فتح ہٹلر کی ہو
یا انگریزوں کی مغلوب فریق شکست کھانے کے بعد غالب سے بدلہ لینے کی تیاریاں کریگا
اور اس کے بعد ایک اور خوفناک جنگ ہوگی۔ ساری خرابیوں کی جڑ یہ ہے کہ موجودہ
تہذیب کی بنیاد مادیت پر ہے اور جب تک ہم دنیا میں ایک ایسا نظام جسکی بنیاد سچی
روحانیت پر ہو قائم نہیں کرینگے اسوقت تک دائمی امن قائم نہیں ہو سکتا۔ جبتک سیاسی اور
معاشی اونچ نیچ باقی ہے اسوقت تک یہ جھگڑے نہیں مٹ سکتے۔

(از اخبار وحدت دہلی مورخہ ۳ مارچ ۱۹۴۱ء)

۸۵۔ حضرت ذوالبجادینؓ کا اسلام

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف ایک نظر تمام دنیا و مافیہا سے بہتر ہے)

آپ کا اسم گرامی عبداللہ ابن عبدالنہم ہے اور ان حضرات میں سے ہیں
جنھوں نے سرور کائنات فخر موجودات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے
آنکھیں روشن کی ہیں۔ آپ تیم بچے تھے گذارہ کی کوئی صورت نہ تھی اپنے چچا کی
کی آغوش میں تربیت پائی جب ہوش سنبھالا فطرۃ سلیمہ نے اسلام کی طرف رغبت
پیدا کردی لیکن چچا کے خوف سے پریشان تھے کہ کس طرح اسلام کا اعلان کروں آخر
ایک روز اس سعادت ازلی کی کشش غالب آئی اور بے پرواہ ہو کر چچا سے عرض کیا

کہ مذہب اسلام کو حق سمجھتا ہوں اور اسکو قبول کرنیوالا ہوں۔ چچا نے ہر طرح کا خوف دلایا اور کہا کہ اگر تم مسلمان ہوگئے تو میں نے جو کچھ تمھیں دیا ہے سب چھین لوں گا۔ مگر عمر۔ یہ وہ نشہ نہیں ہے جسے ترشی اتار دے۔ ہنس کر کہا اے عم محترم!

" بخدا محمد صلی علیہ وسلم کی زیارت ایک مرتبہ نظر کر لینا ساری دنیا اور اسکے مال و متاع سے زیادہ بہتر ہے "

چچا نے یہ پختگی دیکھی تو بدن کے کپڑے تک اتار لئے والدہ نے بمشکل ایک چادر ان کو ستر پوشی کے لئے دی جس کے دو ٹکڑے کرکے آپ نے ایک کا تہبند اور دوسرے کی چادر بنالی اور سامانِ بے سروسامانی کے ساتھ شاداں و فرحاں مسلمانوں کی جماعت میں آملے۔

دو کپڑوں کی وجہ سے آپکا لقب ذوالبجادین مشہور ہوگیا۔ ہمارے خواجہ صاحبؒ نے خوب ہی فرمایا ہے ؎

ادھر ٹکڑے تھا دامن اور ادھر پرزے گریباں تھا	مگر مانند گل میں ان پھٹے حالوں میں خنداں تھا
کسی کی یاد میں بیٹھے جو سب سے بے غرض ہو کر	تو اپنا بوریا بھی پھر ہمیں تخت سلیماں تھا

ولنعم ما قیل فی احوال المحبین ؎

ولقیت فی حبك ما لم یلقه	فی حب لیلیٰ قیسها المجنون

(آپ کی محبت میں میں نے وہ تکلیفیں اٹھائیں جو قیس یعنی مجنوں نے لیلیٰ کی محبت میں نہیں اٹھائیں

لکننی لم اتبع وحش الفلا	کفعال قیس والجنون فنون

بجز اسکے کہ میں قیس مجنوں کی طرح وحشی جانوروں کے پیچھے نہیں پھرا لیکن جنون کی بہت سی قسمیں ہیں)

۸۶۔ عجائب قدرت کا ایک نمونہ

ایک ہی وقت میں دو شخصوں کی خرق العادت تربیت پھر ان میں سے ایک نبی ہوئے دوسرا گمراہ

قرآن مجید میں امم سابقہ کے کفار میں سے صرف چھ شخصوں کے نام مذکور ہیں۔

آزر، جالوت، فرعون، ہامان، قارون، سامری آخرالذکر کا نام موسیٰ بن ظفر ہے اور پیغمبر اولوالعزم حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رشتہ دار اور ہمقرن ہے اور جس طرح حضرت موسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پرورش حق تعالیٰ کی حکمت غامضہ اور قدرت کاملہ کا ایک خاص نمونہ ہے کہ دشمنوں کے گھر میں اور دشمنوں کی گود میں انکی پرورش کرائی گئی اسی طرح اس موسیٰ بن ظفر (سامری) کی تربیت بھی فوق العادت طریق سے اس طرح کی گئی کہ جب یہ بچہ پیدا ہوا اور فرعونی قانون کے ماتحت اسکا ذبح کردینا ضروری ہوا تو اسکی والدہ نے یہ خیال کرکے کہ اپنے سامنے اپنے بچہ کو ذبح ہوتے نہ دیکھوں اسکو ایک غار کے اندر چھپا دیا اور اس غار کے اوپر پتھر رکھدیا۔ اب یہ بیکس بچہ جسکو اس شفیق والدہ نے مایوس ہوکر اپنے ہاتھوں موت کے منہ میں ڈالدیا تھا بیکسوں کے وارث اور بے سہاروں کے سہارے حق تعالیٰ نے اسکو اپنی خاص تربیت میں لے لیا جبرئیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اسکو غذا پہونچائیں وہ روزانہ ایک انگلی پر دودھ دوسری پر شہد تیسری پر گھی لگا کر اسکو چٹاتے تھے یہانتک کہ اسی تنگ و تاریک غار میں یہ لاوارث بچہ پرورش پا گیا اور چلنے پھرنے لگا اب خدا تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ ایک وقت میں دو موسیٰ پیدا ہوئے دونوں کی تربیت اور پرورش خرق عادت کے طور پر کرائی گئی ایک نے فرعون جیسے کافر کے گھر میں پرورش پائی دوسرا جبرئیل علیہ السلام جیسی مقدس ہستی کے ہاتھوں پلا لیکن فرعون کے گھر میں پلنے والا خدا تعالیٰ کا برگزیدہ اور اولوالعزم نبی و رسول ہوا اور جبرئیل علیہ السلام کے ہاتھوں تربیت پانے والا منافق اور کافر نکلا سچ فرمایا ہے ؎

خلیلے برآری زبت خانۂ　　کنی آشنائے زبیگانۂ

(تو جو چاہے تو، خلیل اللہ کو بتخانہ سے پیدا کردے اور بیگانے کے یہاں سے آشنا پیدا ہوجائے)

اسی حیرت انگیز واقعہ کو کسی شاعر نے نظم کیا ہے ؎

اذا المرء لم یخلق سعیدا تحیرت　　عقول مربیہ وخاب المؤمل

فموسیٰ الذی رباہ جبرئیل کافرا　　وموسیٰ الذی رباہ فرعون مرسل

(ترجمہ) جب کوئی انسان اول خلقت میں نیک بخت پیدا ہوا تو تربیت کرنیوالوں کی عقلیں حیران رہ جاتی ہیں اور اس سے امید رکھنے والے محروم رہجاتے ہیں۔ پس وہ موسیٰ جسکو جبرئیل علیہ السلام نے پرورش کیا تھا کافر ہوا اور وہ موسیٰ جسکو فرعون نے پالا تھا خدا کے رسول ہوئے

اور اپنے رب سے یہ درخواست کرے کہ وہ اسکے گناہوں کو اور جملہ کوتاہیوں کو معاف فرمائے جیساکہ منقول ہے کہ حضرت یحییٰ بن معاذ رازیؒ فرماتے تھے کہ اے پروردگار! آپ نے دنیا میں ہم پر صرف اپنی ایک رحمت بھیجی ہے وہ یہ کہ ہمکو اسلام سے نوازا ہے تو جب آپ آخرت میں سو رحمتیں ہم پر اپنی نازل فرمائیں گے تو ہم کیونکر آپ کی مغفرت کی امید نہ رکھیں۔ انھیں سے مروی ہے کہ وہ یہ کہا کرتے تھے کہ الٰہی! یہ مانا کہ آپ کا ثواب مطیعین کے لئے ہے اور آپکی رحمت مذنبین کے لئے ہوگی تو میں اگرچہ خود کو مطیعین میں شمار نہیں کرتا تاہم امید کرتا ہوں کہ آپ کی رحمت تو مجھ پر ہو ہی جائیگی اس لئے کہ میں گنہ گاروں میں سے ہوں لہٰذا آپ کی رحمت کی امید لگائے ہوئے ہوں۔ انھیں سے یہ بھی منقول ہے کہ فرمایا کہ اے اللہ! آپ نے جنت پیدا فرمائی ہے اور اسے آپ نے اپنے دوستوں کے لئے دعوت گاہ بنایا ہے اور کافروں کو تو آپ نے اس میں داخل ہونے سے مایوس فرما دیا ہے ملائکہ آپ کے ہو وہ اسکے محتاج نہیں اور اے پروردگار! آپ بہ نفس نفیس اس سے مستغنی ہیں تو اب اگر ان حالات میں آپ ہم مومنین مذنبین کو بھی جنت نہ دیں گے تو آخر اور کسے آپ اسکو عطا فرمائیں گے؟

فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک ایسا شخص بھی داخل ہو جائے گا جس نے دنیا میں کوئی بھی نیک کام نہ کیا ہوگا۔ اس نے دنیا میں یہ کیا تھا کہ اپنے اہل وعیال کو وصیت کی تھی کہ میں جب مرجاؤں تو میری لاش کو جلا دینا اور پھر اس جلی ہوئی راکھ کو پیس ڈالنا پھر نصف حصہ اسکا دریا میں ڈالدینا اور دوسرے نصف کو خشکی میں اڑا دینا۔ چنانچہ جب اسکا انتقال ہوگیا تو اسکے ورثہ نے ایسا ہی کیا کہ آدھے حصہ کو دریا میں بہا دیا اور آدھے کو میدان میں اڑا دیا اللہ تعالیٰ نے بحر و بر دونوں کو حکم دیا کہ اسکے اجزاء کو جمع کرکے لاؤ چنانچہ پیشی ہوئی حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تو نے ایسا کیوں کیا تھا اس نے عرض کیا کہ پروردگار

عمل خیر سے تہی دست تھا آپ کے عذاب اور آپ کے گرفت سے ڈر کر اس سے بچنے کے لئے یہ سب کیا تھا کہ شاید بچ جاؤں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسکو بھی اسی بنا پر بخشدیا۔

(احقر مترجم عرض کرتا ہے کہ مصنفؒ نے اس روایت کو بیان کرکے یہ بتانا چاہا ہے کہ نجات کا معاملہ کچھ عمل پر موقوف نہیں ہے صرف خدا کے فضل پر موقوف ہے باقی کیا اس غریب نے یہ سب محض اسلئے کیا کہ خدا کا عذاب اسکے پیش نظر تھا اسکے خوف سے گھبرا کر فرار کی سبیل اختیار کرنی چاہی نہ اسلئے کہ وہ معاذ اللہ منہ خدا کو قادر نہیں سمجھتا تھا یہ بات نہ تھی ایسا سمجھنا تو کفر ہے۔ باقی بات وہی ہے کہ اس بیچارہ کو بس اتنی ہی فہم تھی لہٰذا کریم و رحیم منصف نے اس سے زیادہ کا مطالبہ ہی نہیں کیا ہے۔ "موسیا! آداب دانا دیگر اند" کے قبیل سے اسکو بھی سمجھنا چاہیے)

حضرت فقیہ ابواللیث ثمرقندیؒ اپنی سند کے ساتھ حضرت عطارؒ اور وہ کسی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ ہم لوگ باہم ہنس بول رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے (اور اس طرح سے ہمکو غافل دیکھکر) فرمایا کہ ارے تم لوگ ہنس رہے ہو اور جہنم تمہارے سامنے موجود ہے۔ دیکھو! خبردار اب میں تمھیں اس طرح سے ہنستا ہوا نہ دیکھوں یہ فرماکر آپ تو روانہ ہو گئے اور یہاں ہم پر ایسا خوف آخرت مسلط ہوا کہ ہم اس طرح سے خاموش ہو گئے گویا ہمارے سروں پر چڑیا بیٹھی ہوئی ہو۔ پھر ذرا ہی دور جاکر آپ الٹے قدم لوٹے اور فرمایا کہ ابھی میرے پاس جبرئیل آئے تھے یہ فرما گئے ہیں کہ آپ میرے بندوں کو میری رحمت سے ناامید اور مایوس نہ فرمائیے بلکہ انھیں یہ اطلاع دیجئے کہ میں غفور رحیم ہوں لیکن میرا عذاب بھی دردناک عذاب ہے (مطلب یہ کہ مومن کے سامنے یہ دونوں جہتیں ہونی چاہئیں رجاء بھی اور خوف بھی۔ آپؐ کے پہلے وعظ میں صرف خوف کا انداز تھا وحی آئی کہ میرے بندوں سے دونوں باتیں فرمائیے میرا

غفور رحیم ہونا بھی اور میرے عذاب کا دردناک ہونا بھی۔)

حضرت عمرو بن العاص ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی گناہ ایسا بڑا نہیں کہ جس کی مغفرت کرنے میں اسے کچھ دیر لگے (بلکہ وہاں تو رحمتی وسعت کل شئی کا معاملہ ہے) چنانچہ تم سے پہلی امتوں میں سے کسی امت میں ایک شخص تھا جس نے کہ ننانوے قتل کئے تھے اسکے بعد اسکے دل میں خدا کا خوف پیدا ہوا اور اس نے توبہ کرنا چاہا تو اپنے زمانہ کے ایک عابد کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ میں نے ننانوے قتل کئے ہیں کیا آپ کے نزدیک میری بھی توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ اس نے کہا نہیں بھائی تو نے تو ظلم کی انتہا ہی کر دی (اب تو ہی بتا کہ اتنے اتنے قتل کو خدا کیسے بخش سکتا ہے؟) یہ سنکر وہ بڑھا اور اسکو بھی قتل کر کے سو کی تعداد پوری کر دی اسکے بعد دوسرے عالم کے پاس گیا اور اس سے بھی یہی کہا کہ حضرت میں نے سو قتل کئے ہیں کیا میری بھی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا معاملہ تو بڑا سخت ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ تیرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا ہاں تم سے ایک بات کہتا ہوں وہ یہ کہ یہاں سے کچھ کچھ فاصلہ پر دو بستیاں ہیں ایک کا نام بصریٰ ہے اور دوسری کفرہ اہل بصریٰ اچھے لوگ ہیں جنت کا کام کرتے ہیں وہاں غیر جنتی ٹھیر نہیں سکتا لہٰذا تم اگر بصریٰ چلے جاؤ اور ان کے سے عمل کرنے لگ جاؤ تو اپنی توبہ کے قبول ہونے میں شک نہ کرو۔ یہ سنکر وہ شخص بصریٰ کی جانب چلا ابھی دونوں آباد کے درمیان ہی پہونچا تھا کہ اسکا وقت موعود آپہونچا اور اسکے پاس روح قبض کرنے کے لئے ملائکہ رحمت اور ملائکہ عذاب دونوں قسم کے فرشتے پہونچے ملائکہ کہتے تھے کہ یہ توبہ کے قصد سے جا رہا تھا لہٰذا انما الاعمال بالنیات کی بنا پر ہم اسے تائب شمار کرینگے اور التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ ہوا کرتا ہے لہٰذا یہ مومن صالح ہے اور ملائکہ عذاب کا کہنا تھا کہ ابھی اس نے توبہ کی تو نہیں صرف جا رہا تھا لہٰذا یہ مخرب اور عاصی ہے) پس ان سب فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ

اسکے ساتھ کیا معاملہ کریں۔ حکم ہوا کہ جہاں یہ مرا ہے وہاں سے دونوں بستیوں کا فاصلہ ناپو جس بستی سے وہ قریب تر ہو اسی میں سے اسکو شمار کرو۔ چنانچہ فاصلہ ناپا گیا تو بصری کا فاصلہ کفرہ سے ایک انگل کم تھا لہٰذا اسکو اہل بصرہ ہی میں سے شمار کیا گیا۔

فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ تین باتیں ہیں کہ میں ان پر قسم کھا سکتا ہوں اور ایک چوتھی بات ایسی ہے کہ میں اس پر قسم تو نہیں کھاتا لیکن اگر کھا بھی لوں تو انشاء اللہ تعالیٰ میں اپنی قسم میں سچا ہی ہوں گا۔ وہ یہ کہ۔ دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس نے اللہ تعالیٰ سے دوستی کی ہو اور پھر اسکو بروز قیامت کسی دوسرے سے بھی دوستی کی حاجت پڑے۔ دوسرے یہ کہ اسلام سے کچھ بھی حصہ پانے والا کبھی بھی اسکے برابر نہ ہوگا جس نے اس سے کچھ بھی حصہ نہ پایا ہو۔ تیسرے یہ کہ کسی شخص نے کسی جماعت سے محبت نہیں کی ہے مگر یہ کہ وہ ان کے ساتھ ہوگا قیامت کے دن۔ اور چوتھے یہ کہ کسی انسان کی دنیا میں اللہ تعالےٰ نے ستر پوشی نہیں فرمائی مگر یہ کہ قیامت میں بھی ضرور ہی فرمائے گا۔

نیز فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ ہی سے مروی ہے کہ سورۂ نساء میں چار آیتیں ایسی ہیں جو کہ مسلمانوں کے لئے دنیا کی تمام چیزوں سے بڑھکر ہیں۔ ایک تو یہ آیت کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کئے جانے کو تو ہرگز نہیں بخشیں گے ہاں اسکے علاوہ جس گناہ کو جس کیلئے چاہیں گے بخشدینگے (جنت کے ملنے کو کس قدر آسان فرما دیا کہ یوں فرمایا کہ بس خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ گردانو توحید اختیار کرلو تمہارا کام بن جائے گا ۱۲) اسی مضمون کو ایک جگہ یوں بھی فرمایا کہ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدِ افْتَرٰٓی اِثْمًا عَظِیْمًا یعنی جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا اس نے اللہ تعالیٰ کے اوپر بہتان عظیم باندھا۔

دوسری آیت یہ کہ فرمایا کہ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ یعنی جبکہ انسے اپنے نفسوں پر ظلم کا صدور ہوگیا تھا اگر وہ آپ کے پاس آجاتے پھر اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرتے اور رسول بھی ان کے لئے استغفار کرتے تو وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا دیکھتے (سبحان اللہ اس آیت میں کسقدر تسلی ہے مذنبین کے لئے کہ گناہ ہوگیا تو کیا ہوا کیوں نہ انھوں نے اسکے بعد اللہ تعالیٰ سے توبہ کرلی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفارشی بنایا اتنا کرلیتے تو بات ختم تھی) تیسری آیت یہ کہ فرمایا کہ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝ یعنی اگر تم ہمارے منع کردہ کبائر سے بچتے رہوگے تو ہم تمھارے چھوٹے گناہ کا کفارہ کردیں گے اور تمکو ایک مکرم مقام میں داخل کردیں گے یعنی جنت میں۔ اور چوتھی آیت یہ کہ فرمایا کہ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ یعنی جو شخص کسی عمل سوء کا مرتکب ہو (گناہ کبیرہ کرکے) یا اپنے نفس پر ظلم کرے (کوئی گناہ صغیرہ کرکے) اور پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کو غفور رحیم پائے گا یعنی اسکے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری شفاعت میری امت میں اہل کبائر کے لئے ہوگی جو شخص اسکا منکر ہوگا وہ اس سے محروم رہے گا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مطلب یہ کہ جو شخص اہل کبائر سے نہ ہوا تو اسکو شفاعت سے کیا لینا (وہ تو خود اپنے اعمال صالحہ کی وجہ سے انشاء اللہ بخشدیا جائے گا اسکو شفاعت کی حاجت ہی نہ پڑیگی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری شفاعت میری امت میں سے اہل کبائر کے لئے ہوگی جو شخص

اسکی تکذیب کرے گا وہ اسکو نہ پا سکے گا۔

حضرت محمد بن المنکدرؒ سے مروی ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مکان سے باہر تشریف لائے اور یہ فرمایا کہ ابھی ابھی میرے پاس سے میرے دوست جبرئیل صلوٰت اللہ علیہ تشریف لے گئے ہیں۔ یہ فرمایا ہے کہ اے محمدؐ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ تھا جس نے ایک پہاڑی کی چوٹی پر جس کا طول وعرض ۳۰×۳۰ گز تھا پانچ سو سال تک اللہ تعالےٰ کی عبادت کی اور اس پہاڑی کے چاروں طرف چار چار ہزار فرسخ تک سمندر پڑتا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اسکے لئے ایک انگل چوڑا شیریں پانی کا چشمہ جاری کر رکھا تھا جو کہ پہاڑ کی جڑ میں سے نکلتا تھا اسی طرح سے انار کا ایک درخت بھی اگا دیا تھا جس میں ہر دن ایک انار نکلتا تھا چنانچہ جب شام ہوتی تو یہ عابد اترتا وضو کرتا اور انار توڑ کر کھاتا چشمہ سے پانی پیتا اور نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو جاتا۔ اسنے اپنے رب سے دعا کی کہ اے اللہ! تو جب میری روح قبض کرے تو سجدہ ہی کی حالت میں کرنے تاکہ میں قیامت میں اسی حالت سے اٹھوں اور زمین کو تو حکم فرما دے کہ وہ میرے جسم کو نہ کھائے اور کوئی شئے مجھے نقصان نہ پہونچائے تا آنکہ اسی حال میں میرا حشر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کر دیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم اسپر سے دنیا میں آتے جاتے گذرتے تھے اور اسکو برابر سجدہ میں پڑا ہوا دیکھتے تھے حضرت جبرئیل کہتے ہیں کہ ہم نے لوح محفوظ میں اسکا حال لکھا ہوا پایا کہ اسکو قیامت میں اٹھایا جائیگا اور حق تعالیٰ کے روبرو پیش کیا جائیگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میرے اس بندے کو میری رحمت کے سبب جنت میں داخل کردو اسپر وہ کہیگا نہیں بلکہ میں جنت کا مستحق اپنے عمل کیوجہ سے ہوا ہوں چنانچہ حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ اچھی بات ہے میرے بندے کے عمل کا میری نعمتوں سے مقابلہ کرو تو نتیجہ یہ نکلیگا کہ صرف ایک نعمت بصر ہی کے مقابلہ میں اسکی پانچسو سال کی عبادت

سوخت ہو جائیگی اور بدن اور اسکے دیگر اعضاء وغیرہ کا ابھی کچھ حساب بھی نہ ہوا ہوگا تب اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میرے اس بندے کو اب دوزخ میں کھینچکر لیجاؤ یہ سنکر وہ چیخ کر کہے گا کہ اے پروردگار! مجھے محض اپنی رحمت کے صدقے میں جنت عطا فرمائیے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسکو واپس لایا جائے گا اور حق تعالےٰ کے روبرو کھڑا کر دیا جائیگا۔ حق تعالیٰ اس سے سوال فرمائیں گے کہ اے میرے بندے یہ بتا کہ تجھے کس نے پیدا کیا جبکہ تیرا کہیں وجود بھی نہ تھا وہ عرض کرے گا کہ پروردگار یہ آپ ہی کے کرم کا صدقہ ہے مجھے آپ ہی نے پیدا فرمایا۔ پھر حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ میرا یہ کرم تجھ پر تیرے کسی عمل کے سبب سے ہوا تھا یا محض میرے فضل کو اس میں دخل تھا؟ وہ عرض کرے گا کہ نہیں محض آپ کے فضل اور آپکی رحمت کے سبب سے ایسا ہوا تھا۔ پھر حق تعالیٰ اس سے سوال کریں گے کہ اچھا یہ بتلا کہ تجھکو پانچسو سال تک عبادت کرنے کی طاقت کس نے بخشی تھی؟ وہ کہیگا کہ پروردگار آپ ہی نے بخشی تھی۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ اچھا یہ بتلا کہ تجھکو سمندر کے بیچ پہاڑ کے اوپر وسط باغ میں کس نے بسایا تھا؟ اور تیرے لئے کھارے پانی کے درمیان سے شیریں پانی کا چشمہ کس نے جاری کیا تھا اور تیرے کھانے کے لئے ہر شب اس درخت میں انار کس نے تیار کیا تھا درانحالیکہ انار سال بھر میں صرف ایک فصل دیتا ہے۔ اور یہ بتا کہ وہ جو تو نے سوال کیا تھا کہ تیری روح سجدہ کی حالت میں قبض کیجائے چنانچہ میں نے ایسا ہی معاملہ تیرے ساتھ کیا۔ تو یہ سب احسان تیرے ساتھ کس نے کیا اسپر بھی وہ کہے گا کہ پروردگار سب احسانات آپ ہی نے فرمائے تھے۔ حق تعالےٰ فرمائیں گے کہ بس جب یہ سب کام میں نے کئے اور محض اپنے فضل سے اور بدون تیرے استحقاق کے کئے تو سمجھ لے کہ اسی طرح سے بدون تیرے استحقاق کے تجھے جنت میں بھی داخل کر رہا ہوں (جب یہ سمجھ لیا اور اسکا اقرار کر لیا تو جا اب جنت میں میری رحمت کے سبب جاؤ) ـــ یہ واقعہ سنا کر حضرت

جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ بیشک تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سبب سے ہیں۔

حضرت حسنؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ کسی مومن کے قلب میں رجاء اور خوف نہیں جمع ہوتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اسکی امید کو پیدا فرما دیتے ہیں اور اسکے خوف کو اس سے دور فرما دیتے ہیں

حضرت ابوسعید المقبری سے روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ کسی بندہ نے اپنے عمل کی وجہ سے نجات نہیں حاصل کی۔ صحابہ نے عرض کیا اور آپ نے بھی نہیں یا رسول اللہ! فرمایا کہ ہاں میں نے بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی مجھے گھیر لے اور ڈھانپ لے۔ اسکے بعد آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کا تقرب طاعات کے ذریعہ حاصل کرو اور اس میں بھی میانہ روی اور اعتدال اختیار کرو۔ اور حق تعالیٰ کی عبادت کچھ صبح و شام بھی کر لیا کرو اور تھوڑی مقدار شب کی تاریکیوں میں بھی بس اپنے مقصد کو تم پہونچ جاؤ گے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسانی سے کام لو دشواری مت اختیار کرو۔ لوگوں کو بشارت سناؤ۔ نفرت نہ دلاؤ۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رحمت کا سلسلہ قیامت کے دن کچھ اس طرح سے وسعت کے ساتھ جاری رہے گا کہ ابلیس بھی ادھر سر اٹھا کر دیکھنے لگے گا کیونکہ اسدن حق تعالیٰ کی وسعت رحمت کا نقشہ ہی کچھ اور ہوگا اسی طرح سے سفارش کرنے والوں کی سفارشیں بھی بکثرت قبول کیجائیں گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن عرش کے نیچے سے ایک منادی ندا دے گا کہ اے امت محمدیہ کیا میرے حقوق تم پر نہیں آتے لیکن خیر میں نے تم سے وہ سب معاف کئے۔

۱۶۱۔ رجوع بجانب مبرجی
(معصیت کا مرض جسمانی سے اشد ہونا الخ)

حاصل یہ کہ امراض بدنیہ کا انتہائی انجام موت ہے اور موت چونکہ قاطع تمام مصائب کی ہے اسلئے کچھ مضر نہیں مگر امراض بدنیہ کا اسقدر اہتمام ہوتا ہے جسکی کوئی حد نہیں بخلاف مرض روحانی کے جسکی حقیقت ہے حدود شرعیہ سے تجاوز کرنا اور اعتدال سے خارج ہوجانا کہ اسکا انجام وہ ہلاکت ہے جس کی نسبت فرمایا ہے لایموت فیہا ولا یحییٰ (نہ اسمیں اسکو موت آئیگی نہ زندہ ہی رہیگا) جسکا نام جہنم ہے اگر موت آجاتی تو سب قصے ختم ہوجاتے مگر وہاں موت کلی نہیں پس جس مرض کا انجام صرف ہلاکت بدن ہے اسکو جب قابل اہتمام سمجھتے ہیں تو جس مرض کا نتیجہ ہلاکت ابدی یا مدید و شدید ہے کیا وہ قابل اہتمام نہیں۔ کیا اسکو مرض نہ کہا جاویگا مگر حالت یہ کہ زکام ہوجاوے تو حکیم جی کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں اور صدہا روحانی امراض میں بتلا ہیں اور کچھ پروا نہیں۔

(۱۶۲۔ فکر کونسی معصیت کی زیادہ ہونی چاہیے)

اور یوں تو ہر معصیت قابل اہتمام و فکر ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ وہ معصیت زیادہ قابل فکر ہے جسکو خفیف سمجھا جاوے۔ کسی نے بقراط سے پوچھا کہ امراض میں کون زیادہ شدید ہے کہا جس مرض کو خفیف سمجھا جاوے وہ بہت اشد ہے۔ اسی طرح جس گناہ کو ہلکا سمجھا جاوے وہ بہت شدید ہے اسلئے کہ وہ لاعلاج ہے۔

۱۶۳۔ بری نظر اور بری نیت بہت سخت گناہ ہے مگر لوگ اسکو ہلکا سمجھتے ہیں

سو منجملہ ایسے امراض کے ایک مرض یعنی گناہ وہ ہے جسکا آیت کریمہ
میں ذکر ہے اور اسیواسطے اسکو اسوقت اختیار کیا گیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں یعلم
خائنۃ الاعین الخ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دو گناہوں کا
ذکر فرمایا ہے آنکھوں کے گناہ کو اور دل کے گناہ کو۔ اور یوں تو آنکھوں کے گناہ
بہت سے ہیں لیکن یہاں ایک خاص گناہ کا ذکر ہے وہ کیا ہے بدنگاہی اسیطرح
دل کے بہت گناہ ہیں لیکن یہاں بقرینہ سیاق خاص گناہ کا ذکر ہے یعنی نیت
بری ہونا۔ ان دونوں گناہوں کو لوگ گناہ سمجھتے ہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ
جس درجہ انکی مضرت ہے اس قدر نہیں سمجھتے۔ چنانچہ گناہ کا ادنیٰ اثر یہ ہونا چاہیئے
کہ دل تو میلا ہوجائے مگر اس گناہ کے بعد دل بھی میلا نہیں ہوتا بہت خفیف
سمجھتے ہیں کسی عورت کو دیکھ لیا کسی لڑکے کو گھور لیا۔ اس کو ایسا سمجھتے ہیں جیسے
کسی اچھے مکان کو دیکھ لیا یا کسی پھول کو دیکھ لیا۔

۱۶۴۔ بری نظر اور برے خیال کا مرض عام ہے اور اس کی وجہ

اور یہ گناہ وہ ہے کہ اس سے بوڑھے بھی بچے ہوئے نہیں ہیں۔ بدکاری
سے تو بہت محفوظ ہیں کیونکہ اسکے لئے بڑے اہتمام کرنے پڑتے ہیں اول تو
جس سے ایسا فعل کرے وہ راضی ہو اور روپیہ بھی پاس ہو نیز حیاء و شرم مانع نہو
غرض اسکے لئے شرائط بہت ہیں اسیطرح موانع بھی بہت ہیں۔ چنانچہ کہیں تو یہ امر
مانع ہوتا ہے کہ اگر کسی کو اطلاع ہوگئی تو کیا ہوگا۔ کسی کو خیال ہوتا ہے کہ کوئی
بیماری نہ لگ جاوے۔ کسی کے پاس روپیہ نہیں ہوتا کسی کو اسکی وضع مانع ہوتی
ہے چونکہ موانع زیادہ ہیں اسلئے کوئی شائستہ آدمی خصوصاً جو دیندار سمجھے جاتے
ہیں اس میں کم مبتلا ہوتے ہیں بخلاف آنکھوں کے گناہ کے اس میں سامان کی ضرورت

ہی نہیں کیونکہ نہ اس میں ضرورت روپیہ کی نہ اس میں بدنامی۔ کیونکہ اس کی خبر تو اللہ ہی کو ہے کہ کیسی نیت ہے۔ کسی کو گھور لیا اور مولوی صاحب مولوی صاحب ہی رہتے ہیں اور قاری صاحب قاری صاحب ہی رہتے ہیں نہ اس فعل سے انکی مولویت میں فرق آتا ہے اور نہ قاری صاحب کے قاری ہونے میں دھبہ لگتا ہے۔ اور گناہوں کی خبر تو اوروں کو بھی ہوتی ہے مگر اس کی اطلاع کسی کو نہیں ہوتی۔ معصیت کرتے ہیں اور نیک نام رہتے ہیں۔ لڑکوں کو گھورتے ہیں اور لوگ سمجھتے ہیں انکو بچوں سے بڑی محبت ہے۔ جبکہ آنکھوں کے گناہ میں اطلاع نہیں ہوتی تو دل کے گناہ میں تو کیسے ہو سکتی ہے؟

۱۶۵۔ بزرگوں کی پردہ پوشی اور اسکا بیان کہ بدنگاہی سے آنکھ بے نور ہو جاتی ہے

اور جن کو اطلاع ہوتی بھی ہے وہ حضرات ایسے متحمل اور ظرف والے ہیں کہ کیسکو خبر نہیں کرتے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور وہ کسی کو بری نگاہ سے دیکھکر آیا تھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خطاب خاص سے تو اسکو کچھ نہ فرمایا لیکن یہ فرمایا مابال اقوام یترشح الزنا من اعینھم یعنی لوگوں کا کیا حال ہے کہ انکی آنکھوں سے زنا ٹپکتا ہے تو یہ عنوان ایسا ہے کہ اس میں رسوائی کچھ نہیں لیکن جو کرنے والا ہے وہ سمجھ جائے گا کہ مجھ سے فرمارہے ہیں۔ اہل کشف نے لکھا ہے کہ بدنگاہی سے آنکھوں میں ایسی ظلمت ہو جاتی ہے کہ جس کو تھوڑی سی بصیرت ہو پہچان لے گا کہ اس شخص کی نگاہ پاک نہیں ہے۔ اگر دو شخص ایسے لئے جاویں کہ عمر میں حسن و جمال میں اور ہر امر میں وہ برابر ہوں فرق ان میں صرف اس قدر ہو کہ ایک فاجر ہو دوسرا متقی ہو جب چاہے دیکھ لو کہ متقی کی آنکھ میں رونق اور دل فریبی ہوگی اور فاسق کی آنکھ میں ایک قسم کی ظلمت اور۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

بے رونقی ہوگی لیکن اہل کشف خصوصیت سے کسی کو نہیں کہتے بلکہ عیب پوشی کرتے ہیں۔

حکایت: اس پر مجھے مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت یاد آئی شاہ صاحب مسجد میں بیٹھکر درس دیا کرتے تھے ایک مرتبہ حسب معمول حدیث کا درس ہورہا تھا کہ ایک طالب علم وقت سے دیر کرکے سبق کے لئے آئے حضرت شاہ صاحب کو منکشف ہوگیا کہ یہ جنبی ہے غسل نہیں کیا وہ طالب علم معقولی تھے معقولی ایسے ہی لاپرواہ ہوتے ہیں شاہ صاحب نے مسجد سے باہر ہی روک دیا اور فرمایا آج تو طبیعت سست ہے جمنا پر چل کر نہائیں گے سب لنگیاں لے کر چلو۔ سب لنگیاں لیکر چلے۔ سب نے غسل کیا۔ اور وہاں سے آکر فرمایا ناغہ مت کرو کچھ پڑھ لو وہ طالب علم ندامت سے پانی پانی ہوگیا۔ اہل اللہ کی یہ شان ہوتی ہے کیسے لطیف انداز سے اسکو امر بالمعروف فرمایا۔

۱۶۶۔ شیخ سے اپنا کوئی عیب نہ چھپانا چاہیئے

اور جب بزرگوں کی شان معلوم ہوگئی کہ وہ کسی کو رسوا نہیں کرتے تو اب مستفیدین کو بھی چاہیئے کہ ایسے شیوخ سے اپنا عیب نہ چھپایا کریں اسلئے کہ عیب ظاہر نکرنا دو وجہ سے ہوتا ہے یا تو خوف ہوتا ہے کہ یہ ہم کو حقیر سمجھیں گے سو ان حضرات میں نہ تو یہ بات ہے کہ کسی کو حقیر سمجھیں اسلئے کہ یہ حضرات سوائے اپنے نفس کے کسی کو حقیر نہیں سمجھتے اور یا یہ خوف ہوتا ہے کہ کسی کو اطلاع کردیں گے سو نہ ان حضرات میں یہ بات ہے۔ اسلئے ان سے صاف کہدینا چاہیئے ۔ مگر اظہار معالجہ کے لئے ہے نہ کہ بلا ضرورت کیونکہ بلا ضرورت گناہ کو ظاہر کرنا بھی گناہ ہے۔ اور بضرورت ظاہر کرنے کے حق میں عارف شیرازی فرماتے ہیں:

چنداں کہ گفتیم غم با طبیباں　　درماں نکردند مسکیں غریباں

(میں نے ہر چند اپنا مرض (یا گناہ) طبیبوں کے سامنے پیش کیا لیکن ان حضرات نے اس مسکین غریب پر نظر توجہ نہ فرمائی)

ما حال دل را با یار گفتیم ۔ نتواں نہفتن درد از طبیباں

(ہم تو اپنے دل کا حال اپنے حبیب سے کہدینگے اسلئے کہ مرض کو طبیب سے نہیں چھپانا چاہیئے)

۱۶۷۔ بدنگاہی کے عام ہونے کے وجوہ اور اسکا بیان کہ گناہ ہونکی بنیاد کب پڑتی ہے

غرض چونکہ وہ لوگ کسی کو فضیحت نہیں کرتے اور جو فضیحت کرنیوالے ہیں انکو اطلاع نہیں ہوتی اسلئے یہ گناہ بدنگاہی کا اکثر چھپا ہی رہتا ہے اسلئے لوگ بے دھڑک اسکو کرتے ہیں۔ پھر زنا اور دیگر معاصی سرقہ وغیرہ میں تو ضرورت اسکی بھی ہے کہ قوت و طاقت ہو انہیں اسکی بھی ضرورت نہیں اسلئے بوڑھے بھی اس میں مبتلا ہیں دیکھئے بوڑھا اگر عاشق ہو جاوے اور قابو بھی چل جاوے تو بھی کچھ نہیں کر سکتا اس لئے کہ وہ قوت ہی نہیں ہے مگر آنکھوں کے سینکنے میں اسکی بھی ضرورت نہیں خواہ لب گور ہی ہو جاویں۔ مجھ سے ایک بوڑھے آدمی ملے وہ بہت متقی تھے انھوں نے اپنی حالت بیان کی کہ میں لڑکوں کو بری نظر سے دیکھنے میں مبتلا ہوں۔ ایک اور بوڑھے تھے وہ عورتوں کو گھورنے میں مبتلا تھے اور یہ مرض اول جوانی میں پیدا ہوتا ہے بلکہ سب گناہوں کا یہی حال ہے کہ اول جوانی میں تقاضے کی وجہ سے کیا جاتا ہے پھر وہ مرض اور روگ لگ جاتا ہے اور لب گور تک کیا جاتا ہے جیسے حقہ کہ اول کسی مرض کی وجہ سے پینا شروع کیا تھا مگر پھر یہ مرض لگ جاتا ہے اور شغل ہو جاتا ہے لیکن جوان اور بوڑھے میں فرق یہ ہے کہ جوان آدمی تو معالجہ کے لئے کسی سے کہہ بھی دیتا ہے اور بوڑھا آدمی شرم کی وجہ سے کسی سے کہتا بھی نہیں۔ پس اسکے مخفی رہنے اور خفیف ہونے کی وجہ سے اس میں کثرت سے ابتلاء واقع ہے اسی واسطے فرماتے ہیں یَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ ۔ یعلم کا لفظ اول ہے کہ اور لوگ اس سے واقف نہیں ہیں ہم ہی واقف ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم جو یہ سمجھتے ہو کہ ہمارے اس گناہ کی کسی کو

بر نہیں ہے یہ صحیح نہیں ایسے کو خبر ہے کہ جس کو خبر ہو جانا غضب ہے اس لئے
اسکو تمہر پوری قدرت ہے

۱۶۸۔ بعض طبائع کو سزا کا خوف مانع ہوتا ہے جرم سے اور بعض طبائع کو جرم پر اطلاع کا خوف مانع ہوتا ہے بدنگاہی پر یہی وعید کیگئی ہے جو دونوں مذاق والوں کیلئے زاجر ہے

اور اس گناہ کو بیان فرما کر اسکی سزا بیان نہیں فرمائی بخلاف دیگر معاصی
کے کہ انکی سزا ساتھ ساتھ بیان فرمادی ہے اس میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ طبائع
ہم لوگوں کی مختلف ہیں بعض طبائع تو ایسی ہوتی ہیں کہ انکو سزا ہونا مانع اور زاجر
ہوتا ہے وہ تو وہ لوگ ہیں جو بے حیا، بے شرم ہیں کہ جوتوں سے ڈرتے ہیں اور
بغیر جوتیوں کے خواہ کسی کو خبر ہو جائے انکو کچھ باک نہیں۔ اور بعض طبائع ایسی
ہوتی ہیں کہ سزا کی اگر اطلاع ہو جاوے تو رکاوٹ کم ہوتی ہے لیکن اس سے
وہ گڑ جاتے ہیں کہ فلاں کو اطلاع ہو جاوے گی بالخصوص جبکہ یہ معلوم ہو جاوے
کہ ہمارا یہ جرم معاف بھی ہو جاوے گا تو اور بھی زیادہ عرق عرق ہو جاتے ہیں کیا
خوب کہا ہے ؎

بیت
صدق اپنے خدا کے جاؤں یہ پیار آتا ہے مجھکو اشعار ادھر سے ایسے گناہ پیہم ادھر سے وہ دمبدم عنا
اسی بنا پر ایک آیہ کی تفسیر یاد آگئی وہ یہ کہ غزوۂ احد میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے
جو حضورؐ کے حکم کے ماننے میں کچھ خطا واقع ہوئی تھی وہ یہ کہ جس ناکہ پر حضورؐ نے ثابت
اور قائم رہنے کا امر فرمایا تھا بوجہ خطاء اجتہادی کے اس پر قائم نہ رہے اسکے بارہ
میں ارشاد ہے اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ
فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ

بما تعملون یعنی اللہ تعالیٰ نے تمکو ایک غم دیا بہ سبب اسکے کہ ہمارے رسول کو
تم نے غم دیا اور غرض اس غم دینے کی یہ فرمائی کہ تم لوگ غمگین نہ ہو تو بظاہر یہ فہم میں
نہیں آتا اس لئے غم تو اسلئے دیا جاتا ہے تاکہ حزن ہو نہ اس لئے کہ غم نہ ہو۔ اسی لئے
مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ لا زائد ہے مطلب یہی ہے کہ غم اسلئے دیا تاکہ حزن ہو۔
لیکن الحمدللہ میری سمجھ میں اسکی تفسیر ایسی آئی ہے کہ اس تقدیر پر لا زائد ماننے کی
ضرورت نہیں ہے اور معنی بے تکلف درست ہیں وہ یہ کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم
حق تعالیٰ سے نہایت شرماتے تھے جب ان سے یہ خطا واقع ہوئی تو ان کا جی چاہا
کہ ہم کو سزا اسکی دنیا میں ملجائے تو ہماری طبیعت صاف ہو جاوے اور اپنے
مالک حقیقی سے سرخرو ہو جاویں اگر سزا نہ ہوتی تو ساری عمر رنجیدہ رہتے اور
یہ غم ان کے نزدیک نہایت جانکاہ اور جاں فرسا تھا اس بنا پر فرماتے ہیں کہ ہم نے
تمکو اس خطا کی یہ سزا دیدی تاکہ تم کو غم نہ ہو۔ غرض کہ دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں ایک تو
وہ جو سزا کا نام سنکر رکتے ہیں اور ایک وہ جو صرف اطلاع کی خبر دینے سے شرماتے
ہیں اور اس کام کے قریب نہیں جاتے۔ تو جو بے حیا تھے وہ تو یوں رکے کہ یعلم
میں اشارہ سزا کی طرف بھی ہے چنانچہ مفسرین ایسے مقام پر لیجازیکم بہ فرماتے
ہیں اور دوسرے مذاق والے اسلئے رکے کہ شرم سے گڑ گئے کہ اللہ اکبر وہ جانتے
ہیں۔ بہرحال یہ دونوں مذاق والوں کیلئے وعید ہے۔

۱۶۹۔ لوگوں کو بدنگاہی سے بچنے کا اہتمام نہ ہونا اور اسکا بیان کہ بدنگاہی کے متعلق کیا کیا دھوکے ہوتے ہیں

اس تمام تر تقریر سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ یہ مرض نہایت اہتمام کے قابل ہے
اب ہمکو اپنی حالت دیکھنا چاہیئے کہ ہمارے اندر اس معصیت سے بچنے کا کتنا اہتمام ہے
میں دیکھتا ہوں کہ شاید ہزار میں ایک اس سے بچا ہوا ہو ورنہ ابتلائے عام ہے

اسکو نہایت درجہ خفیف سمجھتے ہیں۔ جو جوان ہیں انکو تو اسکا احساس ہوتا ہے اور جنکی قوت شہویہ ضعیف ہوگئی ہے انکو احساس بھی نہیں ہوتا وہ سمجھتے ہیں کہ ہمکو تو شہوت ہی نہیں اسلئے کچھ حرج نہیں سو انکو مرض کا بھی پتہ نہیں لگتا اور بعضوں کو تو اور دھوکہ ہوتا ہے وہ یہ کہ شیطان بہکاتا ہے کہ جیسے کسی پھول، اچھے کپڑے اچھے مکان وغیرہ کو دیکھنے کو دل چاہتا ہے ایسے ہی اچھی صورت دیکھنے کو بھی دل چاہتا ہے سو یہ بالکل دھوکا ہے۔ یاد رکھو کہ رغبت کے مختلف انواع ہیں جیسی رغبت پھول کی طرف ہے ویسی انسان کی طرف نہیں۔ اچھے کپڑے کو دیکھکر کبھی جی نہیں چاہتا کہ اسکو گلے لگاؤں چمٹاؤں انسان کی طرف ایسی ہی رغبت ہوتی ہے ایک دھوکہ اور ہوتا ہے وہ یہ کہ بعضے کہتے ہیں کہ جیسے اپنے بیٹے کو دیکھکر جی چاہتا ہے کہ گلے لگاؤں اسی طرح دوسرے کے بچہ کو دیکھکر بھی ہمارا یہی جی چاہتا ہے۔ صاحبو کھلی ہوئی بات ہے اپنے سیانے بچہ اور دوسرے کے سیانے لڑکے میں بڑا فرق ہے۔ اپنے لڑکے کو گلے لگانا چمٹانا اور طرح کا ہے اس میں شہوت کی آمیزش ہرگز نہیں اور دوسرے کے لڑکے کی طرف اور قسم کا میلان ہے کہ اس میں گلے لگانے سے بھی آگے بڑھنے کا بعض کا جی چاہتا ہے۔ محبوب کی جدائی میں اور طرح کا رنج ہوتا ہے اور اپنے لڑکے کی جدائی میں اور قسم کا۔

۱۷۰۔ بدنگاہی کیسی مضر چیز ہے اور اسکا بیان کہ امردوں کی مخالطت عورتوں کی مخالطت سے بھی زیادہ مہلک ہے

اور لڑکوں کی رغبت تو اور سم قاتل ہے نصوص میں تو اسکی حرمت ہے ہمارے بزرگوں نے بھی جو اسکے آثار لکھے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑی سخت بلا ہے۔ ایک بزرگ مطلق نظر کے لئے فرماتے ہیں النظر سھم من سھام ابلیس یعنی نگاہ ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔

Regd. No L2/9/AD.111

Monthly **WASIYATUL IRFAN** **SEP 1983**

23, Buxi Bazar Allahabad 3

Rs. 24/-

Rs. 30/-

Rs. 40/-

دینی اصلاحی ماہوار رسالہ

شمارہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۸۳ جلد ۶

مکتبہ وصیۃ العلوم ۲۲ بخشی بازار
الہ آباد

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ ۲ روپے | مدیر: عبدالمجید عفی عنہ | دو روپے

شمارہ ۱۰	ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ مطابق اکتوبر ۱۹۸۳ء	جلد ۶

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبدالمجید صاحب ۲۳ بخشی بازار - الہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبدالمجید صاحب پرنٹر اسرار کریمی پریس الہ آباد سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار - الہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-اے-ڈی ۱۱۱

۱۱۴ - فلاح کا طریقہ

فرمایا کہ ـــــ اس دور حاضر میں کثرت تجربات و مشاہدات سے یہ بات خوب سمجھ میں آ گئی ہے اور پورے یقین و اطمینان کے ساتھ کہتا ہوں کہ مسلمانوں کی دنیوی فلاح کلی اتباع شریعت میں متعین و منحصر ہے۔ اگر مسلمان دنیوی فلاح چاہتے ہیں تو انہیں چاہیئے کہ فلاح کا جو طریق صحیح ہے اسے اختیار کریں اور اسکی ضد کو بالکلیہ ترک کریں۔ اگر فلاح کا صحیح طریق اختیار نہ کیا جائے اور فلاح کو مقصود کہا جائے تو یہ زبانی جمع خرچ ہوگا یہ سمجھا جائیگا کہ فلاح مقصود ہی نہیں کیونکہ کسی مقصود صحیح کے مقصود سمجھنے کے معنی یہ ہیں کہ اسکا جو صحیح طریق ہے اسکو صحیح سمجھا جائے اور اسکا جو طریق ہی نہیں اسکو غلط سمجھا جائے۔ اسباب فلاح جن میں مسلمانوں کی کامیابی دنیوی کو منحصر کہہ رہا ہوں باہمی اتحاد و اتفاق ہی ہے اور اسکی ضد نااتفاقی و اختلاف ہے یہ اسکا طریق نہیں جو فلاح دنیوی کو تسلیم کر اور نااتفاقی کو اچھا سمجھے وہ فلاح کو مقصود نہیں سمجھتا۔

حضرت مولانا (تھانوی) رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ "الطرائف والظرائف" میں مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ نقل فرمایا جس کے آخر جملے یہ ہیں:-

"مسلمانوں کی دینی و دنیوی عزت سیاسی عہدوں کے حصول کے
ساتھ وابستہ نہیں بلکہ انکی عزت کل اتباع شریعت اور باہمی اتفاق
اتحاد کے ساتھ منوط و مربوط ہے۔ رزقنا اللہ وایاکم جمیع المسلمین"

تو علماء دین کا فتویٰ تھا اب حق تعالیٰ کا ارشاد بھی سن لیجئے اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا (یعنی کیا یہ منافقین ان کفار کے پاس عزت تلاش کرنے کے لئے جا) تے ہیں تو یہ خوب سن لیں کہ عزت اور غلبہ تو کل کا کل اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے جسے چاہے دے جسے چاہے نہ دے)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (یعنی خوب سن رکھو

کہ عزت اور غلبہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کاملین کا حق ہے لیکن منافقین اسکو نہیں جانتے ۔

آج ہم مسلمان ہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ تندرستیاں ہماری خراب، اخلاق ہمارے بگڑے ہوئے ۔ آپس کی نا اتفاقی اور رنجش کے شکار ہم، مصائب میں گرفتار ہم، غریب ہم، ذلیل ہم، حالانکہ مسلمان ہونے کی وجہ سے ہمکو باعزت ہونا چاہیئے تھا تو بات یہ ہے کہ ہم نے خدا کے احکام کی پابندی چھوڑ دی تو خدا نے بھی ہماری طرف سے اپنی نظر عنایت پھیر لی ۔ ہم نے یورپ کو دیکھکر چاہا کہ دنیا کو سُدھارنا ہے تو اسکے لئے یکسو ہوکر دل وجان سے دنیا ہی کے ہوجانا چاہیئے تو ایسا بھی ہم نے کرکے دیکھ لیا لیکن دنیا سُدھرنا تو الگ رہا ہم دین و دنیا دونوں لحاظ سے سخت خسارے میں پڑ گئے ۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دنیوی ترقی دوسری قومیں کرنا چاہیں گی تو انکو خدا کی نافرمانیوں کے ساتھ بھی ترقی دیدی جائیگی لیکن مسلمان اگر دنیوی ترقی بھی کرنا چاہیں گے تو انکو اتباع شریعت اور دین کے طفیل کے سوا کسی اور چیز کے ذریعہ دنیوی ترقی نہیں مل سکتی ۔ اگر یہ دنیوی ترقی کو دوسری قوموں کی نقل کرکے اور خدا کی نافرمانی کرکے لینا چاہیں گے تو انکو ترقی کے بجائے اور بھی ذلت اور پستی کی خدا کی طرف سے سزا ملے گی ۔ آج صاف وہی نتیجہ نظر آرہا ہے کہ یورپ کی تقلید بھی کی دین میں سستی بھی کی، دنیا میں منہمک بھی ہوئے مگر ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

دنیا سُدھرنے کے معنی تو یہ تھے کہ مسلمان رزق سے مطمئن ہوتے ۔ مال سے فارغ البال ہوتے، جسم کے لحاظ سے تندرست ہوتے، اولاد کے لحاظ سے مسرور ہوتے، اخلاق میں ہر دلعزیز اور ممتاز اور سب کے محبوب ہوتے پڑوسیوں میں عزت پاتے ۔ گھروں میں خوشی کی زندگی گزارتے ۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ ان میں سے ایک چیز بھی تو ہم میں نہیں ۔ جسے دیکھتا ہوں بیمار جسے دیکھتا ہوں خوار ۔ اور یہ حال آج ہمارے ہر طبقہ کا ہے ۔ اتنے عرصہ تک جو ہم میں کا

ہر طبقہ خدا کے احکام کو پس پشت ڈالے رہا اور سرتا پا دنیا میں منہمک رہا اور اسکے نتائج دیکھ چکا تو اب میں کہتا ہوں کہ (قلب و روح کی گہرائیوں سے نہ سہی وقتی اطمینان کے ساتھ ہی سہی) کچھ دنوں میری اس گذارش کا امتحان کر دیکھئے ؎

سالہا تو سنگ بودی دلخراش آزموں را یک زمانے خاک باش

(سالہا سال تک تو دلخراش پتھر رہا تجربہ کے طور پر تھوڑے دنوں تک مٹی بنکر بھی دیکھ)

میں کہتا ہوں رزق۔ تندرستی۔ مال۔ اولاد۔ عزت اور مسرت یہ سب چیزیں خدا کی ہیں خدا کے خزانے میں آج بھی موجود ہیں البتہ آج یہ سب چیزیں ہماری بداعمالیوں، بداخلاقیوں، بدمعاملگیوں کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے پکڑ رکھی ہیں ہم سے قرق اور ضبط کرلی ہیں آج بھی یہ چیزیں ہم لوگوں کو مل سکتی ہیں مگر اسی شرط سے کہ خدا کو راضی کیا جائے۔ گذشتہ عملی کوتاہیوں کا دلی ندامت کیساتھ اسکی جناب میں اقرار کیا جائے اور دلی سوزش کے ساتھ انکی معافی مانگی جائے اور دلی عزم کے ساتھ ہر بدعملی کی توبہ اسکے مخصوص قاعدہ کے مطابق کیجائے آئندہ اپنی توبہ پر ثبات اور عمل شریعت پر استقامت کی توفیق بھی انھیں کی جناب سے مانگی جائے اور کسی دیندار کی نگرانی میں اعمال شرعیہ کا صحیح علم حاصل کرنا اور صحیح عمل کرنا شروع کر دیا جائے اور صرف نماز و روزہ ہی پر اکتفا و حصر نہ کر لیا جائے نماز روزہ بھی کرے اور تمام اہل معاملہ سے خواہ وہ عزیز ہوں یا غیر معاملات میں نرمی، مروت، رعایت برتی جایا کرے۔ وعدوں اور باتوں میں جھوٹ اور گالی سے پرہیز کیا جائے۔ غصہ اور سختی سے بچا جائے۔ یہ نسخہ ترقی کا اگرچہ طویل ہو لیکن جہاں تک کرتے بنے استعمال کرنا تو شروع کر دیجئے۔ یاد رکھیئے یہ نسخہ صدیوں کا آزمودہ اور انبیاء علیہم السلام کا فرمودہ ہے۔

آج جو ہماری پستیاں اور ناکامیاں ہیں مجھے تو صاف نظر آرہا ہے کہ یہ قرآنی وعید اِنَّ اَخْذَهٗ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ (سنو! خدا کی گرفت بڑی دردناک اور بڑی سخت ہوتی ہے) کا معاملہ ہم لوگوں کے ساتھ ہو رہا ہے۔ دنیوی جائز تدابیر کو

میں منع نہیں کرتا کہ دنیا کی فلاح کی تدابیر میں سے ایک تدبیر یہ بھی ہے سے

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار بگذارند و خم طرۂ یارے گیرند

(میرے دیکھنے میں تو یہ مصلحت سمجھ میں آتی ہے کہ سب لوگ اپنے اپنے کام کو چھوڑ کر کے دوست کا طریقہ اختیار کر لیں)

میرے نزدیک بہتری اسی میں ہے کہ آج تمام مسلمان اور سب تدابیر کو چھوڑ کر ذرا یہ تدبیر تو کر دیکھیں کہ ایک محبوب کے گیسوؤں کا خیال (اعمال شرعیہ کی پابندی کی دھن) پیدا کر لیں۔ میں جانتا ہوں کہ ابنائے زمانہ کے لئے یہ ذرا مشکل مسئلہ ہے مگر میں صاف کہتا ہوں اور ببانگ دہل کہتا ہوں کہ یہ کام چاہے مشکل ہو یا آسان اسکے سوا مسلمانوں کے لئے آج کوئی چارہ کار نہیں ان کے لئے اور ساری راہیں بند ہیں بلکہ یہ خدائی گرفت آج ساری دنیا کے لئے عام ہے سبھی کو اپنے قابو میں لے چکی ہے۔

یورپ جو کچھ عرصہ سے ساری دنیا کا امام بنا ہوا تھا جسکی تقلید اور کورانہ تقلید کے نشہ میں اہل ہند آج بھی چور ہیں (باوجودیکہ انکی گرفت حکومت سے آزاد ہو چکے ہیں) وہ بھی خدا کی گرفت میں آیا ہوا ہے۔ سنا ہے کہ آج خود یورپ کے بعض اہل بصیرت اپنی تہذیب سے بیزار ہو چکے ہیں۔ اور اپنے مذہب، تمدن و تہذیب کے ناکام ہونے کا اعتراف کرنے لگے ہیں۔ جو اور زیادہ بصیرت والے ہیں وہ تو یہاں تک کہنے لگے ہیں کہ یورپ پچاس ہی برس کے اندر یا تو اسلام قبول کرے گا یا کوئی ایسا مذہب قبول کرے گا جو اسلام کے بہت قریب ہوگا۔ آخر یہ کیوں؟ آج سے بیس پچیس سال پہلے کون کہہ سکتا تھا کہ انگریز ہندوستان سے چلا جائیگا۔ بلکہ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جب جب اپنے استاد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کشف سناتے (اور حضرتؒ نے تو بارہا اسکا تذکرہ ہم لوگوں کے سامنے کیا) کہ

"لوگ رات کو سوئیں گے ایک بادشاہ کی حکومت میں اور صبح کو سو کر اٹھیں گے تو حکومت دوسرے کی ہو چکی ہوگی"

تو سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ حکومت کی تبدیلی بغیر خوں ریزی کے اور صرف ایک شب کے چند گھنٹوں کے اندر کیونکر ممکن ہو سکے گی؟ آخرہ ا راگست ۱۹۴۷ء کو لوگوں نے اسکی تصدیق آنکھوں سے دیکھ لی۔ اس معاملہ کو دیکھکر حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور ہونا چاہیئے اور یقین رکھنا چاہیئے کہ آج بھی اگر ہم اسکے احکام کی پابندی کرنے لگیں تو ہمارے بھی دین و دنیا دونوں سدھر جائینگے اور اگر بالفرض دنیا نہ بھی ٹھیک ہوئی تو آخرت تو یقیناً سنور جائیگی و ذالک ہوالفوز العظیم۔

یہ اصول جو میں نے اوپر بیان کئے ہیں یہ سب انبیا علیہم السلام کی تعلیمات ہیں ضرورت اسکی ہے کہ اسکی پابندی سختی سے کیجائے۔ رشتہ داری قائم کیجائے تو دینداروں سے۔ تجارت کرے تو دین کا لحاظ کرکے۔ کسی کی شرکت میں کوئی کام کرے تو دیندار کو تلاش کرکے اسکی شرکت میں کام کرے۔ دوستی کرے تو دیندار سے۔ صحبت رکھے تو دیندار سے۔ لڑکے لڑکیوں کا نکاح کرے تو دین کو معیار بناکر۔

یاد رکھئے کہ دین سے قلب میں قوت پہنچتی ہے دین کی پابندی کرے تو یہ سمجھکر نہیں کہ اگر اس سے فائدہ نہ ہوا تو چھوڑ دینگے۔ استغفراللہ۔ توبہ توبہ خدا کو آزمانا نہیں چاہیئے۔ خدا پر اعتقاد و اعتماد کے بغیر کچھ نہیں ہوگا۔ خدا ہی کے اختیار میں سب کچھ ہے۔ اسی کا سہارا لینا چاہیئے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ آج جو سارے سہارے ختم ہوتے نظر آتے ہیں تو یہ بھی مآل اور انجام کے لحاظ سے حق تعالیٰ کی ہم پر بڑی رحمت ہے گویا مسلمانوں پر محبوب حقیقی جل جلالہٗ کیطرف سے بالقصد ایسی اضطراری کیفیت طاری کیجارہی ہے کہ وہ ہر طرف سے ناکام رہ کر ہر تجربہ سے مایوس ہوکر، ہر سہارے سے ہٹکر اور ہر مددگار سے کٹکر مجبور ہوکر دل کی گہرائیوں سے اسکا اعتراف کرے اور گواہی دے کہ:—

"اے خدا اب ہمارا کوئی سہارا نہیں رہگیا بجز آپ کی ذات کے"

اب گویا تکوینی طور پر بھی حق تعالیٰ کا مطالبہ تمام بندوں سے عموماً اور مسلمانوں سے خصوصاً ان دنوں یہ ہو رہا ہے کہ بے دلی اور بے توجہی سے تو اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اکثر کہتے رہتے ہو اب سچے دل سے بھی ۔ بس صرف ہماری طرف رجوع کرو ۔ صرف ہم سے امید لگاؤ ۔"

صاحبو! حق تعالیٰ کی طرف سے رحم و کرم میں کوئی کمی یا بخل آج بھی نہیں ہے یہ حالات بھی اسی کی طرف سے ہیں انکا بدلنا بھی اسی کے اختیار میں ہے سہ

دردازیار است و درماں نیز ہم ۔ دل فدائے او شد و جاں نیز ہم

(درد اگر یار کی طرف سے ہے تو درماں بھی اسی کے پاس ہے میرا دل بھی اس پر فدا ہوا اور جان بھی فدا ہوئی)

۱۱۵۔ ہماری دینی ترقی کا آسان راستہ

فرمایا کہ ــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بشریت کی راہ سے ترقی کرنے کا طریقہ سکھایا ہے ۔ اس پر میں نے بہت گفتگو کی ہے یہاں بھی اور بمبئی میں بھی کی ہے اسوقت ایک نئے عنوان سے یہ مضمون ذہن میں آیا ہے اسکو بیان کرتا ہوں شاید آپ کی فہم سے اسکو کچھ زیادہ قریب کرسکوں ۔

وہ یہ کہ دیکھئے جب ہم بشر ہیں اور تمام انبیاء علیہم السلام بشر ہوئے ہیں تو احکام بھی ایسے ہی آئے جو اس حالت کے مناسب تھے اب تو ظاہر ہے کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے جو بھی احکام ادا کرتے ہیں وہ اسی بشریت میں رہتے ہوئے ادا کرتے ہیں ان احکام کے ادا کرنے سے پہلے بھی بشر تھے اسی حالت میں احکام آتے ہیں اور ان کے ادا کرنے کے بعد بھی بشر ہی رہتے ہیں یہ نہیں کہ احکام ادا کرنے کی وجہ ہم فرشتہ ہو جاتے ہوں ایسا نہیں بلکہ بشر ہی رہتے ہیں اور اسی حالت میں ان احکام کے ادا کرنے کی وجہ سے فرشتہ سے بڑھ جاتے ہیں ایک معنی تو بشریت میں رہکر ترقی کرنے کے یہ ہوئے چنانچہ تمام انبیاءؑ و اولیاءؒ بشر باقی رہتے ہوئے

اپنی ساری ترقیاں کرتے ہیں۔
اسوقت میں اسکو نہیں کہہ رہا ہوں یہ تو ہے ہی۔ نماز روزہ۔ ذکر وتلا
اور تسبیح و تہلیل یعنی اس نوع کی جملہ عبادات کرکے تو انسان ترقی کرتا ہی ہے
مگر یہ امور ہیں ملکیت کے پس انکے ذریعہ جو ترقی ہوگی وہ بشر کی ترقی بصفات
ملکیت کہلائے گی میں اسکو نہیں کہہ رہا ہوں ــــ بلکہ کہنا یہ چاہتا ہوں اور آ
یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ ہماری صفات بشریہ جو ہیں اور جن حوائج میں ہم من حیث
گھرے ہوئے ہیں اور جن میں ہماری عمر کا زیادہ حصہ صرف ہو جاتا ہے رسو
صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان ہے کہ آپ نے ان امور بشریہ کو اور ہمارے ا
تمام اسباب غفلت کو اسباب ذکر بنا دیا اور اس طور پر گویا بشریت کی راہ ــ
ہمیں خدا تعالیٰ تک پہونچا دیا ہے اور ہماری بشریت کو تقرب کا ذریعہ بنا د
کھانے پینے، سونے سوکر اٹھنے اور پاخانے آنے جانے کی دعاؤ
کے متعلق تو بیان کر چکا ہوں آپ کی ایک اور دعا سنیئے۔ فرماتے ہیں:۔
اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ وَسَاوِسَ قَلْبِیْ خَشْیَتَكَ وَذِكْرَكَ (یعنی اے اللہ!
کردے میرے دل کے خیالات کو اپنا خوف اور اپنی یاد)
ظاہر ہے کہ ہر بشر کے دل میں کچھ نہ کچھ خطرات اور وساوس آتے ہی رہتے
جن سے بچنا بہت مشکل تھا اسکے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے
فرماتے ہیں کہ میرے قلب میں جو وسوسہ آوے وہ آپ کی خشیت اور آپ کی
بن جائے۔ اسکو کہہ رہا ہوں کہ یہ ہے بشریت کی راہ سے ترقی۔ اور سنیئے فر
ہیں کہ:۔
وَاجْعَلْ هِمَّتِیْ وَهَوَایَ فِیْمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی (یعنی اور کردے
ہمت میری اور خواہش میری اس چیز میں جسے تو اچھا سمجھے اور پسند کرے)
اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام ہمت اور ہویٰ کو مرضیات
محبوبات باری بنا لیا۔

یا مثلاً ایک استعاذہ میں آپ نے یہ فرمایا کہ :-

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ سَمْعِیْ وَمِنْ شَرِّ بَصَرِیْ وَمِنْ شَرِّ لِسَانِیْ وَمِنْ شَرِّ قَلْبِیْ وَمِنْ شَرِّ مَنِیِّیْ یعنی یا اللہ میں پناہ پکڑتا ہوں تیری، اپنی شنوائی کی برائی سے اور اپنی بینائی کی برائی سے اور اپنی زبان کی برائی سے اور اپنے دل کی برائی سے اور اپنی منی کی برائی سے

اب یہ سمع۔ بصر۔ لسان۔ قلب اور منی کی جو برائیاں ہیں یہ کیا ہیں؟ یہ سب بشریت ہیں۔ جب آپ نے ان سب کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑ لی اور خود کو اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں دیدیا تو ان کے شر سے بچ گئے اور محفوظ ہو گئے یعنی یہ سب چیزیں موجود ہیں اور انکا ضرر نہیں ہو رہا ہے سمع سے اچھی باتیں سن رہا ہے غیبت سے بچ رہا ہے۔ بصر سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آثار دیکھ رہا ہے اور بد نظری سے محفوظ ہے۔ اسی طرح سے لسان سے حق باتیں بول رہا ہے ذکر و تلاوت کر رہا ہے غیبت کرنے سے بچا ہوا ہے۔ قلب میں عمدہ حالات موجود ہیں وساوس اور رذائل قلبیہ سے محفوظ ہے اور منی اور شہوت کو اپنے محل میں صرف کر رہا ہے بے محل استعمال سے بچا ہوا ہے گویا اپنے ان سب قوائے بشریہ کو اللہ تعالیٰ کی طاعت میں لگائے ہوئے ہے اور انکی معصیت سے انکو بچائے ہوئے ہے۔ اسی کا نام ہے بشریت کی راہ سے ترقی یہ مومن کو جو نصیب ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں ورنہ یہ بات تو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ آتی کہ ان خسیس چیزوں کے ذریعہ سے بھی قرب حق حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اسی کو مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

شہوت دنیا مثال گلخن است ۔ کہ ازو حمام تقویٰ روشن است

(شہوت دنیا کی مثال انگیٹھی کی سی ہے کہ (اسکے اندر کوڑا کرکٹ بھرا رہتا ہے مگر اسی سے کھانا پکتا ہے) اسی سے تقویٰ کا حمام روشن و گرم رہتا ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ شہوت جس کو چاہے بشریت کہہ لیجئے یہ فی نفسہ کوئی بری شے نہیں ہے بلکہ سارا معاملہ انسان کے استعمال پر ہے چاہے تو اسکے ذریعہ اسفل السافلین اپنا ٹھکانا بنا لے اور چاہے تو اعلیٰ علیین حاصل کر لے اور مرتبہ میں ملائکہ سے بھی بڑھ جائے۔

(مکتوب نمبر ۳۲۵)

حال : گذارش بخدمت عالی یہ ہے کہ خادم نے گذشتہ خط میں جو ا
خط کے ساتھ سے اپنا حال لکھا تو حضرت اقدس نے اس پر تحریر فرمایا کہ "یہ بڑ
کام کب کروگے ؟" ۔ خادم یہ سمجھتا ہے کہ اسکو فی الحال کام کرنا ہے ۔
۔ اس زندگی میں کام کرنا ہے جو کام جس وقت کا ہے ۔ اور خادم اسکا مکل
ہے ۔ اسکو اسی وقت بجالانا چاہیئے زندگی کا جو وقت مل رہا ہے اسکو غنیم
جاننا چاہیئے ۔ تحقیق : بیشک

حال : اور اسکی قدر کرنا چاہیئے ۔ لیکن نفس اسکو زندگی کے اصلی مقصد
سے کبھی کبھی غفلت میں ڈالدیتا ہے جس وقت خادم کو حضرت اقدس کا والا
ملا اسکو پڑھکر خادم کو اپنی غفلت کا علم ہوا اس نے اپنی بدحالی سے توبہ کیا ۔
اسی روز سے اللہ تعالیٰ کا فضل پھر خادم کے شامل ہوگیا ۔ تحقیق : الحمدللہ

حال : اخیر شب میں اٹھنے اور معمولات اداکرنے کی پھر توفیق ہونے لگی ۔
حضرت اقدس سے استقامت کے لئے دعار کی درخواست ہے ۔

تحقیق : الحمدللہ ۔

حال : خادم نے غصہ میں اپنے سسرال والوں کے ساتھ جو نامناسب
حرکت کی تھی اسوقت اسکے ذہن میں صرف ایک ہی بات تھی کہ اپنی اہلیہ کو
اس باطل عقیدہ سے نکالنا چاہیئے ، اور دوسری باتوں سے اسکا ذہن خالی
تھا ۔ لیکن اس حرکت کے بعد سے اسکے دل میں ایک کھٹک سی رہا کرتی تھی
اور نفس اسکو تاویل کرکے اطمینان دلاتا رہتا تھا اب حضرت اقدس کے ارشا
سے اسکے متعلق اسکی سمجھ میں یہ بات آئی ہے کہ اسکی بد اخلاقی سے اس کے
سسرال والوں کو تکلیف پہونچی ہے ۔ اس لئے اس نے پہلے اپنی بد اخلاقی
سے توبہ کیا اسکے بعد ان لوگوں سے جاکر معافی مانگی ۔ ان لوگوں نے معاف

کردیا۔ خادم کو یہ خیال ہوا کہ ان لوگوں نے معاف تو کردیا لیکن ان لوگوں کے قلب کے اندر میل باقی ہوگی اسکی صفائی کے لئے اس نے ان کے وہاں موقع ملنے پر جانا شروع کردیا ہے اور ہدیہ وغیرہ تحفہ تحائف سے ان لوگوں کا دل خوش کرنا شروع کردیا ہے۔ تحقیق: الحمدللہ۔

حال: خادم کے قلب کے اندر اس حرکت کے بعد سے جو کھٹک رہا کرتی تھی اب وہ دور ہوگئی ہے۔ ان لوگوں سے ملاقات کرنے میں پہلی جیسی خوشی پھر محسوس کرتا ہے اور ان لوگوں کو بھی ملاقات کی خوشی ہوتی ہے۔

تحقیق: الحمدللہ

حال: حضرت اقدس دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کے تعلقات صحیح طریقے سے درست فرمادیں۔ تحقیق: آمین

مکتوب نمبر ۲۲۶

حال: حضرت والا آجکل جس موضوع پر گفتگو فرمارہے ہیں اور حضرت نے قوم کا جو مرض پکڑا ہے بہت ہی اہم اور بہت بڑا مرض ہے اور اس زمانے میں جو شخص اس مرض سے بچا ہوا ہے وہ اپنے وقت کا حکیم ہے۔ تحقیق: بیشک

حال: میں خود اپنے گھر میں دیکھتا ہوں تو چھوڑ کر بھاگ جانے کو جی چاہتا ہے

تحقیق: کہاں بھاگ کر جاؤگے اصل بھاگنا اخلاق رذیلہ سے ہے اخلاق حمیدہ کی طرف، یہی سفر در وطن ہے، سمجھو۔

حال: میں بھی اپنے نفس کو بری نہیں سمجھتا یا تو یہ کہ کوئی فساد کا موقع ہاتھ نہیں آتا یا اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔ فضل تو یہ بھی ہے کہ ایسے مواقع سے بچائے رکھتے ہیں۔ تحقیق: ہاں ضرور

حال: دعاء فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ موت کے وقت تک فتنہ وفساد سے بچائے رکھیں

تحقیق: آمین۔ حال: حضرت اس وقت تو روزانہ حاضر نہیں ہوسکتا۔ تحقیق: خیر

(مکتوب نمبر ۳۲۷)

حال: گذارش یہ ہے کہ آنے کے بعد حضرت والا سے ملاقات ہوتے ہی قلب میں ایک نئی حالت محسوس ہوئی اور تعلق میں تازگی آگئی۔ تحقیق: الحمد للہ
حال: جب سے یہاں آیا ہوں کچھ عجیب حیرت میں رہا کرتا ہوں، اسوقت کبھی بیان کے لئے الفاظ نہیں مل رہے ہیں
تحقیق: معانی کے ہوتے ہوئے بیان کی کیا ضرورت ہے۔ (خوب کیا بلاغت ہے)
حال: اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ محبت میں اضافہ کی دعا مانگتا ہوں۔ جس میں حضرت والا کو دیکھکر ہی اضافہ محسوس ہونے لگا۔ تحقیق: الحمد للہ
حال: حضرت والا کی ملاقات ہی میرے لئے سب سے بڑا نفع ہے۔ میں یہاں کے نفع کو کہاں تک گنا سکتا ہوں۔ تحقیق: بہت خوش ہوا
حال: خواہش یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ دین پر استقامت عطا فرمائیں۔ تحقیق: آمین

(مکتوب نمبر ۳۲۸)

حال: طالب دعا بفضلہ تعالیٰ بخیر ہے اور مستدعی رہتا ہے کہ حضرت عافیت سے رہتے ہوں۔
تحقیق: آپ حضرات کی توجہات کا اثر بیّن طور پر مشاہدہ کر رہا ہوں۔
حال: گرامی نامہ صادر ہوکر موجب ایقاظ و تنبیہ و باعث کاشف عقبات ہوا
تحقیق: بارک اللہ تعالیٰ۔ آپ سے اسی کی توقع ہے اللہ تعالیٰ قلب منیب اور تیقظ عطا فرمائے۔ آمین۔
حال: پس زبان و روح و قلب سے اس پر حضرت کا لاتعد و لاتحصیٰ شکرگزار ہوں کہ ایک مہلکہ عظیمہ سے بچالیا۔ فالحمد للہ علی ذلک۔
تحقیق: اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں لے لے اَللّٰھُمَّ اکْنُفْنِیْ بِرُکْنِکَ الَّذِیْ لَا یُرَامُ

حال : اس پر حضرت ہی کا بیان فرمودہ ایک واقعہ یاد آگیا۔
حضرت فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی قدس سرہٗ کی خدمت میں ایک صاحب ذکر و اشغال کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص نے ان کے پاس جاکر حضرت وغیرہ جیسے القاب و آداب سے ان سے مخاطبت کی تو انھوں نے ڈنڈا لیکر ان کو دوڑایا کہ حضرت یہاں کہاں ہیں؟ وہ صاحب حضرت گنج مراد آبادیؒ کی خدمت میں جاکر اس واقعہ کو بیان کرکے کہنے لگے کہ وہ بہت تیز مزاج معلوم ہوتے ہیں تو حضرت مولانا نے فرمایا کہ ان کے بگڑنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ یہاں پر اصلاح نفس میں لگے ہوئے ہیں اور ابھی کام کر ہی رہے ہیں پس آپ نے جو انکو تعظیم کے الفاظ سے مخاطب کیا تو وہ اپنی اصلاح نفس کے لئے آپ کے ساتھ اس طرح تیزی سے پیش آئے تاکہ ان کے اندر عجب و کبر کا رذیلہ گھسنے نہ پائے کہ میں بھی اب حضرت کہلانے کے قابل اور مسند مشیخت پر بیٹھنے کے لائق ہوگیا۔ شیطان اس طرح ان کے تمام کئے کرائے کام اور دیرینہ مجاہدات پر پانی پھیرنا چاہتا تھا۔
تحقیق ۔ بیشک ۔ آپ نے خوب یاد رکھا۔
حال : آجکل علی العموم ہر شعبہ میں نمائش کا دخل کثیر ہوگیا ہے۔ ایک مرتبہ بندہ سے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مئوی نے جبکہ وہ حج کرکے واپس آئے تھے یہ کہا کہ اب حج کیا ہے وہ تو ایک ڈگری ہوگئی ہے، جیسے بی۔ اے ۔ ایم ۔ اے وغیرہ کی ڈگریاں ہوتی ہیں یہی حال اب اسکا بھی ہوگیا ہے۔
تحقیق : بالکل صحیح ہے۔
حال : میں نے کہا بالکل سچ ہے چونکہ اب پیسے اور دولت کی زیادتی ہے اس لئے بطور سیر و سیاحت اور تفریح طبع یہ بھی ایک مشغلہ ہوگیا ہے۔ الا ماشاءاللہ اکثر و بیشتر یہی دیکھنے میں آتا ہے۔ ہاں جو طبیعتیں صالح اور سعید ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں لیکن ایسے حضرات بہت ہی قلیل بلکہ اقل ہیں۔ تحقیق : بیشک

حال : یہ سب شرو فتن دیکھکر طبیعت بہت گھبراتی ہے کہ بالکل الگ تھلگ ایک گوشہ میں رہ کر اپنی استطاعت کے موافق کام میں لگے رہنے میں خیریت ہے
تحقیق : بالکل صحیح ہے ۔
حال : ورنہ جہاں کسی قسم کی شہرت اور امتیازی حالت پیدا ہوئی پھر وہاں مجھ جیسے اجہل الجاہلین اور نالائق کے لئے سوائے ہلاکت اور بربادی کے اور کچھ نہیں ۔ حق تعالیٰ ہی اپنے حفظ و امان میں رکھیں ۔ تحقیق : آمین
حال : اسلئے حضرت والا سے نہایت ہی مؤدبانہ التماس ہے کہ نہایت ہی خاموشی اور گمنامی کی حالت میں رکھکر اس ناکارہ کی طرف برابر توجہ فرماتے رہیں ۔
تحقیق : اس پر ایک شعر سنیئے ؎

ہیچ کنجے بے دد و بے دام نیست   جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

(کوئی گوشہ (دنیا کا) کیڑے مکوڑوں اور جال سے خالی نہیں ہے سوائے خلوت گاہ حق کے کہیں آرام نہیں ہے)

حال : کہ شاید اس طرح اسکا بھی کہیں ٹھکانا لگ جائے اور حق تعالیٰ کے فضل و کرم اور حضرت کی توجہات کی برکت سے مہلکات سے استخلاص اور منجیات کے حصول کی سعادت نصیب ہو جائے ۔ تحقیق : آمین
حال : آخر میں بہت ہی تضرع اور الحاح سے گذارش ہے کہ ہدایت و استقامت اور حصول فوز و فلاح دارین کے لئے دعا کرکے اس گنہگار کو نوازا جائے ۔ تحقیق : دل سے دعا کرتا ہوں ۔

(مکتوب نمبر ۳۲۹)

حال : رذائل نفس کی نگہداشت اور اصلاح کا فائدہ بحسب وعدو نصوص حیاۃ اخروی میں مومن کے لئے بالیقین ہے ہی مگر اسکا نفع حیاۃ دنیوی میں بھی بے حساب ہے اور اس نفع کے احساس کے لئے بہت غور و فکر کی بھی ضرورت نہیں ۔ تحقیق : بیشک ۔

حال: چنانچہ اس قبیل کے فائدے اس خادم ناکارہ نے جو حضرت والا کے ملفوظات در باب اصلاح نفس سن سنکر بہ برکت قلیل و قدرے اتباع کے محسوس کئے ہیں وہ یہ ہیں کہ قلب و ذہن سے فکر و پریشانی بحمداللہ تعالیٰ اپنے آپ معدوم ہوئی جا رہی ہے اور اسکے عوض میں دولت طمانیت و سکون ملتی جا رہی ہے۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: اللہ تعالیٰ کی رحمت بیکراں سے پرامید ہوں کہ حضرت کی دعاؤں کو میرے حق میں بر لائیں گے۔ تحقیق: انشاء اللہ تعالیٰ

حال: گویا کہ یہ سرزمین دل خس و خاشاک اوہام باطلہ اور خیالات لاطائلہ سے خالی کی جارہی ہے وہمواری سکون پیدا فرمائی جارہی ہے۔ امید ہے کہ اس میں تخمہائے پند و نصائح اگ سکیں اور پھل پھول دیں جس کو پھلتے پھولتے دیکھکر حضرت والا کو بھی خوشی ہو اور یہ حیوٰۃ دراصل مزرع آخرت بن جائے جو کہ منشائے حدیث الدنیا مزرع الآخرۃ ہے اور جو کہ ہر مومن کا مطمح نظر ہونا چاہیئے۔ تحقیق: بیشک

حال: افسوس ہے کہ اسقدر داد و دہش کے ساتھ یعنی جوارح و عقل و ہوش و ورزق و دولت و عزت سے اس عالم میں بھیجا جائے اور ایمان کی بیش بہا دولت بھی ملی ہو محض نفس کے صریح مکائد اور شیطان کے ضعیف حیل میں پھنس کر ایسا غافل و کور ہو جائے کہ مقصود حقیقی کو کہ عرفان خالق ہے عمر بھر یاد بھی نکرے یہانتک موت کام تمام کردے۔ تحقیق: نعوذ باللہ منہ۔ خوب بات لکھی ہے۔

حال: العیاذ باللہ کثیر در کثیر بندگان الٰہی اسی اسیریٔ دام نفس میں زندگی عمر تمام کردیتے ہیں اور اسی نوعیت کے ساتھ روح قبض ہو جاتی ہے اور حاکم علی الاطلاق یعنی خداوند جل وعلا کے سامنے پیشی کا وقت آجاتا ہے۔ کس طرح پیش ہونگے ناشکری کا کیا جواب ہوگا، نا صبوری مسلسل کا کیا حساب دیں گے، بخشش و عطائے خالق کے مورد ہونے کے باوجود بندگیٔ نفس و شیطان بیان کرسکیں گے؟ اللہ تعالیٰ اپنی پناہ دیں اور ہدایت کامل عطا فرمائیں۔ تحقیق: آمین

حال: اللہ تعالیٰ حضرت والا کو ہر دو جہاں میں خصوصیت و پسندیدگی کا مقام

عطا فرمائیں۔ آمین۔ حضرت والا کی پیہم شفقت اور توجہ کا ثمرہ ہے کہ اسوقت بھی اتنا ہوش آگیا کہ اتنی بات سمجھ میں آگئی۔ تحقیق: الحمدللہ۔

حال: کہ یہ جو حضرت والا مسلسل رذائل کی برائیاں بیان فرماتے ہیں اور جس کو سنکر نفس کو بڑی تلخی محسوس ہوتی ہے اور بڑی کبیدگی کی کیفیت دل و دماغ میں پیدا کرتا ہے اس میں دراصل ہمارا ہی نہ صرف دین بلکہ دنیا کا بھی فائدہ ہے کہ اسی عالم میں حیوٰۃ طیبہ عطا ہونے لگتی ہے۔ اور خلش و پریشانی دور ہونے لگتی ہے۔

تحقیق: الحمدللہ یہی بات ہے

حال: دراصل یہی رذائل ہیں جو دین و دنیا دونوں میں خوار کرتے ہیں۔ انسان اپنے اہل وعیال کے سامنے ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ ہمسایہ اس سے نفرت کرتا ہے قلب وذہن کا ستیاناس ہوجاتا ہے جسکی وجہ سے نہ سکون ہوتا ہے نہ آرام۔

تحقیق: بیشک

حال: جسکی بدولت اس قدر بڑی دولت علم عطا ہو یعنی شیخ کامل کی محبت شفقت دعا، و توجہ اسکے احسان سے عمر بھر عہدہ برآئی نہیں ہوسکتی۔ یہ اتنا بڑا احسان ہے کہ عطائے بیداری ہی کے بعد اسکی کچھ قدر ہوسکتی ہے اور طالب صادق تمام عمر سرنگوں رہتا ہے اور بزبان حال یہ کہتا ہے ؎

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی ۔۔۔ مرا با جانِ جان ہمراز کردی

(اللہ تعالیٰ آپکو جزائے خیر عطا فرمائیں آپ نے میری آنکھیں کھولدیں اور مجھکو محبوب حقیقی کا ہمراز بنادیا)

اور یہ بھی پڑھتا ہے ؎

کیمیائے است عجب بندگیٔ پیر مغاں ۔۔۔ خاک درگشتم و چندیں درجاتم دادند

(شیخ کی غلامی بھی عجیب کیمیا ہے کہ میں ان کی در کی خاک ہوا تو انھوں نے مجھے کیسے کیسے مراتب عطا فرمادیئے۔)

تحقیق: بیشک۔

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر آئے ہیں کہ حضرت اقدس کا ورود باسعود الٰہ آباد میں نومبر ۱۹۵۵ء کو "حسن منزل" میں ہوا تھا وہیں حاجی شفیع اللہ صاحب لیڈر مرچنٹ کے مکان میں حضرت والا کا قیام رہا اور اسکے متصل حاجی عبدالوحید صاحب ڈیری والے کے مکان میں حضرت کے متعلقین کا قیام تھا۔ اسی محلہ میں مجلس بھی ہوتی تھی طلبہ اور طالبین کا بھی قیام یہیں تھا۔ آناً فاناً حضرتؒ کا شہرہ شہر اور اطراف شہر میں عام ہوگیا ہر طرف سے لوگ آ کر مجلس میں شریک ہوتے تھے۔ مجلس کے لئے تو ماشاء اللہ حاجی شفیع اللہ صاحب کے بالاخانے کا صحن خاصا وسیع تھا لیکن جس مکان میں صاحبزادیاں مقیم تھیں وہ انکے لئے چنداں آرامدہ نہ تھا تاہم کسی نہ کسی طرح گذر ہوتا رہا کہ اسی عرصہ میں گرمی کا زمانہ آیا اور الٰہ آباد میں تاریخی قسم کی گرمی پڑی یوں تو الٰہ آباد ویسے بھی گرم جگہ ہے سنگم پر اور دو دریاؤں گنگا، جمنا کے تین طرف سے شہر کو گھیرے ہونے کے باوجود گرمی یہاں کافی پڑتی ہے لیکن امسال تو حد سے زائد گرمی پڑی جس کا اثر حضرت اقدس پر یہ ہوا کہ حضرت کے بھی تمام بدن پر گرمی دانے نکل آئے اور پھر دانوں نے ترقی کر کے چھالوں کی شکل اختیار کر لی جس میں بڑی جلن اور سوزش ہوتی تھی۔ تکلیف تو ایسی تھی لیکن سبحان اللہ حضرت بھی کوہ استقامت اور پیکر صبر و ضبط تھے کہ نہ تو کبھی مجلس ناغہ فرمائی اور نہ لوگوں کو اپنی اس تکلیف کا احساس ہونے دیا۔ ہوتا یہ تھا کہ مجلس کے ختم ہونے پر جب لوگ رخصت ہو جاتے تو حضرت والا کرتا اور بنیائن اتار کر صرف تہبند باندھکر کمرہ میں ہو جاتے اور خدام دوا یا پوڈر جو بھی ہوتا تمام بدن پر مل دیتے تھے۔ اس سے حضرتؒ کو کچھ سکون ہو جاتا تھا۔ چونکہ صبح بعد الفجر کی تفریح میں ڈاکٹر صلاح الدین صاحب بھی ہمراہ ہوتے تھے ادھر حضرت والا کو ٹھنڈی جگہ کی تلاش تھی اسلئے ایک دن غالباً خود حضرت ہی نے فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب آج تمھارے گھر چلیں چنانچہ مجلس کے بعد فوراً مچھلی گلی ڈاکٹر صاحب کے مکان پر حضرت والا تشریف لے گئے طلبہ کو اطلاع ہوئی کہ وہیں جا کر سبق پڑھئے چنانچہ

حدیث کا سبق وہیں ہوا ڈاکٹر صاحب کا یہ مکان کرایہ پر تھا لیکن متعدد کمرے تھے
اور سہ منزلہ بلکہ چہار منزلہ تھا اسلئے نیچے کے کمرے میں سے بالخصوص وہ کمرے
جو دھوپ کے رخ پر نہ تھے کافی ٹھنڈے تھے چنانچہ انھوں نے مکان کی پشت
کی جانب گلی کا ایک کمرہ حضرت کے قیام کے لئے تجویز کیا اور اس میں حضرت اقدس
کا پلنگ بچھا دیا اور مزید اہتمام یہ کیا کہ کمرہ کی نالی بند کر کے اس میں پانی بھر دیا
چارپائی کے پائے کے نیچے اینٹ لگا دی اور خدام اور ملنے والوں کے لئے کرسیاں
رکھدیں۔ حضرت والا کو اس نظم سے بہت آرام ملا۔ چنانچہ اب یہی معمول ہوگیا
کہ مجلس سے فارغ ہوکر یہیں چلے آتے شام تک یہیں رہتے اور حضرتؒ کے مکان سے
کھانا یہیں آجاتا، طلبہ بھی یہیں آکر سبق پڑھتے اور حضرت والا مغرب کے وقت
یہاں سے مکان واپس تشریف لیجاتے۔ شب کو حسن منزل ہی میں آرام فرماتے
ڈاکٹر صاحب کا یہ مکان ڈھال والی مسجد محلہ بخشی بازار سے قریب ہی تھا اسلئے
کبھی کبھی حضرت عصر یا مغرب کی نماز پڑھنے اس مسجد میں بھی تشریف لاتے
تھے اس کے متولی حاجی عبدالصمد صاحب مرحوم تھے ان کے چھوٹے بھائی
حاجی عبدالستار صاحب حضرتؒ کے مرید اور صحیح معنوں میں خادم خاص تھے۔ یہ
میں نے صحیح معنوں میں اسلئے بڑھا دیا ہے کہ آجکل یہ لفظ بھی ایک خاص اصطلاح
بن گیا ہے کہ خادم بمعنی مرید اور خاص بمعنی خلیفہ یعنی اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہو
کہ کسی بزرگ کا خود کو خلیفہ ظاہر کرے تو وہ اس دعوے کو اس پردے میں چھپا کر
یہ کہہ سکتا ہے کہ فلاں خادم خاص حضرت مولانا فلاں اس میں نفس کی ایک چال یہ
معلوم ہوتی ہے کہ ادعائے خلافت سے بھی محفوظ ہے اور مقصد بھی حاصل ہوگیا
کیونکہ کسی بزرگ کا کوئی اپنے کو خادم خاص کہے تو اس میں کیا قباحت ہے؟

اسی قبیل سے یہ بھی ہے کہ اگر کوئی بزرگ کسی کو صحبت کا مجاز بنائے
اور اسکی مصلحت ہوتی ہے کہ کاش لوگ مجھے مجاز بیعت سمجھتے تو بوقت اظہار نسبت
لفظ صحبت کو حذف کر کے فلاں مجاز حضرت مولانا فلاں کہدیتا ہے۔ اب اس زمانہ

یں کتنے لوگ ہیں جو مجاز صحبت اور مجاز بیعت کے فرق کو سمجھتے ہوں اور قاعدہ یہی ہے
کہ المطلق اذا اطلق یراد بہ الفرد الکامل پس صرف مجاز سے بھی لوگ مجاز کامل
یعنی مجاز بیعت سمجھ لیں گے مقصد حاصل ہو جائیگا اگر کوئی واقف اعتراض کریگا
تو جواب ظاہر ہے کہ ہم نے کب مجاز بیعت کہا ہے ہمنے تو صرف مجاز کہا ہے
جو دونوں کو شامل ہے اب فرمائیے کیا اشکال ہے ؟ ۔ چنانچہ حاجی عبدالستار صاحب مرحوم
ں اصطلاحی معنی میں خادم خاص نہ تھے بلکہ واقعی نہایت مخلص خادم، بہت ہی
مسکین صورت اور خوش مزاج اور نرم طبیعت انسان واقع ہوئے تھے اور دل
سے ہر وقت یہ چاہتے تھے کہ حضرت پر کس طرح سے خود کو فدا کردیں ۔ جوتے کی
دوکان تھی روزانہ کی بکری میں سے کوئی شرح مقرر کر رکھی تھی جو حضرت والا کو
دین کے لئے صرف فرمانے کے لئے الگ دیتے تھے اور ذاتی ہدیہ الگ دیتے
تھے ۔ چونکہ روزانہ کا یہ معمول تھا اسلئے اسکی جھلک ہم لوگوں کو بھی لگ جاتی تھی
ورنہ ہمکو کیا معلوم کہ کون کیا دیتا ہے اور کیا لیتا ہے ۔

اور ایک یہی خدمت کیا دیکھا جاتا تھا کہ حضرت والا نے گھر کی تمام ضروریات
کی فراہمی کے لئے گویا انھیں کو منتخب فرمالیا تھا اور حاجی صاحب نہایت خوشی
اور انشراح کے ساتھ ہر کام کے لئے مستعد رہتے تھے ۔ انھیں کے گھرانے
میں مسجد کی تولیت تھی اسلئے مسجد کا انتظام بھی انھیں سے متعلق تھا اور یہاں
کے دوسرے نمازیوں میں سے بھی بہت سے لوگ حضرت کے مرید اور معتقد
تھے ۔ امام مسجد ایک باہر کے رہنے والے بالکل سیدھے سادے نوجوان شخص تھے
جو مدرسہ سبحانیہ میں جناب قاری محب الدین صاحب سے تجوید پڑھنے آئے تھے اور اس
مسجد میں رہتے تھے نماز بھی پڑھاتے تھے اور چھوٹے بچوں کو کچھ تعلیم بھی دیتے
تھے بعد میں حضرت والا سے بیعت بھی ہوگئے تھے ۔ بہرحال حضرت اقدس جب
اس مسجد میں پہلی بار تشریف لائے تب ہی سے یہ جگہ یہ محلہ یہ لوگ حضرت کو
بہت پسند آگئے شاید اسی کا یہ اثر ہوا ہو کہ بعد میں چلکر حق تعالیٰ کیجانب سے یہی محلہ

حضرت والا کے قیام کیلئے تجویز کردیا گیا اور مسجد بھی بعد میں اب حضرت مولانا کی مسجد عام طور سے کہی جانے لگی۔

حاجی عبدالستار صاحب اور دیگر اہل محلہ کے ساتھ انس ومحبت نیز امام صاحب کی حسن قرأت کیوجہ سے حضرت والا بھی اب عصر ومغرب کی نماز اکثر یہیں ادا فرمانے لگے یہاں تک کہ ان حضرات کی خدمات سے متاثر ہوکر حضرت نے شب کا قیام کبھی کبھی مسجد کی باہری دوکانوں کی کھلی چھت پر فرمانا شروع کردیا۔ امام صاحب کے زیر اہتمام عصر سے پہلے ہی خوب چھت ٹھنڈی کیجاتی تھی اسی پر چارپائی ڈالدی جاتی اور حضرت والا یہیں قیام فرماتے مجلس شب بھی حسن منزل ہی میں ہوتی تھی۔

اس درمیان میں حضرت کو یہ خیال ہوا کہ گرمی ایسی شدید پڑ رہی ہے لوگوں نے میری راحت کا تو انتظام کردیا ہے لیکن میری بچیاں اور دوسرے لوگ تکلیف میں ہیں چنانچہ حضرت جب مکان تشریف لیجاتے تو برسبیل تذکرہ ذکر بھی آیا کہ یہ مکان دن میں تو تکلیف دہ ہوتا ہی ہے رات کو بھی نیند نہیں آتی کمروں کے آگے سائبان اور بارجہ پر ٹین کی چادر پڑی ہے جو دن رات تپتی ہے اسوقت حضرت والا کا احساس اور شدید ہوگیا اور اب حضرت نے پاس کے لوگوں سے کہنا شروع فرمایا کہ اب تو میں نے الٰہ آباد کو وطن بنا ہی لیا ہے لہٰذا یہاں اپنا کوئی مکان ہونا ضروری ہے اور اگر مکان ملجائے تو بہتر ورنہ کوئی پلاٹ ہی ملجائے تو لیکر اس پر مکان تعمیر کرلیا جائے

حضرت والا کی اس خواہش پر ہر خادم مکان یا پلاٹ کی جستجو میں لگ گیا حسن منزل کے لوگوں نے یہ چاہا کہ حضرت یہاں سے کسی اور محلہ میں نہ جائیں اسلئے حاجی صاحبان نے اپنے اپنے مکان کی پیش کش کی لیکن حضرتؒ نے فرمایا کہ بھائی اس مکان میں تو ہم مقیم ہی ہیں اور پھر بھی تکلیف کی وجہ سے مکان کی تلاش ہے اب اگر آپ لوگ یہ مکان مجھے دے بھی دیں گے تو اس سے اصل تکلیف

کیسے رفع ہوجائیگی مکان تو وہی رہے گا صرف فرق یہ ہوگا کہ عاریت سے نکلکر ملکیت میں آجائے گا تو اسکا اثر رفع کلفت پر کیا ہوگا۔

حضرت والا کے سامنے جو کام ضروری آجاتا تھا دن رات اسکی ایک دھن سی ہوجاتی تھی اسلئے اب مکان کی ایک دھن تھی جو لگی ہوئی تھی اسی سلسلہ میں خدام سے فرمایا کہ بھائی جلدی کرو اگر زمین میں وقت ہوا اور واقعی اس پر مکان وغیرہ بنوانا وقت طلب ہوگا تو کوئی بنا بنایا مکان ہی تلاش کرلو چنانچہ ایکدن ہم لوگ حدیث کی کتاب لیکر سبق پڑھنے کے لئے حسب معمول مچھلی کوٹھی گئے ابھی سبق شروع نہ ہوا تھا کہ ڈاکٹر صلاح الدین صاحب نے آکر عرض کیا کہ حضرت یہاں قریب ہی محلہ ہی میں ہمارے ایک عزیز جو مچھلی شہر کے رہنے والے ہیں انکا مکان خالی ہے اور غالباً وہ اسکو فروخت بھی کرنا چاہتے ہیں مکان بہت بڑا ہے میرا دیکھا بلکہ رہا ہوا ہے وکیل صاحب گھر پر ہیں اگر مناسب سمجھیں تو چلکر ملاحظہ فرمالیں۔ یہ سنکر حضرت فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور ہم لوگوں سے فرمایا کہ چلو مکان دیکھتے آویں اسکے بعد سبق ہوگا۔

یہ مکان جناب وکیل ابوالحسن صاحب جعفری کا تھا جو راقم کے بھی عزیز ہوتے تھے اور ہم لوگوں کے گھرانہ سے قدیمی رسم وراہ تھی آمد ورفت بھی رہا کرتی تھی اسلئے مکان میرا بھی دیکھا ہوا تھا۔ بڑا گھرانہ تھا مگر اب سب لوگ دوسری جگہ چلے گئے تھے صرف وکیل صاحب اور انکی اہلیہ یہاں رہ گئیں تھیں، ڈاکٹر صاحب کے مکان سے شاید اسکا فاصلہ تین ساڑھے تین سو قدم سے زیادہ نہ ہوگا اسلئے حضرت پیدل ہی چلدیئے پیچھے پیچھے ہم سب طلبہ کی جماعت تھی ہمراہ ڈاکٹر صاحب تھے مکان پر پہونچکر دستک دی گئی صاحب خانہ نکلے حضرت اقدس سے ملے اندر پردہ کرایا اور فرمایا کہ حضرت تشریف لائیے۔ حضرت اندر تشریف لے گئے اور جتنا حصہ اس مکان کا خالی تھا اور فی الحال قبضہ میں آجاتا اسے ملاحظہ فرمایا آئیے آپ بھی اجمالاً اسکی سیر فرمالیجئے۔ مکان کا صدر دروازہ جنوب میں واقع

تھا شمال و جنوب اسکی لمبان تھی اور شرقاً غرباً اسکی چوڑان تھی۔ سڑک پر سے تین چار سیڑھیوں کے بعد باہر ہی لوہے کا چھڑ دار پھاٹک تھا اسمیں داخل ہوکر تقریباً سات آٹھ فیٹ مربع ایک دہلیز تھی اسکے دائیں اور بائیں دونوں جانب کمرے تھے، دہلیز کے بعد بقدر ایک سیڑھی کے بلند ایک ٹین کا مضبوط دوسرا پھاٹک تھا جو کہ مکان کا اصل دروازہ تھا اس میں جاکر ۱۲ فیٹ لمبی دوسری اندرونی دہلیز تھی جس میں داہنے بائیں بڑے بڑے ہال تھے جس کے دو دو دروازے اس دہلیز میں بھی کھلتے تھے اس دہلیز کے بعد در میں بڑا پردہ پڑا تھا اسکے اندر داخل ہونے پر سارا مکان سامنے تھا پردہ عبور کرکے ہم لوگ دونوں ہالوں اور دہلیز کے سامنے ایک وسیع و عریض سات دروں کے دالان میں تھے فرش پر پتھر کا چوکا بچھا ہوا تھا۔ یوں سمجھئے کہ یہ دالان مکان کے چاروں طرف تھا فرق صرف یہ تھا کہ مشرق و مغرب کی جانب آدھے آدھے حصہ میں سردی و گرمی کیلئے باورچی خانہ تھا اور بقیہ آدھے حصہ میں مشرق کی جانب چند کوٹھریاں اور مغرب کی جانب غسل خانہ اور پاخانہ وغیرہ بنا تھا۔ جب وکیل صاحب نے پردہ اٹھا کر حضرت کو مکان کے اندر بلایا تو ساتھ ساتھ داہنی جانب سے مکان دکھلانا شروع کیا عرض کیا کہ حضرت یہ ایک ہال کمرہ ہے (یہ وہی مشرقی ہال ہے جس کے دو دروازے لانبی (اندرونی دہلیز میں بھی کھلتے تھے اور دو دروازے دالان میں بھی کھلتے تھے) حضرت نے فرمایا اچھا' وکیل صاحب نے کہا اندر تشریف لے چلیں یہ اسکے مغرب میں وہی دہلیز ہے اور جنوب میں باہر کا کمرہ ہے جس میں کا ایک دروازہ پہلی دہلیز میں کھلتا تھا۔ اور یہ مشرق کی جانب اندرونی لانبی کوٹھری ہے۔ پھر جانب مشرق چلے کہا کہ یہ غلہ کی کوٹھری ہے اور اسکے بعد یہ وسیع مشرقی باورچی خانہ ہے اور آگے یہ دو تین کوٹھریاں ہیں مختلف ضروریات کے لئے۔ اب شمالی والی دلان میں آکر کہا کہ یہ سامنے ایک بڑا کمرہ ہے حضرتؒ نے باہر ہی سے اسے بھی دیکھا۔

ایک گیلری تھی حضرت نے فرمایا یہ کیا ہے ؟ وکیل صاحب نے عرض کیا کہ حضرت
یہ راستہ ہے دوسرے قطعہ مکان میں جانے کا جو اسی کا ایک حصہ ہے کرایہ پر
ہے ایک داروغہ جی رہتے ہیں اسکے بعد ایک کمرے کے تین دروازے بند
ملے فرمایا یہ کیا ہے ؟ عرض کیا کہ حضرت جنوبی ہال کے مقابلہ میں یہ بھی ایک ہال کمرہ
ہے لیکن اسکو بھی میں نے یونانی دواخانہ کو کرایہ پر دیدیا ہے یہ اندر سے بند ہے
اسکے بعد دالان کے ختم پر ایک جانب اوپر جانے کا زینہ تھا۔ وکیل صاحب نے
عرض کیا کہ حضرت اوپر تشریف لے چلیں گے تکلیف تو نہ ہوگی فرمایا نہیں نہیں
چل سکتا ہوں۔ چنانچہ حضرت اوپر تشریف لے گئے ختم پر داہنی جانب بھی راستہ
تھا اور بائیں جانب بھی فرمایا کدھر چلوں ؟ وکیل صاحب نے عرض کیا کہ حضرت
داہنی جانب تشریف لے چلیں اب حضرت دالان کی اوپر والی کھلی چھت پر
تھے جس کے وسط میں چند زینوں کے اوپر حضرت تشریف لے گئے تو نہایت
عریض و وسیع کھلی چھت ملی جس میں مغرب کی جانب شمالاً و جنوباً ایک لانبا سا کھپریل
پڑا ہوا تھا یہ صحن در اصل نیچے کے دونوں ہالوں کا مجموعہ تھا اور کچھ حصہ داروغہ جی
کے مکان کا بھی اس میں پڑتا تھا حضرت اقدس کو کھلے مکان اور مقام سے ہمیشہ
اُنس رہا ہے اسکو دیکھکر بہت مسرور ہوئے چونے کی پختہ چھت تھی اور بہت ہی
بڑی کھلی ایسی کہ شہروں میں ایسی چھت تقریباً نایاب ہوتی ہے پھر اس سے
واپس ہوکر بائیں جانب تشریف لے چلے تو پہلے ایک کمرہ ملا جو تقریباً ۱۶ فٹ لمبا
اور ۸ فٹ چوڑا تھا اسکے بعد تقریباً ۱۸ فٹ لمبا ایک صحن تھا اسکے بعد ۵، ۶
فٹ چوڑا ایک دالان اسکے دروازے سے باہر ہوئے تو دوسری جنوبی دالان
میں اترنے والا ایک تقابلی زینہ تھا اس سے حضرت والا نیچے اترے تو پہلے
ہال کا بغلی لانبا کمرہ ملا اسکے بعد بڑا ہال جس سے ملا ہوا پہلی دہلیز کا مغربی کمرہ
تھا لیکن چونکہ درمیان سے یہ بند تھا اسلئے دونوں کمروں میں راستہ نہ تھا۔ پھر
پردہ اٹھا دیا گیا اور حضرت والا دہلیز میں آگئے۔ وکیل صاحب حضرت سے

نہایت ادب سے ملے۔ حضرت نے فرمایا کہ اسکے متعلق اپنا خیال پھر مشورہ کر کے ڈاکٹر صلاح الدین صاحب کے واسطے سے آپ کے پاس کہلا بھیجوں گا اسکے بعد ہم سب لوگ واپس چلے آئے واپس آکر پہلے درس حدیث ہوا پھر حضرت نے اولاً ہم ہی لوگوں سے پوچھا کہ مکان کیسا ہے؟ ہم سب نے کہا کہ حضرت بہت عمدہ مکان ہے۔

اسکے بعد حضرت نے مجلس میں آنے والے مخصوص احباب سے فرمایا کہ آپ لوگ بھی جاکر مکان دیکھئے اور پھر اسکے متعلق اپنا اپنا مشورہ دیجئے۔ چنانچہ حاجی شفیع اللہ صاحب۔ حاجی عبدالوحید صاحب۔ حاجی عبداللطیف صاحب۔ شاکر حسین صاحب ڈپٹی اقبال صاحب۔ ماسٹر محمد ابراہیم صاحب۔ قاری حبیب احمد صاحب والد ماجد مولوی سراج الحق صاحب۔ ڈاکٹر صلاح الدین صاحب۔ حافظ نبین صاحب۔ سب سے اسکا مشورہ اور خیال معلوم کیا سب نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا صرف ایک صاحب نے کہا کہ بہت پرانا مکان ہے حضرت کو ہمیشہ اسکو بنوانا ہی پڑے گا، آج یہ چھت ٹپک رہی ہے کل کو وہ ٹپک رہی ہے، آج یہاں مرمت کی ضرورت ہے کل وہاں کچھ کام کرانا ہوگا بس اسی طرح سے ہمیشہ لگا رہیگا ایک صاحب نے یہ کہا کہ اس مکان کے خریدنے میں دو قباحتیں ہوں گی ایک تو یہ کہ یہ گرودوارے کے قریب ہے اور الٰہ آباد میں فسادات بھی ہوتے ہیں اس لئے جگہ مخدوش ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں پانچ پانچ کرایہ دار ہیں ان سب سے اسکو خالی کرانا پوری مصیبت ہے اس غور فرما لیا جائے۔ چنانچہ حضرت والا نے جب گھر کے لوگوں سے مشورہ لیا تو حضرت قاری محمد مبین صاحب مدظلہ نے بھی یہی خرابیاں بتلائیں کہ مکان بہت پرانا ہے دوسرے یہ کہ اسکا زیادہ حصہ تو کرایہ داروں کے قبضہ میں ہے کون تخلیہ کے لئے بستہ باندھکر کچہری دوڑتا پھریگا۔

۷۸۔ رُوح اور بدن کا تعلق عالَم دنیا عالَم برزخ عالَم آخرت میں

یہ مسئلہ اہل علم اور عوام دونوں طبقوں میں زیر بحث بھی ہے اور وقت طلب بھی اور اسی مسئلہ کے حل پر اس سوال کا حل موقوف ہے کہ قبر کا عذاب وثواب صرف روح پر ہے یا بدن کو بھی شریک کہا جاوے تو بعد فنائے بدن کے اسکی کیا صورت ہوگی۔ حافظ حدیث علامہ ابن قیم جوزیہ نے کتاب الروح میں اس مسئلہ پر کافی وشافی محققانہ کلام کیا ہے جس کے ضروری اجزاء لکھے جاتے ہیں۔

روح کا تعلق بدن کے ساتھ انسان کے ہر دورِ حیات میں مختلف طرح کا ہے اور حیات انسانی پر پانچ دور آتے ہیں ایک جبکہ بچہ ماں کے پیٹ میں رہتا ہے اس میں روح ڈالی جاتی ہے۔ دوسرے جب پیدا ہوکر زمین پر آتا ہے تیسرے نیند کی حالت میں کہ ایک گونہ روح کی مفارقت بدن سے ہوتی ہے مگر تعلق قوی قائم رہتا ہے۔ چوتھے انتقال کے بعد برزخ میں کہ روح کی بدن سے مفارقت ہوجاتی ہے مگر بالکل بے تعلقی نہیں ہوتی بلکہ ایک قسم کا تعلق برابر قائم رہتا ہے اور جب کوئی شخص قبر پر جاکر اسکو سلام کرتا ہے تو بتصریح احادیث صحیحہ روح بدن کی طرف لوٹتی ہے گو اس اعادہ سے حیات کاملہ حاصل نہ ہو۔ پانچویں عالم آخرت میں اور یہ تعلق تمام ادوارِ حیات سے زیادہ قوی تعلق ہوگا کیونکہ اس میں روح وجسم کے تعلق پر نہ موت کی مفارقت عارض ہوگی نہ نیند یا فساد وغیرہ کی۔ الغرض ان ان پانچوں ادوارِ حیات میں روح کا تعلق بدن کے ساتھ ۔ ۔ ۔ ۔ مختلف کیفیات و درجات پر رہتا ہے۔ کہیں یہ تعلق ضعیف ہے کہیں قوی کہیں اقوی۔

پھر انسان کے رہنے سہنے کی جگہ اور مستقر تین ہیں۔ دار دنیا جس میں ہم اسوقت ہیں۔ تعلق روح وجسد کے ابتدائی تین درجے اسی عالم میں ہیں پھر برزخ

یعنی عالم قبر پھر عالم آخرت ان تینوں عالموں میں روح و جسد کے احکام و احوال مختلف ہیں بعض میں تمام احکام کا تعلق بالذات بدن کے ساتھ ہے اور روح اسکے تابع ہے اور بعض میں اسکے برعکس اصالۃً اور بالذات معاملات کا تعلق روح کیساتھ ہے بدن اسکے تابع ہے اور بعض میں روح و بدن دونوں یکساں حیثیت میں ہیں تفصیل اسکی یہ ہے کہ عالم دنیا میں تو تمام تکلیفات احکام اور رنج و راحت اور جزاء و سزا کا تعلق بالذات جسم و بدن کے ساتھ ہے روح اسکے تابع ہے یہی وجہ ہے کہ یہاں تمام احکام شرعیہ کا تعلق جسم اور اسکے اعضاء و جوارح کی حرکات و سکنات سے ہے دل میں اگرچہ اسکے خلاف ہو۔ احکام اسلام کا زبان سے اقرار کرنیوالا مسلمان ہی قرار دیا جاتا ہے گو اسکے دل میں کفر ہو۔ پھر کافر و مجرم پر بھی جو سزا جاری کیجاتی ہے وہ بلا واسطہ جسم ہی پر پڑتی ہے روح کو بالتبع اسکی تکلیف پہونچتی ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جتنے احکام ہیں سب جسم ہی سے متعلق ہیں روح سب میں تابع جسد ہے۔ عمدہ کھانے پینے اور خوش منظر لباس و مکان وغیرہ کی راحت بھی بلا واسطہ جسم کو پہونچتی ہے اس کے واسطہ سے روح کو۔ الغرض عالم دنیا کے تمام کام اور سب احکام پر ایک ایک کر کے غور کیجئے تو سب کا بلا واسطہ تعلق جسم و بدن سے معلوم ہوگا اسکے واسطہ سے روح پر اثر پہونچے گا۔ اور عالم برزخ (قبر) میں معاملہ برعکس ہے کہ جملہ احکامات و معاملات جزاء و سزا اور عذاب و ثواب کا تعلق بلا واسطہ روح کے ساتھ ہے جسم اسکے تابع ہے جس طرح دنیا میں اجسام ظاہر تھے اور ارواح ان میں پوشیدہ تھیں اجسام ارواح کیلئے بمنزلہ قبور تھے تمام رنج و راحت اور امراض و آفات ابدان پر آتے تھے روح تبعاً متاثر ہوتی تھی عالم برزخ میں روح کھلی ہوئی اور ابدان مستور فی القبور ہیں۔ برزخ کا عذاب و ثواب اور تنگی و فراخی سب بلا واسطہ روح پر آتی ہیں۔ بدن جس وقت تک موجود ہے وہ بھی بالواسطہ متاثر ہوتا رہتا ہے اور جس طرح دنیا میں صرف بدن کے تاثرات ظاہر ہوتے ہیں روح کے تاثرات بلا واسطہ معلوم نہیں ہوتے اسی طرح

برزخ میں اجسام کے تاثرات نظر نہیں آتے اور ارواح کے تاثرات ہر اس شخص پر ظاہر ہو سکتے ہیں جو روح کا مشاہدہ کرتا ہے البتہ بعض اوقات روح کے عذاب و ثواب کا اثر اتنا قوی ہوتا ہے کہ بدن پر ظاہر بھی ہو جاتا ہے جیسا کہ قبروں کے لاتعداد مشاہدات و واقعات اس پر شاہد ہیں کہ کسی لاش پر سانپ بچھو لپٹے ہوئے پائے گئے کسی قبر میں آگ دیکھی گئی، کسی کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھا گیا اس قسم کے سیکڑوں واقعات ہیں جو نہایت مستند اور معتبر طریق پر ہر زمانہ کی تاریخ میں منقول ہیں۔ کتاب ارواح، شرح الصدور، اور تذکرہ قرطبی میں یہ واقعات معتبر طرق سے لکھے ہیں۔

الغرض بعض اوقات روح کے عذاب و ثواب کا اثر بدن پر بھی محسوس ہو جاتا ہے لیکن ضروری نہیں۔ اسکا ایک نمونہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا میں بھی دکھلایا ہے کہ عالم خواب میں خواب دیکھنے والا طرح طرح کے عذاب اور تکالیف یا راحت و لذت حاصل کرتا ہے۔ نقل و حرکت کرتا ہے لیکن بدن پر عموماً اسکا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ بعض اوقات ہو بھی جاتا ہے جبکہ خواب میں کوئی مصیبت و تکلیف دیکھی اور رونے لگا یا چلایا۔ بعض اوقات اٹھ کھڑا ہو جاتا ہے چلنے لگتا ہے لیکن بدن پر ان اثرات کا ظہور ضروری نہیں کبھی ہو جاتا ہے کبھی نہیں ہوتا۔ اسی طرح بعض اوقات ایک ہی بستر پر دو آدمی سوتے ہیں ایک کوئی مصیبت و تکلیف دیکھکر اٹھتا ہے اور بدن پر بھی اسکا اثر محسوس کرتا ہے دوسرا آدمی راحت اور لذت دیکھکر اٹھتا ہے اور بدن پر بھی اسکا اثر محسوس کرتا ہے لیکن ایک کے حال کی دوسرے کو قطعاً خبر نہیں ہوتی الغرض عالم برزخ میں روح اصل اور بدن اسکے تابع ہے اور عالم آخرت میں روح اور بدن دونوں یکساں حیثیت میں ہونگے دونوں کے عذاب و ثواب بلاواسطہ ہونگے یہی وجہ ہے کہ بدن کو بھی فنا نہ ہونے دیا جائے کما قال اللہ تعالیٰ وَاِذَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ اور جونہی کھال جل جاوے گی تو ہم انکی دوسری کھال بدل دینگے تاکہ وہ عذاب چکھتے رہیں، حافظ ابن قیم کی اس تحقیق عمیق سے عذاب قبر کے متعلق اکثر اشکالات رفع ہو جاتے ہیں۔

(کتاب الروح ص۱۲۲)

۸۰۔ علمائے سلف و خلف کے علم میں فرق

آٹھویں صدی ہجری کے مشہور و معروف امام حدیث علامہ ابن رجب حنبلیؒ نے عنوان صدر پر ایک مستقل رسالہ فضل علم السلف علی الخلف تصنیف فرما کر علماء امت کے لئے اس روح علم کی طرف رہنمائی کی ہے جس سے غفلت برتنے کی وجہ سے علم کے انوار و برکات سے بہت سے اہل علم محروم ہو جاتے ہیں اس رسالہ کے اہم اجزاء کا خلاصہ اردو میں لکھا جاتا ہے اس میں سب سے بڑی بحث اشتغال علم کا طریق اور مسائل علمیہ کا طرز تحقیق ہے۔ علماء متاخرین، فقہاء و متکلمین کو بضرورت مسائل کی تحقیق و تدقیق میں بال کی کھال نکالنی پڑی اور لمبی چوڑی تقریریں اور بحث و مباحثے کرنا پڑے یہ حضرات بلاشبہ اس میں معذور بلکہ ماجور تھے۔

لیکن ان کے بعد آنے والا طبقہ ان کے طرز عمل سے ایک مغالطہ میں پڑ گیا انھوں نے اس مراء و جدال اور بحث و مباحثہ اور قیل و قال ہی کا نام علم رکھدیا انکے نزدیک سب سے بڑا عالم وہ ٹھہر گیا جو مسائل اختلاف میں لمبی چوڑی تقریروں اور وزن دار الفاظ سے مجمع کو محو حیرت بنا دے۔ اور یہ ایسا شدید مغالطہ تھا کہ اس میں مبتلا رہتے ہوئے جو معیار قائم کیا جا سکتا ہے اس پر امت کے سب سے پہلے اور سب سے بڑے علماء حضرات صحابہ و تابعین ہی پورے نہیں اترتے۔

علامہ موصوف نے اس رسالہ میں واضح کر دیا کہ سلف صالحین جو اس بحث و مباحثہ اور مناظرہ اور طویل تقریروں میں نہیں پڑے تو یہ ان کے عجز اور ناواقفیت کی بناء پر نہیں تھا بلکہ انھوں نے اسکو لغو اور فضول بلکہ مضر اور سد راہ سمجھکر چھوڑ دیا تھا جس کو امام ابن سیرین نے صاف لفظوں میں ظاہر بھی فرما دیا ہے۔

حضرات متاخرین جو اس میں مبتلا ہوئے یہ انکی فضیلت کی دلیل نہیں بلکہ انکے کمالات کی بناء پر انکے اس فعل کی تاویل ضروری ہے اور تاویل یہی ہے کہ وقتی ضرورتوں نے انھیں اسکے لئے مجبور کیا۔ دراصل علم اور طریق علم وہی تھا جو

سلف صالحین صحابہؓ اور تابعینؒ کا معمول تھا۔ ان میں اگر کسی نے بے ضرورت یا زائد از ضرورت اس مراء و جدال کو اپنا مشغلہ بنایا ہے تو وہ کسی کے نزدیک محمود نہیں اسکے متعلق علامہ ابن رجب کا یہ قول بالکل صحیح ہے کہ وصار ذلک علمھم حتی شغلھم عن العلم النافع ان لوگوں کا علم بھی بحث مباحثہ رہ گیا یہاں تک کہ اس نے علم نافع سے انکو غافل کر دیا۔

اور بعض حضرات سلف کا ارشاد ہے

اذا اراد اللہ بعبد خیرا فتح لہ باب العمل واغلق عنہ باب الجدل واذا اراد اللہ بعبد شراً اغلق عنہ باب العمل وفتح لہ باب الجدل جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کیلئے بھلائی چاہتے ہیں تو اسکے لئے عمل کا دروازہ کھولدیتے ہیں اور جدل واختلاف کا دروازہ بند کر دیتے ہیں اور جب کسی بندے کیلئے برائی مقدر ہوتی ہے تو اسکے لئے عمل کا دروازہ بند کر دیتے ہیں اور جدل وقیل وقال کا دروازہ کھولدیتے ہیں۔

اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے مدینہ طیبہ میں جن بزرگوں کو پایا ہے وہ سب اس قسم کی قیل و قال میں تطویل وتدقیق کو مکروہ سمجھتے تھے۔ حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ اگر ایک شخص عالم بالسنۃ ہو اور وہ غلط معانی بیان کرنے والوں پر رد کرکے سنت کی حفاظت کرے تو اس میں کیا مضائقہ ہے فرمایا کہ نہیں اسے بھی اس میں غلو اور تدقیق نہیں کرنا چاہیئے۔ حدیث (اور اسکا مفہوم صحیح) بیان کرکے فارغ ہوجاوے اگر مخاطب قبول کرلے تو بہتر ورنہ سکوت کرے زیادہ بحث میں نہ پڑے۔ اور فرمایا کہ علم میں زیادہ بحث وجدال سے نور علم فنا ہوجاتا ہے اور دل سخت ہوجاتا ہے اور بغض وکینہ پیدا ہوجاتا ہے

اور حسن بصریؒ نے ایک جماعت کو دیکھا جو بعض مسائل علمیہ میں بحث ومجادلہ کر رہے تھے تو فرمایا ھؤلاء قوم ملوا العبادۃ وخف علیھم القول وقل ورعھم فتکلموا یہ لوگ عبادت سے اکتا گئے اور باتیں بنانا انھیں

ساں معلوم ہوا اور تقوی انکا کم ہوگیا اسلئے کلام کو مشغلہ بنا لیا۔

اور حضرت محمد بن سیرینؒ جو ائمہ تابعین میں سے ہیں ایک صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بعض مسائل میں گفتگو شروع کی امام موصوف نے اسکے طرز گفتگو سے سمجھ لیا کہ انکی غرض محض مسئلہ معلوم کرنا نہیں بلکہ بحث کرنا ہے تو فرمایا "اگر میں بحث کرنا چاہوں تو الحمد للہ تم سے زیادہ اس کے طریقے مجھے معلوم ہیں لیکن میں بحث میں پڑنا نہیں چاہتا"۔

حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے مسائل علمیہ میں کبھی بحث و مناظرہ نہیں کیا۔

اور جعفر بن محمدؒ فرماتے ہیں ایاکم والخصومات فی الدین فانہا تشغل القلب وتورث النفاق دین کے معاملے میں جھگڑا کرنے سے بچو کیونکہ وہ قلب کو ذکر اللہ سے غافل کردیتا ہے اور نفاق پیدا کردیتا ہے۔

اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں ان السابقین عن علم وقفوا وببصر نافذ قد کفوا وکانوا ھم اقوی علی البحث لو بحثوا سلف جو قیل و قال سے بچے ہیں وہ علم کی وجہ سے بچے (نہ کہ عجز و ناواقفیت سے) اور مکمل بصیرت پر انھوں نے لوگوں کو قیل وقال سے روکا ہے اور اگر وہ بحث کرنا چاہتے تو وہ سب سے زیادہ اس پر قادر تھے۔

یہ خلاصہ ہے اس کلام کا جو ابن رجبؒ نے سلف صالحین کے علوم اور طرز کلام کے متعلق لکھا ہے اسکے بعد متاخرین کے مغالطہ اور تدقیق و زبان آوری کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

اب بہت سے متاخرین اس مغالطہ میں ہیں کہ جس شخص کا بیان طویل ہو اور جدال و خصام میں زیادہ ہو وہ ان لوگوں سے زیادہ عالم ہے جو اس طرز پر نہیں۔ اور یہ خالص جہل ہے۔ آپ اگر علماء صحابہؓ اور ائمہ سلفؒ، صدیق اکبرؓ فاروق اعظمؓ علی مرتضیؓ، معاذ بن جبلؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، زید بن ثابتؓ جیسے جبال علوم کے حالات

پر نظر ڈالیں گے تو معلوم ہوگا کہ انکا کلام بہ نسبت ابن عباسؓ کے کم ہے حالانکہ عالم اسلام کا
کا اجماع ہے کہ یہ حضرات بلا شبہ حضرت ابن عباسؓ اعلم تھے۔ اسی طرح تبع تابعینؒ
کا کلام بہ نسبت تابعینؒ کے زیادہ ہے حالانکہ تابعین ان سے اعلم اور ان کے اساتذہ
ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کثرت روایت یا عمدگیٔ تقریر کا نام نہیں بلکہ وہ ایک
نور الٰہی ہے جو مومن کے قلب میں ڈالا جاتا ہے جس سے اسکو حق و باطل اور حق تعالیٰ
کی مرضی و نامرضی میں امتیاز ہو جاتا ہے۔ خود بارگاہ رسالت و نبوتؐ کے کلام کا بڑا امتیاز
یہ ہے کہ آپؐ نے اپنی خصوصیات ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اوتیت جوامع الکلم
مجھے مختصر اور جامع کلام دیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ اسوقت جو بہت سے عوام بلکہ بعض
خواص بھی زیادہ لمبی تقریریں کرنیوالوں اور بحث و مباحثہ میں کامیاب رہنے والوں کو
اعلم سمجھتے ہیں یہ محض جہل اور حالات سلف سے ناواقفیت ہے۔

صحابۂ کرام کے بعد ائمہ دین سفیان ثوری، اوزاعی، لیث بن سعد۔ عبداللہ
بن مبارک اور انکے ہم طبقہ حضرات کو دیکھئے کہ انکا کلام اور تقریریں ان کے بعد
آنیوالے لوگوں سے بہت کم ہیں حالانکہ یہی حضرات بعد کے آنیوالوں کے اساتذہ اور
اسوہ و قدوہ ہیں۔

حضرت عبداللہ مسعودؓ صحابہ کو خطاب کرکے فرماتے ہیں کہ تم ایسے زمانہ میں ہو
کہ جس میں تقریریں کرنیوالے کم ہیں اور سمجھنے والے زیادہ اور عنقریب ایسا زمانہ آنیوالا ہے
جس میں تقریریں کرنے والے زیادہ اور سمجھنے والے کم ہوں گے

اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ علم نافع وہی ہے جو سلف صالحین کا علم تھا
یعنی نصوص کتاب وسنت کا ضبط کرنا اور ان کے معانی متعین کرنے میں حضرات صحابہؓ
اور تابعین کے ارشادات کے ساتھ مقید رہنا اور جس شخص نے علم کو اس طرز پر حاصل
کیا اور اپنی نیت کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خالص کر لیا تو اسکا لازمی نتیجہ یہ ہے
کہ اسکو علم کا حقیقی ثمر یعنی خشیۃ اللہ حاصل ہوگا جسکی طرف آیۂ کریمہ کا اشارہ ہے
إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ اللہ تعالیٰ سے علماء ہی ڈرتے ہیں۔ اسی لئے

بعض سلف نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہ عالم ہے اور جو اسکی نافرمانی کرتا ہے وہ جاہل ہے وھذا آخر ما اردت من تلخیص الرسالۃ فضل علم السلف علی الخلف واللہ اسأل العلم النافع واعوذ بہ من کل علم لا ینفع وقلب لا یخشع وسماء لا یسمع

۹م ۔ راسخین فی العلم کون حضرات ہیں

(از تقریر شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی (صدر مہتمم دار العلوم دیوبند)

۱۵ ربیع الاول ۱۳۶۴ھ کو عزیز محترم مولانا عطا محمد صاحب ہراتی فارغ التحصیل دارالعلوم دیوبند کی دستار بندی کی تقریب پر مسجد دارالعلوم میں ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں مولانا موصوف نے ایک مختصر تقریر میں علم حقیقی کی طرف متوجہ کرنے کے لئے فرمایا کہ قرآن مجید میں راسخین فی العلم کی مدح کی گئی ہے لیکن مجھے ایک مدت تک خیال تھا کہ قرآن وسنت کی زبان میں راسخ فی العلم کسے کہتے ہیں اور رسوخ فی العلم کا معیار اور نصاب کیا ہے؟ الحمد للہ کہ ایک حدیث نے اس سوال کو حل کیا جس میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرات صحابہؓ نے یہی سوال کیا ہے کہ راسخین فی العلم کون لوگ ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا:۔

"ان برت یمینہ وصدقت لسانہ واستقام قلبہ وعف فرجہ وبطنہ فاولئک من الراسخین فی العلم (رواہ ابن ابی حاتم وذکر فی شرح تحریر الاصول) جس کی قسم (عہد و پیمان) پورا ہو اور زبان سچی ہو اور دل مستقیم ہو اور پیٹ اور شرمگاہ عفیف ہو (یعنی بھوک اور شہوت کی وجہ سے کسی ناجائز چیز میں مبتلا نہ ہو) وہ راسخین فی العلم میں داخل ہیں"۔

اسکے بعد فرمایا کہ علم کا سیما (علامت) خشیت خداوندی ہے جس میں یہ نہیں وہ عالم نہیں گو تقریر کتنی ہی بہتر کرے اور تحقیقات علمیہ میں کتنا ہی ماہر ہو۔

اب حقوق العباد کا معاملہ تمھارا آپس کا رہ گیا ہے لہٰذا اسکو بھی باہم معافی تلافی کر کے قصہ ختم کر لو اور محض میری رحمت سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

حضرت فضیل بن عیاض رحؒ فرمایا کرتے تھے کہ (یوں تو خوف در جاء دونوں ہی مومن کے بازو ہیں لیکن) خوف بہتر ہوگا جس وقت کہ انسان صحیح وتندرست ہو اور جب وہ بیمار ہو جاوے اور عمل سے معذور ہو جاوے تو پھر اسکے لئے اب رجاء ہی بہتر ہے۔ مطلب یہ کہ انسان جب صحیح سالم ہو تو اسکے لئے خوف مناسب ہے تاکہ کوشش کرے اور گناہوں سے بچے لیکن جب وہ بیمار ہو کر عمل سے قاصر ہو جائے تو اب اس کے حق میں رجاء (اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مغفرت کی امید رکھنا) یہی افضل ہے۔

فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحؒ اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ ابن ابی داؤد نے اپنے والد سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی کی گئی کہ اسے داؤد گنہگاروں کو بشارت سناؤ اور صدیقین کو ڈراؤ۔ انھوں نے عرض کیا کہ پروردگارا یہ بھلا میں گنہگاروں کو کس طرح سے بشارت سناؤں اور کیونکر صدیقین کو ڈراؤں (بات سمجھ میں نہیں آئی)۔ فرمایا کہ گنہگاروں کو بشارت یہ کہکر سناؤ کہ بھائی تم لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہوا سلئے کہ اسکے نزدیک کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جسے وہ بخش نہ سکے اور صدیقین کو یوں ڈرایئے کہ اپنے اعمال پر عجب نکرو اسلئے کہ اگر کہیں میں نے عدل و حساب یعنی انصاف کا معاملہ شروع کر دیا تو پھر کوئی بچے گا نہیں۔ (نہ گنہگار نہ صالح)

حضرت ابن ابی رواد رحؒ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے بعض اہل کتاب کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اللہ ہوں۔ مالک الملک ہوں۔ ملوک کے قلوب میرے قبضہ میں ہیں جب قوم سے میں راضی ہوتا ہوں تو ملوک کے قلوب کو ان پر نرم کر دیتا ہوں اور جب قوم سے میں ناراض ہوتا ہوں تو بادشاہوں کے قلوب کو بھی ان پر ناراض کر دیتا ہوں لہٰذا تم حکام کو بھی برا مت کہو

بلکہ اس ذات کی جانب رجوع کرو جو تم پاں سب زیادہ رحیم ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اگر مومن کو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور عقوبت کا اندازہ ہو جاتا تو کوئی بھی اس کی جنت کا خواہشمند نہ ہوتا اور اگر کافر کو اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ کا اندازہ ہو جاتا تو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہوتا

حضرت احمد بن سہیلؒ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت یحییٰ بن اکثمؒ کو خواب میں دیکھا میں نے ان سے پوچھا کہ اے یحییٰ تمھارے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا انھوں نے کہا کہ مجھکو میرے رب نے بلایا اور فرمایا او بدعمل بڈھے تونے یہ یہ کام کئے ہیں ؟ میں نے عرض کیا کہ اے پروردگار وہ جو آپ کے متعلق حدیث پہونچی تھی وہ کیسی ہے ؟ فرمایا کون سی حدیث پہونچی تھی ؟ میں نے کہا کہ حدیث بیان کی مجھ سے عبدالرزاقؒ نے معمرؒ سے اور وہ نقل کرتے ہیں زہریؒ سے اور وہ عروہؓ سے اور وہ حضرت عائشہ سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپؐ نے روایت فرمائی حضرت جبرئیلؑ سے کہ آپ نے یہ فرمایا ہے کہ کوئی مسلم بوڑھا نہیں ہوا ہے اسلام میں کہ میں نے اسکو عذاب دیا ہو مگر یہ کہ مجھے اسکو عذاب دیتے شرم معلوم ہوتی ہے (حدیث تو یہ سنی) اور میں بوڑھا شخص بھی ہوں (اور اپنے ساتھ معاملہ یہ عتاب کا دیکھ رہا ہوں) اس پر حق تعالےٰ نے فرمایا کہ عبدالرزاق بھی سچے اور معمر و زہری بھی سچے۔ عروہ بھی سچے اور عائشہ بھی سچی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی سچے اور جبرئیل بھی سچے اور میں بھی سچا واقعی میں عذاب دیتے ہوئے شرماتا ہوں اس شخص کو جو اسلام میں بوڑھا ہوا ہو۔ پھر اسکے بعد مجھے حکم دیا کہ جنت میں اہل یمین والوں کے ساتھ چلے جاؤ۔

حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا کہ آپ رو رہے ہیں، عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کیوں رو رہے ہیں ؟ آپؐ نے فرمایا ابھی جبرئیل میرے پاس آئے تھے

اور یہ سنا گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو شرم آتی ہے اس شخص کو عذاب دینے سے جو اسلام پر بوڑھا ہوا ہو (یہ سوچکر رونا آتا ہے کہ خدا تو عذاب سے شرمائے) اور کسی بوڑھے کو نافرمانی کرنے سے شرم نہ آئے۔

فقیہ ابوللیث سمرقندی فرماتے ہیں کہ پس ہر بوڑھے مسلمان کو اللہ تعالیٰ کا یہ اکرام ہیش نظر رکھنا چاہیئے اور اس پر اسکا شکر ادا کرنا چاہیئے اور اسکو بھی اللہ تعالیٰ سے شرمانا چاہیئے۔ کراماً کاتبین سے شرمانا چاہیئے اور معاصی کو یک لخت چھوڑ دینا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ کی طاعت میں لگ جانا چاہیئے (کیونکہ کچھ خبر نہیں کہ کب موت آجائے) کھیتی جب پک جاتی ہے تو اسکو باقی نہیں رہنے دیا جاتا۔ اسی طرح سے جوان پر بھی لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور معاصی سے بچے۔ طاعت میں لگ جائے کیونکہ موت کا وقت معلوم نہیں اور جوان جب خدا تعالیٰ کی عبادت میں لگتا ہے تو تو اللہ تعالیٰ اسکو روز قیامت عرش کا سایہ نصیب فرماتے ہیں جسدن کہ سوا اسکے کوئی اور سایہ نہ ہوگا جیساکہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابوہریرۃؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات قسم کے لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ انکو اپنے عرش کا سایہ نصیب فرمائے گا اسدن جس دن کہ اسکے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ایک تو عادل حاکم۔ دوسرا جوان جو اللہ تعالیٰ کی طاعت ہی میں پروان چڑھا ہو۔ تیسرا وہ شخص جسکا قلب مسجد کے ساتھ معلق ہو جب اس سے نکلے تو پھر مسجد جانے ہی کا خیال دل میں سمایا رہے اور چوتھی قسم تو وہ شخص جنہیں باہم خدا ہی کے لیے محبت ہو اللہ ہی کیلئے ملیں اور اللہ ہی کے لئے جدا ہوں۔ پانچواں وہ جس نے تنہائی میں خدا کو یاد کیا اور اسکی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ چھٹا وہ شخص جس نے صدقہ دیا اور اسکو مخفی طور پر دیا ایساکہ داہنے ہاتھ سے دیتے ہوئے صدقہ کی خبر بائیں ہاتھ کو بھی نہ ہوئی ہو۔ اور ساتواں وہ متقی شخص جسکو حسن وجمال والی عورت نے اپنی جانب مائل کرنا چاہا ہو اس پر اس نے اس سے یہ کہدیا ہو کہ مجھے خدا کا خوف اس معصیت کے ارتکاب سے مانع ہے (بہے مجھے معاف کرو) واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

آٹھواں باب

(نیکیوں کا حکم کرنے اور برائیوں سے منع کرنیکا بیان)

فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے نقل
تے ہیں کہ اللہ تعالیٰ چند محدود لوگوں کے بدعملی کی وجہ سے عذاب عامہ نہیں بھیجا کرتے
ہ یہ کہ جب معاصی کا شیوع ہو جاتا ہے اور دوسرے لوگ انھیں منع کرنا بھی چھوڑ دیتے
ں تو پھر تمام قوم عقاب کی مستحق ہو جاتی ہے ۔ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
ضرت یوشع بن نون علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ میں تمھاری قوم میں سے چالیس ہزار
چھے لوگ اور ساٹھ ہزار برے لوگوں کو ہلاک کرنے والا ہوں ۔ انھوں نے عرض
اکہ پروردگار! یہ بُرے لوگ تو غیر اسکے مستحق ہی ہیں باقی ، یہ نیک لوگ کیوں ہلاک
کے لئے تجویز ہوئے؟ فرمایا کہ ان لوگوں نے ان سے لبغض فی اللہ بھی تو نہ رکھا
ا ۔ ان کے ساتھ کھاتے پیتے رہے (پس سزا میں بھی ان کے ساتھ شریک کئے گئے)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ تم لوگ نیکی کا حکم کرو اگرچہ خود اسکے کرنے
لے نہ ہو اسی طرح سے بدی سے لوگوں کو منع کرو خواہ تم اس سے بچے ہوئے نہ ہو

حضرت انس بن مالکؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں
آپ نے فرمایا کہ لوگوں میں سے چند لوگ خیر کی کنجی اور شر کے لئے تالے ہوتے ہیں
ر بعض لوگ اسکے برعکس ، شر کے کھولنے والے اور خیر کے لئے قفل ہوتے ہیں
س خوشخبری ہو اسکے لئے جس کے ہاتھوں پر خدا تعالیٰ نے خیر کی کنجی رکھی اور ہلاکت
ہے اسکے لئے جس کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ نے شر کی کنجی رکھی ۔ مطلب آپؐ کا
ہے کہ جو شخص نیکیوں کا حکم کرتا ہے اور برائیوں سے منع کرتا ہے وہ گویا مفتاح خیر
ہے اور شر کے لئے قفل ہے اور یہ مومنین کی شان ہے ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں
ن مرد اور مومن عورت لبعض بعض کے دوست ہیں کہ باہم نیکیوں کا حکم کرتے اور

برائیوں سے روکتے ہیں۔ اور وہ شخص جو منکر کا حکم کرتا ہو اور نیکی سے منع کرتا ہو تو یہ منافقین کی علامت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ منافق مرد اور منافق عورت بعض بعض سے ہیں یہ لوگ حکم کرتے ہیں منکر کا اور منع کرتے ہیں نیکی سے۔

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ افضل اعمال امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے اور فاسق سے بغض رکھنا بھی۔ پس جس شخص نے امر بالمعروف کیا اس نے مؤمن کی پشت کو مضبوط کیا اور جس شخص نے نہی عن المنکر کیا اس نے منافق کی ناک کو خاک آلود کیا۔

حضرت سعیدؒ حضرت قتادہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ان دنوں مکہ میں تھے پس اس نے کہا کہ آپ ہی وہ ہیں جو یہ فرماتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ اس نے کہا اچھا یہ بتلائیے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون سا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا۔ اس نے کہا کہ پھر اس کے بعد کون سا عمل محبوب ہے آپ نے فرمایا صلہ رحمی کرنا۔ اس نے کہا پھر کون سا عمل پسند ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ اس نے کہا اور یہ فرمائیے کہ کون سا عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا۔ اس نے کہا کہ پھر اسکے بعد کون سا عمل مبغوض ہے؟ آپ نے فرمایا کہ رشتہ کو قطع کرنا۔ اس نے کہا کہ پھر کونسا عمل؟ آپ نے فرمایا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کرنا۔

حضرت سفیان ثوریؒ سے مروی ہے کہ جب تم کسی عالم کو دیکھو کہ وہ اپنے پڑوسیوں میں محبوب ہے اور اپنے بھائیوں میں محمود ہے تو یہ سمجھو کہ وہ مداھن ہے۔ (کیونکہ اگر وہ بھی روک ٹوک کرتا تو یہی لوگ اسکے مخالف ہو جاتے)

حضرت عبداللہ بن جریرؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی قوم ایسی نہیں ہے کہ جس میں کوئی شخص

کسی معصیت کا مرتکب ہو رہا ہو اور وہ لوگ اس معصیت کے مٹانے پر بھی قادر ہوں اور اسکو اس سے نہ روکیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کی موت سے قبل سب ہی پر عذاب نازل فرما دیتا ہے۔

فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں قدرت کی شرط لگائی جسکا مطلب یہ ہوا کہ جبکہ اس قوم میں اہل صلاح کا غلبہ ہو ان پر واجب ہے کہ اہل معاصی کو معصیت سے روکیں جبکہ وہ لوگ کھلم کھلا معصیت کریں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کی اسی وصف کی بنا پر تعریف فرمائی ہے۔ فرمایا کہ کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَلَوۡ اٰمَنَ اَہۡلُ الۡکِتٰبِ لَکَانَ خَیۡرًا لَّہُمۡ مِنۡہُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَاَکۡثَرُہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ۔ مطلب یہ ہے کہ تم لوگ لوح محفوظ میں بہتر امۃ کے نام سے لکھے ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تمکو لوگوں کی خاطر بنایا تھا تاکہ تم انکو طاعات کا حکم کرو اور اہل معاصی کو برائیوں سے روکو۔ پس معروف سے مراد وہ چیزیں ہیں جو کتاب اور عقل کے موافق ہوں اور منکر سے مراد وہ امور ہیں جو کتاب کے اور عقل کے خلاف ہوں۔ اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری آیت میں فرمایا ہے کہ وَلۡتَکُنۡ مِّنۡکُمۡ اُمَّۃٌ یَّدۡعُوۡنَ اِلَی الۡخَیۡرِ وَیَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ یعنی تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی جانب لوگوں کو بلاتی رہے ۔ ۔ ۔ اور منکرات سے ان کو روکتی رہے یہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی مذمت کی ہے جس نے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کر دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا کَانُوۡا لَا یَتَنَاہَوۡنَ عَنۡ مُّنۡکَرٍ فَعَلُوۡہُ لَبِئۡسَ مَا کَانُوۡا یَفۡعَلُوۡنَ یعنی یہ لوگ ان کو اس برائی سے جسے وہ کرتے تھے منع نہیں کرتے تھے، بہت برا تھا ان کا یہ فعل (یعنی نہ منع کرنا، جس کو وہ کیا کرتے تھے اور ایک دوسری آیت میں فرمایا کہ لَوۡلَا یَنۡہٰہُمُ الرَّبّٰنِیُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ عَنۡ قَوۡلِہِمُ الۡاِثۡمَ وَاَکۡلِہِمُ السُّحۡتَ لَبِئۡسَ مَا کَانُوۡا یَصۡنَعُوۡنَ یعنی انکے

علماء اور فقہاء نے کیوں نہیں منع کیا انکو اثم کی بات کہنے اور حرام مال کھانے سے بہت ہی برا تھا انکا یہ طور جو انھوں نے اختیار کر رکھا تھا۔

حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنے بھائی کو علانیہ نصیحت کی تو اس نے اسکو رسوا کیا اور جس نے اسکو خفیہ طور سے کچھ کہا تو اس نے اس کی عزت کو محفوظ رکھا۔ ہاں اگر نصیحت تنہائی میں سودمند نہ ہو تو پھر اسکو علانیہ کرے اور دوسرے اہل صلاح وغیرہ سے بھی اعانت طلب کرے کہ وہ لوگ بھی اسکو تنبیہ کریں کیونکہ اگر یہ اہل صلاح اسکی اصلاح نہ کریں گے تو اہل معصیت کا غلبہ ہو جائیگا اور سب لوگوں پر عذاب آجائے گا چنانچہ سب لوگ ہلاک ہو جائیں گے

حضرت مجاہدؒ شعبیؒ سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نعمان بن بشیرؓ سے سنا کہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سستی کرنے والے کی مثال اور گناہ میں واقع ہونے والے اور اسکو دیکھکر منع کرنے والے کی مثال ان تین شخصوں کی سی ہے جو پانی کے جہاز میں سفر کر رہے ہوں اور سب نے اپنی اپنی جگہ تقسیم کرلی ہو ایک کے حصہ میں اوپر کی منزل آئی ہو دوسرے کے لئے درمیانی اور تیسرے کے لئے نیچے کی منزل۔ لوگ اسی طرح سفر کرتے چلے جا رہے ہوں کہ اتنے میں ایک شخص کوڑا پکڑا لیکر اٹھا اور چلا، دوسرے لوگوں نے پوچھا کہ کیا ارادہ ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے اوپر دور پانی کے لئے جانا پڑتا ہے یہیں ایک سوراخ کئے لیتا ہوں پانی بھی مجھ سے قریب ہو جائے گا اور پانی لینے کی مخصوص جگہ اپنی ہو جائیگی اور اپنی نالی بھی یہیں بنجائیگی یہ سنکر بعض نے کہا کہ چھوڑو اسکو اپنے حصہ میں جو چاہے کرے اللہ تعالیٰ نے اس سے توفیق خیر سلب کرلی ہے۔ دوسرے بعض نے کہا کہ نہیں نہیں اسکو روکو اور سوراخ نہ کرنے دو یہ تو خود بھی ہلاک ہوگا اور ہم لوگوں کو بھی ہلاک کرے گا اب اگر وہ لوگ اسکا ہاتھ پکڑ لیں گے تو وہ بھی نجات پا ئیگا اور سب لوگ بھی نجات پا جائیں گے اور اگر لوگوں نے اسکو نہ روکا تو وہ بھی ہلاک

ہو جائیگا اور یہ سب کے سب بھی ہلاک ہو جائیں گے (ترک تبلیغ کا وبال بھی اسیطرح عام ہے)
حضرت ابوالدرداءؓ ہی سے روایت ہے فرمایا کہ تم لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمھارے سروں پر ایسے ظالم حاکم کو مسلط فرما دیں گے کہ وہ پھر نہ تو تمھارے بڑوں کی توقیر کریگا اور نہ تمھارے چھوٹوں پر رحم کریگا اور یہ حال ہو جائے گا کہ تم میں سے خیار اور بزرگ لوگ دعا کریں گے اور وہ دعا قبول نہ ہوگی۔ مدد چاہیں گے اور مدد نہ کیجائیگی۔ استغفار طلب کرینگے وہ قبول نہ ہوگا۔

حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی کہ میری جان جس کے قبضے میں ہے تم لوگ امر بالمعروف ضرور بالضرور کروگے ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم میں اپنے پاس سے ایسا عقاب بھیجیں گے کہ پھر تم اس سے دعا بھی کرو تو قبول نہ ہو۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میری امت کا یہ حال ہو جائے کہ وہ کسی ظالم کو بھی تو ظالم ہے کہنے سے ڈرے تو ان سے الگ ہو کر زندگی گذارو۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی برائی کو دیکھے تو چاہیئے کہ اسکو ہاتھ سے مٹا دے اور اگر اسکی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اسکو برا کہے اور اگر اسکی بھی طاقت نہ رکھے تو اسکو دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا سب سے ضعیف تر درجہ ہے یعنی اہل ایمان کا کمترین فعل ہے۔ بعض حضرات نے اسکا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ہاتھ سے مٹا دینا یہ امراء وسلاطین کا وظیفہ ہے اور زبان سے برا کہنا یہ علماء کا منصب ہے اور دل سے برا سمجھنا یہ عام لوگوں کے لئے ہے اور بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ جو شخص جس پر قادر ہو اس پر وہ واجب ہے۔

(باقی آئندہ)

حضرت ابوالقاسم قشیریؒ دونوں امر کی نسبت فرماتے ہیں کہ سالک کیلئے امردوں اور عورتوں کی مخالطت رہزن ہے۔ ایک بزرگ کا خاص امردوں کے حق میں قول ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو اپنی بارگاہ سے مردود کرنا چاہتے ہیں اس کو لڑکوں کی محبت میں مبتلا کردیتے ہیں۔ غرض یہ نہایت مضرت کی چیز ہے۔

۱۷۱۔ بدنگاہی کا اور گناہوں سے اشد ہونا اور اسکے متعلق ایک بڑا دھوکا

اور دوسرے معاصی اور بدنگاہی کی معصیت میں ایک اور فرق ہے وہ یہ کہ صدور کے بعد سب گناہوں کا اثر ختم ہوجاتا ہے اور دل بھر جاتا ہے مگر بدنگاہی ایسی شے ہے کہ جب صادر ہوتی ہے تو اور زیادہ تقاضا ہوتا ہے کہ اور دیکھو آدمی کھانا کھاتا ہے اور سیر ہوجاتا ہے پانی پیتا ہے پیاس بجھ جاتی ہے مگر یہ نظر ایسی بلا ہے کہ اس سے سیری نہیں ہوتی اس حیثیت خاص سے یہ تمام گناہوں سے بڑھکر ہے۔ بعضے لوگ سمجھتے ہیں کہ اس سے خدا کا قرب ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ہم خدا کی قدرت دیکھتے ہیں مگر نرا شیطانی دھوکہ ہوتا ہے شیخ شیرازیؒ نے ایسے ہی لوگوں کے جواب میں ایک حکایت تحریر فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ؎

یکے صورتے دید صاحب جمال بگردیدش از شورش عشق حال

(ایک شخص نے ایک حسین کو دیکھا اس کو دیکھتے ہی عشق کی شورش سے اسکی حالت متغیر ہوگئی)

برانداخت بیچارہ چنداں عرق کہ شبنم برآرد بہشتی ورق

(وہ گرگیا اور اسقدر پسینہ (اسکے بدن اور پیشانی پر بہا) جیسے موسم بہار میں شبنم پتوں پر پڑا کرتی ہے)

گذر کرد بقراط بر وے سوار بپرسید کیں راچہ افتاد کار

(اتفاق سے ادھر سے بقراط کی سواری گذری اس نے لوگوں سے دریافت کیا کہ اس شخص پر کیا مصیبت پڑی

کسے گفتش ایں عابد پارساست کہ ہرگز خطائے ز دستش نخاست

(ایک شخص بولا کہ دیسے تو یہ بہت ہی نیک اور پارسا شخص ہے آجتک اس سے کسی معصیت کا صدور نہیں ہوا)

ببرد ست خاطر فریبی دلش فرو رفتہ پائے نظر در گلش

(آج ایک حسین پر اسکی نظر پڑ گئی وہی اسکے ہاتھ سے اسکا دل لیگیا اور اسکی نظر کا پاؤں کیچڑ میں پھنس گیا)

نہ ایں نقش دل می رباید ز دست دل آں می رباید کہ ایں نقش بست

(اور حقیقت یہ ہے کہ اس حسین نے بھی اسکا دل اسکے ہاتھ سے نہیں چھینا ہے بلکہ اسکے دل کو اسکے حسن کے پیدا کرنیوالے نے اچک لیا ہے)

بقراط جواب دیتا ہے ؎

نگارندہ را خود ہمیں نقش بود کہ شوریدہ را دل بیغما ربود

(کیا اس نقش بنانیوالے نے بس یہی ایک صورت بنائی تھی ؟ کہ اس شوریدہ سر کو اسی نے اچک لیا)

چرا طفل یک روزہ ہوشش نبرد کہ در صنع دیدن چہ بالغ چہ خورد

(آخر یکدن کا بچہ بھی تو حسن رکھتا ہوا سنے کیوں اسکے ہوش کو گم کیا ؟ کیونکہ حق تعالیٰ کی صناعی میں تو دونوں برابر ہیں کیا بڑا کیا نابالغ)

محقق ہماں بیند اندر ابل کہ در خوبرویان چین و چگل

(کچھ نہیں سب نفس کی چال ہے) ایک محقق صوفی تو اونٹ کے اندر بھی خدا کی صناعی کو دیسا ہی دیکھتا ہے جیسا کہ حسینان چین و ترکستان میں)

اگر کوئی دعویٰ کرے کہ مجھکو اونٹ اور انسانِ صاحب جمال دونوں برابر ہیں وہ کاذب ہے آدمی اپنی طبیعت کا اندازہ خود کر سکتا ہے اور یہ میلان جسکو عشق کہتے ہیں عشق نہیں ہے یہ شہوت ہے۔ ایک صاحب فرماتے ہیں

ایں عشقست آنکہ در مردم بود ایں فساد از خوردنِ گندم بود

(یہ جو آجکل لوگوں کے اندر موجود ہے یہ عشق دشق نہیں ہے بلکہ یہ تو گندم خوری کا ایک فساد ہے)

یہ فساد روٹیوں کا ہے ایسے لوگوں کو چار روز تک روٹی نہ ملے اسکے بعد پوچھا جاوے کہ روٹی لاؤں یا لڑکا ؟ یہ کہیگا کہ لڑکا اپنی ایسی تیسی میں جائے روٹی لاؤ۔

۱۶۷۔ بزرگوں نے جو عشقِ مجازی کا حکم فرمایا ہے اس کا کیا مطلب ہے اور اسکا بیان کہ عشق مجازی عشق حقیقی سے

کس طرح تبدیل ہو جاتا ہے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ملا جامی نے تو عشق مجازی کا امر کیا ہے اور حکایت لکھی ہے کہ کسی بزرگ کے پاس کوئی طالب گیا تھا انھوں نے کہا کہ عاشق ہوکر آؤ۔ اور آگے لکھتے ہیں ؎

متاب از عشق رو گرچہ مجازی است کہ آں بہر حقیقت کارسازی است

(عشق سے مت منہ موڑو (یعنی اس سے بچو نہ گھبراؤ) اگرچہ وہ مجازی ہی کیوں نہ ہو اسلئے کہ یہی تمکو حقیقت تک پہونچانے والا ہے)

اگر اول الف با تا نخوانی ز قرآن حرف خواندن کے توانی

(دیکھو اگر تم پہلے (قاعدۂ بغدادی یعنی) الف، با، تا نہ پڑھوگے تو پھر قرآن شریف کے حروف کیسے پڑھ سکو گے

اس سے بعض نادانوں نے سمجھا کہ جب تک کسی رنڈی کسی لونڈے کو قبلۂ توجہ نہ بنایا جائے اسوقت تک عشق حقیقی میسر نہ ہوگا بڑی سخت غلطی اور کم فہمی ہے میں اسکا مطلب عرض کرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ اصلی مقصود طالب کا تو یہ ہے جملہ تعلقات قطع کر کے خدا تعالیٰ کی طرف توجہ ہو تو اس کے دو جزو ہیں۔ تعلقات مخلوق سے قطع کرنا اسکو تو اصطلاح میں فصل کہتے ہیں اور دوسری طرف تعلق پیدا ہونا اسکو وصل کہتے ہیں۔ اور یہ تعلقات ہی فاصل و حاجب بن رہے ہیں اگر یہ درمیان سے اٹھ جاویں تو وصل ہی وصل ہے۔ شیخ فرماتے ہیں ؎

تعلق حجاب است وبے حاصلی چو پیوندہا بگسلی واصلی

(تعلق حجاب ہے اور لا حاصلی ہے اسلئے جبتک ان علائق کو نہ چھوڑدوگے اور نہ توڑدوگے تم کبھی واصل نہ ہو سکو گے)

پس معلوم ہوا کہ مقصود انقطاع ما سوی اللہ ہے جب یہ ہو جائے تو قصہ سہل ہے اور اس انقطاع کی تحصیل کے لئے بزرگوں نے مختلف معالجے اور تدبیریں فرمائی ہیں مقصود ایک ہی ہے صرف طرق مختلف ہیں۔ ایک طریق تو یہ ہے کہ جس جس مخلوق سے تعلق ہو اسکو قلب سے ایک ایک کر کے زائل کر دیا جائے چنانچہ متقدمین کا یہی طریق تھا لیکن اس طریق کے اندر سخت مشقت تھی اسلئے کہ کسی شخص کو مثلاً

دس چیزوں سے تعلق ہے مکان سے باغ سے اولاد سے اور دس ہی اسکو مرض ہیں کینہ ۔ حسد ۔ تکبر وغیرہ تو سب کا بالتفصیل علیحدہ علیحدہ معالجہ کیا جاوے اسکے لئے عمر نوح چاہیئے اور بیخ کنی ان امراض کی نہ ہوگی اس مشقت کو دیکھکر پچھلے بزرگوں نے بالہام حق ایک طریقہ ایجاد کیا جیسے طبیب مشفق کی شان ہوتی ہے کہ مریض اگر کڑوی دوا سے ناک بھوں چڑھاتا ہے تو وہ اسکو کسی اچھی تدبیر سے کھلا دیتا ہے ایسا ہی انھوں نے دیکھا کہ مثلاً ایک شخص کو ایک ہزار چیزوں سے تعلق ہے تو اگر ایک ایک چیز سے چھڑایا جاوے تو بہت مدت صرف ہوگی کوئی تدبیر ایسی ہونا چاہیئے کہ ایک دم سے سب کا خاتمہ ہو جاوے جیسے کسی مکان میں کوڑا بہت ہو تو اسکی صفائی کا ایک طریق تو یہ ہے کہ ایک ایک تنکا لیا اور پھینکدیا اسی طرح سے سب تنکے اور کوڑا مکان سے باہر پھینک دیا جاوے اس میں تو بڑا وقت صرف ہوگا اور ایک طریق یہ ہے کہ جھاڑو لیکر تمام تنکوں کو ایک جگہ جمع کرکے پھینکدیا تو ایسے ہی یہاں بھی کوئی جھاڑو ہونا چاہیئے کہ سب تعلقات کو سمیٹ کر ایک جگہ کردیوے پھر اس ایک کا ازالہ کردیا جاوے چنانچہ انکی سمجھ میں آیا کہ عشق ایک ایسی شئے ہے کہ سب چیزوں کو پھونک کر خود ہی رہ جاتا ہے ۔ چنانچہ اگر کوئی کسی کسبی وغیرہ پر عاشق ہوجاتا تو ماں بیوی بچے باغ مکان حتیٰ کہ اپنی جان تک اسکے واسطے ضائع کردیتا ہے ۔ ایک رئیس کو بیلوں کا عشق تھا ہزار ہا روپیہ اس میں ضائع کردیا ۔ ہمارے استاد حضرت مولانا فتح محمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو کتابوں کا شوق تھا خود نہ دیکھتے تھے مگر سیکڑوں کتابیں ہر قسم کی خرید کر رکھ چھوڑیں غرض عشق وہ شئے ہے کہ سوائے معشوق کے سب کو فنا کردیتا ہے ؎

عشق آں شعلہ است کوچوں برفروخت ہرچہ جز معشوق باشد جملہ سوخت

(عشق ایسا شعلہ ہے کہ جب وہ بلند ہوتا ہے تو معشوق کے علاوہ جتنی چیزیں ہوتی ہیں سبکو جلا دیتا ہے)

اسلئے ان بزرگوں نے تجویز کیا کہ طالب کے اندر عشق پیدا کرنا چاہیئے خواہ کسی شئے کا ہو

اسواسطے وہ اول دریافت کرتے تھے کہ کسی پر عاشق بھی ہو پس معلوم ہوا کہ اسکے لئے یہ ضروری نہیں کہ آدمی ہی کا عشق ہو بھینس کا عشق بھی اسکے لئے کافی ہے اسلئے کہ مقصود تو یہ ہے کہ تمام اشیاء سے توجہ منصرف ہو کر ایک طرف ہو جاوے تاکہ پھر اسکا امالہ عشق حقیقی کیطرف سہل ہو جاوے۔

حکایت: چنانچہ ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ ایک شخص انکے پاس مرید ہونے آیا انھوں نے دریافت فرمایا کہ کسی شے سے تم کو محبت بھی ہے اس نے کہا مجھکو اپنی بھینس سے محبت ہے فرمایا کہ جاؤ چالیس روز تک اپنی بھینس کا تصور کرو

۱۷۳۔ جو علاج شیخ ایک کے لئے تجویز کرے دوسرے کو بلا اجازت شیخ اسکا استعمال نہ کرنا چاہیئے

لیکن خدا کے لئے اور لوگ اسکا وظیفہ نہ کرلیں اسلئے کہ ہر شخص کیحالت جدا ہے کسی کے لئے کچھ مناسب ہے کسی کے لئے کچھ۔ کہیں طبیب اور اسکے احمق شاگرد کا سا قصہ نہ ہو جائے۔ وہ یہ کہ ایک طبیب تھے وہ کسی مریض کو دیکھنے گئے پہلے روز کی حالت سے اس روز کچھ تغیر پایا تو کہا تم نے نارنگی کھائی ہے اس سے تم کو یہ تکلیف بڑھ گئی، اس نے کہا حضور بیشک نارنگی کھائی ہے جب وہاں سے فارغ ہو کر آئے تو راستہ میں شاگرد صاحب نے پوچھا کہ حضرت کو کیسے معلوم ہوا کہ اس نے نارنگی کھائی، حکیم صاحب نے فرمایا کہ بھائی بات یہ ہے کہ اسکے مزاج اور حالت کو دیکھکر مجھکو معلوم ہو گیا کہ کوئی بارد شے اس نے کھائی ہے اور نارنگی کی تعیین اس سے ہوئی کہ اسکی چارپائی کے نیچے میں نے نارنگی کے چھلکے دیکھے تھے۔ شاگرد صاحب احمق تو تھے ہی جب پڑھکر فارغ ہوئے تو کسی رئیس کو دیکھنے کیلئے بلائے گئے انکی چارپائی کے نیچے نمدہ پڑا تھا فرماتے ہیں کہ بس معلوم ہو گیا آپ کو جو یہ مرض ہوا آپ نے

نمونہ کھایا ہے حاضرین سب ہنس پڑے اور طبیب کا حمق سب پر واضح ہوگیا تو خدا کے واسطے ایسا قیاس نہ کیجئو کہ آج سے نماز، روزہ ذکر چھوڑ کر بھینس کا تصور باندھ کر بیٹھ جاؤ کیا اس شخص کی خصوصیت ہے

۱۷۴۔ رجوع بجانب شرح (بزرگوں نے جو عشق مجازی کا حکم فرمایا ہے اسکا کیا مطلب ہے الخ)

الحاصل ان بزرگ نے فرمایا کہ جاؤ بھینس کے تصور کا چلہ کیجئو اور چالیس روز کے بعد ہم کو خبر دو چنانچہ پانچوں وقت نماز سے فارغ ہوکر ایک گوشہ میں بیٹھکر اس بھینس کا تصور کیا کرتے۔ جب چالیس روز پورے ہوگئے تو پیر صاحب تشریف لائے اور فرمایا کہ بیٹا باہر آؤ کہتے ہیں کہ حضور باہر کیسے آؤں بھینس کے سینگ اڑتے ہیں۔ پیر نے شاباشی دی کہ مقصود حاصل ہوگیا سب روگ جاتے رہے اب صرف بھینس رہ گئی اسکا نکل جانا سہل ہے۔ پس اس تقریر سے معلوم ہوا کہ اسکے لئے کسی عورت یا لڑکے کا عشق ضروری نہیں ہے بلکہ اس میں سخت خطرہ ہے کہ اس لونڈے یا عورت ہی میں رہ جائے اور مقصود اصلی سے محروم رہے اسلئے قصداً اس کو اختیار کرنا جائز نہیں ہے ہاں اگر اضطراراً بلا قصد اس ابتلا کسی کو ہو جاوے تو وہ بھی وصول کے لئے خاص شرائط کے ساتھ بعض اوقات ذریعہ بنجاتا ہے

عاشقی گر ایں سر و گر زآں سر است عاقبت مارا بداں شہ رہبر است

(عاشقی میں اگر ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ تک بھی چلنا پڑے تب بھی کچھ غم نہیں کیونکہ خود یہی عشق تو محبوب تک رسائی کیلئے رہبر ہے)

اسکی چند شرطیں ہیں اول تو یہ ہے کہ اسکے پاس نہ رہے نہ اسکو دیکھے نہ اسکی آواز سنے حتی الوسع دل سے بھی اسکو زائل کرنے کی فکر کرے غرض حتی الامکان اس سے بچے اگرچہ اس طرح کرنا نفس کو بیحد شاق ہوگا لیکن ہمت نہ توڑے

اور دل کو مضبوط کرکے اس پر عمل کرے چند روز کے بعد ایسا کرنے سے اسکے قلب میں ایک سوزش پیدا ہوگی اور نتیجہ یہ ہوگا کہ جاہ و مال و اولاد سب کی جاتی رہے گی۔ اب اس میں مادّہ تو محبت کا پیدا ہو چکا ہے شیخ کامل اسکو مائل الی الحق کر دیگا اس صورت سے عشق مجازی وصول الی الحقیقۃ کا ذریعہ بن جاوے گا اور اگر اس محبوب سے جدا نہ ہوا بلکہ اس سے اختلاط رکھا ہمنشین ہوا تو پھر اسی بلا میں پھنسا رہے گا اور کسی دن بھی اسکو اس سے خلاصی نہ ہوگی۔ چنانچہ خود ملا جامیؒ جن کے کلام سے عشق مجازی کی تحصیل استدلال کیا جاتا ہے آگے چلکر فرماتے ہیں ؎

ولے باید کہ در صورت نمانی وزیں پل زود خود را بگذرانی

(لیکن ہاں دیکھنا خبردار صورت ہی میں پھنسکر نہ رہ جانا بلکہ اس پل سے خود کو بہت جلد گذار لینا)

مولاناؒ اسی عشق کے بارے میں فرماتے ہیں ؎

عشق با مُردان نہ باید پایدار عشق را باحی و باقیوم دار

(مردوں سے عشق پائدار نہیں ہوتا اسلئے عشق تو صرف اس ذات سے رکھو جو حی بھی ہو اور دوسری اشیا کو تھامے ہوئے بھی ہے)

عشقہائے کز پئے رنگے بود عشق نبود عاقبت ننگے بود

(اس لئے کہ جو عشق کہ رنگ وروپ کی خاطر ہوتا ہے وہ در اصل عشق ہی نہیں ہے بلکہ اس کا انجام ذلت و رسوائی ہے)

آگے فرماتے ہیں ؎

غرق عشق شوق غرق است اندریں عشقہائے اولین و آخریں

(جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے شوق کا عاشق ہو در اصل وہی عاشق ہے کیونکہ اسی کی ذات میں سب اولین و آخرین کا عشق غرق ہے)

پھر یہاں پر شبہ ہوتا تھا کہ ہم جیسوں کو عشق حقیقی تک رسائی کہاں ممکن ہے اسکا جواب دیتے ہیں ؎

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست با کریماں کارہا دشوار نیست

(تم یہ کیوں کہو کہ ہماری اس شہ تک رسائی کہاں؟ کریموں کے نزدیک کوئی کام دشوار نہیں ہے)

یعنی انکو کچھ مشکل نہیں تمکو مشکل نظر آتا ہے تم ذرا اس طرف متوجہ ہوکر تو دیکھو

وہ خود تمکو اپنے قریب کرلیں گے۔ وہ دنیا کے محبوبوں کی طرح نہیں ہیں کہ عشاق مرجاتے ہیں وہ نخرے کرتے ہیں۔ یہ ہے غرض۔ اس مسئلہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم خود نظربازی کریں مزے اڑائیں اور سمجھیں کہ ہم صوفی ہیں ہمکو سب حلال ہے اور یہ فعل ہمارا قرب کا واسطہ ہے استغفراللہ قرب سے اسکو کیا واسطہ یہ تو بہت بعید کردینے والا ہے

۱۷۵۔ بدنگاہی بہت سخت گناہ ہے

بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گناہ اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے چنانچہ حدیث میں ہے انا غیور واللہ اغیر منی ومن غیرتہ حرم الفواحش ما ظہر منہا وما بطن (میں غیور ہوں اور اللہ تعالیٰ تو مجھ سے بھی زیادہ غیرت والے ہیں اسی کا یا اثر ہے کہ اس نے بےحیائی کی چیزوں کو حرام فرمایا ہے خواہ وہ ظاہر ہوں یا باطنی) اور یہ سب فواحش ہیں آنکھ سے دیکھنا، ہاتھ سے پکڑنا، پاؤں سے چلنا کیونکہ ان سب کو شارع ؑ نے زنا ٹھیرایا ہے۔ العینان تزنیان وزناھما النظر والاذنان تزنیان و زنا ھما الاستماع واللسان یزنی وزناہ النطق والیدان تزنیان وزنا ھما البطش یعنی آنکھیں زنا کرتی ہیں اور انکا زنا دیکھنا ہے اور کان زنا کرتے اور انکا زنا سننا ہے اور زبان بھی زنا کرتی ہے اسکا زنا بولنا ہے (یعنی کسی عورت اور لڑکے سے شہوت کی راہ سے باتیں کرتا) اور ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں انکا زنا غیر محرم کو پکڑنا ہے۔ اور جب یہ فواحش ہیں اور فواحش پر غیرت حق اوپر معلوم ہوچکی تو ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ افعال نہایت ناپسند ہیں

۱۷۶۔ بدنگاہی کے مرض میں بعض پیر بھی مبتلا ہیں اور عورتوں کو پیر سے پردہ کرنے کی ضرورت

اور افسوس ہے کہ بعضے پیر بھی اس میں مبتلا ہوتے ہیں کہ عورتیں ان سے پردہ نہیں کرتیں اور کہتی ہیں کہ یہ تو بجائے باپ کے بلکہ باپ سے بھی زیادہ ہیں اور بےحیا بنے محابا سامنے آتی ہیں۔

Regd. No L2/9/AD.111

Monthly **WASIYATUL IRFAN** **OCT. 1983**

23, Buxi Bazar Allahabad 3

Rs. 24/-

Rs. 30/-

Rs. 40/-

دینی اصلاحی ماہوار رسالہ

شمارہ ۱۱۵ نومبر ۱۹۸۳ء جلد ۶

مکتبہ وصیۃ العرفان

حامل مضامین تصوف و احسان ماہنامہ افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی

جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ ۲ دو روپئے — مدیر: عبد المجید عفی عنہ

شمارہ ۱۱	محرم ۱۴۰۲ھ مطابق نومبر ۱۹۸۱ء	جلد ۶

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر منیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱-۷-ڈی ۱۱۱

(۱۱۶- لاخیر فی صحبتہ کا مطلب)

فرمایا کہ ـــــ امام غزالیؒ نے مصاحبت اختیار کرنے کے سلسلہ میں عالم کی بعض صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ عاقل بھی ہو اور حسن خلق بھی ہو۔ اور پھر آگے حسن خلق کی ضرورت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔
واما حسن الخلق فلا بد منه اذرب عاقل یدرك الاشیاء علی ما هی علیه ولکن اذا غلب غضب او شهوة او بخل او جبن اطاع هواه وخالف ما هو المعلوم عنده لعجزه عن قهر صفاته وتقویم اخلاقه فلاخیر فی صحبته یعنی حسن خلق یوں ضروری ہے کہ بسا اوقات ایک شخص عاقل ہوتا ہے اشیاء کو کی حقیقت کے ساتھ پہچانتا ہے لیکن جب اس پر غضب کا یا شہوت کا یا بخل کا یا جبن کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ اپنی خواہشات کا اتباع کر لیتا ہے اور جو بات اسکو معلوم بھی ہوتی ہے اسکی مخالفت کر لیتا ہے اسلئے کہ وہ اپنی صفات اور رذائل کے دبانے سے عاجز رہتا ہے اور اپنے اخلاق کی درستگی سے قاصر رہتا ہے لہٰذا اسکی صحبت میں کچھ بھی خیر نہیں
امام نے یہ جو فرمایا کہ فلاخیر فی صحبته اسکے متعلق کہتا ہوں کہ یہ اس لئے کہ صحبت کا خیر تو یہ ہے کہ اس سے انسان کو نفع پہونچے اور خاصکر اصلاح اخلاق کا فائدہ مرتب ہو یعنی اس انسان کے اخلاق بھی اسکی صحبت میں بیٹھنے کی وجہ سے درست ہوں اور جب خود اُس شخص کے اخلاق ہی درست نہیں تو دوسروں کے اخلاق اس سے کیا خاک درست ہوں گے ؏
او خویشتن گم است کرا رہبری کند
وہ خود ہی بد خلق ہے دوسروں کے اخلاق کی اس سے اصلاح کیا ہوگی؟ اسی کو امامؒ نے فرمایا کہ لاخیر فی صحبته یعنی اسکی صحبت میں خیر نہیں بلکہ عجب نہیں کہ مضر ہو جائے۔

(۱۱۷) - کوئی انسان دہریہ نہیں ہو سکتا

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آل فرعون کو قحط کے ساتھ پکڑا تو ہر شے انکی خشک ہو گئی۔ چنانچہ مرنے لگے یہاں تک کہ دریائے نیل جو مصر کا بڑا دریا تھا وہ بھی خشک ہو گیا (اہل بستی اور کاشتکار لوگ جب پریشان ہوئے تو) وہ لوگ ایک وفد لیکر فرعون کے پاس آئے اور کہا کہ آپ خدا ہیں جیسا کہ آپ کو دعویٰ ہے تو دریائے نیل کو پانی سے بھر دیجئے اس نے کہا کہ اچھی بات ہے جاؤ کل صبح اس میں پانی آجائے گا۔ جب یہ وفد فرعون کے پاس سے چلا گیا اور وہ تنہا ہوا تو اپنے دل میں کہا کہ اب کیا کروں (میں نے وعدہ تو ان سے کل کا کر لیا ہے حالانکہ) میں پانی لانے پر قادر نہیں ہوں نتیجہ یہی ہو گا کہ کل کو سب لوگ میری تکذیب کر دیں گے۔ جب نصف رات کا وقت ہوا تو فرعون اٹھا اور غسل کیا اور صوف کا جوڑا پہنا اور ننگے پیر محل سے باہر نکلا اور دریائے نیل پر آیا اور وسط دریا میں کھڑے ہو کر یوں دعاء کی کہ "اے اللہ آپ جانتے ہیں کہ میرا عقیدہ ہے کہ آپ چاہیں تو نیل مصر کو پانی سے بھر سکتے ہیں لہٰذا درخواست ہے کہ اسکو بھر دیجئے" یہ کہنا تھا کہ فوراً اس نے پانی بہنے کا ایک شور سنا جو نیل میں اوپر کی طرف سے آرہا تھا بھاگ کر باہر نکلا اور مڑ کر جو دیکھا تو دریائے نیل کو پانی سے لبریز پایا اور یہ اسلئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں اسی میں انکو اور انکے سب لشکریوں کو غرق ہونا مقدر تھا۔

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ یہ روایت اگر صحیح ہے تو اس سے بعض حضرات نے استنباط فرمایا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی انسان کم از کم دہری یعنی صانع عالم کا منکر تو ہو ہی نہیں سکتا۔ (دیکھو فرعون مدعی الوہیت تھا جب قوم نے پکڑا تو بالآخر خدا ہی سے دعاء کرنی پڑی اور یہ کہنا پڑا کہ اے اللہ میں آپ کی ذات اور قدرت کا منکر نہیں ہوں آج جو شخص بھی دہریہ اور منکر نظر آتا ہے

اور خدا کا منکر نظر آتا ہے تو وہ اسی لئے کہ خدا نے اسکو ڈھیل دے رکھی ہے ذرا گرفت کرے ہی فریاد سے تو خدا ہی کو یاد کرتے جیسے رنج ہے ہے

سکھ میں ہوتا ہے حافظہ بیکار دکھ میں اللہ یاد آتا ہے

مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی نے تاریخ اسلام میں لکھا ہے کہ :-

حضرت عبدالمطلب جس وقت ابرہہ کے دربار میں پہونچے تو اسکے قلب میں خود بخود ایک ہیبت پیدا ہوئی اور وہ اپنے تخت سے اتر نیچے بیٹھ گیا اور عبدالمطلب کو پاس بٹھا کر ترجمان کے ذریعہ سے گفتگو شروع کی۔

سب سے پہلے عبدالمطلب نے اپنے مطلب ہی کی بات اپنی زبان سے نکالی کہ میرے دو سو اونٹ جو اسود بن مقصود لوٹ لایا ہے واپس کر دیجئے۔ ابرہہ یہ سنکر مسکرایا اور ترجمان سے کہلوایا کہ اسے عبدالمطلب میں تو صورت دیکھ کر تمھیں نہایت فہیم سردار سمجھا تھا لیکن افسوس میرے خیال نے غلطی کی تم کو اپنے معبد اور محترم بیت اللہ کا خیال نہ آیا، تم کو اپنے آبائی مذہب کا پاس نہ ہوا حالانکہ میں بیت اللہ کو منہدم کرنے ہی آیا ہوں لیکن تم نے اسکے بدلہ میں اپنے اونٹ واپس لینے پسند کئے۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ میں اس گھر کا مالک نہیں ہوں، اپنے اونٹوں کا مالک ہوں اسی وجہ سے اپنی چیز واپس مانگتا ہوں۔ اس گھر کا مالک کوئی دوسرا ہے وہ اپنے گھر کو خود بچا لیگا۔ ابرہہ نے یہ سنکر تمام اونٹوں کو واپس کرنے کی اجازت دیدی اور کہا کہ اب میرے یہاں تک آجانے پر اس گھر کو بچا کون سکتا ہے ؟ عبدالمطلب اٹھے اور اونٹوں کو یہاں سے ہنکا کر حرم میں لا کھڑا کیا۔ تمام اونٹوں کو اللہ کی نذر کر کے ہدیہ بنا دیا اور کل باشندگان مکہ کو رائے دی کہ پہاڑ کے غاروں اور جنگل کی وادیوں میں پناہ گزیں ہو جاؤ اور اللہ پر نظر رکھو دیکھو پردۂ غیب سے کیا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔

غرض تمام عورتیں بچے اور بہتیرے مرد پہاڑوں میں جا چھپے اور حضرت

عبدالمطلب نے چند قریشیوں کو ساتھ لیکر خانہ کعبہ کے دروازے کا کنڈا پکڑا اور سب لوگوں نے رو رو کر اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنی شروع کی۔ عبدالمطلب نے حلقہ پکڑے پکڑے جو اشعار پڑھے ان میں سے دو شعر یہ بھی ہے ؎

یارب لا ارجو لهم سواکا یارب فامنع عنهم حماکا

(یا اللہ ان کے مقابلے کے لئے سوا آپ کے کسی سے امید نہیں بس آپ ہی اپنی حما یعنی بیت اللہ کو ان سے بچائیے)

ان عدو البیت من عاداکا امنعهم ان یخربوا فناکا

(بیشک بیت (اللہ) کا دشمن آپ ہی کا دشمن ہے انکو منع کیجیے کہ وہ آپ کے صحن خانہ کو خراب نہ کریں)

(راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت والا نے ایک موقع پر حضرت عبدالمطلب کے یہ اشعار بھی بیان فرمائے کہ انھوں نے یہ بھی پڑھا کہ) ؎

لاهم ان المرء یمنع رحله فامنع رحالک

(اے اللہ! بیشک آدمی اپنے کجاوے یعنی منزل کی حفاظت کرتا ہے آپ بھی اپنے رحل یعنی بیت اللہ کی حفاظت کیجئے)

وانصر علی آل الصلیب وعابدیه الیوم آلک

(اور آپ اپنے آل کی آلِ صلیب اور اسکے عابدین کے مقابلہ میں مدد فرمائیے)

لا یغلبن صلیبهم ومحالهم غدوا محالک

(ایسا نہ ہو کہ انکی صلیب اور انکی تدبیر کل کے دن غالب ہو جائے آپ کی تدبیر پر)

جروا جموع بلادهم والفیل کی یسبوا عیالک

(اپنے تمام شہر کے لوگوں اور ہاتھیوں کو کھینچ لائے ہیں تاکہ آپکی پرورش میں جو لوگ ہیں ان کے عیال کو قید کر لیجائیں)

عمدوا حماک بکیدهم جهلا وما رقبوا جلالک

(ان لوگوں نے اپنی جہالت اور شرارت کی وجہ سے آپکے حرم کا قصد کیا ہے اور آپکے جلال و جبروت کا ذرا بھی خیال نہیں کیا)

ان کنت تارکهم وکعبتنا فأمر ما بدا لک

(اور اگر آپ نے انکو یوں ہی چھوڑ دیا اور کعبہ کی حفاظت نہ فرمائی تو اسکا بھی آپ کو اختیار ہے پھر جیسا چاہیں کیجیے)

اور پھر ابرہہ اور اسکے لشکر کی تباہی کا نقشہ اس طور پر کھینچا ہے ؎

تسائل أمير الجيش عنا ما ترى ... ولسوف ينبي الجاهلين عليمها

(تم امیر جیش سے ہمارے بارے میں پوچھو کہ تم نے کیا کچھ دیکھا اور جاہلوں کو اسکی خبر وہی دے گا جو اسکا علیم ہو)

ستون ألفا لم يؤبوا أرضهم ... بل لم يعش بعد الاياب سقيمها

(ساٹھ ہزار تھے جو اپنی زمین میں بھی واپس نہیں گئے بلکہ لوٹنے کے بعد کوئی بیمار بھی زندہ نہ رہ سکا)

اور آخر میں دشمن کی تباہی پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اسکا شکریوں ادا کیا ؎

انت منعت الجيش والأفيا لا ... وقد رعوا بملة الا حبالا

(اے اللہ آپ ہی کی وہ ذات ہے جس نے ان لشکریوں اور ہاتھیوں کو روکا اس حال میں کہ انھوں نے احبال[عـه] کو بھی چرالیا)

وقد خشينا منهم القتالا ... وكل امر منهم معضالا

(اور ہم تو ان کے قتل و قتال اور تمام ہی مشکل امر سے خوف زدہ تھے)

شكرا وحمدا لك ذا الجلالا

(اے ذوالجلال تیرا شکر ہے اور تیری ہی حمد ہے)

عـه - حبل - ثمرۃ السلم اور سلم ایک درخت ہے جس سے دباغت دیجاتی ہے

(۱۱۸- مومن کی محبت)

فرمایا کہ ــــ تفسیر مظہری میں آیہ کریمہ ومن الناس من يتخذ من دون الله اندادًا کے تحت لکھتے ہیں کہ انداداً سے مراد ان کے بت ہیں یا انکے وہ رؤسا جنکی وہ اطاعت کیا کرتے تھے یا اس کے ایسے عام معنی مراد ہوں جو ہر اس چیز کو شامل ہو جو اللہ سے شاغل ہو اور اسکے امتثال اوامر سے مانع ہو مطلب یہ کہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو اللہ کے سوا اور بہت سے اصنام کو اپنا حاکم سمجھتے ہیں یا اپنے سرداروں کے حکم کو بھی خدا کے حکم کیطرح سمجھتے ہیں یا اسی قسم کی بندشوں میں گرفتار ہیں جس نے انھیں اللہ تعالیٰ سے پھیر کر اسکے احکام پر عمل کرنے سے روک رکھا ہے آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں يحبونهم كحب الله صاحب تفسیر مظہری لکھتے ہیں کہ ان تمام چیزوں کی بھی ایسی ہی تعظیم کرتے تھے اور اطاعت کرتے تھے جس طرح سے اللہ کی اطاعت کیجاتی ہے

(یعنی اللہ تعالیٰ میں اور ان شرکاء میں باہم برابری کررکھی تھی محبت میں بھی اور طاعت میں بھی) اور محبت کہتے ہیں کسی کی جانب قلبی جھکاؤ اور میلان کو۔ حاصل معنی یہ ہوئے کہ وہ لوگ اپنے آلہہ سے اسی طرح محبت کرتے تھے جیسی کہ مومنین اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ یعنی جو لوگ ایمان والے ہیں انکی محبت اللہ تعالیٰ سے کہیں زیادہ ہے اس محبت سے جو کفار کو اپنے آلہہ سے ہوتی ہے۔ صاحب مظہری فرماتے ہیں کہ یہ اشدیت اسلئے ہوتی ہے محبت مومنین کے لئے انقطاع نہیں ہے اور نہ یہ لوگ اللہ تعالےٰ سے ہٹتے اور اعراض کرتے ہیں نہ تنگی میں نہ بیماری میں نہ بدحالی میں نہ وسعت میں بخلاف کفار کے انکی محبت اغراض فاسدہ کے ماتحت ہوتی ہے یعنی کچھ وہمی غرض کیوجہ سے محبت کرتے ہیں جو کہ معمولی سے سبب سے بھی زائل ہو جاتی ہے اسی لئے وہ لوگ شدائد و مصائب کیوقت اپنے بتوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع ہو جاتے تھے اور یہ بھی کرتے تھے کہ ایک بت کی کچھ دنوں عبادت کرتے تھے اور انکی غرض اس سے نہ پوری ہوتی تو اسکو پھینک دیتے تھے تھے اور دوسرے کی پرستش کرنے لگ جاتے تھے۔

آگے صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں کہ حضرت سعید ابن جبیرؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالےٰ قیامت کے دن ان لوگوں کو حکم دیں گے جنھوں نے بتوں کی پوجا و پرستش اور محبت میں اپنے نفوس کو جلا رکھا تھا کہ جاؤ اپنے بتوں کے ساتھ جہنم میں داخل ہو جاؤ (یعنی وہ تمہارے محبوب جہنم میں پڑے ہوئے ہیں جاؤ انھیں کے پاس تم بھی جاؤ) تو باوجود ساری زندگی ان کے ساتھ اظہار محبت کے یہ حکم پاکر داخل نہیں ہوں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کفار کے سامنے ہی مومنین سے فرمائیگا کہ اگر تم لوگ مجھ سے محبت کرتے ہو یعنی اپنے دعوائے محبت میں سچے ہو تو جہنم میں چلے جاؤ یہ سنتے ہی سارے کے سارے مومنین جہنم میں کود پڑیں گے اور عرش کے نیچے سے ایک منادی آواز دیگا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ یعنی بیشک وہ لوگ جو ایمان والے ہیں انکی محبت اللہ تعالیٰ سے نہایت ہی قوی اور اشد ہے (چنانچہ آج اسکا امتحان ہوگیا کہ ایک جانب تمام عمر دعوائے محبت کے ساتھ ساتھ کہ محبوب بھی موجود ہے اور حاکم اعلیٰ کا حکم بھی موجود ہے لیکن جہنم میں نہیں کود سکے۔ دوسری جانب ان غریبوں کی طرف سے دعویٰ بھی نہ تھا اور جہنم میں محبوب بھی نہ تھا صرف

محبوب کا حکم ہوا اور امتثال امر کر دیا) یہ اثر تھا مومنین کی محبت کا۔

حضرت مرشدی نور اللہ مرقدہٗ نے تفسیر مظہری سے اس مقام کو سنا کر فرمایا کہ اشد حباً للہ کے معنی تو صاحب تفسیر مظہریؒ نے یہ بیان فرمائے ہیں کہ جتنی محبت کافرین کو اپنے آلہہ سے ہے اس سے اشد مومنین کو اپنے اللہ سے ہے جو ٹھیک ہے۔ انھیں کی برکت سے کہتا ہوں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ آیت کے یہ معنی ہوں کہ کفار کو اللہ تعالیٰ سے جس قدر محبت کا دعویٰ ہے مومنین کو اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہے تو اس طور پر اسکا مضمون ماقبل کے مضمون کے موافق بھی ہو جائے گا کہ فرمایا ہے یحبونھم کحب اللہ (وہ لوگ اپنے اصنام سے محبت کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ سے) اس سے مفہوم ہوا کہ کفار کو بھی اللہ تعالیٰ کی محبت تھی جس محبت میں انھوں نے غیروں کو بھی شریک کر رکھا تھا حاصل یہ ہوا کہ انکی محبت اللہ میں اور انداد میں منقسم تھی یا یوں کہئے کہ انکی محبت ممزوج تھی اور مخلوط تھی حُبّ اللہ اور حب غیرہ تعالیٰ سے۔ یعنی وہ لوگ شرک فی المحبۃ کے مرتکب تھے۔ اور مومنین اللہ تعالیٰ کی محبت میں مخلص تھے انکی محبت میں شرک کا شائبہ بھی نہ تھا اور غیر اللہ سے جو انکی محبت دیکھی جاتی ہے (مثلاً حضرات انبیاء علیہم السلام سے یا اولیاء کرام سے یا علماء عظام سے) تو اسکا مرجع اللہ تعالیٰ ہی کی محبت کی جانب ہے اسلئے کہ شریعت میں جو حب و بغض معتبر ہے وہ الحب للہ والبغض للہ (اللہ ہی کیلئے محبت ہو اور اللہ ہی کیلئے بغض ہو) ہی ہے تو دراصل وہ غیر خدا کی محبت ہوتی ہی نہیں۔ چنانچہ یہ لوگ بس اسی کے مصداق تھے جیسا کہ کسی شاعر نے اردو میں کہا ہے اور خوب ہی کہا ہے کہ ؎

شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری
غیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری

اعلان: سال رواں ختم ہو رہا ہے جن حضرات نے گذشتہ چندہ نہ روانہ کیا ہو وہ جلد ارسال فرمائیں۔ ○ (ادارہ)

(مکتوب نمبر ۳۳۰)

حال : واقعی طب روحانی میں ناکامی پر بے حد افسوس ہے اور اس ناکامی کی وجہ میری سمجھ میں یہ آتی ہے کہ میں نے طب جسمانی کے مقابلہ میں اسکی اسکی کوئی فکر نہیں کی اور نہ اسکے لئے کوئی مجاہدہ اور جدوجہد کرنے کی تکلیف کی بے فکری اور تسلی کے ساتھ کامیابی کی امید کرنا بعید از عقل ہے۔ ہاں اگر بالکل اسی دھن میں رہے اور دن رات کوشش کرے، ساتھ ساتھ فکر پیدا ہو گی بے فکری اور تسلی کو نزدیک بھی نہ آنے دے تو انشاء اللہ شاید کامیابی ممکن ہو۔

تحقیق : یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ آپ نے دونوں میں جو فرق بیان فرمایا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ اصل سبب بے فکری ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فکر و احساس کامل عطا فرماوے اور اس طب باطنی سے بھی حصہ وافر نصیب فرمائے۔

جب مرض کی تشخیص ہوگئی تو پھر اب علاج کیا دشوار ہے۔ فکر پیدا کیجئے اور اسکو بڑھائیے یہی اسکا علاج اور تدارک ہے۔ میری کتابوں سے بھی اسباب میں اعانت حاصل کیجئے۔

(مکتوب نمبر ۳۳۱)

حال : گذارش حال یہ ہے کہ فدوی کی حالت آج کئی مہینے سے عجیب رہتی ہے ہر وقت فکر و تردد دل کے اندر سمایا رہتا ہے اور یہی جی چاہتا ہے کہ کہاں چلا جاؤں اور کیا کروں موت ہر وقت سامنے رہتی ہے خدا کے سامنے کھڑے ہونے کا ڈر ہر وقت موجود رہتا ہے۔

تحقیق : یہ تو بہت اچھا ہے، یہ خوف ہے، یہ ہونا چاہیئے۔

حال : اسکی حضور والا ہی کچھ تدبیر کرسکتے ہیں ورنہ فدوی گھبراہٹ میں پریشان ہوتا رہے گا۔ اکثر معمولات بھی کچھ چھوٹ جاتے ہیں۔

تحقیق : یہ نہ کیجئے پابندی کرنا چاہیئے
حال : اور بھول جاتے ہیں ۔ تحقیق : یہ بھول معاف ہے۔
حال : بعض بعض وقت معمولات میں جی نہیں لگتا۔
تحقیق : پھر بھی کیا کیجئے۔

(مکتوب نمبر ۳۳۲)

حال : معمولات بھی بحمداللہ ادا ہو رہے ہیں۔ تحقیق : الحمدللہ
حال : کبھی کبھی اپنے حالات کا جائزہ لیا کرتا ہوں
تحقیق : یہ بہت ضروری ہے۔
حال : سب سے بڑی دولت حضرت کی برکت سے یہ حاصل ہوئی ہے کہ اپنے جہل کا احساس اور پھر جہل سے نفرت پیدا ہوگئی ہے۔
تحقیق : بیشک بڑی دولت ہے۔
حال : ورنہ اب تک جہل مرکب میں مبتلا تھا اور ۔۔۔ کے قیام نے اور بھی "کریلا اور نیم چڑھا" کا مصداق بنا دیا تھا۔ حضرت والا دامت برکاتہم کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ نے کتنا عظیم الشان احسان فرمایا ہے کہ مجھکو بربادی کی گھاٹی سے نکالکر ترقی کے راستہ پر لا کھڑا کیا ہے۔
تحقیق : الحمدللہ علیٰ احسانہ۔
حال : ۔۔۔ میں رہتا تو برباد ہونے میں کیا شک تھا۔ اور اب قوی امید کامیابی کی پاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کامیاب فرمائیں۔ تحقیق : آمین
حال : اپنی جہالت اور بدفہمی پر راضی نہیں ہوں، کوشش کرتا ہوں کہ حضرت والا جس شفقت اور محنت سے ہم لوگوں کو پڑھاتے ہیں اس سے مستفیض ہوسکوں چنانچہ مطالعہ کی پابندی کرتا ہوں۔ اور حسب موقع تکرار بھی کرتا ہوں اور بحمداللہ اپنی فہم میں نمایاں فرق پا رہا ہوں۔ تحقیق : الحمدللہ۔

حال: جن چیزوں سے ہمیشہ کے لئے مایوس ہو چکا تھا اور بالکل ہمت ہار گیا تھا مثلاً معقولات وغیرہ کے سمجھنے سے الحمد للہ حضرت والا کی توجہ سے ہمت بندھ گئی ہے اور کام اپنے قابو کا معلوم ہونے لگا ہے۔ تحقیق: الحمد للہ
حال: سمجھتا ہوں کہ یہ حضرت والا ہی کے ہمت کا عکس ہے۔
تحقیق: بیشک۔

(مکتوب نمبر ۳۳۳)

حال: اپنی خراب حالت سے پریشان ہو کر اپنی خراب حالت سے گھبرا کر اپنی نالائقیوں سے نادم ہو کر خدمت اقدس میں یہ عریضہ ارسال ہے کہ اللہ کے واسطے اس روسیاہ پر رحم وکرم کی نظر فرما کر دعا فرما دی جائے کہ حق تعالیٰ اپنی راہ پر لگالیں اور استقامت نصیب فرمائیں۔ اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے اور اتباع دین کی توفیق نصیب فرمائیں۔
تحقیق: آپ نے جو حالات اور پریشانیاں لکھی ہیں ظاہر ہے کہ اس میں آپ ہی کے فعل کو دخل ہے۔ میں نے تو آپکو بلایا نہیں تھا۔ آپ خود آئے اور اجازت سے آئے اور مجھ سے فائدہ اور تعلق ظاہر کیا، اپنے حالات عمدہ بتائے اور فیض وبرکت کا بھی اظہار کیا پھر خود ہی ہٹ گئے اب اسکے بعد پریشان ہیں تو میں کیا کروں؟ خود کردہ را علاجے نیست۔ رہا یہ کہ مجھے آپ کے اس عمل سے انقباض اور تکلیف کا ہونا تو وہ ہوتا اور اب بھی ہے۔ اور میں اس سے یکسو ہو جاتا لیکن اس لئے قصداً ایسا کیا تاکہ اس قسم کے لوگوں کے لئے سبق ہو جائے۔ کیا کسی سے اظہار عقیدت اور فیض کا یقین ہو جانیکے بعد میں اسکی بے ادبی کرنے کو حضرت مولاناؒ نے کہیں لکھا ہے؟ اس لئے آپ سے صاف کہتا ہوں کہ مجھے تکلیف ہے اور رہے گی۔ باقی حالات کا تعلق چونکہ اللہ تعالیٰ سے ہے اسلئے طریق کی بے ادبی اور اہل طریق کے حقوق

کی عدم ادائیگی سے ایسے حالات ہوجاتے ہیں اسکے لئے میں کیا کروں۔ ادب تو
آپ کا فعل ہے نہ کہ میرا ہیں تو ایسے سے اتنا بھی تعلق پسند نہیں کرتا مگر آپ ہتے
ہیں رہتے ہیں چھوڑ دیتے ہیں

(مکتوب نمبر ۳۳۴)

حال : سیدی وسندی، مرشدی و مولائی شمس العارفین بدالکاملین
نخبۂ زماں، صفوت دوراں، علم ہدیٰ منار تقیٰ، رہبر طریقت دلیل رہ حقیقت
لازال اللہ شموس فیوضکم بازغۃ رافعۃ ومتعنا اللہ تعالیٰ بطول حیاتکم المبارکہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

تحقیق : وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حال : طالب عافیت مزاج سامی۔

تحقیق : بخریت ہوں۔

حال : گذارش خدمت عالیہ میں یہ ہے کہ حضرت والا کا ہدایت نامہ
موصول ہوا باتیں خوب سمجھ میں آئیں۔ اپنے طور سے غفلت شعار نہیں ہوں
اپنے امکان بھر کام لگا رہتا ہوں۔ ایک بات کی کھٹک دل میں پرانی تھی
کہ کسی نہ کسی دن اس معاملے میں سوال اور تنبیہ ہوگی جس انداز سے معاملہ
چل رہا تھا اس پر ایک حیثیت سے قناعت تھی، حضرت والا نے اشارۃً
سمجھایا مگر از خود سنگ راہ کا ہٹانا مشکل معلوم ہوا، ہدایت ناموں میں راستہ
نکل آیا اور کھل کے گفتگو کی، حضرت والا کی توجہ سے کام درست نظر آتا ہے
مشائخ کی توجہ کے بغیر محنت اکارت بھی ہوجاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس مرتبہ
کے ہدایت نامے نے مشعل ہاتھ میں دیدی۔ کام کے طریقے ذہن میں آگئے۔

تحقیق : الحمدللہ۔

حال : میں ایک نابکار، بدکردار کام ہی کیا کرسکتا ہوں۔ خدا کا فضل اور حضرت

کی توجہ ہی کام دیگی۔ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے اور کوئی کام نہیں ہے۔ میں کمزور و ناتواں ہوں مگر اللہ تعالیٰ قادر و توانا ہے۔

تحقیق : بیشک

حال : حضرت والا کی خوشی کو سرمایۂ زندگی سمجھتا ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دیں کہ حضرت والا کی باتوں کو پہونچاؤں اور تادم آخر یہی ہوتا رہے۔ آمین۔

تحقیق : آمین۔ آمین۔

حال : حضرت والا ایک اسوہ میں ہر موقع پر ایک راہ نظر آتی ہے اور کسی موقع پر اللہ کا شکر ہے گھبراہٹ نہیں ہوتی۔ اس کا اعتراف ہے کہ کسی کام نہ ہوسکا اور خدا نہ کرے کبھی اپنے کو کام کا آدمی سمجھوں، البتہ اسے اپنے لیے بڑی سعادت سمجھتا ہوں کہ میری وجہ سے میرے بزرگوں کو غلط نہ سمجھیں۔ بننے بگڑنے کی فکر گئی

تحقیق : الحمد للہ۔

حال : یہاں حضرت والا کی نظر سے نہ گروں اور آخرت میں رسوائی سے بچوں۔ اس انتساب کی لاج خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

تحقیق : بیشک۔

حال : اسی ہفتہ ایک اہلحدیث عالم کہنہ سال میرے ضلع کے آئے تھے ہم ضلع ہونے کی وجہ سے ملاقات مصلحۃً کرلی تھوڑی دیر اُن سے بات چیت ہوئی کچھ ایسا خوش ہوئے کہ باربار دعائیں دیتے رہے تصوف اور اہل تصوف کو سراہتے رہے، درویشوں کے قصے بیان کرتے رہے۔ اکابر کی خاصکر حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی بڑی تعریف کی۔ لطف کی بات یہ کہ ان کے ہم خیال ان کے پاس تھے مجھے تعجب ہوتا تھا کہ یہ حضرات تو ایسی باتیں نہیں کرتے تھے۔

تحقیق : الحمد للہ۔

حال : الحمد للہ معمولات پابندی سے پورے ہو رہے ہیں۔ ہر طرح کا سکون و اطمینان ہے کوئی چیز موحش اور مشوش طبع نہیں ہے۔ کسی درجہ میں فراغ قلب

حاصل ہے۔ اگر کوئی چیز قلق پیدا کرنے والی ہے تو یہ ہے کہ عموماً دین اور دینداری مفقود ہے۔ قلق تو ہوتا ہے بے دینی کی بات پر قلق بھی نہ ہو تو اپنے دین کی خیر کہاں؟

تحقیق : بیشک

حال : بعض دفعہ بڑی تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ تحقیق : الحمد للہ۔

حال : جو لوگ باتیں سنتے ہیں کھل کے ان کے سامنے باتیں کہتا ہوں۔ ایک بوڑھے میاں ایک صاحب سے کہتے تھے کہ سنا بہت سکون یہیں ملا۔ تھوڑی جھجک تھی وہ اللہ کا شکر ہے حضرت والا کی توجہ سے دور ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ حوصلہ دیں اور مخلص باہمت لوگ دست و بازو کا کام دیں۔

تحقیق : آمین۔

حال : اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دل کا حال اچھا ہے۔ ایک زائد کیفیت دل میں محسوس کر رہا ہوں، دل میں قوت بھی پاتا ہوں۔ بعض دفعہ عجائبات دل میں نظر آتے ہیں جو توجہ کی یکسوئی میں معین ہیں اور بھلے بھی لگتے ہیں مگر حق یہ ہے کہ بیتابی کے ساتھ دل میں جو لذت ہے وہ کسی بھی چیز میں نہیں۔

تحقیق : بیشک۔

حال : خدا کرے ایں ساعۃً فساعۃً اضافہ ہوتا رہے اور اپنی یاد میں لگائے رہیں۔ حضرت والا دعا فرمائیں کہ صدق و اخلاص نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ کی حفظ و صیانت میں رہوں۔ فہم و بصیرت اور حزم و تیقظ حاصل ہو۔ خاصان خدا سے تعلق ہو اور آلام روزگار سے نجات کلی ہو۔

تحقیق : دعا کرتا ہوں۔ آمین

مکتوب نمبر ۳۲۵

حال : گذشتہ عریضہ میں احقر نے عرض کیا تھا "رذائل نفس کی نگہداشت

اسمیں حضرت نے یہ اضافہ فرمایا "اور اصلاح" اس اضافہ سے بڑی بات معلوم ہوئی وہ یہ کہ نری نگہداشت اصلاح کے لئے کافی نہیں بلکہ نگہداشت کے ساتھ ساتھ اصلاح کی فکر ازبس ضروری ہے کیونکہ اصل مقصود تو اصلاح ہے اور اصلاح کے بعد ہی نفس مطمئنہ حاصل ہو سکتا ہے جو کہ مورد جمیع الطاف خداوندی کا ہو سکتا ہے۔

تحقیق : بیشک۔

حال : اور اس سے پہلے ان الطاف کا ادراک واحساس بھی نہ ہوگا" یہ الفاظ وگیہ ان کے الطاف جو کہ بندوں پر مدام ہیں انکا احساس نفس اصلاح یافتہ ہی کر سکتا ہے اور جب ہی بندگی ظاہر ہوتی ہے یعنی صبر وشکر صحیح طور سے ادا کر سکتا ہے ورنہ اس کے قبل تو غفلت ہی ہوتی ہے جس کے سبب صبر وشکر کے مواقع آتے بھی ہیں اور گذر بھی جاتے ہیں اور ہر دو میں سے کسی کا حق ادا نہیں ہو پاتا جو کہ خطا وقصور میں شمار ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رذائل نفس کی اصلاح کے بغیر انسان بندگی کے حقوق کی ادائگی کے لائق ہی نہیں ہوتا۔

تحقیق : بیشک۔

حال : دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میرے رذائل نفس یعنی غصہ وکبر۔ خود رائی وخود غرضی کی پوری طور پر اصلاح فرمادیں اور مجھے توفیق وہمت ان کے دور کرنے کی عطا فرمائیں۔

تحقیق : دعاء کرتا ہوں۔ آمین۔

حال : گذشتہ دنوں میں ایک بڑی نعمت علم اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی وہ یہ کہ اپنے وجود کے اندر نفس کی موجودگی کا ہونا ایک بہت بڑی دلیل ہے اللہ جل جلالہٗ کے پہچان کی اس طرح پر ایک خبیث اور ظلمانی چیز اپنے اندر مدت العمر اس طرح جب پنہاں رہ سکتی ہے کہ روزمرہ اُس کے

رکیک و خفیف کے صادر ہوتے رہنے کے باوجود بھی نگاہ اپنے ہی ان حرکات پر نہیں جاتی اور نہ شرمندگی ہوتی ہے تو پھر ان حواس خمسہ سے ذات و صفات قدسی خداوندی کا کس طور پر ادراک ہو سکتا ہے؟ جب یہ حجابات مادی دور ہوں جب نہ احساس صفات لطیف حق سبحانہ تعالیٰ کا ہو سکتا؟

تحقیق : بیشک۔

حال : دوسرے یہ کہ جب یہ نفس رذیل اس طور پر ہمارے ساتھ ہے تو ضرور اسکا ضد بھی ہوگا جو کہ لطیف و نورانی ہوگا اور کثیف ساتھی کی دوستی چھوڑنے کے بعد انسان تنہا نہیں رہے گا بلکہ اسکے بدلے میں اللہ تعالیٰ کی معرفت عطا ہوگی جو کہ نعم البدل ہوگی

تحقیق : بیشک

حال : آیۃ حسبنا اللہ و نعم الوکیل ونعم المولیٰ ونعم النصیر (اللہ ہمیں کافی ہے اور اچھا کارساز ہے اور بہترین معین و مددگار رہے) کے معنی اس علم کے عطا ہونے کے بعد اچھے انداز و عنوان سے سمجھ میں آئے اور اس حدیث یعنی من عرف نفسہ فقد عرف ربہ (جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا) کا مطلب بھی اچھی طرح الحمد للہ واضح ہوا۔ تحقیق : الحمد للہ

حال : حضرت والا میں کچھ پڑھا لکھا تو ہوں نہیں حضور کی کفش برداری ہی کی بدولت ہے اگر کوئی بات صحیح طور پر سمجھ میں آجائے۔ جو کچھ بات ذہن میں آئی تھی من وعن عرض کردی۔ اب حضرت والا میرے خیال کی تصحیح فرمائیں۔

تحقیق : بالکل صحیح ہے

حال : کچھ عمل ہو نہیں پاتا بس ایک تشنگی کی کیفیت باقی رہجاتی ہے تحقیق: الحمد للہ

حال : حضرت والا دعا فرمائیں کہ حق تعالیٰ اس حقیر کی اصلاح فرما دیں اور اپنے خاصان کے صدقہ میں دولت سرمدی عرفان سے سرفراز فرمائیں۔ تحقیق : دعا کرتا ہوں۔

اور پھر یہ کہ محلہ بھی کچھ زیادہ محفوظ نہیں ہے اسلئے طبیعت میں رکاوٹ ہوتی ہے ورنہ ویسے مکان تو بہت اچھا ہے۔

احباب کے اختلاف رائے کا تو حضرت اقدسؒ پر کچھ اثر نہیں ہوا لیکن حضرت قاری صاحب کی زبان سے بھی وہی باتیں سنیں تو حضرت کو فکر ہوئی (ان کے اشکالات کو رفع کرکے انھیں مطمئن کرنا ضروری ہے اس لئے کہ مکان تو ہم انھیں لوگوں کے لئے لے رہے ہیں اگر انھیں کو پسند نہ ہوا تو پھر فائدہ کیا؟ باقی حضرت اقدس کے انشراح سے اندازہ ہوتا تھا کہ خود حضرتؒ کو بھی یہ مکان پسند تھا۔ اسلئے جناب قاری صاحب کو حضرت نے یوں مطمئن فرمایا کہ ایک دن کسی سے فرمایا کہ ذرا کسی دن مجھے گرد دوارہ دکھلاؤ تو سہی۔ چنانچہ ایک دن تفریح کو جاتے وقت کسی نے حضرت سے کہدیا کہ حضرت یہ گرد دوارہ جی۔ ٹی روڈ پر مکان سے اسٹیشن جاتے میں ایک فرلانگ کی دوری پر دوسری پٹری پر پڑتا تھا۔ اسکے ملاحظہ کے بعد حضرت نے فرمایا کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ مکان کو اس سے کیا تعلق ہے کہاں مکان اور کہاں یہ؟ بہت فاصلہ ہے یہ تو کوئی عذر نہیں ہے۔ اور پھر قاری صاحب سے فرمایا کہ میں نے گرد دوارہ کو جاکر دیکھا ہے وہ تو گھر سے بہت دور ہے، رہا کرایہ داروں کے تخلیہ کا مسئلہ تو بیشک اس زمانہ میں ہے یہ ایک مشکل مرحلہ لیکن بتاؤ کہ اگر جتنا مکان خالی ہے اور جس پر ہمارا قبضہ ہوجائے گا اتنا حصہ بھی تمھارے فتحپور والے مکان سے زیادہ ہے یا نہیں جس کو تم چھوڑ کر آئے ہو۔ قاری صاحب نے عرض کیا جی ہاں اس سے تو یہ کہیں زیادہ ہے۔ فرمایا کرایہ دار خالی کریں یا نہ کریں کرایہ تو دیں گے چلو خیر یہی سہی۔ اول تو تخلیہ کی کوشش کیجائے گی اور نہ خالی ہوگا نہ سہی ہمارا کیا نقصان ہے۔ باقی یہ کہ مکان پرانا ہے اور خستہ ہے تو یہ سوچو کہ اگر اسوقت اسکو گرا کر اسکے دروازے۔ آہنیں۔ پتھر اور کڑیاں فروخت کی جائیں تو ۲۵ ہزار میں بک جائیں گی یا نہیں؟ قاری صاحب نے

عرض کیا ہاں ضرور بک جائیں گی۔ فرمایا پھر زمین تو تمکو مفت کی مل گئی جبتک سے چلے گا چلے گا نہیں تو از سر نو لیا جائے گا۔ ان جوابات کو سنکر قاری صاحب کی تسلی ہوگئی اور مکان کے متعلق شرح صدر ہوگیا۔ عرض کیا کہ جی ہاں بہتر ہے لے لیا جائے۔

چنانچہ اس کے بعد ڈاکٹر صلاح الدین صاحب کے توسط سے الحمدللہ بہت کفایت پر معاملہ طے ہوگیا یعنی پچیس ہزار میں رجسٹری کر دینے کا وکیل صاحب نے وعدہ فرمالیا اور حضرت بھی راضی ہوگئے۔ اور اب خریداری کے لئے رقم کی فراہمی کا سوال پیش آیا جو الحمدللہ حضرت والا جیسی شخصیت کے لئے کچھ دشوار نہ تھا لیکن حضرت اقدس چونکہ اپنے ہر معاملہ کے ذریعے اپنے پاس آنے جانے والوں کو سبق دینا اور تعلیم فرمانا چاہتے تھے اسلئے یہاں بھی یہی انداز اختیار فرمایا اور ایکدن چند خواص کو جمع کرکے فرمایا کہ بھائی وکیل صاحب تو تیار ہوگئے ہیں رجسٹری کی تاریخ بھی مقرر ہوگئی اب مکان کی خریداری کی کیا صورت ہو میرے پاس اسوقت نقد تو پچیس ہزار موجود نہیں ہے ہاں میں اتنی رقم آہستہ آہستہ فراہم کرسکتا ہوں اور ادا کرسکتا ہوں مگر مجھے بھی مکان کی جلد ہی ضرورت ہے اور وکیل صاحب کو بھی رقم کی فوری حاجت ہے تو اب کیا صورت اختیار کیجائے؟ چاہیئے آپ لوگ باہم مشورہ کرکے کوئی صورت طے کیجئے۔ ان حضرات نے تخلیہ میں بیٹھکر باہم مشورہ کیا کسی نے کسی سے قرض لینے کی رائے دی اور کسی نے کسی اور شخص کا نام پیش کیا۔ ایک صاحب نے اپنی یہ رائے ظاہر کی کہ حضرت کے مقامی وغیر مقامی خدام میں سے پچیس اہل ثروت کا انتخاب کرلیا جائے اور ہر ایک کے ذمہ ایک ایک ہزار کی فراہمی لازم کردی جائے۔ چنانچہ اس طرح سے پچیس ہزار کی رقم حضرت کی خدمت میں پیش کردی جائے اور ہم لوگ حضرت کو اتنی سہولت اور پہونچا دیں کہ جیسا اور جتنی گنجائش ہو حضرت آہستہ آہستہ ہی ادا فرماتے رہیں، اور ہم لوگ ایک فہرست اپنے طور پر مرتب کرلیں کہ کس شخص

فوری ضرورت ہے یا جلدی ضرورت ہے۔ اور ایک شخص کو نامزد کردیں کہ حضرت اسے قسط عطا فرما دیا کریں اور وہ حسب ترتیب فہرست لوگوں کو ادا کرتا رہے۔ اس طرح سے کسی ایک شخص پر زائد بار بھی نہ پڑے گا اور اتنا بڑا کام نہایت آسانی کے ساتھ انجام پا جائے گا۔ یہ تجویز اور مشورہ حضرت اقدس کے سامنے پیش کیا گیا جسے حضرت نے بھی بہت پسند فرمایا۔

یہاں ایک بات یہ ذہن نشین رہے کہ حضرتؒ کے خدام میں سے بہت سے ایسے لوگ تھے کہ ایک معمولی سے اشارہ میں ایسی بڑی رقم ان میں سے ایک ہی شخص پیش کر سکتا تھا لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ حضرت والا کا مزاج ہی کچھ اس نوع کا تھا کہ وہ اپنے ہر قول اور ہر فعل سے امت کے سامنے ایک آسان حل اور اپنے متعلقین کے اندر جذبۂ ایثار و ہمدردی اور وقت پڑ جانے پر کسی کی ضرورت کے احساس کے جذبات کو ابھارنا چاہتے تھے اسی لئے یہ تمام شوریٰ و مشورہ تھا ورنہ نہ یہ ایسا کوئی بڑا کام تھا اور نہ حضرت اس میں کچھ مجبور ہی تھے، ہاں یہ ضرور ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرتؒ کے مزاج میں شروع ہی سے امراء سے استغنا اور مخلوق کو چھوڑ کر خالق کی انابت کا داعیہ پیدا کر رکھا تھا۔ اسلئے بھی حضرتؒ کو اپنے لئے مخلوق سے کچھ کہنا طبعاً گراں تھا۔ پھر ہو سکتا ہے کہ امراء و رؤسا کی اصلاح بھی اسی میں مضمر ہو کہ جب یہ دیکھیں گے اتنا بڑا دنیوی کام پڑا اور حضرت نے ہماری کچھ بھی ضرورت نہ محسوس کی تو اسکی وجہ سے انکے قلوب میں شیخ کی عظمت اور وقعت اور اور بڑھیگی جو کہ اصلاح کی روح ہے۔ چنانچہ عقلاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی بزرگ کو یہ مطلوب ہو کہ لوگ اس سے نہ ملیں اور انکی تنہائی کا سکون مشوش نہ ہو تو وہ یہ کرے کہ اپنے پاس آنے والے غریب کو تو کچھ قرض دیدے اور امیر کی جانب کوئی حاجت پیش کردے بس دونوں سے نجات مل جائے گی۔ غریب عدم ادائیگی کی شرمساری سے محجوب رہے گا اور امیر

سنئے مطالبہ کے اندیشہ سے خوف زدہ ہو جائے گا۔ اور مال معاملہ ایسا نازک ہے کہ اہل دنیا اسکو جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں چنانچہ مقولہ مشہور ہی ہے کہ

گر جاں طلبی مضائقہ نیست ورزر طلبی سخن دریں است

بہرحال اس مشورہ کے بعد کیا ہوا اور رقم کیونکر فراہم کی گئی اسکی تفصیل مجھکو نہیں معلوم اور نہ ہم لوگوں نے اسکے معلوم کرنے کی کبھی ضرورت سمجھی۔ تاہم ایک محترم نے اس سلسلہ میں راقم کو واسطہ بنایا اور حاضر ہوکر کچھ رقم حضرت کیخدمت میں یہ کہکر پیش کی کہ حضرت یہ اسی مشورہ کے ماتحت میری جانب سے قبول ہو اور ایک گذارش یہ بھی ہے کہ مجھے سردست روپیہ کی حاجت ہی نہیں ہے سب حضرات کو دیئے جانے کے بعد آخر میں میرا نمبر رکھا جائے۔ حضرت نے وہ رقم قبول کر لی اور بعد میں مجھ سے فرماتے تھے تمھارے یہ عزیز حسن منزل والے بڑے مخلص شخص ہیں اپنی طرف سے مجھے ہر طرح کی سہولت دیدی۔ بس میں یہی چاہتا ہوں کہ اسی طرح سے مل جل کر لوگ ایک دوسرے کی ضروریات کو پوری کر دیا کریں۔ بڑی پریشانی کا وقت ہے آدمی پر کبھی نہ کبھی کوئی وقت آ ہی جاتا ہے اب اگر احباب کے اندر اتنی بھی جمیعت اور حمایت نہ موجود ہو تو پھر کیا لطف زندگی ہے یہ ضرور ہے کہ جب لوگ کسی کے ساتھ ہمدردی کا معاملہ کریں تو اسکو اپنے وعدہ کی پابندی لازم ہے۔ آج لوگ یہی نہیں کرتے اسلئے لوگوں نے بھی کسی کی حمایت کرنی چھوڑ دی ہے۔

بہرحال تاریخ مقررہ پر مکان کی رجسٹری ہوگئی اور شام کو کچہری سے واپس آنے کے بعد ہم سب نے مژدہ سنایا کہ حضرت الحمد للہ مکان کی خریداری کی تکمیل ہوگئی دوسرے دن وکیل صاحب نے حضرت اقدس کو مکان کی کنجی حوالہ کر دی اور عرض کیا کہ حضرت آج کا دن میرے لئے بڑی مسرت کا دن ہے یہ کہکر حضرتؒ کا ہاتھ چوما اور رونے لگے۔ حضرت نے خیال فرمایا کہ وطن سے اور مکان سے لوگوں کو رغبت ہوتی ہی ہے یہ خیال آگیا ہوگا کہ آج سے یہ میرا آبائی مکان اب میرا مکان نہیں رہا۔ لیکن انھوں نے اسکی صفائی دی کہ حضرت مسرت اس بات پر ہے کہ میں نے اپنے باپ دادا کی بنوائی

ہوئی عمارت اور ان سے پائی ہوئی اس امانت کو ایک اہل کی جانب منتقل کیا ہے جس کی بنا پر امید کرتا ہوں کہ حشر میں والد مرحوم کے سامنے مجھے کوئی ندامت نہ ہوگی اور ان سے یہ عرض کر سکوں گا کہ میں نے آپ کی امانت ایک اللہ کے ولی کے حوالے کردی۔ حضرت والا ان کے ان الفاظ سے بہت متاثر ہوئے انکے سر پر ہاتھ پھیرا اور انکو گلے سے لگایا اور تسلی کے طور پر یوں فرمایا کہ نہیں ندامت کیوں ہوگی انشاء اللہ وہ بہت خوش ہونگے۔ آپ نے بہت خلوص اور ایثار سے کام لیا ہے جزاکم اللہ تعالیٰ۔

اور واقعہ بھی یہی تھا کہ بہت دنوں سے کچھ لوگ اس مکان کی خریداری کی فکر میں تھے چنانچہ ایک سندھی نے سنا ہے ساٹھ ستر ہزار تک دام لگا دیا تھا لیکن ایک شرط کے ساتھ وہ یہ کہ صحن خانہ کے وسط میں جو عورتوں کے نماز پڑھنے کے لئے ایک پختہ چبوترہ ہے جسکے غربی جانب محراب بنی ہوئی ہے جس کی وجہ سے وہ مسجد کے مشابہ ہوگیا ہے اسکو وکیل صاحب خود اپنے ہاتھ سے منہدم کردیں تاکہ میری خریداری کے بعد بوقت انہدام محلہ کے مسلمانوں کی طرف سے کچھ سوال نہ اٹھے۔ وکیل صاحب نے ہرچند کہا کہ ہم لوگ اس پر نماز ضرور پڑھتے ہیں لیکن وہ مسجد نہیں ہے ہمارے ہاتھوں اسکو منہدم نہ کراؤ ہم تمھارے ہاتھ فروخت کردیں پھر تم جو چاہنا بنانا بگاڑنا تمکو اختیار ہے لیکن سندھی ایک تو پردیسی دوسرے مسجد کے نام سے مرعوب بغیر اسکے لینے کی ہمت نہیں کرسکا ظاہری وجہ رکاوٹ تو ایک غیر مسلم کے لئے اس مکان کی خریداری کیلئے یہی بنی لیکن حق تعالیٰ کو تو یہ منظور تھا کہ جس مکان کو ایک دیندار نے بنوایا ہے اور جس میں دیندار خواتین نے نمازیں بھی پڑھی ہوں اور جس مکان کے صحن کے مختصر چبوترے پر چند دینداروں نے رمضان کی ساری رات تلاوت کلام اللہ کرکے اور سنکر کے گذاری ہو تو جس طرح قرآن کریم کے بارے میں فرمایا ہے کہ لا یمسہ الا المطہرون اسی طرح اسکے تلاوت کے مکان کو بھی کسی غیر مسلم کے قبضہ میں نہ دیا جائے گا اور یہ انتظام کیا جارہا تھا کہ الہ آباد میں جب میرا یہ دلی آدمی

تو اسکو اسی میں ٹھیرایا جائے اور اس جگہ کو علم و معرفت کا سرچشمہ بنایا جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ مکان کے بکنے کی تو عرصہ سے خبر تھی دام چڑھتا تھا اترتا تھا مگر کوئی گاہک طے نہیں ہو پاتا تھا اور آخر میں ایک شخص نے لینا بھی چاہا تو شرط پوری نہ ہو سکنے کی وجہ سے وہ بھی نہ لے سکا۔ اور حضرتؒ کے یہاں کوئی چیز رکاوٹ ہی کی نہ تھی اسلئے وکیل صاحب نے بڑے انشراح اور خوشی کے ساتھ حضرت کے ہاتھوں اسکا فروخت کرنا منظور فرمالیا۔ اور ابھی جو میں نے یہ عرض کیا کہ چند دینداروں نے ساری ساری رات اس میں تلاوت کیا اور سنا ہے تو اسکی تفصیل یہ ہے کہ مالک مکان جناب ابو الحسن صاحب جعفری (وکیل) کے والد کا نام مولوی غلام مجتبیٰ صاحب جو پرانے وقت کے ایک فاضل دیندار وکیل تھے اور یہاں الہ آباد کے مشہور طبیب جو حضرت کے معالج بھی رہ چکے تھے جناب حکیم سید فخر الدین احمد صاحب جعفری کے والد بزرگوار کا اسم شریف مولوی محی الدین جعفری تھا جو کہ الہ آباد کے ایک ذی علم معزز شخص تھے، ان دنوں الہ آباد کے مدرسہ احیاء العلوم واقع مسجد عبداللہ میں قرارت کے ایک مشہور استاذ جو اپنے زمانہ میں اس اطراف کے استاذ الکل قرار دیئے جاتے تھے یعنی قاری عبدالرحمن صاحب مکی ثم الہ آبادی تجوید کے مدرس تھے، چنانچہ یہ دونوں حضرات یعنی مولوی محی الدین صاحب اور مولوی غلام مجتبیٰ صاحب میں باہم بہت گہری دوستی تھی اور دینداری کے سبب ان دونوں حضرات کو حضرت قاری صاحب کی قرأت سننے کا بہت شوق تھا چنانچہ غلام مجتبیٰ صاحب مرحوم کے اسی مکان میں کبھی کبھی یہ تینوں حضرات یا کبھی اور دوسرے بعض حضرات بھی جمع ہوتے اور اسی صحن کے چبوترہ پر شبینہ ہوتا تھا۔ یہ لوگ بھی سنتے گھر کی مستورات بھی فیضیاب ہوتیں اور سارا گھر نور قرآن سے منور ہو جاتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں حضرت قاری صاحب کا یہ قرآن پڑھنا مقبول ہو گیا تھا اسلئے اللہ تعالیٰ نے بھی اس مکان کا مکین ہونا ایسی ذات کے لئے مقدر

فرما دیا تھا جکو قرآن سے عشق تھا اور جس نے یہاں تشریف لاتے ہی تلاوتِ قرآن پر ایسا دلنشین وعظ فرمایا کہ علماء اور مشائخ تک کو گویا انکا بھولا ہوا سبق یاد کرا دیا۔ چنانچہ خود میرے سامنے یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت نے مجھے اپنے کمرہ میں طلب فرمایا وہاں پہلے سے ایک بزرگ تشریف فرما تھے، حضرتؒ نے فرمایا سنو! دیکھو یہ مولانا کیا فرما رہے ہیں۔ اتنے میں ان مولانا صاحب نے کہنا شروع کیا کہ میں نے حضرت سے ابھی ابھی یہ عرض کیا ہے کہ حضرت نے تلاوت کا مضمون بیان فرما کر امت پر بڑا احسان فرمایا ہے۔ حضرت کی زبان سے تلاوت کے فضائل اور آثار و برکات کو سنکر اپنی طبیعت اب کچھ ایسی ہو گئی ہے کہ اب کوئی دوسرا مضمون وعظ میں بیان کرنے کو جی ہی نہیں چاہتا جب بیان کرتا ہوں بس تلاوت کے فضائل بیان کرتا ہوں یا تلاوت قرآن سے کچھ باتیں سنا دیتا ہوں بس یہی میرا بیان ہوتا ہے۔

اسی طرح سے اس سلسلہ میں ایک عالم کا تاثر سنیئے انھوں نے اپنی الآباد تشریف آوری کے موقع پر حضرتؒ کی صبح کی مجلس کا خلاصہ ان لفظوں میں بیان فرمایا اور کسی کو لکھا کہ :-

"صبح کی جو مجلس ایک خاصے بڑے مجمع کے سامنے ہوئی اس میں زور شروع سے آخر تک بس تلاوت قرآن پر اور مروجہ اذکار و اشغال سے زائد قرآن مجید سے رابطہ قائم کرنے پر تھا"

اور بعد ظہر کی "خصوصی مجلس" کے تاثر کو ان لفظوں میں بیان فرمایا :-

"مولانا وصی اللہ صاحب حفظہ اللہ کے اقراط کرم سے شرمسار و محجوب ہو کر واپس آیا، بعد ظہر کی مجلس میں انھوں نے ایک بات ایسی فرما دی جو دل میں تیر کی طرح پیوست ہو گئی فرمایا کہ ایسے علماء بھی ہیں جو مسائل تفسیر پر تو خوب گفتگو کر لیتے ہیں لیکن تلاوت قرآن سے ان کے دل کو لگاؤ نہیں اسلئے اسکے انوار و برکات سے محروم

ہی رہتے ہیں۔

یہ تو گویا اپنے کشف سے یا فراست سے میرے ہی دل کا چور پکڑ لیا
اب اگر آنعزیز میرے اس خط کے حوالہ سے موصوف سے کچھ آداب تلاوت
دریافت کرکے مجھے لکھ بھیجیں تو یہ آنعزیز کا بڑا کرم ہوگا؟

(اسی کو راقم نے عرض کیا تھا کہ بہت سے علماء و مشائخ کو حضرتؒ نے
انکا بھولا ہوا سبق یاد دلا دیا)

اسلئے اسی کا انتظام ہوتا رہا دوسرے کسی کو یہ مکان مل بھی کیسے سکتا تھا؟ جو اسکا صحیح معنوں میں اہل اور مستحق تھا اسکو پہونچا دیا گیا۔ چنانچہ وکیل صاحب نے بھی یہی جملہ فرمایا کہ اب میں امید کرتا ہوں کہ انشاء اللہ قیامت میں والد صاحب کے سامنے سرخرو ہونگا اور ان سے کہہ سکوں گا کہ "حق بحقدار رسید"۔

بہرحال حضرت والا نے مکان خرید لیا اور یہ کوئی ایسی نئی بات بھی نہ تھی دنیا میں مکان بکتے بھی ہیں اور خریدے بھی جاتے ہیں لیکن خدا معلوم کیا اثرات تھے کہ بڑی شہرت اور سرعت کے ساتھ آناً فاناً یہ خبر تمام شہر میں مشہور ہوگئی۔ ہمارے محمد میاں صاحب فاروقی الہ آبادی ان دنوں دہلی میں تھے وہاں سے واپس آکر جب حضرتؒ سے ملے تو فرمایا کہ مجھکو مکان کی خریداری کی خبر مولانا شاہد فاخری صاحب نے دہلی میں دی۔ کہنے لگے کہ محمد میاں! سنا نہیں آپ کے پیر نے ابو الحسن جعفری کا مکان خرید لیا ہے۔ مولانا نے کہا کہ میں نے جواب میں کہا کہ الحمد للہ۔ خدا معلوم مولانا شاہد فاخری صاحب نے کس خیال سے یہ جملہ فرمایا تھا خبر محض تھی یا استعجاب تھا کہ پیر ہو کر اتنے مالدار ہیں! یا کیا غرض تھی؟

باقی یہ تو بہرحال دیکھا گیا کہ مخالفین کی نظروں میں حضرت اقدس کا مکان خرید لینا بہت کھلا برخلاف اسکے حلقۂ احباب میں یہ خبر بہت ہی مسرت انگیز تھی۔ اور باہر کے بعض حضرات نے بھی اطلاع پانے پر حضرت والا کو خطوط لکھے۔

(۹۰ — اہل حق اور اہل باطل میں ایک خاص فرق)

حضرت وکیعؒ جو امام شافعیؒ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد اور جلیل القدر امام ہیں فرماتے ہیں کہ مصنفین اہل حق اور اہل باطل میں یہ فرق ہے کہ اہل حق جس باب میں تحریر فرماتے ہیں اس باب کی متعلقہ روایت سب لکھتے ہیں خواہ وہ ان کے مذہب کے موافق ہوں یا مخالف اور اہل باطل صرف ان چیزوں کا انتخاب کرتے ہیں جو انکے مذہب و رائے کے مطابق ہوں۔ (سنن دار قطنی کتاب الطہارۃ)

۹۱۔ عجائب تواریخ

(منقول از المدہش مصنفہ حافظ حدیث ابو الفرج ابن جوزی بغدادی)

چار بھائی | کہ ان میں سے ہر ایک کے درمیان دس سال کا فاصلہ ہے اور یہ چاروں حضرات ابوطالب کی اولاد ہیں طالب، عقیلؓ، جعفرؓ، علی مرتضیٰؓ کیونکہ طالب عقیل سے دس سال بڑے اور عقیل جعفر سے دس سال بڑے اور جعفر حضرت علیؓ سے دس سال بڑے تھے۔ موسیٰ بن عبیدہ ربذی اپنے بھائی عبداللہ سے اسی سال چھوٹے تھے۔

اور یہ بھی عجائب میں سے ہے کہ حضرت مہلبؒ ابن ابی صفرہؓ کے تین صاحبزادے یزید۔ زیاد اور مدرک ایک ہی سال میں پیدا ہوئے ایک ہی سال میں شہید ہوئے تینوں کی عمریں اڑتالیس سال ہوئیں۔

یہ بھی عجائبات عالم میں سے ہے کہ چار حضرات حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر لیثی، خلیفہ سعدی اور جعفر بن سلیمان ہاشمی ان میں سے ہر ایک کی اولاد سو سو نفر ہوئی۔

ربیع الاول سنہ ۱۷۰ھ کی چودھویں شب بھی عجائبات قدرت سے ہے کہ اس میں ایک بادشاہ ہادی کا انتقال ہوا اور دوسرے بادشاہ ہارون رشید کی تخت نشینی کا جشن ہوا اور تیسرے بادشاہ مامون پیدا ہوئے۔

۹۲۔ عرب میں فن قیافہ وعیافہ

قیافہ کسی انسان یا جانور وغیرہ کے ظاہری آثار وعلامات دیکھکر ان سے اسکے باطنی حالات پر استدلال کرنے کو کہتے ہیں۔ اور عیافہ جانوروں کے اڑنے چلنے پھرنے سے انسان کے مخفی حالات پر استدلال کا نام ہے۔ عرب میں یہ دونوں ایسے مکمل تھے کہ ان کے واقعات سنکر حیرت ہو جاتی ہے۔

علامہ ابن الاثیر نے اپنی تاریخ میں قبیلہ بنی اسد کے عیافہ کا واقعہ لکھا ہے جسکو نقل کیا جاتا ہے۔ بنی اسد اس فن کے ماہر مشہور تھے۔ ایک مرتبہ جنات کے کسی مجمع میں اسکا تذکرہ ہوا ان میں سے چند اشخاص اسکا امتحان کرنے کے لئے اٹھے اور بصورت آدمی اس قبیلہ میں پہونچے اور بیان کیا کہ ہماری ناقہ کھو گئی ہے ہم چاہتے ہیں کہ آپ اپنے قبیلہ کا کوئی آدمی ہمارے ساتھ بھیجدیں جو اپنے فن عیافہ کے ذریعہ ہماری گم شدہ ناقہ کا پتہ لگادے۔ اس قبیلہ نے اپنے میں سے ایک چھوٹے لڑکے کو انکے ساتھ کردیا یہ لڑکا اونٹ پر سوار ہو کر ان کے ساتھ روانہ ہوا، راستہ میں ایک باز اڑتا ہوا سامنے آیا جس نے ایک بازو لٹکا رکھا تھا لڑکا اسکو دیکھکر رونے لگا انھوں نے اسکا سبب پوچھا تو بے تامل کہدیا:۔

كسرت جناحًا ورفعت جناحًا وحلفت الله صراحًا ما انتم بانسي ولا تبغي لقاحًا

(رسائل ابن رجب ص۱۱) (باز نے ایک پر اٹھایا اور دوسرا لٹکا دیا گویا صراحۃً اللہ کی قسم کھائی کہ نہ تم انسان ہو اور نہ تمھاری غرض ناقہ کی تلاش ہے)

۹۳۔ سمت قبلہ کیلئے حسابات ریاضی ونجوم سے استدلال

علامہ ابن رجب حنبلیؒ متوفی ۷۹۵ھ اپنے رسالہ "فضل علم السلف علی الخلف" میں لکھتے ہیں کہ علم تسییر یعنی حرکات نجوم وغیرہ سے سمندر میں راستہ یا سمت قبلہ معلوم کرتے ہیں بضرورت فائدہ اٹھانا جمہور علماء کے نزدیک جائز ہے لیکن اس میں

تدقیق وغلو نا جائز و مضر ہے کیونکہ اس میں تدقیق کا نتیجہ بعض اوقات یہ ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کی عام مساجد اور محاریب صحابہؓ کے متعلق بدگمانی پیدا ہو جاتی ہے اور یہ اس وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ صحابہؓ اور تابعین اور تمام مسلمانوں نے سمت قبلہ میں خطا کی ہے۔ اور ایسا خیال کرنا قطعاً باطل ہے اور اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل نے ستارہ جدی سے سمت قبلہ پر استدلال کرنے کو منع فرمایا ہے (ص ۱۲)

۹۴۔ تقلید صحابہؓ کیلئے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا ارشاد

ارشاد فرمایا:۔

خذوا من الرای ما یوافق من کان قبلکم فانہم کانوا اعلم منکم (فضل علم السلف لابن رجب ص ۳۰) (اس قیاس کو اختیار کرو جو تم سے پہلے حضرات کی رائے کے موافق ہو کیونکہ وہ تم سے زیادہ اعلم تھے۔)

۹۵۔ عجائب تواریخ

مصائب دنیا، قحط، زلزلے اور وبائیں

دنیا میں جس طرح نعمتوں کی کوئی انتہا نہیں ہر بڑی نعمت سے زیادہ بڑی نعمت ہو سکتی ہے اسی طرح مصیبتوں کی بھی کوئی انتہا نہیں ہر مصیبت سے بڑی مصیبت ہو سکتی ہے۔ اس مختصر مضمون میں علامہ ابن جوزی کی کتاب المدہش سے کچھ مصائب و حوادث کے واقعات لکھے جاتے ہیں جو دنیا کے مختلف ادوار میں پیش آچکے ہیں۔ اسکے پیش کرنے میں ایک تاریخی افادہ کے علاوہ میری غرض یہ بھی ہے کہ جو لوگ کسی مصیبت و حادثہ میں مبتلا ہوں وہ ان وقائع کو دیکھکر تسلی حاصل کریں کیونکہ فطری امر ہے کہ انسان کو اپنے سے زیادہ گرفتار بلا کو دیکھکر صبر آجاتا ہے۔

سنہ ۱۸ھ فاروق اعظمؓ کے عہد میں بارش کا ایسا قحط پڑا کہ ہوا میں بجائے غبار کے راکھ اڑتی نظر آتی تھی اسی لئے اس سال کا نام عام الرمادہ ہو گیا وحشی جانور بھوک پیاس سے عاجز ہو کر انسانوں کے پاس آجاتے تھے۔ اس قحط میں حضرت فاروق اعظمؓ نے عہد کر رکھا تھا کہ گھی دودھ اسوقت تک نہ کھاؤں گا جب تک کہ قحط رفع نہ ہو اور عام مسلمان یہ چیزیں نہ کھانے لگیں۔

سنہ ۶۴ھ میں بصرہ کے اندر ایسا شدید طاعون آیا کہ امیر بلدہ کی والدہ کا انتقال ہوا تو اسکا جنازہ اٹھانے کے لئے چار آدمی نہ ملے۔

سنہ ۹۶ھ میں طاعون جارف کا واقعہ پیش آیا جس میں تین دن کے اندر ستر ہزار آدمی ہلاک ہوئے اسی طاعون میں حضرت انسؓ کے اسی لڑکے انتقال کر گئے (حضرت انسؓ کی کل اولاد سو سے کچھ زائد تھی)۔ اس واقعہ میں مُردوں کو قبرستان تک لیجانا اور قبر میں دفن کرنا ناممکن ہو گیا تھا اسلئے جب سارے گھر والے مرجاتے تو سب کو ایک کوٹھری میں بند کر کے اسکا دروازہ اینٹ گارے سے بند کر دیا جاتا تھا۔

سنہ ۱۳۱ھ میں طاعون آیا تو پہلے دن میں ستر ہزار دوسرے دن میں ستر ہزار سے کچھ زائد آدمی ہلاک ہوئے اور تیسرے دن سب آدمی ٹھنڈے ہو گئے۔

سنہ ۳۳۴ھ میں ایسا قحط پڑا کہ لوگ اپنے بچوں کو ذبح کر کے کھانے لگے۔ اور مُردار جانور کھائے جانے لگے اور چند روٹیوں کے بدلے میں بڑی بڑی جائداد فروخت کر دی گئیں۔ معز الدولہ امیر وقت کے لئے بیس ہزار روپئے میں ایک "کر" گیہوں خریدے گئے (ایک کر ہمارے وزن سے تقریباً اسی من ہوتا ہے) جس کے حساب سے دو سو روپیہ کا ایک من اور پانچ روپیہ کا ایک سیر ہوتا ہے۔

سنہ ۴۴۸ھ میں قحط اسقدر شدید ہوا کہ پانچ سیر غلہ سات گنی میں اور ایک انار ایک گنی، ایک ککڑی ایک گنی میں فروخت ہوتی تھی۔ اور مصر سے خبر پہونچی کہ تین چوروں نے ایک گھر میں نقب دیا صبح کے وقت تینوں مرے ہوئے پائے

گئے ایک نقب کے دروازے پر، دوسرا سیڑھی پر، تیسرا کپڑوں کی بندھی ہوئی گٹھڑی پر۔

سنہ ۲۶۲ھ میں اسقدر شدید قحط پڑا اور وبا اسقدر عام ہوگئی کہ آدمی آدمی کو کھانے لگا اور بادام وشکر روپیہ کی روپیہ بھر آنے لگی۔ اسی قحط میں وزیر اپنے گھوڑے سے ایک جگہ اترا تو تین آدمیوں نے دوڑکر گھوڑے کو ذبح کیا اور کچا گوشت کھانے لگے۔ اس وزیر نے ان تینوں کو سولی چڑھا دیا صبح کو دیکھا گیا تو ان تینوں کی صرف ہڈیاں رہ گئیں گوشت دوسرے بھوکے کھا گئے ونعوذ باللہ من الافات والحوادث۔

حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد میں سنہ ۲۰ھ میں زلزلہ آیا۔ پھر سنہ ۹۴ھ میں چالیس روز تک زلزلہ جاری رہا اور بڑے بڑے مکانات گر گئے۔ شہر انطاکیہ بالکل منہدم ہوگیا۔

سنہ ۲۳۳ھ میں شہر غوطہ زلزلہ سے الٹا ہوگیا اور سارے شہر میں سوا ایک آدمی کے کوئی باقی نہیں رہا۔ اسکے قریب قریب انطاکیہ میں زلزلہ آیا تو بیس ہزار آدمی ہلاک ہوگئے۔

سنہ ۲۲۴ھ میں بغداد، بصرہ، کوفہ، واسط اور اہواز و ہمدان میں ایسی سخت تیز ہوا چلی کہ جس نے کھیتیاں جلا دیں، بازار بند ہوگئے باون روز تک یہی ہوا چلتی رہی۔

سنہ ۲۳۵ھ میں طاہر بن عبداللہ نے خلیفہ وقت امیر المومنین متوکل باللہ کے دربار میں ایک پتھر بھیجا جو طبرستان کے اطراف میں آسمان سے گرا تھا جس کا وزن آٹھ سو چالیس درہم کے برابر تھا اسکے گرنے کا دھماکہ بارہ میل تک سنا گیا اور گر کر پانچ ہاتھ زمین میں گھستا ہوا چلا گیا

سنہ ۲۴۰ھ میں ایک ہوا بلاد ترک سے نکلی جو مرو میں پہونچی تو ایک بڑی خلقت کو زکام کے ذریعہ ہلاک کردیا۔ پھر نیشاپور اور رَے میں پہونچی

تو بخار اور کھانسی سے بہت سے آدمیوں کو ہلاک کر دیا۔

اور بلاد مغرب سے خطوط آئے کہ قیروان کی بستیوں میں سے تیرہ بستیاں زمین میں خسف ہوگئیں اور سوا دو آدمیوں کے ان میں کوئی نہیں بچا اور یہ بچنے والے بھی بالکل سیاہ رنگ کے ہوگئے تھے جب شہر قیروان میں آئے تو لوگوں نے انکو نکالا کہ تم عذاب الٰہی میں گرفتار ہو۔ حاکم بلدہ نے ان کے لئے شہر سے باہر مکان بنوادیا۔

اور ۲۴۲ھ میں دامغان میں زلزلہ آیا پچیس ہزار آدمی ہلاک ہوگئے اور یمن میں ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کی جگہ چلا گیا۔ اور حلب میں ایک جانور کوے سے بڑا اور گدھ سے چھوٹا ایک درخت پر آکر ٹھیرا اور چالیس مرتبہ یہ آواز دی اتقوا اللہ اللہ اللہ یعنی اللہ سے ڈرو اللہ اللہ۔ چالیس آوازیں دیکر اڑ گیا۔ پھر اگلے دن آیا اور چالیس آوازیں حسب سابق دیکر اڑ گیا حاکم بلدہ نے اسکو لکھا اور پانچسو آدمیوں کی جنھوں نے یہ آواز سنی تھی اس پر گواہی کرائی

۲۴۵ھ میں انطاکیہ میں زلزلہ آیا جس سے ڈیڑھ ہزار مکانات منہدم ہوگئے اور اہل انطاکیہ گھروں، روشندانوں اور دریچوں سے نہایت خوفناک آوازیں سنتے تھے۔

اور تینس میں نہایت خوفناک آوازیں سنی گئیں جو بہت عرصہ تک باقی رہیں اور جس سے بڑی خلقت ہلاک ہوگئی

۲۴۵ھ میں ایک بستی پر سیاہ و سفید پتھروں کی بارش ہوئی۔

۳۴۴ھ میں مقام دونیل میں زلزلہ آیا (دونیل موصل کے قریب ایک شہر ہے) صبح کو دیکھا گیا تو شہر کا اکثر حصہ خاک کا ڈھیر ہو چکا تھا گری ہوئی عمارتوں کے نیچے سے ایک لاکھ پچاس ہزار آدمی مردہ نکالے گئے ۳۶۰ھ میں حجاج کا ایک قافلہ گم ہو کے کسی طرف جا نکلا وہاں بہت سے آدمی پتھر کے بنے ہوئے دیکھے اور ایک عورت پتھر کی تنور پر کھڑی ہوئی دیکھی اور تنور میں جو روٹی تھی وہ بھی پتھر کی ہوگئی تھی۔

۹۶ - ایک سانپ نے انسان کو ہلاکت سے بچالیا

شیخ ابوالحسن علی بن مزین صغیر فرماتے ہیں کہ تبوک کے ایک کنوئیں پر پانی پینے گیا اتفاقاً میرا پاؤں پھسلا اور میں کنوئیں کے قعر میں جا گرا کنواں قدیم اور شکستہ تھا اس کے گوشہ میں کچھ جگہ پڑی ہوئی تھی میں نے اس جگہ کو درست کیا اور وہاں بیٹھ گیا۔ جنگل کا کنواں لق و دق میدان نہ آدم نہ آدم زاد۔ کنوئیں سے نکلنے کا بظاہر کوئی سامان نہ تھا۔

میں اسی فکر میں بیٹھا تھا کہ اچانک ایک دھماکہ میرے کان میں پڑا نظر اٹھائی تو دیکھا ایک بڑا سانپ ہے، یہ سانپ میری طرف بڑھا اور مجھے اپنی دم میں لپیٹ لیا اور کنوئیں کی دیوار پر چڑھنا شروع کیا یہاں تک کہ کنوئیں سے نکل گیا اور باہر آتے ہی اس نے میری گرفت ڈھیلی کر دی اور مجھے من پر چھوڑ کر ایک طرف کو چلدیا

(حیوۃ الحیوان ص ۲۹ ج ۱)

تبارک اللہ احسن الخالقین یہ ہیں کرشمہائے قدرت کہ جب چاہتے ہیں تو سانپوں اور درندوں سے ایک ضعیف و نازک انسان کی حفاظت کا کام لیتے ہیں۔ ع۔ آپ جس خار سے کہدیں وہ گلستاں ہو جائے۔ اور نہیں تو مضبوط قلعہ اور محفوظ تہ خانے میں بھی کوئی بچانے والا نہیں۔ وَلنعم ماقیل ؎

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ ۔ کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

تو بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی گردن کو نہ موڑ تاکہ تیرے حکم سے بھی کوئی روگردانی نہ کرے۔

فائدہ

شیخ ابوالحسن مذکور سے کسی خادم نے بوقت رخصت عرض کیا کہ مجھے

کچھ زادِ راہ عنایت فرمائیے۔ فرمایا کہ اگر تمہاری کوئی چیز گم ہو جائے یا تم چاہو کہ فلاں آدمی کے ساتھ تمہاری ملاقات ہو جائے تو یہ دعاء پڑھ لیا کرو یَاجَامِعَ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَا رَیْبَ فِیْهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ اِجْمَعْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ کَذَا (لفظ کذا کی جگہ پر اپنے مطلوب کا نام ذکر کرے) انشاء اللہ گم شدہ چیز یا مطلوب مل جائے گا۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی حاجت کیلئے یہ دعاء نہیں کی کہ مجھے وہ حاجت حاصل نہ ہو گئی ہو (حیاۃ الحیوان ص۲۶ ج ۱)

فائدہ عظیمہ مجربہ

شیخ المشائخ حضرت یافعیؒ سے منقول ہے کہ قضاءِ حاجات اور کامیابی مقاصد اور ازالۂ رنج و غم و فکر کیلئے طریق ذیل نہایت مفید و مجرب اور ایک خزانہ مخفیہ ہے عمل یہ ہے:۔

عشاء کی نماز کے بعد طہارت کاملہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی "لطیف" سولہ ہزار چھ سو اکتالیس مرتبہ پڑھیں۔ اس تعداد میں کمی بیشی ہرگز نہ ہونی چاہیئے ورنہ وہ سرِ عجیب جو اس میں ہے باقی نہ رہے گا۔ اور اس تعداد کو پوری طرح محفوظ رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ایسی تسبیح بنائی جاوے جس میں ۱۲۹ دانے ہوں اور یہ تسبیح ۱۲۹ مرتبہ پڑھی جاوے تو یہ تعداد مذکور پوری ہو جاویگی اور وجہ اس عدد خاص کی یہ ہے کہ اس اسم مبارک کے عدد ۱۲۹ ہیں اسکو ۱۲۹ سے ضرب دینے سے عدد نکل آتا ہے۔

یہ وظیفہ ختم کر کے اپنی حاجت کیلئے دعاء کرے انشاء اللہ تعالیٰ حاجت پوری ہوگی اور ہر مرتبہ جب ۱۲۹ دانہ کی ایک تسبیح پوری کر لے تو یہ آیت پڑھے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۔ اور سب سے آخر میں یہ دعاء پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ وَسِّعْ عَلَیَّ رِزْقِیْ اَللّٰهُمَّ عَطِّفْ عَلَیَّ خَلْقَكَ كَمَا صُنْتَ وَجْهِیْ عَنِ السُّجُوْدِ لِغَيْرِكَ فَصُنْهُ عَنْ ذُلِّ السُّؤَالِ لِغَيْرِكَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

(حیوٰۃ الحیوان لکدامیری)

فقیہ ابواللیث ثمرقندی بیان فرماتے ہیں کہ اس شخص پر جو امر بالمعروف کرے یہ لازم ہے کہ اس سے قصد اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا کرے اور دین کے اعزاز کا اور اپنے نفس کی حمیت اس سے مقصود نہ ہو اسلئے کہ اول صورت میں اللہ تعالیٰ کی مدد اسکے شامل حال ہوگی اور ثانی میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل وخوار فرمادیں گے۔ اسلئے کہ ہم کو حضرت عکرمہؓ سے یہ روایت پہونچی ہے کہ ایک شخص کا گذر ایک درخت کے پاس سے ہوا جسکی لوگ اللہ تعالےٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے پس اسے غصہ آیا اور دل میں کہا کہ توبہ توبہ لوگ اس درخت کو پوج رہے ہیں پھر اس نے کلھاڑا لیا اور اپنے گدھے پر سوار ہوا اور اس درخت کی طرف کاٹنے کیلئے چلا راستہ میں ابلیس ملعون سے ملاقات ہوئی جو کہ ایک انسان کی صورت میں تھا اس نے اس سے کہا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا کہ ایک درخت کو دیکھتا ہوں لوگوں نے اسکی پرستش شروع کردی ہے اس لئے میں نے اللہ کی قسم کھائی ہے کہ اسکو کاٹ کر رہوں گا۔ چنانچہ اسکو کاٹنے کے لئے جارہا ہوں) ابلیس نے اس سے کہا کہ اجی تم کو اس درخت سے کیا لینا اور انلوگوں سے کیا سروکار جو اسکی پرستش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی رحمت سے دور کررکھا ہے جاؤ اپنا کام کرو۔ اسی پر بات بڑھی وہ منع کرتا رہا اور یہ جانے پر اصرار کرنے لگا چنانچہ باہم گتھم گتھا اور خوب مارپیٹ ہوئی۔ اور یہ رکاوٹ اور کشتم کشتا تین بار ہوئی یہاں تک کہ ابلیس عاجز رہ گیا اور یہ شخص اپنے ارادہ سے باز نہ آیا تو ابلیس نے پھر اس سے یہ کہا کہ میاں جاؤ اس کام کو چھوڑ دو میں تم کو چار درھم روزانہ دیا کروں گا صبح اٹھکر اپنے بستر کے نیچے سے اسکو اٹھالیا کرنا۔ عابد نے کہا کہ کیا واقعی تم ایسا کروگے؟ ابلیس نے کہا میں ذمہ دار ہوں اس بات کا کہ تمکو ہر دن چار درہم مل جایا کرے گا۔ چنانچہ یہ سنکر عابد اپنے مکان کو لوٹ گیا اور دو دن یا تین دن اسی طرح سے درہم پاسے لیکن اسکے بعد ایک دن صبح کو بستر اٹھایا تو کچھ نہ پایا پھر اگلے دن بھی ایسا ہی ہوا جب درہم ملنے بند ہوگئے تو اس نے ایکدن

پھر کلھاڑا اٹھایا اور اپنے گدھے پر سوار ہوا پھر اس سے راستہ میں ابلیس انسان کی شکل میں ملا اور پوچھا کہاں جارہے ہو اس نے کہا کہ ایک درخت ہے لوگوں نے اسکی پرستش شروع کر رکھی ہے اسی کو کاٹنے جارہا ہوں۔ ابلیس نے کہا تم اب اسکو کاٹ نہیں سکتے جاؤ اپنا کام کرو۔ رہا پہلی بار تو تم اس وقت غضباً للہ نکلے تھے تم میں اخلاص موجود تھا اسوقت تو تمام دنیا اگر مل کر روکتی تو تم کو روکنے پر قادر نہ ہوتی اور اب جو تمہارا نکلنا اپنی نفسانی خواہش کی وجہ سے ہوا ہے یعنی اسی درہم کے بند ہو جانے کی وجہ سے لہٰذا اب اگر تم نے اسکا اقدام کیا تو میں تمہاری گردن پکڑ کر توڑ دوں گا۔ بس یہ سنکر وہ عابد خاموشی کے ساتھ اپنے گھر لوٹ آیا اور درخت کا خیال چھوڑ دیا۔ (یہ فرق اسکے اخلاص اور عدم اخلاص کی بنا پر ہوا)

فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں کہ پس جو شخص امر بالمعروف کرنے کا قصد و ارادہ کرے اس کو پانچ چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک علم اسلئے کہ جاہل شخص امر بالمعروف کو بہتر طریقہ پر انجام نہیں دے سکے گا۔ دوسرے یہ کہ اس سے اسکا مقصود اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہو اور دین کا اعزاز ہو۔ تیسرے یہ کہ جس کو امر کرے اس پر شفیق ہو نرمی سے بات کہے اور محبت کے ساتھ پیش آئے۔ ترش روئی اور سخت کلامی نہ کرے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے جب انکو فرعون کے پاس تبلیغ کے لئے بھیجا یہ فرمایا تھا کہ تم دونوں اسکے ساتھ نرم بات کرنا۔ چوتھے یہ کہ یہ شخص صبور اور حلیم ہو اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے قصۂ لقمان علیہ السلام میں فرمایا ہے کہ امر بالمعروف کرو اور نہی عن المنکر کرو اور اس راہ میں جو کچھ تمھیں پیش آئے اسپر صبر کرو۔ پانچویں یہ کہ جو بات دوسرے سے کہے اس پر خود بھی عامل ہو تاکہ اسکو لوگ بے عملی کا طعن نہ دیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مصداق نہ ہو جائے کہ کیا تم دوسروں کو تو نیک بات کا حکم کرتے ہو اور اپنے کو بھلائے رہتے ہو۔

حضرت موسیٰ بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ میں نے شب اسراء میں دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ہونٹ قینچی سے کاٹے
جا رہے ہیں، میں نے پوچھا کہ جبرئیل یہ کون لوگ ہیں انھوں نے کہا کہ آپکی امت
کے واعظ لوگ ہیں جو لوگوں کو تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے تھے اور خود
اپنے نفوس کو بھلا رکھا تھا اور یہ کتاب کے بھی عالم تھے اور اسکی تلاوت کیا کر
تھے۔ کیا یہ اتنی بات نہیں سمجھتے تھے کہ کتاب میں کیا لکھا ہے، عالم بے عمل کی
کتنی مذمت وارد ہے۔

حضرت قتادہ رضؓ فرماتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ تورات میں لکھا ہے
کہ اے ابن آدم تو مجھے یاد بھی کرتا ہے اور بھول بھی جاتا ہے میری جانب دو
لوگوں کو بلاتا بھی ہے اور مجھ سے بھاگتا ہے تم لوگوں کا یہ طریقہ بہت ہی برا ہے
حضرت ابو معاویہ فزاری رضؓ اپنی سند کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ اے لوگو! تم آج کے دن اپنے رب
کی جانب سے ایک بینہ پر ہو یعنی ایک بیان پر ہو وہ یہ کہ اللہ تعالے نے
تمھارے لئے راستہ واضح فرما دیا ہے تم دونوں خامیوں کو جانتے ہو عیش کی
خامی کو بھی اور جہل کی خامی کو بھی، پس آج تم معروف کا حکم اور منکر سے لوگوں کو
منع کر سکتے ہو اور اللہ تعالے کے راستہ میں جہاد کر سکتے ہو۔ اور عنقریب تم اس
روک دیئے جاؤ گے جبکہ تمھارے اندر حب دنیا کا شیوع ہو جائے گا پھر
نہ تو امر بالمعروف کرو گے اور نہ نہی عن المنکر کرو گے اور تمھاری تمام کوششیں
غیر سبیل اللہ کے لئے ہونگی اس دن جو کتاب اللہ کے احکام پر قائم رہے گا
سراً اور علانیۃً تو وہ ایسا ہو گا جیسے کہ سابقین اولین لوگ ہوئے ہیں مہاجر
اور انصار میں سے۔

حضرت حسن رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ جس شخص نے اپنے دین کی حفاظت کی خاطر ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرت
اگرچہ وہ ایک بالشت ہی کیوں نہ ہو تو اسکے لئے جنت واجب ہو گئی اور وہ شخص

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جنت میں رفیق ہوگا
مطلب یہ کہ حضرت ابراہیمؑ نے بھی اپنے وطن سے شام کی جانب ہجرت فرمائی تھی جیسا
اللہ تعالےٰ نے انکا قول بیان فرمایا کہ اِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ یعنی
انھوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب کی جانب ہجرت کی ہے بلاشبہ وہ سب پر
غالب ہے اور حکمت والا ہے اور فرمایا اِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ یعنی میں
اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں وہی مجھکو صحیح راہ دکھلائے گا۔ مطلب یہ کہ اپنے
رب کی طاعت کیطرف اور اسکی رضا کی جانب۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے بھی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی (لہٰذا ان حضرات کی اتباع
کیوجہ سے یہ شخص بھی جنت میں انکا رفیق ہوگا) اور جو شخص بھی کسی ایسی سرزمین میں
جہاں معاصی کی کثرت ہو اور وہ وہاں سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی حاصل کرنیکی غرض
سے ہجرت کرے تو اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ
وسلم کی اقتدا کی اسلئے اُن دونوں کا جنت میں بھی رفیق ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے
وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا الآية یعنی جو شخص اپنے گھر سے ہجرت کرکے نکلا اللہ
اسکے رسول کیطرف پھر راستہ میں اسکو موت نے آپکڑا تو اسکا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے
اور اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ہے۔ یعنی اسکی نیت کیوجہ سے اسکی ہجرت کا ثواب اللہ
عطا فرمائیں گے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو مسلمان بھی اپنے گھر
سے ہجرت کرکے چلا اللہ اور اسکے رسول کی طرف اور اپنے پیر کو سواری کی رکاب میں
رکھا پھر چاہے ایک ہی قدم چلا ہو کہ اسکو موت آگئی تو اللہ تعالیٰ اسکو مہاجرین کا ثواب
عطا فرمائیں گے۔ اور فرمایا کہ جو مسلمان اپنے گھر سے جہاد کے لئے نکلا پس اسکو اسکی
سواری نے گرا دیا میدان جہاد پہونچنے سے پہلے ہی یا اسکو کسی موذی جانور نے ڈس لیا
یا وہ کسی طرح مر گیا تو وہ شہید ہوگا اسی طرح سے جو مسلمان بھی اپنے گھر سے بیت اللہ
کے ارادہ سے نکلا پھر وہاں تک پہونچنے سے پہلے ہی اسکو موت آگئی تو اللہ تعالےٰ
اسکے لئے جنت کو واجب فرمادیں گے۔

حضرت فقیہ ابو اللیث ثمرقندی فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے گھر سے ہجرت نکرسے اور وہ اللہ تعالیٰ کے فرائض ادا کرنے پر قادر ہے تو اسکے وہاں ٹھیرے رہنے میں کچھ حرج نہیں ہے لیس یہ کرے کہ ان کے معاصی کو کراہت کی نگاہوں سے دیکھے کہ یہ شخص معذور ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ تم میں سے ایک شخص کے سلئے یہ کافی ہے کہ اگر وہ کوئی منکر دیکھے اور اس پر نکیر کرنے پر قادر نہیں ہے تو یہ کہے کہ تین بار یہ کہے کہ یا اللہ یہ شئے منکر ہے جو یہ شخص کر رہا ہے تو اس پر مجھ سے مواخذہ نہ فرما جب یہ کہہ لیگا تو اسکے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے کا ثواب ملے گا۔

حضرت عمر بن جابر اللخمی ابی امیہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابا ثعلبہ خشنی سے اس آیت کے متعلق سوال کیا کہ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ یعنی اے ایمان والو! اپنے اوپر اپنی ذات کو لازم پکڑو اسکی اصلاح اور فکر کرو تو انھوں نے کہا کہ آپ نے خوب پوچھا میں نے اسکا مطلب ایسی ذات سے دریافت کیا جو اس سے پوری طرح باخبر تھی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا کہ اے ابا ثعلبہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو۔ جب یہ دیکھو کہ اب لوگوں میں دنیاداری آگئی ہے۔ دین کے معاملہ میں دنیا کو ترجیح دی جا رہی ہے اور حرص کی اتباع کیجا رہی ہے اور لوگوں میں خود رائی اور خود پسندی آگئی ہے ہر شخص اپنی ہی رائے کو سب سے اچھا سمجھتا ہے اسوقت اپنے نفس کی فکر کرو اسلئے کہ تمھارے بعد ایک زمانہ صبر کا آوے گا اسوقت سنت کے ساتھ تمسک کرنے والے کا اجر پچاس کے برابر ہوگا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ان میں سے پچاس کے برابر یا ہمارے پچاس کے برابر؟ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بلکہ تم میں سے پچاس عاملین کے برابر اسکو ثواب ہوگا۔

حضرت قیس بن ابی حازمؓ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے سنا فرماتے تھے کہ تم لوگ یہ آیت پڑھتے ہو لیکن اسکو غیر محل میں رکھتے ہو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا۔ (اے ایمان والو! تم اپنے نفسوں کو لازم پکڑو تمہیں مضر نہیں ہے کسی شخص کا گمراہ ہو جانا جبکہ تم ہدایت یاب ہو اور اللہ کی جانب تم سب کو جانا ہے) اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ کوئی قوم ایسی نہیں کہ انکے درمیان لوگ معاصی کریں اور لوگ ان کو اس سے نہ روکیں مگر یہ کہ قریب ہے اللہ تعالیٰ عذاب کو ان سب پر عام فرما دیں۔

حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ان سے اسی آیت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ زمانہ اسکا نہیں ہے ہاں جب لوگوں کی خواہشات زیادہ ہو جائیں اور باہم جنگ و جدال بڑھ جائے تو اسوقت ہر شخص کے ذمہ یہ ہے کہ وہ خود اپنے نفس کی حفاظت کرے اور یہ سمجھ لے کہ اب اس آیت کا مصداق آگیا ہے۔

نواں باب

توبہ کا بیان

فقیہ ابوالليث سمرقندیؒ بیان فرماتے ہیں اپنی سند کے ساتھ عبداللہ بن عبید بن عمر سے کہ انھوں نے کہا کہ حضرت آدمؑ نے عرض کیا کہ اے میرے رب آپ نے ابلیس کو میرے اوپر مسلط کر دیا ہے اور میں اس سے بدون آپ کی مدد کے بچ نہیں سکتا (یہ تو عجیب سی بات ہوئی کہ آپ ہی دشمن کو مسلط کرنے والے بھی ہیں اور آپ ہی اس سے بچانے والے بھی) فرمایا کہ نہیں ایسی بات تو نہیں ہے بلکہ کوئی بچہ نہیں پیدا ہوتا مگر یہ کہ میں اسکے اوپر ایسے (فرشتوں) کو مسلط کر دیتا ہوں جو اسکو ابلیس علیہ اللعنۃ سے اور اسکے برے ساتھیوں کے شر سے محفوظ رکھتے ہیں۔ حضرت آدمؑ نے جب پروردگار عالم کا یہ کرم سنا تو عرض کیا کہ یا اللہ تعالے

کچھ اور مزید عنایت فرمایئے۔ فرمایا کہ (بنی آدم کی نیکیوں کا اجر دس گنا ملیگا یعنی ایک کا دس دیا جائے گا اور اسکے اخلاص کو دیکھتے ہوئے میں اس کبھی زائد کرونگا اور برائی کا بدلہ ایک ہی دیا جائے گا اور اسکی نیکیوں کیوجہ سے میں بہت سی برائیوں کو مٹا بھی دونگا حضرت آدمؑ نے عرض کیا کہ یا رب اور زیادہ فرمایئے۔ حق تعالے نے فرمایا کہ بنی آدم کی توبہ قبول ہوگی جب تک کہ اسکے بدن میں جان ہے یعنی تمام عمر میں جب کبھی کرے گا قبول ہو جائے گی۔ عرض کیا کہ اے رب! اور زیادہ فرمایئے۔ حق تعالے نے کہا کہ یہ آیت یاد کرو کہ قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ یعنی آپ میرے ان بندوں سے جنھوں نے کہ اپنے نفسوں پر ظلم کر رکھا ہے فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا امید نہ ہو بیشک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخشدیگا۔

فقیہ ابو اللیثؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت وحشیؓ نے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب چچا حضرت حمزہؓ کے قاتل تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیخدمت میں لکھ کر بھیجا کہ میں اسلام لانا چاہتا ہوں لیکن مجھے اسلام سے قرآن کی ایک آیت روک رہی ہے جو آپ پر نازل ہوئی ہے اور وہ یہ ہے وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا یعنی عباد الرحمٰن وہ لوگ ہیں جنھوں نے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا اور نہ انھوں نے کسی نفس کو جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے ناحق قتل کیا ہے اور نہ زنا کیا ہے اور جس شخص نے ان امور کا ارتکاب کیا ہے وہ عذاب میں ڈالا جائے گا) — اور میں نے تو ان تینوں ہی چیزوں کو کیا ہے ؟ تو کیا میری بھی توبہ قبول ہوسکتی ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی — اِلَّا مَنْ تَابَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ یعنی مگر وہ شخص جو توبہ کرے اور عمل صالح کرے تو

وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ انکے سیّات کو حسنات سے بدل دیں گے۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وحشیؓ کے پاس یہ لکھ بھیجا۔ وحشیؓ نے اسکے جواب میں
لکھا کہ یا رسول اللہ اس میں شرط لگی ہوئی ہے عمل صالح کی اور مجھے یہ نہیں معلوم کہ
عمل صالح پر قادر بھی ہو سکوں گا یا نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل
فرمائی اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ یعنے
اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کئے جانے کو تو نہیں بخشے گا اور اسکے علاوہ گناہ کو
جس کے لئے چاہے گا بخش دے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحشی کو
لکھکر بھیجدیا۔ انھوں نے پھر لکھا کہ اس آیت میں بھی ایک شرط ہے کہ جس کیلئے
چاہے بخشے گا اور مجھے نہیں معلوم کہ میرے لئے بھی چاہے گا یا نہیں اس کے بعد
آیت نازل ہوئی قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ
اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ یعنی آپ فرما دیجئے کہ اے
میرے بندو جنھوں نے کہ اپنے نفسوں پر ظلم و زیادتی کر رکھا ہے اللہ کی رحمت سے
ناامید نہ ہو اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو بخشدینگے بیشک وہ غفور رحیم ہیں۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو بھی حضرت وحشیؓ کے پاس لکھ بھیجا اس میں انھوں نے
کوئی شرط نہیں پائی چنانچہ مدینہ حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔

فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن سفیانؒ سے روایت ہے
وہ کہتے ہیں کہ محمد بن عبد الرحمنؒ نے مجھے لکھا کہ مجھ سے میرے والد نے بیان کیا ہے کہ میں
صحابہؓ کی ایک جماعت میں مدینہ شریف میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے ان میں سے کہا کہ
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ جس شخص نے اپنے مرنے سے
ایک دن قبل توبہ کرلی تو اللہ تعالیٰ اسکی توبہ قبول فرما لیتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ تم نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہاں۔ اسپر
ایک دوسرے شخص نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے
جو شخص حالت غرغرہ سے پہلے پہلے توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اسکی توبہ قبول فرما لیتے ہیں۔

اور بڑے بے حیا اور دیوث مرد ہیں جو ایسے پیروں کے سامنے اپنی بیٹیوں اور بہوؤں کو آنے دیں۔ بعض جگہ تو ایسا سنا گیا ہے کہ مریدنیاں تنہا مکان میں جاتی ہیں اور وہاں مرید ہوتی ہیں۔ نعوذ باللہ۔ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون ہوگا، حضورؐ سے عورتیں پردہ کرتی تھیں ساری امت کی عورتیں آپ کی روحانی بیٹیاں اور حضورؐ خود معصوم کسی قسم کے وسوسہ کا بھی شائبہ نہیں لیکن باوجود اسکے پردہ کا حکم تھا اور ازواج مطہرات تمام امت کے مردوں عورتوں کی مائیں تھیں۔ چنانچہ ارشاد ہے وازواجہ امھاتھم اور کسی کو انکی نسبت توبہ توبہ وسوسہ تک شرکا نہ تھا لیکن باوجود اسکے ارشاد ہے وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ یعنی اپنے گھروں میں جمی رہو باہر نہ نکلو اور فرماتے ہیں ولا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض۔ یعنی نرم بات مت کرو جس کے قلب میں روگ ہے وہ طمع کرے گا۔

،، عورتوں کیلئے اغیار کے ساتھ بدخلقی (یعنی خشک مزاجی) صفت حمیدہ ہے

چنانچہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جیسے مردوں کے لئے خوش اخلاقی صفت حمیدہ ہے عورتوں میں بداخلاقی صفت حمیدہ ہے یعنی غیر مردوں سے نرمی سے اور میٹھی میٹھی باتیں نہ کریں اور نہ تند مزاجی سے بلکہ ایسے انداز سے بات کریں کہ اسکو مضمون مفہوم ہو جائے اور کسی قسم کی طمع اسکے قلب میں نہ آوے نہایت خشکی اور صفائی سے بات کریں البتہ اپنے خاوند اور دوسری عورتوں کے ساتھ خوش اخلاقی برتیں۔ اللہ اکبر! یہ خاندان نبوت کا انتظام ہے آج کون ہے وہ شخص کہ ان سے زیادہ اپنے کو مقبول کہے۔ بلکہ یہ وقت چونکہ فتنہ کا ہے اسلئے نہایت سخت انتظام کی ضرورت ہے۔

۱۷۸۔ مرد چاہے کیسا ہی بزرگ اور کتنا ہی بوڑھا ہو جاوے عورتوں کو اس سے پردہ واجب ہے

ایک بزرگ تھے وہ اس میں احتیاط نہ کرتے تھے اسلئے کہ بوڑھے بہت تھے غیر اولی الاربہ میں داخل ہو گئے تھے اسلئے انکو عورتوں سے زیادہ اجتناب نہ تھا ایک دوسرے بزرگ انکو نصیحت کی انھوں نے نہ مانا ان بے احتیاط بزرگ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا یہ مسئلہ پوچھا، فرمایا کہ اگر جنید ہو اور عورت رابعہ بصریہ ہو اور یہ دونوں ایک جگہ تنہا ہوں تو ثالث ان کا شیطان ہوگا ۔ اور آدمی خواہ کسی قدر بوڑھا ہو جاوے لیکن مادہ تو اسکے اندر باقی رہتا ہی ہے وہ فرشتہ تو ہے نہیں ہاں یہ اور بات ہے کہ کچھ نہ کر سکے لیکن نظر سے تو محفوظ نہیں رہ سکتا اور کیسے محفوظ رہ سکتا ہے مرد کے اندر تو عورت کیطرف میلان خلقۃً پیدا کیا گیا ہے کوئی اس فطری جوش کو کیسے روک سکتا ہے حکایت : گنج مراد آباد میں ایک بزرگ تھے مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ تقریبًا ایک سو دس برس کی انکی عمر ہوئی ہیں انکی خدمت میں حاضر ہوا جاڑے کا موسم تھا صبح اٹھکر خادم کو آواز دی ارے فلانے مجھ کو شبہ سا ہوگیا ہے جی چاہتا ہے کہ نہالوں طبیعت صاف ہو جائیگی ۔ چنانچہ خادم نے پانی رکھدیا اسی جاڑے میں غسل فرمایا ۔ بتلایئے اگر کچھ نہ تھا تو شبہ کیسا ؟ ایک مرتبہ کانپور میں ہمارے گھر بہت سی عورتیں آئیں انمیں اختلاف تھا کہ حضرت مولانا صاحب موصوف سے پردہ چاہیئے یا نہیں میں نے یہ اختلاف سنکر یہ حکایت انکو سنائی اور کہا کہ اب تم خود فیصلہ کرلو کہ پردہ ضروری ہے یا نہیں ؟ سب سنکر چپ ہو رہیں ۔ حضرت جب سو برس کی عمر میں یہ قصہ ہو سکتا ہے تو پچاس برس کی عمر میں کیا مشکل ہے ۔ اور بہت سے پیر جوان بھی ہوتے ہیں ۔

۱۷۹۔ آجکل بے قید پیروں کے بھی معتقد ہو جاتے ہیں

اور آجکل تو پیر بننا کچھ مشکل بھی نہیں ہے لمبے لمبے بال ہوں موٹے موٹے دانوں کی تسبیح ہو ننگا کرتا ہو بس پیر ہوگئے۔ پھر وہ خواہ عورتوں کو گھوریں یا لڑکوں کو تکیں اور حرام حلال میں کچھ امتیاز نہ کریں انکی پیری ایسی مضبوط ہے کہ وہ کہیں سے نہیں جاتی بلکہ جس قدر کوئی خلاف شرع ہوگا اسی قدر مقبول ہے اور جس قدر حدود شرعیہ کے اندر ہوگا اسی قدر پیری سے دور ہے۔ وہ تو نرا ملا ہے۔

۱۸۰۔ پردہ کے متعلق عورتوں اور مردوں کی بے احتیاطیاں اور زینت کے متعلق عورتوں کا بے محل برتاؤ

یہ تو مردوں کی حالت تھی اب عورتوں کی کیفیت سنیئے۔ بعض عورتیں ایسی بے حیا ہوتی ہیں کہ وہ خود مردوں کو دیکھتی ہیں یا پردہ وغیرہ اٹھا دیتی ہیں کہ دوسرا مرد انکو دیکھ لیتا ہے اور یہ احتیاط نہیں کرتیں۔ حدیث میں ہے لعن اللہ الناظر والمنظور الیہ (اللہ کی لعنت ہو بدنگاہی کرنیوالوں پر اور اپنے کو دکھلانے والوں پر) اسکے متعلق جو عورتوں سے کہا جاتا ہے تو کہتی ہیں اُنکو ایک دفعہ دیکھکر پھر کیا دیکھے گا ساری عمر ترسے گا جو بڑی پردہ نشین کہلاتی ہیں انکی یہ حالت ہے کہ خاوند کے سامنے تو بھنگن ہی بنی رہیں گی اور اگر کہیں جاویں گی تو تمام زینت ختم کر کے بیگم بنکر جاویں گی۔ سخت بے حیائی کی بات ہے خاوند جس کے سامنے زیب و زینت کا حکم ہے اس کے سامنے تو زیب و زینت نہ کیجاوے اور دوسروں کے دیکھنے کے لئے کیجاوے چاہیئے تو یہ کہ اسکا برعکس ہو۔ بعض عورتیں دولہا دلہن اور بارات کو دیکھتی ہیں انکے مرد بھی کچھ نہیں کہتے۔ اسی طرح دوسری بے احتیاطی بھی قابل نظر ہے وہ یہ کہ بعض مرد بڑے بے احتیاط ہوتے ہیں گھر میں پکار کر نہیں جاتے ذرا کھنکارا اور فوراً

گھس گئے اور اکثر عورتیں بھی ایسی بے احتیاط ہوتی ہیں کہ ڈولی سے اترنے سے پہلے تحقیق نہیں کراتیں کہ کوئی مرد تو اندر نہیں ہے۔ میں ایک مرتبہ بہت بیمار تھا بہت سی عورتیں ڈولی سے عیادت کیلئے آئیں اور بلا تحقیق اندر آگئیں میں نے انکو خوب برا بھلا کہا۔ اور جب عورتیں ایک جگہ جمع ہوتی ہیں اسوقت اور بیحیائی ہوتی ہے۔ چنانچہ بسا اوقات بے کہے اس گھر کے مرد دروازے میں آکر سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں اندر کسی نے منہ پھیر لیا کسی نے آنچل سے منہ ڈھک لیا کوئی کسی کے پیچھے ہوگئی اور طرفہ یہ کہ ہر ایک یہ جانتی ہے کہ مجھکو کسی نے نہیں دیکھا حالانکہ اس نے سب کو دیکھ لیا۔

۱۸۱۔ بدنگاہی میں عام ابتلاء اور اسکا علاج

خلاصہ یہ کہ آنکھوں کا گناہ سخت ہے اور اس میں بہت ابتلا ہو رہا ہے اسکا بہت انتظام کرنا چاہیئے اپنا بھی اور گھر والوں کا بھی اور اسکا علاج سہل یہ ہے کہ راستہ میں چلتے وقت نیچی نگاہ کرکے چلنا چاہیئے۔ ادھر ادھر نہ دیکھے انشاء اللہ محفوظ رہے گا۔ شیطان جب مردود ہوا اس نے کہا تھا لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ یعنی میں انکے گمراہ کرنے کے لئے تیرے سیدھے راستہ پر بیٹھوں گا پھر ان کے پاس آؤنگا انکے سامنے سے اور پیچھے سے اور داہنے سے اور بائیں سے۔ چار سمتیں تو اس نے تبلائیں اور دو سمتیں باقی رہیں اوپر اور نیچے۔ بزرگان دین نے اس میں ایک لطیفہ لکھا ہے کہ اوپر اور نیچے کا ذکر اسلئے نہیں کیا اکثر گناہ چار سمتوں سے ہوتے ہیں پس بچنے کی دو صورتیں رہیں یا اوپر دیکھکر چلو یا نیچے دیکھکر مگر اوپر دیکھنے میں تو آنکھ میں کچھ پڑ جانے اور گر جانے کا اندیشہ ہے اسلئے نجات کیلئے یہی شق متعین ہوئی کہ نیچے دیکھکر چلیں قال اللہ تعالیٰ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا اور اللہ

کے نیک بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی کے ساتھ چلتے ہیں)

۱۸۲۔ بدنگاہی پر کبھی دنیا میں بھی سزا مل جاتی ہے

حکایت: ایک بزرگ طواف کر رہے تھے اور کہتے جاتے تھے اللھم انی اعوذبک من غضبک (اے اللہ آپ کی پناہ چاہتا ہوں آپ کے غضب سے) کسی نے پوچھا کہ اسقدر کیوں ڈرتے ہو کیا بات ہے کہا میں نے ایک لڑکے کو بری نظر سے دیکھ لیا تھا غیب سے چپت لگی اور آنکھ پھوٹ گئی اسلئے ڈرتا ہوں کہ پھر عود نہ ہو جائے۔

حکایت: حضرت جنیدؒ چلے جا رہے تھے ایک حسین لڑکا نصرانی سامنے سے آ رہا تھا ایک مرید نے پوچھا کیا اللہ تعالیٰ ایسی صورت کو بھی دوزخ میں ڈالیں گے حضرت جنیدؒ نے فرمایا تو نے اسکو نظر استحسان سے دیکھا ہے عنقریب اس کا مزہ تجھکو معلوم ہوگا۔ چنانچہ نتیجہ اسکا یہ ہوا کہ قرآن بھول گیا۔ نعوذ باللہ۔

۱۸۳۔ بعض سچے بزرگوں کی حسن پسندی سے عوام کو دھوکا ہونا اور اہل اللہ و اہل ہویٰ کی حسن پسندی میں فرق

بعض سچے بزرگ حسن پسند ہوتے ہیں۔ بعض کو اس سے دھوکا ہو گیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ مرزا مظہر جان جاناں حسن پرست تھے تو ہم بھی ایسا کریں تو کیا مضائقہ ہے؟ سبحان اللہ کیا استدلال ہے۔ بات یہ ہے سہ

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر ۔۔۔ گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

(بزرگوں کے کاموں کو اپنے اوپر قیاس کرو دیکھو لکھنے میں شیر و شیر یکساں ہیں لیکن دونوں میں کیا فرق ہوا ایک آدمی کھاتا ہے ایک آدمی کو کھاتا)

میں انکی حسن پرستی کی حقیقت بتلاتا ہوں کہ وہ اس معنی کر حسن پرست نہ تھے جیسا کہ لوگ سمجھتے ہیں بلکہ انکو ہر حسین شے اچھی معلوم ہوتی تھی اور بری اور بیقاعدہ شے سے اسقدر نفرت تھی کہ انکو بدصورت اور بے ڈھنگی شے دیکھنے سے تکلیف

ہوتی تھی۔

حکایت: چنانچہ حضرت مرزا صاحبؒ کو جب کہیں جانا ہوتا تھا تو پالکی میں بیٹھکر جاتے تھے اور پالکی کا پٹ بند کردیا کرتے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ حضرت آپ پٹ کیوں بند کردیا کرتے ہیں؟ فرمایا کہ راستے میں بازار وغیرہ ملتے ہیں بعض بعض کا نیں بے قاعدہ بنی ہوئی ہوتی ہیں مجھکو دیکھکر سخت تکلیف ہوتی ہے۔

حکایت: تھانہ بھون کے قاضی صاحب مع اپنے ہمراہی کے مرزا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس ہمراہی کو ناک صاف کرنے کی ضرورت ہوئی تو مرزا صاحب کی نظر بچیکے سے اسکے پاجامے پر پڑگئی سب چھینٹیں پاجامے پر پڑیں تھیں مرزا صاحبؒ کے سر میں درد ہوگیا اور فرمایا کہ قاضی صاحب اس شخص کے ساتھ آپ کا گذر کیسے ہوتا ہوگا۔

حکایت: اکبر شاہ ثانی جو کہ بادشاہ وقت تھا ایک مرتبہ مرزا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا بادشاہ کو پیاس لگی کوئی خادم اسوقت موجود نہ تھا خود اٹھکر پانی پیا اور پانی پیکر کٹورہ ٹیڑھا صراحی پر رکھدیا۔ مرزا صاحب کے سر میں درد ہوگیا اور طبیعت پریشان ہوگئی لیکن ضبط فرمایا۔ چلتے وقت بادشاہ نے عرض کیا حضرت آپکے یہاں کوئی آدمی خدمت کے لئے نہیں ہے اگر ارشاد ہو تو کوئی آدمی بھیجدوں۔ ابتو مرزا صاحبؒ سے نہ رہا گیا جھنجھلا کر فرمایا کہ پہلے تو تم آدمی بنو کٹورہ ٹیڑھا رکھدیا میری طبیعت ابتک پریشان ہے۔

حکایت: ایک شخص نے مرزا صاحبؒ کی خدمت میں انگور بھیجے بہت نفیس اور منتظر داد کے ہوئے مگر مرزا صاحبؒ ساکت تھے۔ آخر اس نے خود پوچھا کہ حضرت انگور کیسے تھے؟ فرمایا کہ مُردوں کی بو آتی تھی۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ قبرستان میں انگور بوئے گئے تھے اور وہاں سے آئے تھے۔

مرزا صاحبؒ کے اندر حسن پرستی تھی تو وہ طبعی تھی طبیعت کی ساخت ہی ایسی واقع ہوئی تھی کہ ہر اچھی شے پسند فرماتے تھے۔ ان کے نفس میں بُرے خیال

کا شائبہ بھی نہ تھا اور دلیل اسکی یہ ہے کہ بچپن میں بھی بدصورت کی گود میں نہ جاتے تھے۔ بھلا اسوقت کیا احتمال ہو سکتا تھا۔

حکایت : خواجہ میر درد کی نسبت لوگوں نے آکر مرزا صاحب سے عرض کیا کہ خواجہ صاحب راگ سنتے ہیں۔ فرمایا کہ بھائی کہ وہ "کن رس" میں مبتلا ہیں میں "آنکھ رس" میں یعنی انکو کانوں کا مرض ہے مجھکو آنکھوں کا۔ آپ نے اسکو بھی مرض سے تعبیر فرمایا۔

حکایت : ایک بزرگ کی کیفیت یہ تھی کہ حسین لڑکے انکی خدمت کرتے تھے اور گاہ گاہ انکو پیار بھی کرتے تھے ایک روز انکے ایک مرید نے بھی ایک لڑکے کو پیار کر لیا پیر سمجھ گئے کہ اس نے میرا اتباع کیا ایک روز بازار میں گئے لوہار کی دوکان پر دیکھا کہ لوہا سرخ انگارہ سا ہو رہا ہے پیر صاحب نے فوراً جا کر اسکو پیار کر لیا اور اس مرید سے فرمایا کہ آئیے تشریف لائیے اسکو بھی پیار کیجئے پھر تو یہ گھبرائے اسوقت انھوں نے انکو ڈانٹا کہ خبردار ہم پر اپنے کو مت قیاس کرو

حکایت : ایک اور بزرگ کو دیکھا کہ ایک حسین لڑکے سے پاؤں دبوا رہے ہیں۔ ایک شخص کو وسوسہ ہوا کہ یہ کیسے شیخ ہیں کہ لڑکے سے پاؤں دبواتے ہیں فرمایا آگ کی انگیٹھی اٹھا لاؤ، دہکتی آگ میں پاؤں رکھدئیے اور فرمایا کہ ہمکو کچھ حس نہیں ہمارے نزدیک یہ آگ اور یہ لڑکا برابر ہے

۱۸۴ ۔ بیعت کے قابل وہ حضرات ہیں جنکا ظاہر اور باطن دونوں درست ہو

لیکن یاد رکھو ایسے بزرگوں سے جن کا ظاہر خلاف شرع نظر آوے بیعت ہونا جائز نہیں ہے محققین کی یہ شان نہیں ہے جو لوگ مسند ارشاد پر متمکن ہوتے ہیں اور العلماء ورثۃ الانبیاء کے خطاب سے مشرف ہیں بالکل متبع سنت ہوا کرتے ہیں

انکی ہر وضع سنت کے موافق ہوتی ہے اور تہمت اور بدگمانی کے موقع سے بچنا بھی سنت ہے چنانچہ حضورؐ کی شان اس باب میں یہ تھی کہ ایک مرتبہ حضورؐ مسجد میں معتکف تھے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا جو کہ ازواج مطہرات میں سے ہیں وہاں تشریف لائیں واپسی کے وقت حضورؐ ان کو پہونچانے کے لئے ان کے ساتھ دروازے تک کہ وہ مسجد کی طرف تھا تشریف لائے سامنے دیکھا کہ دو شخص آ رہے ہیں فرمایا کہ علی رسلکما یعنی اپنی جگہ ٹھیر جاؤ۔ یہاں پردہ ہے اور اسکے بعد فرمایا انہا صفیہ یعنی یہ عورت صفیہ تھی کچھ اجنبیہ نہ تھی فکبر علیہما ذلک یعنی یہ بات ان دونوں پر بہت بھاری ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ پر ایسا گمان ہو سکتا ہے فرمایا شیطان ابن آدم کے اندر بجائے خون کے دوڑتا ہے سبھے مجھے خیال ہوا کہ کہیں وہ تمھارے ایمان کو نہ تباہ کر دے۔ پس جو لوگ ارشاد کی شان لئے ہوئے ہوتے ہیں وہ ایہام سے بھی بچتے ہیں ایسے حضرات قابل بیعت ہیں۔ باقی جن کا ظاہر شریعت کے موافق نہ ہو ان میں بعض تو ایسے ہیں کہ مکار ہیں انکا باطن بھی موافق نہیں وہ مردود ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ باطن انکا بالکل شریعت کے موافق ہوتا ہے لیکن ظاہر ان کا ہماری سمجھ میں نہیں آتا ان پر اعتراض نکرے اور نہ انکا اتباع کرے۔ غرض مرشد ایسے کو بنائے جو ظاہراً اور باطناً پاک و صاف ہو۔

۱۰۵۔ بدنگاہی ہر پہلو سے حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور دل میں تصور کر کے مزے لینا اس سے بھی زیادہ شدید ہے

خلاصہ یہ کہ کسی کے پاس کوئی دلیل اور سہارا بدنگاہی کیمتعلق نہیں بدنگاہی ہر پہلو سے حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ آگے فرماتے ہیں ما تخفی الصدور یعنی جس شے کو سینے میں چھپاتے ہیں اللہ تعالیٰ اسکو بھی جانتے ہیں یہ پہلے سے بھی اشد ہے یعنی معصیت صرف نگاہ ہی تک نہیں بلکہ بھی ہوتی ہے

Regd. No L2/9/AD.111

Monthly **WASIYATUL IRFAN** **NOV. 1983**

23, Buxi Bazar Allahabad 3

مجموعۂ تالیفاتِ مصلح الامۃ

Rs. 24/-

Rs. 30/-

Rs. 40/

اسلامی ماہوار رسالہ

شمارہ ۱۲ دسمبر ۱۹۸۳ جلد ۶

مکتبہ وصیۃ العلوم بخشی بازار
الہ آباد

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ	مدیر: عبدالمجید عفی عنہ	دو روپئے

شمارہ ۱۲	صفر المظفر ۱۴۰۴ھ مطابق دسمبر ۱۹۸۳ء	جلد ۶

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبدالمجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبدالمجید صاحب پرنٹر مینیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱۷ ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے توفیق بخشی کہ ہم آج آپ کے سامنے "وصیۃ العرفان" کے جلد ششم کا آخری شمارہ پیش کر رہے ہیں یعنی اس شمارہ پر رسالہ اپنے چھ سال پورے کر رہا ہے ابتدا میں اسے کیسی کیسی "موج حوادث" کا سامنا کرنا پڑا لیکن جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے اُن سب کے ساتھ ہنستا کھیلتا ہوا الحمد للہ یہ اپنی منزل پر گامزن ہی رہا۔

چونکہ رسالہ کا موضوع شروع ہی سے یہ رہا ہے کہ مسلمانوں میں ان کے دینی و اخلاقی اور اصلاحی شعور کو بیدار کیا جائے اور اس سلسلہ میں خصوصی طور پر حضرت مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہ کے ارشادات و تعلیمات کو پیش کیا جائے، معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بھی ہمارے مصلح الامۃ کی دینی خدمات اور آپ کی اصلاحی گفتگو پسند ہوئی اسلئے یہ رسالہ بھی خدا تعالیٰ کے یہاں مقبول ہوا اور اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کے قلوب میں بھی اسے محبوب بنا دیا جیسا کہ وقتاً فوقتاً احباب کے آنے والے خطوط سے اسکا اندازہ ہوتا رہتا ہے۔ اور اس سے کہ جہاں روانگی کی تاریخ سے کچھ تاخیر ہوئی اور احباب کی بے چینی میں اضافہ ہوا، فوراً خطوط آنے شروع ہو جاتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ امسال ہم رسالہ کو اپنی معینہ تاریخ پر اکثر نہ روانہ کر سکے اسکی متعدد وجوہ تھیں جنکے ازالہ کے لئے ہم نے بہت کچھ سر مارا لیکن آخر میں انکے آگے سپر ڈالنی پڑی تاہم ایسا بھی کبھی نہیں ہوا کہ دو ماہ کا رسالہ یکجا شایع کرنا پڑا ہو، ہم اسی کو غنیمت سمجھتے ہیں کیونکہ موانع اور حالات اس درجہ صبر آزما سامنے آئے کہ جس نے عرفت ربی بفسخ العزائم کو عین الیقین بنا کر سامنے رکھدیا۔

اپنے بعض احباب سے ادارہ کو جو شکایت رہی جسکا رونا سال تمام پر ہم اکثر روتے بھی رہے وہ ہنوز باقی ہی ہے گو کم ہے، تاہم ختم نہیں ہو سکی ــــــ وہ یہ ہے کہ

جی چاہتا ہے کہ تمام احباب زر تعاون پیشگی ارسال کر دیا کریں تو پیشگی کو کون کہے ختم سال تک بھی سب کا چندہ نہیں وصول ہو پاتا، جسکی وجہ سے آخر کے چند مہینے رسالہ پر نہایت ہی سخت گذرتے ہیں بس اللہ تعالیٰ ہی کی مدد شامل حال ہوتی ہے جو رسالہ طبع ہو کر ناظرین کرام کے ہاتھوں تک پہونچ جاتا ہے ورنہ تو اجرار رسالہ ایک دشوار گذار مرحلہ بن جاتا ہے۔

منجملہ ان دشواریوں کے جو رسالہ کے لئے سد راہ بن جاتی ہیں ایک وقت کی روز افزوں گرانی بھی ہے۔ ڈاکخانہ کی فیس کا اضافہ۔ طباعت کی شرح کا اضافہ کتابت کی اجرت کا اضافہ اسکے علاوہ دیگر اخراجات میں مزدوری کا اضافہ ان سب امور نے بھی مجبور کر دیا ہے کہ اب آئندہ سال سے رسالہ کے زر تعاون میں بھی تین روپیہ کا اضافہ کر دیا جائے چنانچہ ادارہ نے تجویز کر دیا ہے کہ

سال آئندہ یعنی ۱۹۸۳ء کا چندہ احباب سے پچیس روپیہ لیا جائے گا لہٰذا ناظرین کرام سے گذارش ہے کہ اب وہ جنوری ۱۹۸۳ء تا دسمبر ۱۹۸۳ء کیلئے مبلغ =/25 روپیہ رسالہ ہذا کا سالانہ چندہ پیشگی عطا فرما دیں۔ اور ششماہی کے لئے مبلغ =/13 روپیہ ارسال فرما دیں۔ اور اب سے رسالہ کے ایک شمارہ کی قیمت مبلغ دو روپیہ بیس پیسے ہوا کرے گی۔

ناظرین کی جانب سے ہمیشہ اضافہ کا جواب یہی ملا کہ ع نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز اسلئے امید تو یہی ہے کہ احباب اس بار بھی "اس بار" کو بخوشی قبول فرمالیں گے اور پیشگی عطیہ سے نیز کم از کم ایک خریدار کے اضافہ سے ادارہ کا تعاون ضرور فرمائینگے آپ حضرات کا ذرا سا سہارا رسالہ کے لئے بڑا سہارا بن جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ آپ سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے اور حضرت مرشدی نور اللہ مرقدہ کے فیض سے مسلمانوں کو تا دیر مستفید کرتے رہنے کا ہمیں موقع نصیب فرمائے۔

حضرت مولانا قاری محمد مبین صاحب مدظلہ الحمدللہ بخیریت ہیں اور الہ آباد میں موجود ہیں۔ الحمدللہ کہ مدرسہ عربیہ وصیۃ العلوم الہ آباد اپنے فرائض منصبی کو بحسن

خوبی انجام دے رہا ہے۔ حضرت قاری صاحب مدظلہٗ کی مجلس بھی روزانہ ہو رہی ہے اور رسالہ کی خدمات عالیہ اسکے مضامین مفیدہ تو آپ کے سامنے ہی ہیں اس طور پر حضرت مصلح الامۃؒ کی ہر سہ امانت (مدرسہ۔ مجلس اور رسالہ) بحمد اللہ حضرت قاری محمد مبین صاحب مدظلہٗ کی زیر سرپرستی و زیر نگرانی اپنے قدیم طرز ہی پر قائم ہیں۔ چنانچہ امسال بھی یہاں کے چند طلبہ نے یہاں کی تعلیم ختم کر کے بعض نے مظاہر علوم سہارنپور میں اور بعض نے دار العلوم دیوبند میں دورہ میں شرکت کی اللہ تعالےٰ انکی تکمیل فرمائے اور انکو حسن عمل، حسن خلق اور کمال اخلاص کی دولت نصیب فرمائے۔

(حضرت مصلح الامۃ کی تصنیفات)

حضرت مصلح الامۃؒ کی تصنیفات جو الگ الگ چھوٹی بڑی سائزوں میں اب تک شایع ہوتی رہی ہیں ادارہ نے ان سب کو یکجا کر کے پانچ جلدوں میں کر دیا ہے جس کی چار جلدیں تالیفات مصلح الامۃؒ کے نام سے طبع بھی ہو چکی ہیں۔ پانچویں جلد ابھی طبع نہیں ہوئی اللہ تعالیٰ جلد اس کو بھی طبع کرا دے۔ بقیہ چار جلدوں میں آئی ہوئی کتابوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

تالیفات (جلد اول) قیمت ۱۸ روپیہ: اصلاحی مضمون۔ فوائد صحبۃ۔ تلاش مرشد۔ عاقبۃ الانکار۔ اعتقاد و انکار علم کی ضرورت۔ تحذیر العلماء کامل۔ توقیر العلماء۔ الامر الفارق۔ تواضع بالعبر اداۓ حقوق۔ ارتفاع الضیق۔ مضمون نیمہ۔ نعم الامیر النعم علیٰ خیر الامم۔ طریقۂ اصلاح۔ طریقۂ کار۔ تمسک بالسنۃ۔ مژدۂ جانفزا افاضات بمبئی کامل۔

تالیفات (جلد دوم) (نایاب): مفتاح الرحمۃ۔ راہ صفا۔ خوف آخرت۔ ایقاظ الانکار۔ اعتراف ذنوب الاصول النادرہ۔ ایجادات کی حقیقت۔ حج رب البیت۔ مضمون طہارت مضمون اخوت۔ تعلیم و تربیت اولاد۔ سعادت حقیقیہ۔ جنت۔ اتباع سنت

تالیفات (جلد سوم) قیمت ۲۴ روپیہ: مضمون ذکر۔ وصیۃ الذکر۔ ذکر اللہ تعالیٰ۔ التذکیر بالقرآن۔ تلاوت قرآن وصیۃ التلاوۃ۔ ذکر اللہ عز و جل۔ مضمون تہجد۔ مسنون دعائیں۔ وصیۃ السالکین

تالیفات (جلد چہارم) قیمت ۳۰ روپیہ: وصیۃ الاخلاص۔ تصوف اور نسبت صوفیہ کامل۔ وصیۃ السنۃ۔ بشریت کی راہ سے ترقی۔

تالیفات (جلد پنجم) (زیر طبع): وصیۃ الاحسان کامل (ہر دو حصے)۔ وصیۃ الاخلاق کامل (ہر دو حصے)۔ ضمیمہ تلاوت قرآن۔ ضمیمہ اخوت — (زیر طبع ہے)

حصہ دوم تو اب ختم ہو چکی ہے۔ دفتر میں موجود نہیں ہے۔ حصہ اول کے بھی اب صرف چند نسخے باقی رہ گئے ہیں۔ حصہ سوم اور چہارم ابھی موجود ہے۔ ضرورت مند احباب جلد توجہ فرمائیں۔ (ادارہ)

۱۱۹ - فکرِ آخرت کا ذریعہ

فرمایا کہ ـــــ میں کئی روز سے یہ خیال کر رہا تھا کہ فکرِ آخرت کے متعلق ایک مضمون تحریر کیا جائے مگر آجکل ان امور کے متعلق کچھ لکھنا آسان اور سہل نہیں ہے اسلئے کہ ایک تو اپنا علم ہی کم ہے اور آخرت کے متعلق وہ شخص کچھ کہے جس کو آخرت کا پورا علم ہو۔ دوسرے یہ کہ اس قسم کے مضمون بیان کرنے سے اپنی کچھ طبیعت بھی رکتی تھی کیونکہ ایسے مضامین کو لوگ خشک سمجھتے ہیں چنانچہ اور دوسرے مضامین کو تو لوگ سنتے بھی ہیں مگر آخرت سے متعلق مضامین سے طبیعت اتنی ہوگئی ہے کہ اس سے کچھ مناسبت ہی باقی نہیں رہ گئی اسلئے کان بھی نہیں دھرتے اور توجہ بھی نہیں کرتے۔ ایسی حالت میں بیان بھی کرنے کو دل نہیں چاہتا اور اس پر قدرت ہی نہیں ہوتی بلکہ ان حالات میں ہوتا یہ ہے کہ آیا ہوا مضمون بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ دل اس سے خالی ہے پھر جبکہ علم بھی ناتمام ہو تو اور بھی رکاوٹ ہو جاتی ہے۔

اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ ایک مضمون قلب و ذہن میں ہوتا ہے مگر سامعین کی اسی عدم توجہی کی وجہ سے میں اسکو بیان نہیں کر سکتا۔ سامعین تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بیان ہی نہیں کر سکتے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ عدم قدرت آپ ہی کی وجہ سے ہے

عام حالت اہل زمانہ کی تو یہی ہے جو میں نے بیان کی مگر دنیا اللہ کے بندوں سے خالی بھی نہیں ہے ہمارے پاس جو لوگ آمد و رفت رکھتے ہیں اور جو لوگ یہاں آتے جاتے ہیں ان حضرات سے بھی بعض دفعہ مجھے کچھ فیض بھی پہونچ جاتا ہے اور بہت سے مضامین اور علوم حاصل ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ آخرت کے متعلق مضمون لکھنے کا خیال تو تھا ہی اور اس پر کچھ تفصیل سے کلام کرنے کا ارادہ تو پہلے سے تھا کہ اسی اثناء میں ایک طالب کا خط آگیا اور انھوں نے گویا مجھے مضمون دیدیا اس لئے اسی سے اس مضمون آخرت کو

شروع کرتا ہوں وہ صاحب لکھتے ہیں کہ :-

"غفلت دور کرنے کی کوشش کر رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی یاد کو اپنا کام بنانے کی فکو ہے اور کار بیگانہ سے بے فکری پیدا کرنے کی فکر کر رہا ہوں اور زمانہ کی مختلف ہواؤں میں بہہ جانے سے آنکھ کھل رہی ہے "

یکھئے اس شخص نے یہ جو لکھا کہ - قلب سے غفلت دور ہونیکی فکر کرنا - اللہ تعالیٰ ی یاد کو اپنا مشغلہ اور کام ہی بنا لینا - کار بیگانہ سے بے فکری پیدا کرنا اور اپنے قصد اور شاہراہ کو ضروری سمجھنا ——— یہی سب وہ امور ہیں جو آدمی کو آخرت ی طرف بڑھاتے ہیں اور جس کے دل میں فکر آخرت آئی ہے وہ انھیں امور سے آئی ہے - اور یہی طریق کار بھی ہے یعنی پہلے آخرت کا قائل ہونا پھر اسکو اہم سمجھنا اور نیا سے مقدم جاننا اور اسکو ترجیح دینا، آخرت ہی کو اپنا ملجا و ماویٰ سمجھنا ایک سلمان الب آخرت پر فرض ہے اور اسکی اصلاح سے اسکی ساری دینی خرابی کی اصلاح د جاتی ہے ——— چنانچہ مجھ سے آج ہی ایک دوست نے کہا کہ مجھ سے گناہ نہیں ترک ہوتے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ خدا کا خوف دل میں نہیں ہے - دعا کرو کہ را کا خوف دل میں پیدا ہو جائے -

مجھے انکی یہ بات بھی بہت پسند آئی میں نے کہا کہ بالکل سچ ہے اگر خدا تعالیٰ ذرا سا بھی خوف پیدا ہو جائے تو تمام گناہ آدمی سے چھوٹ جائیں اور یہ خوف سلئے نہیں پیدا ہوتا کہ قلب میں حب دنیا گھر کئے ہوئے ہے اور اسکا پوری طرح ستیلا ہو گیا ہے -

میں اپنے ایک مضمون میں اس پر مفصل کلام کر چکا ہوں مناسبت مقام کیوجہ ے اسکو پھر دہراتا ہوں :-

"اسی حب دنیا کے استیلا ر نے انکو آخرت سے بالکل بیگانہ بنا دیا ہے اسکی اسکے قلوب میں گنجائش ہی باقی نہیں رہی، ان میں یہ ہمت ہی نہیں رکھی

کہ دنیا کے ساتھ آخرت کا بھی تعلق باقی رکھ سکیں اسقدر دنی الہمت اور پست حوصلہ ہوگئے ہیں۔ یہ علو ہمتی کی بات ہے کہ دنیا کے ساتھ آخرت کا تعلق بھی قائم و باقی رکھا جائے اور اسکے حقوق میں کسی قسم کی کمی نہونے دی جائے کہ عظیم کے سامنے حقیر کی حیثیت ہی کیا ہے اسکا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ دنیا کا گذر ہی ان کے دل میں نہوتا کہ آخرت کریم ہے اور دنیا لئیم۔ آخرت اس دل میں آنا نہیں چاہتی جس دل میں دنیا ہو کیونکہ یہ کریم ہے اور کریم لئیم کے یہاں نہیں جاتا۔ یہ بزرگوں کا ارشاد ہے۔

آخرت باقی اور دائم ہے اور دنیا فانی اور زائل۔ فانی اور باقی میں نسبت ہی کیا ہے؟ ان میں تو ایسی نسبت بھی نہیں جو کہ دریا میں سوئی ڈالنے سے اسمیں جو پانی کا قطرہ لگ جاتا ہے اسکو جو نسبت دریا کے ساتھ ہے دنیا کو آخرت کے ساتھ یہ نسبت بھی نہیں۔ کیونکہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی اور قطرہ و سمندر دونوں فانی ہیں اور فانی کو فانی کے ساتھ تو کچھ نسبت بھی ہوتی ہے اور یہاں ایک فانی ہے دوسرا باقی اسلئے یہاں تو وہ نسبت بھی نہیں۔ اور جب یہ نسبت نہیں تو یہ کہا جائے گا کہ یہاں موجود اور معدوم کی نسبت ہے یعنی ایک موجود ہے دوسری معدوم۔

اب کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اس نسبت کو نہ سمجھا جائے۔ ایک تو دنیا قلیل پھر اسکی عمر کے مقابلہ میں آدمی کی عمر اقل قلیل لہٰذا اسکے تمتعات بھی جو اس دنیا میں ہیں وہ بھی اقل قلیل ہیں تو اس تمتع پر نظر کر کے تمتعات آخرت کو نظر انداز کر دینا کس قدر ضعف ایمان ہے۔

فکر آخرت جو مومن کے دل میں ہوتی ہے اسکی مثال ایسی ہے جیسے عصائے موسیٰ علیہ السلام کہ اس نے ساحرین کے سب عصا کو یکدم نگل لیا تھا اور اسکے آگے سب ختم ہو گئے تھے۔ اسی طرح مومن کے قلب میں جب فکر آخرت پیدا ہو جاتی ہے تو دنیا کے ہموم و غموم اسکے قلب کے آس پاس بھی نہیں آنے پاتے اور اسکی یہ حالت ہوتی ہے کہ ؎

آسکے غیر مرسے خانۂ دل میں کیسے	کہ خیال رخ دلدار ہے درباں اپنا

یہ لازم ایمان سے ہے اب خیال فرمائیے کہ ایسا شخص کیسے دنیا میں منہمک ہو سکتا ہے اور کیسے اسکے شہوات ولذات کو ترجیح دے سکتا ہے؟ اب جو ترجیح ہو رہی ہے تو اسکی وجہ یہی ہے کہ فکر آخرت دل میں نہیں ہے اور نہ اسکو پیدا کرنا چاہتے ہیں اسی وجہ سے کسی کام کے نہیں رہ گئے۔ خدا کی نظر اعتبار سے ساقط ہو گئے۔ اب دنیا بھی چاہتے ہیں تو وہ بھی نہیں ملتی کیونکہ انھوں نے اپنے خدا کو ناراض کر لیا ہے جس کے قبضہ میں دنیا و آخرت دونوں ہے اور مؤمن جب آخرت کو چھوڑتا ہے تو اسکی دنیا بھی چلی جاتی ہے اور خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہو جاتا ہے بس اسی پر کلام کو ختم کرتا ہوں کہ آخرت باقی ہے فانی سے اسکا کیا ذکر ہو سکے" انتہیٰ

اسکے بعد فکر آخرت کے مضمون کو ایک نئے عنوان سے بیان کرتا ہوں وہ یہ فکر کسی شے کی جب پیدا ہوتی ہے کہ کوئی اسکا محرک موجود ہو جس طرح سے کہ جب سب لوگ مر کر ختم ہو جائیں گے تو ان میں دوبارہ زندگی پیدا ہونے کا سبب نفخ صور ہوگا۔ وہ صور پھونکیں گے اور سب مردہ زندہ ہو اٹھیں گے، اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے مردہ قلوب کو زندہ کرنے کے لئے بھی کچھ ہستیاں مقرر فرمائی ہیں جنھیں اولیاء اللہ کہا جاتا ہے انکی توجہ سے بھی قلوب میں زندگی پیدا ہو جاتی ہے لہٰذا اس مشابہت کی وجہ سے یوں سمجھو کہ وہ بھی اسرافیل ہی ہیں جیسا کہ حضرت عارف رومی فرماتے ہیں کہ ؎

ہیں کہ اسرافیل وقتند اولیاء	مردہ را زیشاں حیات است ونما

اسکا مطلب تو یہ ہے کہ یہ حضرات اولیاء کرام اپنے وقت کے اسرافیل ہیں۔ مردوں کو ان لوگوں سے حیات حاصل ہے۔ مردہ سے مراد یہاں وہ ہیں جو قلب کے مردے ہیں کیونکہ مشبہ بہ اسرافیلؑ ہیں ان سے تو اجسام کو حیات ہوگی اور اولیاء کو جو تشبیہ دی ہے تو ظاہر ہے کہ اس سے مراد یہ تو نہیں ہے کہ اولیاء بھی مانند اسرافیلؑ کے اجسام کو زندہ کرتے ہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو مشبہ اور مشبہ بہ میں فرق ہی کیا رہ جاتا اسلئے یہی کہا جائے گا کہ اولیاء اللہ جو زندگی عطا فرماتے ہیں وہ جسمانی نہیں ہوتی

بلکہ قلبی و روحانی ہوا کرتی ہے باقی چونکہ نفس حیات بخشنے میں اسرافیل کے ساتھ مشارک ہیں اس لئے تشبیہ کے طور پر فرمایا کہ اولیاء اللہ بھی اپنے وقت کے اسرافیل ہیں۔ اسرافیل کے بارے میں تو معلوم ہے کہ ان کے نفخ صور فرمانے سے فوراً تمام انسانوں کو حیات جسمانی ہو جائے گی تو اب اولیاء سے بھی حیات جسمانی ہی ہونے لگے تو دونوں کا ایک ہی کام ہو جائے گا اور ایسا نہیں ہے نہ کوئی اس کا قائل ہے کہ اولیاء کا منصب مردہ جسموں کو زندہ کرنا ہے اسلئے لامحالہ ان سے جو حیات ملتی ہے وہ قلب کی حیات ہے اور روحانی زندگی ہے۔

میرا مقصد تو اس وقت ذکر آخرت سے متعلق کچھ بیان کرنا ہے لیکن جب اسرافیل کا اور انکے نفخ صور کا ذکر درمیان میں آگیا ہے تو جملہ معترضہ کے طور پر کچھ اس کے متعلق بھی سن لیجئے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اسرافیلؑ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبرئیل بیت المقدس کی ایک پہاڑی پر سے ندا کریں گے کہ

ایتھا الاجسام البالیہ والعظام النخرۃ والاجزاء المتفرقۃ عودی کما کنت — اے پرانے جسمو اور بوسیدہ ہڈیو اور متفرق جزؤو تم جس طرح سے تھے ویسے ہی ہو جاؤ۔

اور ابو داؤد کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ قیامت کے دن اپنے اور اپنے آباء کے ناموں سے پکارے جاؤ گے لہٰذا اپنے نام اچھے رکھو۔

اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ کہا جاویگا کہ قوموا لفصل القضاء یعنی فیصلہ کے لئے چلو۔

نیز ایک حدیث میں ہے کہ اسرافیل منہ میں صور لگائے ہوئے ہیں حکم کے منتظر ہیں کہ کب حکم ہو اور صور پھونکدیں۔ اور یہ بھی سن لیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں کیسے خوش عیشی کر سکتا ہوں جبکہ اسرافیل صور کو منہ میں لگائے ہوئے

ہیں اور حکم کے منتظر ہیں۔ حضرت اسرافیلؑ کی اس ندا اور دعا کی اجابت سب لوگ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یَوْمَ یَدْعُوکُمْ فَتَسْتَجِیبُونَ بِحَمْدِہٖ ﴿
(جس دن کہ اللہ تعالیٰ تم سب کو پکاریں گے پس تم لوگ اسکی اجابت اسکی حمد کے ساتھ کروگے)

ابن جبیرؓ کہتے ہیں کہ لوگ اپنی اپنی قبروں سے یہ کہتے ہوئے نکلیں گے کہ سبحانک اللّٰھم وبحمدک صاحب روح المعانیؒ لکھتے ہیں کہ کافر بھی اگر قیامت میں یہ کہیں تو کچھ بعید نہیں مگر یہ ان کے لئے نافع نہ ہوگا۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت اسرافیل کے نفخ صور سے مردے اس طرح قبر سے نکلیں گے جس طرح کہ خدا تعالیٰ کے کن فرما دینے سے حیات ہو جاتی ہے اسیطرح نفخ صور سے بھی زندہ ہو جائیں گے کیونکہ نفخ حکم میں کن کے ہے اور بہ ارادۂ خداوندی ہے۔ اب اسوقت کی کیفیت اور حکایت اور ہول کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ بس یہ سمجھئے کہ جو اجسام زندہ ہونگے وہ سب کے سب مردہ ہو جائیں گے اور جوارواح ہیں بیہوش ہو جائیں گی۔

نفخ صور کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ یہ دن میں ہوگا سب لوگ اپنے اپنے کاموں میں لگے ہونگے کوئی اونٹ کو پانی پلا رہا ہوگا کوئی کچھ کر رہا ہوگا کوئی کچھ کر رہا ہوگا' اور پہلے اسکی آواز آہستہ آہستہ ہوگی مگر بڑھتی جائیگی بڑھتی جائیگی یہاں تک کہ پہاڑ کالعھن المنفوش ہو جائیگا (مانند دھنکی ہوئی روئی کے) اور صرف پہاڑ ہی نہیں بلکہ آسمان و زمین سب ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور حضرت اسرافیلؑ صور بجاتے ہی چلے جائیں گے اور اسکی آواز بڑھاتے ہی چلے جائیں گے۔ اب جو یہ سب میں سنا رہا ہوں تو کیا اس سے قلب پر کچھ اثر نہیں ہو رہا ہے — بالآخر سب اجسام ختم اور روحیں بیہوش ہو جائنگی اور یہ نفخ صور دو مرتبہ ہوگا ایک سے تو سب لوگ مر جائیں گے اور دوسرے سے اٹھ جائیں اور اسی وقت کہا جائیگا قوموا لفصل القضاء۔ چلو حساب کے لئے۔

یہ نفخ صور کا بیان تو ضمناً اور بطور جملہ معترضہ کے آگیا تھا ورنہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ مولانا رومؒ نے اولیاء کو اسرافیلؑ سے جو تشبیہ دی ہے تو وہ صرف حیات میں

یعنی جس طرح ان سے حیات ہوتی ہے اسی طرح سے ان حضرات سے بھی حیات حاصل ہوتی ہے۔ اب یہ الگ بات ہے کہ حیات حیات میں فرق ہے کہ اُن سے تو اجسام کو حیات ملتی ہے اور ان حضرات سے مردہ قلوب زندہ ہوتے ہیں۔ اور میں ایک بات اور کہتا ہوں اسکو غور سے سنیئے وہ کہ جس طرح سے حضرت اسرافیلؑ کا نفخ صور سبب ہے حیات جسمانی کا اسی طرح سے اسکو قلوب کی حیات میں بھی دخل ہے یعنی جسمانی حیات تو نفخ صور سے قیامت میں ہوگی مگر اسکا ذکر اور تذکرہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قرآن و حدیث میں فرمایا ہے اور ایسے انداز سے اسکی کیفیت کا ذکر فرمایا ہے جس سے قلوب ہل جائیں تو کیا اس سے قلب کی غفلت دور ہو کر اسس میں حیات نہ پیدا ہوگی؟ ضرور پیدا ہوگی۔

ان مضامین کے سننے سے قلب میں رقت پیدا ہوتی ہے اسلئے ان مضامین کو احادیث میں جہاں بیان فرمایا گیا ہے اسکا نام ہی کتاب الرقاق ہے۔ اور اگر آپ کہیں کہ ان سے یہ فائدہ نہیں حاصل ہوگا تو میں کہوں گا کہ کیا ان کا تذکرہ قرآن و حدیث میں بلا وجہ اور بے محل ہے، اسکی کوئی غایت نہیں ہے؟ کیا یہ سب اسلئے نہیں ہے کہ لوگ اسکو سنیں اور انکو حیاتِ قلب حاصل ہو؟ بہر حال اسکے تذکرہ سے اسوقت اگر اجسام نہ زندہ ہوں تو قلوب تو زندہ ہو ہی جائیں گے۔

میں کہتا ہوں کہ کیا کوئی مسلمان اسکی ہمت کر سکتا ہے کہ انکو سننے کے بعد بھی ویسا ہی رہے جیسا کہ ان کے سننے سے پہلے تھا؟ ہے کوئی بہادر کہ جس پر اسکا کوئی اثر نہ ہو۔ مومن کی تو یہ ہمت نہیں کہ سنکر متاثر نہ ہو۔ ہاں البتہ کافر لوگ ایسے تھے کہ سنکر اثر نہیں لیتے تھے اور اسکی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ حشر اجساد کے قائل ہی نہ تھے، ورنہ تو قیامت کا مسئلہ تمام انبیاءؑ کا اجماعی مسئلہ ہے کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔

ہمارا تو یہ خیال ہے کہ اس کے تذکرہ سے قلب سے غفلت ضرور دور ہو جاتی ہے اور اس سے زیادہ غفلت کو دور کرنے والی کوئی چیز نہیں کہ آدمی کے سامنے

قیامت کا منظر پیش کر دیا جائے آج جو کچھ بھی غفلت ہے وہ اسی کا تو نتیجہ ہے کہ فکرِ آخرت ہم میں باقی نہیں رہی اور جب اس سے غفلت دور ہو جائیگی تو پھر قلب کی حیات ہی ہے۔ اور جب قلب ہی زندہ ہو گیا وہ فکرِ آخرت میں مستغرق ہو جائیگا اور پھر کوئی فکر اس فکر پر غالب نہیں آسکتی۔

حدیث شریف میں ہے کہ اہل لا الہ الا اللہ پر انکے قبور میں اور حشر میں وحشت نہ ہوگی اور گویا میں اہل لا الہ الا اللہ کو دیکھ رہا ہوں کہ اپنے سروں سے خاک جھاڑ رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ یعنی تعریف ہے اس ذات کے لئے جس نے ہم سے آج رنج و غم کو دور کر دیا دیکھئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخرت کا ذکر کیسے کیسے عنوان سے فرمایا ہے کہ اگر انسان میں ایمان ہو تو بس وہی اس میں فکرِ آخرت پیدا کرنے کے لئے کافی ہے حاصل یہ کہ فکرِ آخرت پیدا کرنے کا ذریعہ "ذکرِ آخرت" اور "ذکرِ موت" ہے اسکی صورت یہ ہے کہ حدیث شریف کی کتاب الرقاق کے مضامین کا مطالعہ کیا جائے اور انکو مستحضر رکھا جائے اسی سے انشاء اللہ تعالیٰ فکرِ آخرت اور خوفِ آخرت نیز شوقِ آخرت سب چیزیں پیدا ہو جائینگی۔ مثلاً حدیث شریف میں ہے کہ حضرت حنظلہ جو کہ کاتبِ وحی تھے وہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن مجھے حضرت ابو بکر صدیقؓ ملے (اور میں اپنے ایک حال میں متفکر چلا رہا تھا) انھوں نے پوچھا حنظلہ تمہارا کیا حال ہے (خیریت تو ہے کہاں جا رہے ہو) میں نے ان سے کہا کہ حضرت! حنظلہ تو منافق ہو گیا ہے۔ انھوں نے فرمایا اے سبحان اللہ! کیسی باتیں کر رہے ہو اے حنظلہ! میں نے کہا کہ بات یہ ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہوتے ہیں اور آپ ہم سے دوزخ کا یا جنت کا تذکرہ فرماتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں ہماری نظروں کے سامنے ہیں اور آپ کے پاس سے ہٹکر ہم اپنی بیویوں کے پاس جاتے ہیں ان سے ملتے جلتے ہیں بال بچوں سے اختلاط ہوتا ہے اپنی کھیتی باڑی [illegible] سے شغل ہوتا ہے تو ہم کو جنت دوزخ

یاد ہی نہیں رہتی یہ نفاق نہیں تو اور کیا ہے ، یہ سنکر حضرت صدیق نے فرمایا کہ بھائی خدا کی قسم یہی تو ہمارا بھی حال ہو جاتا ہے ۔ (چنانچہ وہ بھی میرے ہمراہ ہو لئے) اور ہم اور وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ! حنظلہ تو منافق ہوگیا۔ آپ نے فرمایا کیوں کیا بات ہے ؟ ہم نے آپؐ سے بھی وہی کہا کہ ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں اور آپ ہم سے جنت و دوزخ کا تذکرہ کرتے ہیں تو گویا وہ دونوں ہماری نظروں کے سامنے ہو جاتے ہیں لیکن پھر جب ہم آپ سے ہٹکر اپنے اہل و عیال سے ملتے ہیں یا تجارت و زراعت میں مشغول ہو جاتے ہیں تو بہت بہت دیر تک اسکو بھولے رہتے ہیں۔ ایسا استحضار جیساکہ حضورؐ کی صحبت میں ہوتا ہے نہیں رہ جاتا آپؐ نے یہ سنکر فرمایا کہ اے حنظلہ اگر تم کو اس حالت پر دوام نصیب ہو جائے جس حال پر تم ہمارے پاس ہوتے ہو اور ذکر و استحضار کا وہی درجہ برابر حاصل رہے تو تم سے تو فرشتے تمہارے بستروں پر آکر اور راستے میں مصافحہ کریں لیکن اے حنظلہ ! بات یہ ہے کہ کبھی ایسے اور کبھی ویسے ۔ اس جملہ کو آپؐ نے تین بار فرمایا۔

دیکھئے ! صحابہ کرام کو اس طرح اپنے قلب کی کیفیات کی فکر رہا کرتی تھی۔ اور ذکر جنت اور نار ان کے اندر خوف آخرت اور شوق آخرت پیدا کر دیتا تھا یہی طریقہ آج بھی ہے۔ ایمان کے ساتھ جنت اور دوزخ کا تذکرہ کیجئے ان شاء اللہ قلب فکر آخرت سے لبریز ہو جائیگا۔

اسی طرح سے اسکا ایک طریقہ ذکر ہاذم اللذات یعنی موت بھی ہے۔ اسلئے بزرگان دین نے ہر زمانہ میں اپنے منتسبین کو مراقبہ موت کی تلقین فرمائی ہے ہمارے حضرت خواجہ صاحبؒ نے اپنے ان اشعار میں دنیا کی حقیقت اور اس کی بے ثباتی کو بیان کر کے قلب سے غفلت دور کرنے اور فکر آخرت اور فکر مولیٰ قلب میں پیدا کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

(دیکھئے ص ۱۵ پر)

(مکتوب نمبر ۳۳۶)

حال: حضرت والا سے رخصت ہوکر بخریت تمام ۔ ۔ ۔ پہونچا۔ قیام الٰہ آباد میں حضرت والا کی صحبت میں بیٹھکر جو سیکھ کر آیا ہوں اسکا لب لباب تحریر کرتا ہوں ــــ وہ یہ کہ انسان خواہ کتنی بھی عبادت کرے جب تک اس کے اخلاق صحیح نہونگے کچھ بھی نہ ہوگا

تحقیق: بالکل صحیح ہے ۔ بہت جی خوش ہوا

حال: حضور والا کی صحبت حاصل ہونے کے قبل والے اور موجودہ اخلاق کا معائنہ کرتا ہوں تو زمین و آسمان کا فرق پاتا ہوں

تحقیق: یہی مقابلہ معیار ہے فرق کا

حال: دیکھو جگہوں کو چھوڑئیے اپنا گھر ہی اپنے لئے وبال تھا اور اب اسکے مقابلہ میں جنت معلوم ہوتا ہے ۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: وہی اہلیہ جس سے روزانہ جھگڑے رہتے تھے آج خوشی کا ذریعہ

(ص۱۴ کا بقیہ)

یہ عالم عیش و عشرت کا یہ حالت کیف و مستی کی ‌ ‌ بلند اپنا تخیل کر یہ سب باتیں ہیں پستی کی

جہاں در اصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی ‌ ‌ یہاں تنی سی حقیقت ہے فریب آب ہستی کی

کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہوجائے

کسی کو رات دن سرگرم فریاد و فغاں پایا ‌ ‌ کسی کو فکر گوناگوں میں ہر دم سرگراں پایا

کسی کو ہم سے نے آسودہ نہ زیر آسماں پایا ‌ ‌ بس اک مجذوب کو اس غمکدہ میں شادماں پایا

جو بچنا ہو غموں سے آپ کا دیوانہ ہوجائے

اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب میں فکر آخرت پیدا فرمادے۔ اللّٰھم اجعل فی قلبی ذکرک وفکرک واجعل ھمتی وھوای فیما تحب وترضاہ ۔

بنی ہوئی ہے ۔ بچے بھی خوش اور اعزہ بھی خوش ہیں ۔ تحقیق: الحمد للہ
حال: مگر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ابھی اخلاق میں بہت خامی ہے۔ انشاء اللہ وہ بھی جیسے ممکن ہوگا درست کیا جاوے گا ۔ تحقیق: ضرور کیجئے۔
حال: دعاء کا طالب ہوں کہ اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں ۔ تحقیق: دعاء کرتا ہوں ۔

(مکتوب نمبر ۳۴)

حال: حضرت والا مجلس کے ذریعہ جو حضرت والا سے فیوض و برکات مجھ جیسے ناکارہ اور بدعمل کو پہونچے ہیں اسکو میں تحریر میں نہیں لاسکتا نہ مجھ میں اتنی فہم ہے کہ اسکو ادا کرسکوں حضور والا بس آپکی کرم فرمائی نے سمجھ پیدا کردی ہے ۔ اب کچھ کچھ باتیں سمجھ میں آنے لگی ہیں ۔ تحقیق: الحمد للہ
حال: حضور والا کی برکت سے اور اللہ کے فضل سے بہت فتنے گھر کے دور ہوگئے ہیں اور دور ہوتے جارہے ہیں تحقیق: الحمد للہ۔
حال: اب حضور والا سے عرض ہے کہ خادم کے لئے دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ یار بنائیں اور اغیار نہ بنائیں ۔ تحقیق: آمین ۔
حال: پرسوں سے حضور والا کے یہ فرمانے سے بہت ہی ندامت ہے کہ یار کی کوئی صفت اپنے اندر نہیں پاتا ۔ حضور کا کرم ہوگا جب یہ سب باتیں سمجھ میں آنے لگیں گی ۔ تحقیق: پائیگا ان شاء اللہ تعالیٰ ۔
حال: میں نے اتنی عمر ریاکاری میں گزاری ۔ میں ان سب کاموں کو اپنے نزدیک کامیابی سمجھتا تھا مگر یہاں کی حاضری سے بالکل ریا ثابت ہوئے
تحقیق: الحمد للہ کہ حقیقت منکشف و ثابت ہوگئی
حال: میں اللہ پاک اور حضور والا سے بہت شرمندہ رہتا ہوں تحقیق: یہ شرمندگی بہت عمدہ چیز ہے
حال: اور دل سے کوشش کرتا ہوں کہ ابھی جو نماز یا تلاوت یا اور نیک کام ہوں وہ اللہ واسطے ہوں ۔ تحقیق: الحمد للہ

چنانچہ صوفی عبدالرب صاحب نے اناؤ سے حضرت اقدسؒ کو لکھا کہ

"معلوم ہوا ہے کہ حضرت اقدس کا اب الٰہ آباد میں ذاتی مکان بھی ہوگیا ہے اور حضرت اقدس اب اپنے ہی مکان میں تشریف فرما ہیں اس مژدۂ روح افزا سے ایسی مسرت ہوئی ہے کہ جیسے ابتک پابند و گرفتار تھا کہ یکبارگی میرے ہاتھ پیر کھل گئے"

حضرت اقدس نے انھیں لکھا کہ "چونکہ آپ کو مجھ سے محبت ہے اس لئے یہ خوشی ہے اور میری بھی یہی حالت ہے" ــــ اسی طرح سے ایک اور مولوی صاحب نے گورکھپور سے لکھا کہ مولوی سراج الحق صاحب الٰہ آباد سے تشریف لائے ان سے یہ

"معلوم ہوا ہے کہ آپ نے ایک مکان خرید لیا ہے جو کافی طویل و عریض اور آرام دہ ہے اور ایسا ہے کہ طالبین و ذاکرین و واردین و صادرین سب کے لئے گنجائش نکل سکتی ہے۔ اور سب سے زیادہ قلبی خوشی کی چیز یہ ہے کہ زمخشریؒ کو مجاورت کعبہ کے باعث جاراللہ کے معزز لقب سے ملقب کیا گیا اور حضرت کو ایک عالیشان مکان مسجد کے جوار میں رکھکر علم و معرفت اور شریعت و طریقت کے عظیم الشان اور عالمتاب قندیلوں کے روشن کرانے کا سامان بہم پہونچایا جا رہا ہے"

حضرت نے انھیں جواب دیا کہ "آپ نے صحیح سنا ہے۔ جی ہاں مکان وسیع ہے خدا کرے آپ کا ظن صحیح نکلے"۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ احباب کو حضرت اقدس کے مکان خرید لینے کی کس قدر مسرت ہوئی اور نہ صرف اہل الٰہ آباد ہی خوش ہوئے بلکہ جس نے جہاں بھی سنا اپنی خوشی کا اظہار کیا لیکن اغیار پر اسکا اثر یہ ہوا کہ خدا معلوم کیوں انکی پریشانیوں میں اضافہ ہوگیا شاید وجہ یہ ہو کہ ابتک تو وہ یہ سمجھتے رہے کہ ایک وہابی قسم کے پیر یہاں آگئے ہیں لوگ انکے یہاں بہت آتے جاتے ہیں انکی باتوں سے ایک اچھا خاصا پڑھا لکھا طبقہ متاثر بھی ہے لیکن خیر یہ یہاں کتنے دنوں رہیں گے اپنے وطن کے

لوگوں سے ناراض ہوکر آگئے ہیں چند دن کے بعد معاملہ رفع دفع ہو ہی جائے گا
اور یہ پھر واپس ہو جائیں گے کیونکہ اپنا مکان اور پھر ایسی عالیشان مسجد اور خانقاہ
چھوڑنے کے لئے تھوڑا ہی بنوائی گئی تھی۔ مگر جب حضرت والا نے اپنے سلئے
مستقل مکان خرید لیا تو اب وہ یہ سمجھے کہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید شاہ صاحب
یہیں رہ جائیں گے اور انکا یہاں قیام کرلینا ہمارے قصر بدعات کے لئے مہلک
ثابت ہو جائیگا" اسلئے پریشان تھے۔

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھی لوگوں کے اس مزاج سے خوب واقف
تھے اسلئے "حسن منزل" کی ابتدائی مجلسوں ہی میں حضرتؒ نے اپنے بیان میں
حضرت زکریا ملتانیؒ کی آمد اور وہاں کے مشائخ وقت کا ان کے ساتھ معاملہ
دودھ کے ہدیہ کا واقعہ اور اس پر پھول رکھکر واپس کرنے کا نفیس و لطیف جواب اور
اسکی وجہ سے ان حضرات کا مطمئن ہوجانا' یہ سب امور نہایت شدومد کے ساتھ
بیان فرماچکے تھے لیکن لوگوں کے مزاج مزاج میں فرق ہوتا ہے یہ کیا ضروری ہے
کہ جس جواب سے حضرت زکریا ملتانیؒ نے اپنے زمانے کے مشائخ کو مطمئن فرمادیا ہو
اسی سے اس زمانہ کے لوگ بھی مطمئن ہوجائیں۔ چنانچہ ہوا یہ کہ اب ذرا کھل کر مخالفت
کی جانے لگی کہ ابتک تو خال خال اور کوئی کوئی شخص کسی سے کہتا تھا کہ "وہابی ہیں
ان کے یہاں نہیں جانا چاہیئے اور کوئی اگر اور قابل ہوا تو اس نے یوں بہکایا کہ اپنے
وطن میں لڑائی کرا کے وہاں سے بھاگ کر یہاں آکر پناہ لی ہے ان سے ہوشیار رہنا
یہاں بھی یہ مسلمانوں کو لڑا دیں۔ (راقم نے یہ الفاظ خط کشیدہ بادل ناخواستہ تحریر کئے ہیں
اور اسلئے تحریر کئے تاکہ آپ کے سامنے مخالفین کا پلان ظاہر ہوسکے کہ کس طرح سے
یہ لوگ پیش بندی کرتے ہیں اور کس طرح سے اپنے کام کے لئے پہلے سے زمین ہموار
کر رکھتے ہیں۔ حضرت والا کی جانب سے ان امور کا تو بہ توبہ تصور بھی نہیں ہوسکتا تھا
جس نے حضرت سے ملاقات کرلی ہے اسکی سمجھ میں تو ان چیزوں کا کذب و بہتان ہونا
بالکل آگیا ہوگیا اور بعد کے پیش آنے والے واقعات نے تو یہ ثابت بھی کر دیا کہ حضرت

ں وطن سے بھاگ کر یہاں نہیں تشریف لائے بلکہ اسکو ترک کرکے وہاں سے ہجرت
الٰی تھی یہاں اس رو سے بھی اغیار کو اسوقت زک اٹھانی پڑی جب حضرت والا سے
ن کے لوگوں سے معافی مانگی اور اصرار کے ساتھ حضرت کو ایک مرتبہ تھپور تال زجا
ریف لے چلنے پر مجبور کردیا۔ حضرت اقدس پھر جیسی شان کے ساتھ وطن تشریف
ئے ہیں اسکے چشم دید گواہ آج بھی موجود ہیں (اسکا ذکر تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ
آئندہ کسی موقع پر کریں گے)

بہر حال اغیار کی جانب سے برابر اس امر کی کوشش جاری رہی کہ حضرت والا
یہاں جمنے نہ دیا جائے اور اگر یہ نہ ہوسکے تو کم از کم حضرت کو اس طرح سے بدنام
یا جائے کہ لوگ ہی یہاں نہ آویں لیکن اللہ کی شان کہ جو ترکیب مخالفین کیطرف
سے کی گئی وہ انکے حق میں الٹی ہی پڑی چنانچہ جس قدر غلط غلط باتیں حضرت والا
ے متعلق مشہور کی گئیں ان سے اس جماعت کا کذب ہی روز بروز کھلتا گیا۔
بیت کا پروپیگنڈہ اسلئے نہ چل سکا کہ لوگوں نے دیکھا کہ ان کی مجلسوں میں کتاب
نت اور اللہ و رسول کی باتیں تو ہوتی ہیں یا پھر بزرگان دین کے واقعات اور اخلاص
لاق کی تعلیمات ہوتی ہیں ان کے علاوہ وہ تو کچھ بیان ہی نہیں کرتے بلکہ یہ کہتے
ں کہ ع۔ احباب حاضر اند باعدا چہ حاجت است۔ یعنی ہمارے پاس بیان کیلئے
ن و حدیث اور بزرگوں کے واقعات کیا کم ہیں؟ پھر ہم اِنکا اُنکا تذکرہ اپنی مجلس
ں کیوں کریں؟ ۔ لہٰذا ہم انکی مجلس میں کیوں نہ جائیں اور اگر ہم وہاں نہ جائیں تو
ہی کسی مجلس کا پتہ ہی مل جائے جہاں سے ہمکو دین و اخلاق کی تعلیم ملے۔ ظاہر
ہے کہ اسکا جواب ان کے پاس کیا ہوتا اسلئے یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوسکی

اس زمانہ میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ عید کا موقع آیا اور یہاں شہر کی عیدگاہ
امامت مولانا محمد میاں صاحب فاروقی سے متعلق تھی وہ بوجہ اپنی علالت کے
پڑھانے کے قابل نہ تھے اسلئے انھوں نے حضرت والا کو لکھا کہ میری طبیعت
ہے عیدگاہ میں نماز عید پڑھانے کے لئے حضرت والا اپنے یہاں سے

سی صاحب کو متعین فرما دیں وہ جا کر عید گاہ میں عید کی نماز پڑھا دیں۔ حضرتؒ
نے اپنے یہاں سے کسی کو بھیجنا مناسب نہ سمجھا لیکن محلہ کی مسجد کے جو امام تھے
قاری غلام نبی صاحب وہ قاری محب الدین صاحب سے مدرسۂ سبحانیہ میں تجوید
پڑھ چکے تھے ان سے فرمایا کہ آپ عیدگاہ جا کر نماز پڑھا دیجئے گا۔ چنانچہ عید کے
دن قاری غلام نبی صاحب نے عید گاہ جا کر عید کی نماز پڑھا دی بس پھر کیا تھا
اس موقع کو اغیار نے غنیمت جانا اور چند دنوں کے بعد ایک پوسٹر منظرِ عام پر
لایا گیا کہ مولانا وصی اللہ صاحب کے ایک مرید نے عید گاہ میں امامت کر کے سارے
مسلمانوں کی نماز کو غارت کر دیا۔ ظاہر ہے کہ لوگوں کے مفتون ہو جانے کے لئے
اتنا مسالہ کافی تھا۔

اب اس سے بحث نہیں کہ اگر آج بھی حسب دستور سابق مولانا محمد میاں
صاحب فاروقی ہی نماز پڑھاتے تو مسلمانوں کی نماز عید کا کیا حشر ہوتا جبکہ وہ بھی
حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے بھی بلکہ ان کے بھی شیخ حضرت حکیم الامتؒ
مولانا تھانویؒ سے بھی بیعت تھے۔ لیکن آج کی نفسانی دنیا میں دریافت
اور عقل سے کون کام لیتا ہے؟ بات یہ ہے کہ مولانا فاروقی مدظلہٗ مقامی شخص تھے
اور عید گاہ کے مسلّم امام تھے اسلئے ان کے خلاف کچھ کہنا آسان نہ تھا اور مولوی
غلام نبی صاحب بیچارے کے یا خود حضرت مولاناؒ کے متعلق سمجھتے تھے کہ یہ پردیسی
لوگ ہیں یہاں انکو کچھ قوت حاصل نہیں ہے ان سے آسانی کے ساتھ بھڑا جا سکتا
ہے اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوا جا سکتا ہے۔ اب کیا اب تو حضرت والا
کا نام بر سر بازار لیا جانے لگا بلکہ مسلم محلوں کے ہر ہوٹل میں یہی تذکرہ ہونے لگا
اب اللہ تعالیٰ کے علم میں جو بھی مصلحت اس میں رہی ہو دیکھنے میں تو یہی آیا کہ
حضرت مولانا کی شہرت پورے شہر میں ہو گئی اور مجلس میں لوگ پہلے سے
زیادہ آنے لگے۔ مخالفین نے یہ سمجھ کر اب حضرت والا کا ذکر عام طور سے شہر میں
پھیل گیا ہے انکا تذکرہ اس طرح سے کر دیا جائے کہ لوگوں کو ان سے نفرت ہو کر

ن سے دوری اور بعد ہو جائے۔ چنانچہ حضرت والا کے اندر بظاہر کوئی نقص پاکر
ضرتؒ کے تعارف میں حضرت مولانا تھانویؒ کا ذکر کرنا شروع کر دیا اور آخر میں
لہ یہ بزرگ جو تشریف لائے ہیں انھیں کے خلیفہ ہیں جنھوں نے خود اپنے پیر
، مخالفت کی، پیر کا کیا مسلک تھا اور انھوں نے ان کے خلاف اپنا طریقہ
ار رکھا اور اس موضوع پر محلہ محلہ سیرت کے جلسے ہونے لگے یعنی اعلان تو
رتا تھا میلاد شریف کا اور بیان کیا جاتا تھا اس میں یہی مسئلہ۔

مکان کی خریداری پر امیر پیر کا لقب تو پہلے ہی ہل چکا تھا اب یہ بحث
لی شب کی تقریروں میں سامنے آنے لگی۔ ادھر حضرت اقدسؒ کی بھی اپنی
بح کی مجلس شباب پر تھی خوب لوگ آرہے تھے اور حضرت والا کی اصلاحی اور
عرفت حق کی باتیں، تصوف و سلوک کے رموز، بزرگان دین کے خوف و محبت
کے واقعات موضوع تقریر بنے ہوئے تھے جنھیں جو شخص بھی سنتا تھا محظوظ
و جاتا تھا۔ اب ان مضامین سے لطف اندوز اور سرشار ہونے والوں سے
گر کوئی کہتا کہ یہ وہابی ہیں تو وہ پلٹ کر فوراً جواب میں یہی کہتا کہ اگر یہی لوگ وہابی
و رہے ہیں تو جاؤ ہم بھی وہابی ہیں۔

حضرت والاؒ شہر کی فضا اور اغیار کی باتوں سے یکسر صرف نظر فرماتے
ہوئے صرف لوگوں کے مفید مطلب اصلاح اخلاق اور تحذیر نفاق سے متعلق
بیان فرماتے رہے۔ صرف اس سلسلہ میں ایک دن یہ فرمایا کہ جب مجھے آپ کے
شہر میں آکر ایک تحفہ ملا ہے وہ یہ کہ سنا ہے کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ بڑے
میر پیر ہیں۔ تو اس کے متعلق آپ سے یہ کہتا ہوں کہ پیروں کے متعلق یہ خیال
ور ان پر یہ اعتراض نیا نہیں ہے، بلکہ خواجہ عبید اللہ احرارؒ ایک بزرگ گذرے ہیں
ولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے پیر ہیں مولانا جامیؒ بھی پہلی مرتبہ جب انکی خدمت میں حاضر ہونے
اور انکا عالی شان محل اور وہاں پر پہرہ چوکی دیکھا تو وہاں سے یہ کہکر واپس ہوگئے
... مرد است آں کہ دنیا دوست دارد (جو شخص دنیا کو دوست رکھے

وہ بھلا کہیں اللہ والا ہوسکتا ہے؟ حضرت خواجہ صاحب پھاٹک کے اوپر سہ دری میں تشریف فرما تھے انھوں نے سن لیا۔ ادھر مولانا سفر سے تھکے ہوئے تھے پاس کی مسجد میں آرام کرنے کی خاطر جاکر لیٹ رہے، تھکے تو تھے ہی نیند آگئی خواب میں دیکھا کہ حشر قائم ہے اور میرا ہی نام پکارا جا رہا ہے ایک شخص مدعی حق میرا دامن پکڑے ہوئے اپنے حق کا مطالبہ کر رہا ہے اور میں ادائیگی سے عاجز ہوں کہ اتنے میں خواجہ عبید اللہ احرار کی سواری ادھر سے گذری ہمیں اس حال میں گرفتار دیکھکر اس شخص سے پوچھا کہ کیوں کیا بات ہے تم نے انھیں کیوں محبوس کر رکھا ہے اس نے کہا کہ حضرت میرا حق ان پر آتا ہے حضرت خواجہؒ نے جیب سے رقم نکالی اور اسکو دیکر فرمایا کہ یہ ہمارا آدمی ہے لو یہ اپنا حق اور اسکو چھوڑ دو۔ اتنے میں مولانا جامیؒ کی آنکھ کھل گئی گھبرا کر اُٹھ گئے اور اپنے خواب کی تعبیر خود ہی یہ دی کہ میرا حصہ خواجہ صاحب کے یہاں ہے مجھے وہیں چلنا چاہیئے۔ چنانچہ پھر واپس آئے اور اطلاع کرائی، حضرت خواجہ عبید اللہ احرار نے بلا لیا اور مولانا کو دیکھتے ہی فرمایا اجی خواب وخیال کا کیا اعتبار؟ اب تو مولانا جامیؒ کو اور عقیدت ہوگئی عرض کیا کہ حضرت بیعت فرما لیجئے۔ فرمایا کہ پہلے تم نے جو مصرعہ پڑھا تھا اسے پھر سناؤ۔ مولانا نے عرض کیا کہ حضرت وہ تو میری ناواقفیت تھی اور گستاخی ہوئی اسکی معافی چاہتا ہوں۔ فرمایا کہ نہیں میں کہتا ہوں کہ وہ مصرعہ پڑھو۔ بہرحال شیخ کے اصرار پر مولانا نے عرض کیا کہ میں نے یہ کہدیا تھا کہ ؎

نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد

فرمایا کہ بات تو تم نے ٹھیک کہی لیکن اس میں دوسرا مصرعہ یہ بھی لگا لو ؎

اگر دارد برائے دوست دارد

دیکھو اگر میرے پاس مال نہ ہوتا تو تم کو کیسے رہا کراتا۔

چنانچہ مولانا جامی کا تعلق جب خواجہ عبید اللہ احرارؒ سے ہوگیا اور اسکے بعد جب مولانا کو خواجہ صاحبؒ کی کامل معرفت ہوگئی تو وہی مولانا جامیؒ یہ بھی فرمانے لگے

چو فقر اندر قبائے شاہی آمد بہ تدبیر عبید اللہی آمد

(فقیری جب قبائے شاہی میں آئی تو خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے ہاتھوں آئی
یعنی یہ کہ شاہی اور فقیری ان دونوں میں کچھ منافات نہیں ہے ایک فقیر مزاج بھی
بادشاہ ہو سکتا ہے اور ایک بادشاہ فقیر ہو سکتا ہے لیکن اسکے لئے طریقہ اور
تدبیر کی ضرورت ہے چنانچہ فقیری نے شاہی قبا اسوقت زیب تن کی جبکہ خواجہ
عبید اللہ احرارؒ کی تدبیر اور انکا سا انتظام اسے میسر آیا مطلب یہ کہ انسان کے
اندر اگر حضرت خواجہ احرار جیسی بے نفسی اور للہیت، حمایتِ خلق اور غریب پروری
پیدا ہو جائے تو پھر وہ امیر کبیر بھی ہو تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ بس حضرت اقدسؒ نے
اس واقعہ کو بیان کر کے یہی سبق دیا کہ امیر اور دنیا دار مرادف نہیں ہے۔ پھر اگر
آدمی امیر ہو اور دیندار ہو تو اسکو تو حدیث میں بھی نعم المال الصالح للرجل الصالح
بھی فرمایا ہے۔ یعنی صالح مال ایک صالح انسان کیلئے کیا ہی اچھی چیز ہے۔

اور اسکے بعد حضرتؒ نے مال کے مسئلہ کو ایسا ایسا واضح فرمایا ہے کہ اسکی
صحیح حیثیت لوگوں کے ذہنوں میں آگئی ورنہ تو اس باب میں لوگ افراط و تفریط
ہی میں مبتلا تھے یعنی یا تو مال کو مطلقاً مذموم سمجھا جاتا تھا اور یا نہیں تو پھر مالدار کیا
آدمی اگر دنیا دار ہو جائے تو اسکو بھی برا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ حضرت والاؒ نے اپنی
مجالس میں اس مسئلہ کو بالکل صاف فرما دیا کہ مال نہ تو مطلقاً مذموم ہے اور نہ مطلقاً
محمود ہے بلکہ انسان کے اگر وہ جیب اور بکس ہی میں رہے تو خیر غنیمت ہے اور اگر دل میں
اتر جائے تو یہ مال برا ہے جیسے پانی کہ اگر وہ کسی کے نیچے رہے تو اسکے چلنے کا ذریعہ
ہے اور اگر کشتی کے اندر آجائے تو تباہی کا باعث بھی ہے۔ چنانچہ ان مضامین
کی قدر حضرات علماء نے فرمائی۔ باقی عوام کا تو ہر زمانہ میں یہ حال رہا ہے کہ وہ علم کی
باتوں کا مقابلہ لاٹھی ہی سے کرتے رہے۔

اسی طرح دوسرے معاملہ میں ایک دن بس یہ فرمایا کہ آپ کے اس شہر
میں آکر [illegible] یہ ملا کہ اپنے پیر کو گالی دیتے اپنے کانوں سے سنا۔ ورنہ

اتنا تو جانتا ہی تھا کہ اہل بدعت حضرت مولانا تھانوی ہی کو کیا تمام علماء دیوبند کو برا کہتے ہیں اور کافر بناتے ہیں لیکن اپنے کانوں سے اپنے پیر کو برا بھلا کہتے ہوئے یہیں الٰہ آباد ہی میں آکر سنا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور یہ فرمایا کہ سنا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت مولانا تھانویؒ نے اپنے شیخ کی مخالفت کی۔ حالانکہ مدرسہ میں جاکر دیکھو پڑھا رہے ہوں گے کہ ہدایہ اور شرح وقایہ میں ہے کہ خلافاً للشافعیؒ یا قال ابو حنیفہؒ کذا خلافاً لابی یوسف یا خلافاً لمحمدؒ تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ امام ابو یوسفؒ یا امام محمدؒ اپنے شیخ اور استاذ ابو حنیفہؒ کے مخالف تھے اور انکا یہ فرمانا مخالفت تھا؟ اگر یہی مطلب سمجھا اور سمجھایا گیا تو بقول قائل ؎

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملّا کار طفلاں تمام خواہد شد

(اگر ایسے ہی مدرسے اور ایسے ہی پڑھانے والے رہے تو بچوں کا کام تمام ہی سمجھو)
ظاہر ہے کہ کسی سے اختلاف کرنا اور چیز ہے اور کسی کا مخالف ہونا اور بات ہے بس اسی طرح سے یہ حضرات یعنی حضرت مولانا تھانویؒ یا حضرت مولانا گنگوہیؒ کو حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ سے بعض مسائل فقہیہ میں اختلاف ضرور ہوا لیکن اسکو مخالفت سے تعبیر کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور پھر یہ کہ یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ ان حضرات نے اپنے پیر کی مخالفت کی لیکن خود پیر کو یعنی حضرت حاجی صاحبؒ کو انکا کچھ بھی خیال نہیں تھا بلکہ جو لوگ اس سلسلہ میں ہیڈرم کشی کر رہے تھے انکی طرف سے ملال ہوتا تھا۔ چنانچہ غالباً کسی نے ہند میں مشہور کر دیا کہ حضرت حاجی صاحبؒ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سے سخت ناراض ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ حضرت گنگوہیؒ کے کانوں تک بھی یہ خبر پہونچی حضرت نے حاجی صاحب کو خط لکھکر استصواب فرمایا اس پر حضرت حاجی صاحبؒ کا جو جواب آیا اس نے اہل عناد کا قصر ہی ڈھا کر رکھدیا۔ تحریر فرمایا کہ :-

ایک ضروری اطلاع یہ ہے کہ فقیر آپ کی محبت کو ذریعہ نجات ہے

۹۷۔ مناسک حج اور قربانی، عشق حقیقی کے مظاہر

(یہ مضمون اب سے پچاس برس پہلے احقر کے زمانہ طالبعلمی کا لکھا ہوا ہے جو اسوقت اخبار کی فرمائش پر لکھا تھا اسوقت اتفاقاً سامنے آگیا اور فی الجملہ دلچسپ بھی ہے اسلئے اسکو کشکول کا جزو بنا یا گیا۔)

کائنات عالم کو اپنے پروردگار خدائے قدوس کے ساتھ بہت سے رشتے اور مختلف قسم کے تعلقات حاصل ہیں۔ مثلاً وہ خالق ہے اور ہم سب مخلوق وہ حاکم ہے اور ہم سب محکوم اسی طرح ایک رشتۂ عشق و محبت بھی حاصل ہے یعنی خدائے عز و جل محبوب ہے اور تمام عالم اسکا محب اور اگر موجوداتِ عالم پر ایک نظر ڈالی جائے تو اسکی ہر چیز میں اسکی شہادتیں ملتی ہیں۔ ہر انسان کے دل میں کم و بیش اس محبت کی چنگاری ضرور نظر آتی ہے۔ بت پرست اقوام اگر پتھروں اور بتوں کے سامنے ڈنڈوت کرتی ہیں تو دعویٰ انکا بھی یہی ہے لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی "یعنی ہم بتوں کی عبادت اسلئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں" ایک مجوسی اگر آگ کی پرستش کرتا ہے اور ایک آفتاب پرست اگر آفتاب کو ڈنڈوت کرتا ہے اور ایک ہندو اگر مندر کیطرف دوڑتا ہے اور ایک عیسائی اگر گرجا کی طرف چلتا ہے اور ایک یہودی اگر اپنے عبادت خانے کی طرف جاتا ہے اگر ان سب سے پوچھئے کہ تمھیں کس کی تلاش ہے، کس کی یاد میں سرگرداں ہو تو جواب مشترک پائیں گے کہ ایک موحد مسلمان جس ذاتِ قدوس کی عبادت کے لئے مسجد کی طرف دوڑتا ہے اسی کی محبت اور اسکی یاد میں یہ سب لوگ بھی سرگرداں ہیں سب کو اسی کی تلاش ہے اور سب اسی کی رضا چاہتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ انھوں نے قسمت سے غلط راستہ اختیار کر لیا اسکی وجہ سے انکی کوشش نہ صرف بیکار بلکہ مضر ثابت ہوئی وہ جوں جوں اس غلط راستہ پر دوڑتے ہیں اپنے مقصد سے دور پڑے جاتے ہیں ؎

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی ❊ کیں رہ کہ تو میروی بترکستان است

اندیشہ ہے کہ اے اعرابی تو کعبہ تک نہ پہنچ سکیگا اسلئے کہ جس راہ پر تو چل رہا ہے وہ ترکستان کو گئی ہے)
اہل اسلام کو خداوند عالم نے اپنے صحیح اور مستقیم راستہ کی ہدایت فرمائی انکا جو
م اٹھتا ہے انھیں اپنے محبوب حقیقی سے قریب کرتا ہے۔
غرض خدا کی محبت انسان کیلئے فطری اور جبلی ہے جس میں ایک بڑا سے بڑا
سفی اور جاہل سے جاہل گنوار دونوں برابر نظر آتے ہیں جس دل میں حیات کی
ور رمق باقی ہے وہ ضرور خدا کی محبت اور اسکی عظمت اپنے اندر محسوس کرتا ہے
ں ان قلوب کا ذکر نہیں جنکو مادیات کے تلوث نے چھڑ لیا ہے اور جن کے سلئے
کبر مرحوم نے فرمایا تھا ؎

چھوڑ کر بیٹھا ہے یورپ آسمانی باپ کو ۔۔۔ بس خدا سمجھا ہے اسنے برق کو اور بھاپ کو

نیز اگر عشق و محبت کے اسباب پر گہری نظر ڈالی جائے تو وہ تین سے زیادہ نہیں
نکلتے۔ مال، جمال، کمال، کوئی کسی سے اسکے مال کی وجہ سے محبت کرتا ہے کوئی
جمال پر عاشق ہے اور کوئی کسی کمال کی وجہ سے اسکا شیفتہ ہوتا ہے۔
پھر جب ہم بارگاہ عزت وجلال کی طرف نظر اٹھاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ
تینوں اسباب وہاں نہ صرف بدرجہ اتم موجود ہیں بلکہ ہر جمال اور کمال اور مال کا
سرچشمہ وہی ہے۔ دنیا میں جہاں کہیں جمال اور کمال کا کوئی نور موجود ہے وہ سب
اسی مجمع کمالات کا پرتو ہے اور جب عشق و محبت کے تمام اسباب اس بارگاہ جلال
میں بوجہ اتم موجود ہیں تو ظاہر ہے کہ اسکو چھوڑ کر کسی اور طرف نظر اٹھانا یا دل لگانا
کسقدر تنگ نظری اور محرومی ہوگی ؎

آنانکہ بجز روے تو جائے نگرانند ۔۔۔ کوتاہ نظرانند چہ کوتاہ نظرانند

(جو لوگ کہ تیرے سوا کسی اور کو دیکھتے ہیں وہ کیسے کوتاہ نظر ہیں تو بہ کیسے کوتاہ نظر ہیں)
اس مجمع کمالات کے سوا کسی اور طرف دل لگانا حقیقت میں انتہائی محرومی اور
ابدی حسرت ویاس کے سوا کچھ نہیں رکھتی ؎

عشق با مردہ نباشد پائدار ۔۔۔ عشق را با حی وبا قیوم دار

(مردہ کے ساتھ عشق پائدار نہیں ہوتا عشق تو حی و قیوم ہی کے ساتھ رکھنا چاہیئے)

عشقہائے کز پئے رنگے بود — عشق نبود عاقبت ننگے بود

(کیونکہ جو عشق رنگ وروپ کی خاطر ہوتا ہے وہ عشق ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کا انجام رسوائی ہے)
اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ مخلوقات عالم کو جس طرح خدائے قدوس کے ساتھ حاکمیت ومحکومیت کا تعلق حاصل ہے اسی طرح محبوب ومحب ہونے کا بھی ہے تو اب یہ سمجھ لینا دشوار نہ رہا کہ جو مختلف قسم کی عبادتیں مخلوق کے ذمہ فرض ہیں وہ سب انہی تعلقات کے مظاہر ہیں۔ بعض شان حاکیت ومحکومیت سے تعلق رکھتی ہیں اور بعض شان محبوبیت ومحبت سے متعلق ہیں۔ نماز روزہ حج، زکوٰۃ میں سے نماز قسم اول میں درج ہے وہ ابتدا سے لیکر انتہا تک تمام ایک دربار حکومت کی حاضری کا فوٹو ہے اور زکوٰۃ کا تعلق کچھ شان حاکیت کے ساتھ ہے اور کچھ شان محبوبیت کے ساتھ کیونکہ عشر وخراج اور ٹیکس وغیرہ سلطانی حقوق بھی ہیں اور محبوب کے راستہ میں اپنا مال قربان کردینا عشق کے مراحل میں بھی ایک مرحلہ ہے۔ باقی دو عبادتیں روزہ اور حج یہ دونوں خالص شان محبوبیت سے متعلق ہیں اور عشق حقیقی کے مظاہر ہیں۔

میرا مضمون اگرچہ اسوقت آخر الذکر عبادت کے ساتھ متعلق ہے لیکن سلسلہ کے لئے روزہ اور حج دونوں کیمتعلق مختصر گزارش کیجاتی ہے۔

عشق کی پہلی منزل یہ ہوتی ہے کہ کھانا چھوٹ جاتا ہے اور رات کو نیند نہیں آتی۔ شب وروز محبوب کا دھیان اور اسی کا تصور رہتا ہے ؎

شب وہی شب ہے دن وہی دن ہے — جو تری یاد میں گذر جائے

رمضان المبارک کا لیل ونہار اسی شان عاشقیت کا دلکش نظارہ ہے۔ دن بھر بھوکے پیاسے پھرتے ہیں اور رات ہوتے ہی عرض ومعروض کے لئے کھڑے ہوجاتے ہیں اور یہی راز اس فرمان کا ہے جو حدیث میں وارد ہے والذی نفسی بیدہ لخلوف فم الصائم اطیب عند اللہ من الریح المسک یترک طعامہ وشرابہ وشہوتہ لاجلی الصوم لی وانا اجزی بہ (بخاری) "قسم خدا کی روزہ دار کے منہ کی بُو جو بوجہ

روزہ کے پیدا ہو جاتی ہے اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بہتر ہے۔ کھانا پینا اور شہوات کو روزہ دار میرے لئے چھوڑتا ہے۔ روزہ میرے لئے ہے اور میں خود ہی اسکی جزا دوں گا"

یہ عشق ہی کے راز و نیاز ہیں کہ منہ کی بدبو کو مشک کی خوشبو پر ترجیح دی جا رہی ہے ؎

خون شہیداں ز آب اولیٰ تر است　　　　ایں خطا از صد صواب اولیٰ تر است

(شہیدوں کے خون کو پاکیزگی میں پانی سے افضل ہے اسی طرح سے بزرگوں کی خطا سیکڑوں صواب سے بہتر ہے)

نیز روزہ کی جزا خود ذات قدوس کا ہونا بھی بارگاہ عشق ہی کے کرشمے ہیں۔

اعتکاف رمضان المبارک کے اخیر میں سنت اعتکاف اسی رشتہ عشق و محبت کے مناسب ہے ؎

پھروں میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں　　　　سر زیر بار منت درباں کئے ہوئے

اور محبوب کے اشتیاق میں دنیا کی اکثر حلال چیزوں کو بھی ترک کر دیا جاتا ہے۔

عشق کی دوسری منزل یہ ہوتی ہے کہ جب بیتابی بڑھتی ہے تو گھر بار، اعزہ و اقربا، وطن و یار سب کو چھوڑ کر مجنونانہ صحرا نوردی اختیار کرتا ہے۔ دیوانہ کی طرح نہ تن کی پرواہ ہوتی ہے نہ بدن نہ لباس کی خبر ہوتی ہے نہ زینت کی وہ اپنی اسی حالت پہ مگن ہے اور ہزاروں تخت و تاج پر اس بے سروسامانی کو ترجیح دیتا ہے ؎

درویشم و گدا را　چه برابر نمی کنم　　　　پشمیں کلاہ خویش بصد تاج خسروی

(میں درویش اور گدا کو برابر نہیں سمجھتا اسی طرح سے اپنی اونی ٹوپی کو بادشاہوں کے سو تاجوں کے برابر سمجھتا ہوں)

خوش فرش بوریا و گدائی و خواب من　　　　کیں عیش نیست درخور اورنگ خسروی

(میرا بستر بوریا اور میری حالت گدائی اور اسی حال میں میرا سونا یہ ایک ایسا عیش ہے کہ جس کو شاہی شان و شوکت نہیں پا سکتی)

رمضان المبارک ختم ہوتے ہی اشہر حج کا شروع ہونا شاید اسی راز پر مبنی ہے کہ عشق کی پہلی منزل ختم ہوئی اب دوسری منزل میں قدم رکھنا چاہیئے

عشق کی دوسری منزل مناسکِ حج سے

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود گوئی گشتن بہر او اولیٰ بود

(مولیٰ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے کب کم ہے گیند بن جانا اس کے لئے لائق تر ہے)

اگر ذرا تدبر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عبادتِ حج اول سے آخر تک عاشقانہ اور مضطربانہ حرکات کے مجموعہ کا نام ہے اہل وعیال اور وطن چھوڑ کر کسی محبوب کی تلاش میں چل کھڑے ہوتے ہیں، لباس اور ہیئت بھی وہی بنائی جاتی ہے جو عاشق مجنوں کے لئے شایانِ شان ہے۔ سر کھلا ہوا، ناخن وبال بڑھے ہوئے ہیں، خوشبو کے پاس نہیں جاتے، قدم قدم پر لبیک اللھم لبیک کے نعرے لگاتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ حجاز کے ریگستانی ملک اور خشک میدانوں میں ہر قسم کے خطرات اور مصائب کے سایہ میں سفر ہوتا ہے ؎

گر در طلبش مارا رنجے برسد شاید چوں عشق حرم باشد سہل ست بیابانہا

(محبوب کی طلب میں اگر بالفرض ہمیں تکلیف بھی پہونچ جائے تو چونکہ عشقِ حرم ہی ٹھیرا تو اسکے لئے بیابانوں کا قطع کرنا آسان ہی ہے)

بلدِ امین یعنی مکہ معظمہ میں داخل ہوتے ہی بیت اللہ کا طواف اور حجر اسود کو ہاتھ لگانا اور چومنا یہ سب وہی احوال ہیں جو ایک عاشق کے لئے دیارِ محبوب پر پہنچنے کے شایان ہیں۔ اسکے بعد صفا اور مروہ پر دوڑنا اور پہاڑوں پر چڑھنا اور پھر وادیٔ منیٰ کے میدانوں میں جا پڑنا یہ سارے کام عشق کے انتہائی ذوق وشوق کے مظاہر ہیں۔ ایک عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

واخرج من بین البیوت لعلنی احدث عنک النفس فی السر خالیا

(میں آبادی سے اسلئے نکل جاتا ہوں کہ شاید تنہائی میں تیرے خیال کی تصویر اسطرح باندھوں کہ پھر کوئی دوسری تصویر دل میں نہ آسکے) ؎

تصور سے کسی کے میں نے کی ہے گفتگو برسوں
رہی ہے ایک تصویرِ خیالی رو برو برسوں

پھر جس طرح عاشق کو اپنے محبوب کی راہ سے روکنے والے سخت دشمن نظر آتے ہیں اور وہ انکو پتھر مارنے کیلئے تیار ہوتا ہے رمی جمرات بھی عجب نہیں کہ اسی راز پر مبنی ہو کیونکہ درحقیقت یہ اس فعل کی یادگار ہے جو شیطان کے ساتھ ان مواقع میں کیا گیا کیونکہ شیطان محبوب کے راستہ میں عارج ہوتا ہے۔ اسکے بعد طواف وداع اور رخصت کے وقت بیت اللہ اور ان کے پردوں کے ساتھ رونا یہ سارے افعال وہی ہیں جو ایک عاشق کے لئے اپنے محبوب کے گھر سے جدا ہونے کے وقت لابدی ہیں۔

عشق کی آخری منزل قربانی

عشق جب اپنے تمام مراحل طے کر چکتا ہے تو بالآخر اسکا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ ؎
پہلے ہم نے سامنے اس گل کے خنجر رکھدیا پھر کلیجہ رکھدیا' دل رکھدیا' سر رکھدیا
محبوب حقیقی کے عشاق کو بھی چاہیئے تھا کہ آخری منزل میں قدم رکھتے ہوئے اپنی جانوں کو جانِ جاناں کے کوچہ میں قربان کر دیتے۔ چنانچہ بیت الحرام کے حجاج منیٰ میں اس رسم کو بھی ادا کرتے ہوئے اپنی جانوں کو بزبانِ حال یہ کہتے ہیں ؎

ہمہ آہوانِ صحرا سر خود نہادہ بر کف — بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

(جنگل کے تمام ہرن اپنے سروں کو ہتھیلی پر رکھے ہوئے اس امید پر آنکلے ہیں کہ شاید تو کسی دن شکار کیلئے آنکلے)
لیکن بمقتضائے ؎

غافراست وغفور خود فرمود — سبقت رحمتی علیٰ غضبی

(جو ذات کہ غافر بھی ہے اور غفور بھی اس نے خود فرمایا ہے کہ میری رحمت میرے غضب سے بڑھی ہوئی ہے)
از کمالِ رحم واحسان وشفقت وامتنان وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ کے ارشاد میں جان کے بدلے میں ایسی جان مانگ لی جس کو اس نے ان جانباز عشاق کے کام کیلئے پیدا کیا تھا پھر لطف یہ ہے کہ اسپر اجر عظیم کا وعدہ بھی فرمایا جس سے فضل وکرم کے انتہائی مدارج تک حاذق علیم مالک کو راست آتا ہے ؎ جان دی دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا

۹۸۔ سلطان نورالدین شہید زنگی رح

دنیا کے ان بادشاہوں میں سے ہیں کہ ان کو اولیاء اللہ کی فہرست میں شمار کیا جائے تو بیجا نہیں۔ آپ نے ہی شام میں سب سے اول ایک مستقل دارُ العدل کے نام سے تعمیر کیا جس میں ہر بڑے چھوٹے اپنے اور غیر سے بلاخوف و رعایت معاملہ کیا جاتا تھا۔ بلادِ شام میں بہت سے مدارسِ اسلامیہ کی بنا ڈالی اور ایک مستقل دارالحدیث اور بیمارستان (شفاخانہ) بنایا۔ پچاس سے زیادہ اسلامی شہروں کو کفار نصاریٰ وغیرہ کے ہاتھ سے آزاد کرایا۔

سلطان نورالدین نوراللہ مرقدہٗ مندرجہ ذیل دو شعر بکثرت پڑھا کرتے تھے جس سے ان کے قلبی جذبات و طبیعت کا اندازہ ہوتا ہے ؎

عجبت لمبتاع الضلالۃ بالھدیٰ ۔۔۔ وللمشتری دنیاہ بالدین اعجب

(میں تعجب کرتا ہوں اس شخص پر جو ہدایت کے بدلے گمراہی خریدے اور دین کے بدلے دنیا خریدنے والا اس سے زیادہ قابلِ تعجب ہے)

واعجب من ھذین من باع دینہ ۔۔۔ بدنیا سواہ فھو من ذین اخیب

(اور ان دونوں سے زیادہ قابلِ تعجب وہ شخص ہے جس نے اپنا دین دوسرے کی دنیا کے بدلے بیچ دیا وہ سب سے زیادہ محروم ہے)

۹۹۔ شیر بکری ایک گھاٹ پر

یہ مشہور ضرب المثل ہے جو مختلف زبانوں میں مختلف عنوانوں سے مشہور و معروف اور زبان زد خواص و عوام ہے لیکن عام لوگ اسکو ایک شاعرانہ مبالغہ سے زیادہ نہیں سمجھتے اور شاید اس دور روشن خیالی میں تو مجاز اور مبالغہ کے سوا اسکے کوئی معنی ہی نہ ہو سکیں، لیکن تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والے ابھی تک اس حقیقت کو نہیں بھولے جو عمر ثانی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے عہد خلافت میں دنیا دیکھ چکی ہے جس میں شیر اور بکری کو ایک جگہ چرتے اور کھاتے پیتے دیکھنا کوئی اتفاقی بات نہ تھی بلکہ روزمرہ کا مشاہدہ تھا۔

ابن سعد نے (طبقات) میں نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ بن اعینؒ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دورِ خلافت میں ملک کرمان کے کسی جنگل میں بکریاں چرایا کرتے تھے اور وہاں ہمیشہ کا یہ معمول تھا کہ بکریاں اور درندے، بھیڑیئے اور وحشی جانور وغیرہ ایک جگہ چرتے پھرتے تھے۔ اتفاقاً ایک روز دیکھا کہ ایک بھیڑیئے نے ایک بکری پر حملہ کردیا۔ یہ واقعہ دیکھتے ہی موسیٰ بن اعین بول اٹھے کہ معلوم ہوتا ہے کہ آج مردِ صالح (عمر بن عبدالعزیز) کی وفات ہوگئی۔ لوگوں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اسی رات میں ممدوح کا انتقال ہوا تھا یعنی ۲۰ رجب سنہ ۱۰۱ھ میں۔

(حیٰوۃ الحیوان لفظ ذئب ص۳۲۴ ج۱)

۱۰۔ حضرت ابوالعالیہ ریاحی رح

آپ ائمہ تابعین میں سے ہیں حضرت علیؓ اور معاویہؓ کی باہمی مشاجرات کے وقت موجود تھے ایک مرتبہ جب دونوں لشکروں میں صف آرائی ہوئی تو ابوالعالیہ رح کے جوش اور شباب کا زمانہ تھا آپ نے بھی شریک جنگ ہونے کا ارادہ کیا اور سامان حرب کے ساتھ مسلح ہوکر میدان جنگ میں پہنچے دیکھا تو دونوں جانب صحابہ اور تابعین کی صفیں اس طرح میدان کو گھیرے ہوئے ہیں کہ انکا کنارہ نظر نہیں آتا۔ ایک فریق اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتا ہے تو دوسرا لشکر بھی اللہ اکبر کے نعروں سے فضا کو بھر دیتا ہے۔ ایک لشکر سے لا الہ الا اللہ کا کلمہ بلند ہوتا ہے تو دوسرے لشکر میں بھی یہی کلمہ بلند ہوتا ہے۔

ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں کہ میں اس حالت کو دیکھ کر ششدر رہ گیا کہ ان میں سے کس کو مومن قرار دیکر اسکی حمایت کروں اور کسکو کافر قرار دیکر اسکے ساتھ جنگ کروں چنانچہ میں اسی روز واپس آگیا۔

(طبقات ابن سعد ص۸۵ ج۷)

حضرت محمد بن مطرفؒ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابن آدم کیلئے کتنے شرم کی بات ہے کہ وہ گناہ کرتا ہے اور پھر مغفرت طلب کرتا ہے۔ چنانچہ میں معاف کردیتا ہوں مگر پھر وہ گناہ کرتا ہے اور مجھ سے مغفرت چاہتا ہے میں پھر اسکو معاف کردیتا ہوں تعجب ہے اس پر کہ نہ تو وہ گناہ کرنے ہی سے باز رہتا ہے اور نہ میری رحمت ہی سے مایوس ہوتا ہے اچھا تو اے فرشتو میں تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اس کو بخش دیا۔

مغیث بن سمیؒ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ اس زمانہ سے پہلے ایک شخص تھا جو معاصی کا مرتکب تھا ایک بار وہ کہیں چلا جارہا تھا اچانک اپنا گذشتہ زمانہ (معصیت کا) یاد کیا اور کہا کہ یا اللہ مجھے بخش دے، یا اللہ مجھے بخش دے، یا اللہ مجھے بخش دے۔ اسکے بعد فوراً ہی اسکی موت ہوگئی اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرمادی۔

حضرت مکحولؒ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہونچی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آسمانوں کی سیر کرائی گئی تو انھوں نے ایک شخص کو زنا کرتے دیکھا اس پر بددعا کردی اللہ تعالیٰ نے اسکو ہلاک کردیا۔ پھر ایک شخص کو چوری کرتے دیکھا اسپر بھی بددعا کردی اللہ تعالیٰ نے اسکو بھی ہلاک کردیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابراہیم تم میرے بندوں کی فکر چھوڑو ان کے لئے تم کیوں بددعا کرتے ہو اسلئے کہ میرا بندہ تین حال سے خالی نہیں ہے یا تو گناہ کر کے توبہ کرلے گا تو میں اسکی توبہ قبول کرونگا۔ یا اس سے ایسی نسل پیدا کرونگا جو میری عبادت کرے گی اور یا اسپر شقاوت ہی غالب ہوگی تو آگے جہنم تو موجود ہی ہے۔

فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بندہ جب توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکی توبہ قبول فرماتے ہیں پھر تو بندوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونے کی کوئی وجہ ہی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالے

نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کافر لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں
یک دوسری آیت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ایسی ہے
ور اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتے ہیں اور سئیات کو درگذر فرماتے ہیں۔ پس
عاقل کو تو یہی چاہیئے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرتا رہے اور
ور اپنے گناہوں پر اصرار نہ کرے اور توبہ کے بعد پھر جو گناہ ہو جائے یہ اصرار نہیں ہے
گرچہ دن بھر میں ستر بار گناہ ہو اور ستر بار توبہ ہو (اصرار یہ ہے کہ گناہ پر گناہ
کئے چلا جائے اسی کو کسی نے یوں فرمایا ہے سہ

بازآ بازآ ہر انچہ ہستی بازآ گر کافر و گبر و بت پرستی بازآ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست صد بار اگر توبہ شکستی بازآ

یعنی بازآجاؤ تم جس درجہ بھی برے ہو بازآجاؤ ماناکہ کافر ہو بت پرست ہو آتش پرست ہو
کچھ بھی ہو بازآجاؤ کیونکہ میری بارگاہ ناامیدی کی بارگاہ نہیں ہے تم نے اگر سو بار بھی
توبہ توڑ دی ہو تو اب سے سہی بازآجاؤ۔ اسی کو ہمارے خواجہ صاحبؒ
فرماتے ہیں کہ سہ

جو ناکام ہوتا رہے عمر بھر بھی بہر حال کوشش تو عاشق نہ چھوڑے
یہ رشتہ محبت کا قائم ہی رکھے جو سو بار ٹوٹے تو سو بار جوڑے)

جیساکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مروی ہے کہ جو شخص برابر استغفار کرتا رہا
اس نے گناہ پر اصرار ہی نہیں کیا اگر دن بھر میں ستر بار اس نے وہ گناہ کیا ہو۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بخدا میں دن میں سو بار استغفار کرتا ہوں
حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ارشاد فرماتے کہ میں جب بذات خود
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات سنتا تھا تو جتنا خدا کو منظور ہوتا تھا میں
اس سے منتفع ہوتا تھا اور جب کوئی دوسرا مجھ سے کوئی حدیث بیان کرتا تھا تو میں
اسکو قسم دیکر پوچھتا تھا کہ کیا واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے؟
چنانچہ جب وہ قسم کھا کر بیان کرتا تھا تب میں اسکی تصدیق کرتا تھا۔ چنانچہ

مجھ سے ابوبکر صدیقؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ گناہ کے بعد اچھی طرح سے وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھے اور پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ اسکے گناہ کو معاف فرما دیتے ہیں پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ومن یعمل سوءا اویظلم نفسہٗ ثم یستغفر اللہ یجد اللہ غفورا رحیما یعنی وہ شخص برائی کرے یا اپنے نفس پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کو غفور اور رحیم پائے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ اُولٰٓئِكَ جَزَاؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ یعنی وہ لوگ جب کسی فاحشہ کے مرتکب ہو جاتے ہیں یا اپنے نفسوں پر ظلم کر دیتے ہیں تو اللہ کو یاد کرکے اپنے گناہوں کی اس سے مغفرت طلب کرتے ہیں اور گناہوں کو سوا اللہ کے اور کون معاف کر سکتا ہے اور وہ لوگ اپنے کئے پر اصرار نہیں کرتے یہی لوگ ہیں کہ انکا بدلہ مغفرت ان کے رب کی جانب سے اور ایسی جنتیں ہیں جنکے نیچے نہریں جاری ہونگی یہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور ٹھیک عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا بدلہ ہے

حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس علیہ اللعنۃ کو آسمان سے نیچے اتارا (اور جنت سے نکال دنیا میں بھیجا) تو اس نے کہا کہ قسم ہے آپ کی عزت و جلال کی میں ان کے مرتے دم تک ابن آدم کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا (مطلب کہ ان سے تمام عمر گناہ کراؤں گا) اللہ نے فرمایا کہ اپنی عزت اور عظمت کی قسم کھا کر میں بھی کہتا ہوں کہ میں بھی ان کے توبہ کا دروازہ انکے مرتے وقت تک بند نہ کرونگا۔

حضرت قاسمؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابوامامۃ الباہلیؓ سے روایت ہے کہ رسول

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کراماً کاتبین میں سے جو صاحب الیمین ہے (یعنی دائیں جانب والا ہے وہ) بائیں جانب والے کا نگراں بھی ہے چنانچہ جب انسان کوئی نیکی کرتا ہے تو صاحب الیمین اسکے لئے دس نیکیاں لکھ لیتا ہے اور جب کوئی گناہ کرتا ہے اور صاحب شمال چاہتا ہے کہ اسکو لکھے تو وہ کہتا ہے کہ میاں! ذرا ٹھیرو (ایسی کیا جلدی پڑی ہے شاید یہ توبہ کر لے) چنانچہ چھ سات ساعت وہ رکا رہتا ہے اب اگر اس درمیان میں بندہ نے توبہ کر لی تو وہ کچھ نہیں لکھتا اور اگر نہ کی تو صرف ایک گناہ اس کے نامۂ اعمال میں لکھ لیتا ہے۔

حضرت فقیہ ابو اللیث ثمر قندیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات اس روایت کے بھی مطابق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا کہ اس نے گناہ ہی نہیں کیا۔ ایک روایت میں یہ آتا ہے کہ بندہ جب گناہ کرتا ہے تو فوراً لکھ نہیں لیا جاتا تاآنکہ وہ دوسرا گناہ کر لیتا ہے اسی طرح سے جب اسکے گناہوں کی تعداد پانچ ہو جاتی ہے اور پھر اسکے بعد وہ ایک حسنہ کر لیتا ہے تو (اس پر دس کا ثواب اب یوں مرتب ہوتا ہے کہ) پانچ تو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور بقیہ پانچ کے بدلے اسکی سابقہ پانچ سیئات معاف کر دی جاتی ہیں یہ منظر دیکھ کر ابلیس علیہ اللعنۃ ایک چیخ مارتا ہے اور کہتا ہے کہ ہائے اب میں بنی آدم پر بھلا کیونکر قابو پا سکتا ہوں جبکہ میں کتنی مشقت اٹھا کر اس سے پانچ گناہ کراتا ہوں اور وہ سب اسکی ایک نیکی کی وجہ سے محو کر دیئے جاتے ہیں۔ اس طرح میری تمام کوششوں پر پانی پھر جاتا ہے۔

حضرت صفوان بن عسال مرادیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مغرب کی جانب میں ایک دروازہ ہے اسکو توبہ (قبول کرنے کے لئے) بنایا ہے اسکی چوڑان چالیس سال یا ستر سال کی مسافت کے برابر ہے وہ ہمیشہ اور ہر وقت کھلا رہتا ہے بند نہیں ہوگا مگر اسوقت جبکہ مغرب کی جانب سے (قیامت کے قریب) سورج نکلیگا۔

حضرت سعید ابن المسیب رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے متعلق کہ اِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا (یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے لئے جو اسکی جانب انابت کرنے والے ہیں مغفرت فرمانے والے ہیں)۔ یہ مروی ہے کہ مراد ان اوّاب سے وہ شخص ہے جس سے گناہ ہو جائے تو توبہ کرلے اور پھر گناہ ہو جائے تو پھر توبہ کرلے۔ حضرت حسن بصری سے اسکے متعلق دریافت کیا گیا کہ یہ کتنی بار تک کے لئے ہے تو انھوں نے فرمایا کہ یہ تو مجھے معلوم نہیں ہاں یہ جانتا ہوں کہ یہ ہے یہ (یعنی گناہ پھر توبہ پھر گناہ پھر توبہ) اخلاق مومنین اور شعار صالحین میں سے۔

بعض حکماء نے فرمایا ہے کہ چھ چیزیں ایک عارف کا پیشہ اور شعار ہیں جب ذکر اللہ کی توفیق ہو جائے تو اس پر خوش ہو اور جب اپنا نفس اسکے سامنے آجائے تو اسکو حقیر اور کمتر جانے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی آیات پر سے گذرے تو عبرت کی نگاہ سے اسکو دیکھے۔ اور جب کسی معصیت یا شہوت کا اسکو خطور ہو تو اس سے فوراً رک جائے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور کرم کا اسکو استحضار ہوتا ہے تو وہ مسرور ہو جاتا ہے۔ اور جب اپنے سابقہ گناہوں کو یاد کرتا ہے تو حق تعالیٰ سے استغفار کرتا ہے۔

(احقر مترجم عرض کرتا ہے کہ حکماء کے اس اصل مقولہ میں جو لطف ہے اسکا ترجمہ اس سے قاصر ہے اسلئے اصل عبارت ہی سنیئے۔ فرماتے ہیں کہ:-
حرفة العارف ستة اشياء: اذا ذكر الله افتخر۔ واذا ذكر نفسه احتقر۔ واذا نظر فی آيات الله اعتبر۔ واذا هم بمعصية او شهوة انزجر۔ و اذا ذكر عفو الله استبشر۔ واذا ذكر ذنوبه استغفر)

فقیہ ابو اللیث سمرقندی فرماتے ہیں کہ حضرت معمر حضرت زہری رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایکبار حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روتے ہوئے پہونچے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیوں رو رہے ہو عرض کیا کہ یا رسول اللہ دروازہ پر ایک نوجوان کھڑا رو رہا ہے اسی نے میرے

اندر بھی آگ لگا دی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ عمر جاؤ اسکو میرے پاس لاؤ کہتے ہیں کہ وہ روتا ہوا داخل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اسکے رونے کا سبب دریافت فرمایا اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے میری کثرت عصیان نے رُلا رکھا ہے، میں اپنے اوپر اللہ کے غصہ اور غضب سے بہت ڈر رہا ہوں۔ آپ نے اس سے دریافت کیا کہ اے جوان کیا تو نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک گردانا ہے اس نے کہا کہ نہیں بالکل نہیں۔ فرمایا کہ تو کیا کسی نفس محرمہ کو ناحق قتل کیا ہے؟ کہا کہ نہیں ایسا بھی نہیں ہوا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ مت خوف کرو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف فرمادیں گے۔ اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرا گناہ ساتوں آسمان و زمین اور بلند بلند پہاڑوں سے بھی زیادہ بڑا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ اچھا یہ بتلاؤ کہ تمہارا گناہ بڑا ہے یا اللہ تعالیٰ کی کرسی؟ اس نے کہا کہ میرا گناہ ہی زیادہ بڑا ہے یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارا گناہ زیادہ بڑا ہے یا خدا تعالیٰ کا عرش؟ اس نے کہا کہ میرا گناہ ہی زیادہ ہے۔ آپ نے یہ فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارا گناہ زیادہ بڑا ہے یا تمہارا الٰہ یعنی اسکی بخشش اور اسکا کرم یہ سنکر اس نے کہا کہ نہیں اللہ سے بڑی تو کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی سب سے اجل و اعظم و اکبر ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بس جب خدا عظیم ہے (اور تم کہتے ہو کہ تمہارا گناہ بھی عظیم ہے) تو عظیم کو تو عظیم ہی بخش سکتا ہے یعنی عظیم بخشش والا۔ پھر آپ نے اس سے فرمایا کہ ذرا میں بھی تو سنوں کہ تمہارا گناہ کیا ہے۔ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ! مجھے آپ سے کہتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں نہیں شرماؤ نہیں کہو تو سہی آخر کون سا گناہ تم سے سرزد ہوگیا ہے جس کی وجہ سے تم اسقدر ڈر رہے ہو۔ اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نبّاش (کفن چور) تھا سات سال سے یہی کام کرتا رہا یہاں تک کہ انصار کی لڑکیوں میں سے ایک کا انتقال ہوا چنانچہ میں نے اسکے قبر کو ادھیڑا اور کفن چرا کر چلا کچھ دور واپس ہوا تھا کہ شیطان نے

مجھ پر غلبہ کیا اور میں پھر اسکے پاس لوٹا اور اسکے ساتھ زنا کیا اور تھوڑی ہی دور واپس آیا تھا کہ اس لڑکی نے کھڑے ہو کر مجھے پکارا کہ ارے تیرا ناس ہو تو نے قیامت کے دن کے حاکم کا خوف بھی نہ کیا اور نہ اس سے شرمایا جو اپنی کرسی کو فیصلہ کے لیئے اسدن بچھائے گا اور ظالم سے مظلوم کی طرف سے بدلہ لیگا۔ ارے ظالم تو نے مجھے عریاں کر کے مردوں کے درمیان چھوڑ دیا اور جنبی بنا کر کے رب العزت کے سامنے کھڑا کر دیا۔ یہ سنکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھے اور اسکو دھکا دیتے ہوئے یہ کہکر اپنے یہاں سے نکال دیا کہ اے فاسق تو نے کس قدر زبردست دخولِ نار کا کام کیا نکل جا یہاں سے۔ اسکے بعد وہ جوان وہاں سے چلا گیا اور جنگل بیابان میں جا کر توبہ استغفار کرنے لگا اور لگاتار چالیس روز تک توبہ و استغفار کرتا رہا۔ جب چالیس روز پورے ہو گئے تو اس نے سجدہ سے سر اٹھایا اور آسمان کی طرف نظر کر کے یہ دعا کی کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آدم و حوا کے خدا! اگر آپ نے میرا قصور معاف کر دیا ہو اور میری توبہ قبول فرمالی ہو تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ کو بھی اسکی اطلاع فرما دیجئے۔ اور اگر میری توبہ آپ نے نہ قبول فرمائی ہو تو آسمان سے ایک آگ بھیجئے جو کہ مجھے جلا کر راکھ کر دے تاکہ دنیا کی رسوائی سے بچوں اور اے پروردگار مجھے آخرت کے عذاب سے رہائی نصیب فرما راوی کہتے ہیں کہ اسکے بعد حضرت جبرئیلؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور سلام کیا اور فرمایا کہ اے محمدؐ! آپ کے رب نے آپکو سلام فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ خود بھی سلام ہے اور اسی کی طرف سے ہر قسم کی سلامتی ہے اور ہر قسم کی سلامتی کا وہی مرجع ہے۔ اس نے آپ سے یہ سوال فرمایا ہے کہ کیا تمام مخلوق کو آپ نے پیدا کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ اسی اللہ نے مجھے بھی پیدا فرمایا ہے اور اسی نے تمام مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ پھر عرض کیا کہ پروردگار نے یہ بھی دریافت فرمایا ہے کہ کیا مخلوقات کو آپ روزی دیتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی سب کو روزی دیتے ہیں اور مجھے بھی روزی

دہی دیتے ہیں۔ پھر عرض کیا کہ اور یہ فرمایا ہے کہ لوگوں کی توبہ کیا آپ قبول کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں اللہ تعالیٰ ہی میری توبہ بھی قبول فرماتے ہیں اور سب لوگوں کی قبول فرماتے ہیں۔ حضرت جبرئیلؑ نے عرض کیا کہ اللہ نے فرمایا کہ میرے اس بندے (یعنی اس نوجوان) کو بھی معاف کر دیجئے میں نے بھی اسے معاف کر دیا اور اسکی توبہ قبول کر لی ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جوان کو بلوایا اور اسکو بشارت سنائی کہ اللہ تعالیٰ نے اسکی توبہ قبول فرمالی ہے۔

فقیہ ابواللیثؒ فرماتے ہیں کہ ہر عاقل کو لائق ہے کہ اس واقعہ سے عبرت حاصل کرے وہ یہ کہ کسی زندہ کے ساتھ زنا کرنا مردہ کے ساتھ زنا کرنے سے بھی زیادہ قبیح ہے اور چاہیئے کہ انسان جب توبہ کرے تو صدق دل سے کرے کہ وہی مقبول ہوتی ہے دیکھو اس جوان نے کس قدر صدق دل سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے اسکو شرف قبولیت بخشا اور یہ معلوم ہوا کہ توبہ کو بھی گناہ کے بقدر ہی ہونا چاہیئے۔ التوبۃ بقدر الحوبۃ کا یہی مطلب ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ یاایہاالناس توبوا الی اللہ توبۃ نصوحا سے مراد یہ ہے کہ اس توبہ سے قلب میں ندامت ہو، زبان پر استغفار اور عزم یہ ہو کہ آئندہ اس فعل کو کبھی نہ کرے گا یہ ہے توبۂ نصوح۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ صرف زبان سے استغفر اللہ استغفر اللہ کہنے والا اور عملاً گناہوں پر اصرار کرنے والا اللہ تعالیٰ کے ساتھ استہزار کرنیوالے کی طرح ہے۔

حضرت رابعہ بصریہؒ فرماتی ہیں کہ ہمارا تو استغفار بھی محتاج استغفار کثیرہ ہے (یعنی ہست استغفار ما محتاج استغفار ما) مطلب یہ کہ انسان جب صرف زبان سے توبہ کرے اور نیت گناہ ترک کرنے کی نہ ہو بلکہ یہ ہو کہ اسے کرلے گا تو اس حال میں اسکی توبہ تو جھوٹوں کی سی توبہ ہوگی۔ اور اسے نام توبہ سے ہی نہیں۔

بہت لوگ دل میں سوچا کرتے ہیں اور عورتوں اور مردوں کا تصور کرتے ہیں اور خیال سے مزے لیتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ ہم متقی ہیں۔ خوب سمجھ لو کہ یہ تلبیس ابلیس لعین ہے بلکہ بعض مرتبہ دل کے اندر سوچنے سے اور دل کے اندر باتیں کرنے سے اور زیادہ فتنہ ہوتا ہے۔ نگاہ کرنے میں تو بعض مرتبہ بدصورت اور قبیح ثابت ہوتا ہے اور دل کے اندر باتیں کرنے میں تو طبیعت کا زیادہ لگاؤ ہوجاتا ہے اور قلب سے وہ کسی طرح نہیں نکلتی، بلکہ محض نگاہ نہ کرنے سے اپنے کو صاحب مجاہدہ سمجھکر زیادہ مقرب سمجھتا ہے اور یہ نہیں دیکھتا کہ دل میں متمتع ہو رہا ہوں تو مجاہدہ کہاں رہا غرض اسکا انسداد بھی نہایت ضروری ہے اور چونکہ قلب کے اندر کانوں کے واسطے سے بھی باتیں اس قسم کی پہونچتی ہیں اسلئے جس طرح آنکھوں کی حفاظت ضروری ہے کانوں کی نگہداشت بھی ضروری ہے کہ ایسے قصے اور حکایات نہ سنے نہ ایسے مقام پر جاوے جہاں گانا بجانا ہورہا ہو۔ بعض وقت خود قلب ہی سے معصیت صادر ہوتی ہے۔ صدور کے وقت آنکھ کان کا واسطہ نہیں ہوتا مثلاً پہلی دیکھی ہوئی صورتیں یاد آتی ہیں اور ان سے التذاذ ہوتا ہے اور معصیت قلب کا معصیت اعین سے اشد ہونا ایک اور وجہ سے بھی ہے وہ یہ کہ قلب سے سوچنے اور آنکھوں سے دیکھنے میں ایک فرق بھی ہے یعنی آنکھوں کے گناہ میں تو نفس فعل کو کوئی دیکھ بھی سکتا ہے گو نیت سے مطلع نہ ہو اور دل کے اندر سوچنے کے فعل کو کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا اسکی اطلاع سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں اس سے وہی بچے گا جس کے قلب میں تقویٰ ہو۔

۶۸ ۔ معصیت قلب کے معالجہ اور ازالہ کے درجات اور اسکا بیان کہ مطلوب کونسا درجہ ہے

اسکے بعد سمجھنا چاہیئے کہ اس مرض کے ازالہ میں تین درجے ہیں۔ قلب کا

باوجود تقاضے کے روکنا۔ تقاضے کو ضعیف کردینا اور قلع المقتضیٰ یعنی مادہ ہی
کا قلع قمع کردینا۔ اس میں سے قلب کو روکنا یعنی دل کو خود اس طرف متوجہ
نہ ہونے دینا یہ امر تو اختیاری ہے کہ اگر آپ سے آپ آجائے تو تم اس کو
روکو اور اسکا سہل طریقہ یہ ہے کہ جب قلب کسی حسین کی طرف مائل ہو تو اسکا
علاج یہ ہے کہ فوراً کسی کریہہ المنظر، بدشکل، بدصورت، کی طرف دیکھو۔ اگر کوئی
موجود نہ ہو کسی ایسے بدصورت کا خیال باندھو کہ ایک شخص ہے کالا رنگ ہے
چیچک کے داغ ہیں آنکھوں کا اندھا ہے، سر سے گنجا ہے، رال بہہ رہی ہے
دانت آگے کو نکلے ہوئے ہیں، ناک سے نکٹا ہے، ہونٹ بڑے بڑے ہیں
ناک بہہ رہا ہے مکھیاں اس پر بیٹھی ہوئی ہیں گو ایسا شخص دیکھا نہ ہو مگر قوت متخیلہ
سے تراش لو کیونکہ تمھارے دماغ میں ایک قوت متخیلہ ہے آخر اس سے
کسی روز کام تو لوگے متخیلہ کا کام تو جوڑ توڑ کا ہے جب ایسا شخص فرض
کیا جاسکتا ہے اسکا مراقبہ کرو انشاء اللہ تعالیٰ وہ فساد جو کسی حسین کے دیکھنے
سے قلب میں ہوا ہے جاتا رہیگا اور اگر پھر خیال آوے پھر یہی تصور کرے اور
اگر یہ مراقبہ کفایت کے درجہ میں نافع نہ ہو اور بار بار پھر اسی حسین کا تصور
ستاوے تو یوں خیال کرو کہ یہ محبوب ایک روز مرے گا اور قبر میں جاوے گا
کیڑے اسکو کھالیں گے۔ یہ خیال تو فوری علاج ہے اور آئندہ کے لئے تقاضہ
پیدا ہونے کا علاج یہ ہے کہ ذکر اللہ کی کثرت کرو اور دوسرے یہ کہ عذاب الٰہی
کا تصور کرو۔ تیسرے یہ کہ یہ تصور کرو کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور اسکو مجھ پر پوری
قدرت ہے۔ طول مراقبات اور کثرت مجاہدات سے یہ چور دل سے نکلے گا۔ جلدی
نہ جاوے گا جلدی نکرے اسلئے کہ ایسا پرانا مرض ایک دن یا ایک ہفتہ میں نہیں جاتا
یہاں مجھکو شاہ محمود غزنوی کی حکایت یاد آگئی۔

حکایت: محمود نے جب ہندوستان پر حملہ کیا تو ایک عراقی سپاہی نے
ایک مندر میں جاکر دیکھا کہ ایک بوڑھا برہمن پوجا پاٹ کر رہا ہے سپاہی نے تلوار

دکھائی کہ کلمہ پڑھو اور مسلمان نہیں ہوتا اس تلوار سے دو ٹکڑے کر دوں گا۔ برہمن نے کہا حضور ذرا ٹھیرئیے سپاہی نے پھر تقاضا کیا، برہمن نے عرض کی حضور نوے برس کا رام تو دل میں سے نکلتے ہی نکلتے نکلیگا ذرا سی دیر میں کیسے نکلجاوے خوب کہا ہے ؎

صوفی نشود صافی تا در نہ کشد جامے بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

(صوفی صاف اور مکمل نہیں ہوتا اسوقت تک جبتک وہ محبت الہیٰ کا جام دنوش کرلے اور کسی خام کو پختہ ہونے تک کیلئے ایک زمانہ درکار ہے)

ہمت مت ہارو مجاہدہ کرتے رہو رفتہ رفتہ یہ تقاضا ضعیف ہوجاویگا اور قابو میں آجانے پر اپنے محل پر صرف ہوگا اور غیر محل کے لئے متحرک نہ ہوگا اور یہی مطلوب ہے۔

۱۸۷۔ افعال قبیحہ کے مادہ کا ازالہ مقصود نہیں اور اسکے متعلق نادان اہل سلوک کی ایک بڑی غلطی

تیسرا درجہ یہ کہ مادہ ہی منقطع ہوجاوے یعنی بالکل میلان ہی کبھی پیدا نہو یہ وہ مرتبہ ہے کہ جس کو نادان سالک مطلوب سمجھتے ہیں اور اسکے حاصل نہونے پر پریشان ہوتے ہیں یعنی جب اپنے اندر کسی وقت میلان پاتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ ہمارا سب ذکر و شغل و مجاہدہ بیکار رہے حتیٰ کہ ایسے کلمات پریشانی میں انکے منہ سے نکلجاتے ہیں کہ بے ادبی اور گستاخی ہوجاتی ہے مثلاً ہم اتنے روز سے طلب حق کر رہے ہیں اور ہم پر رحم نہیں آتا کہ ویسے ہی محروم ہیں۔ یاد رکھو یہ شیطانی وسوسہ ہے یہ ہرگز مطلوب نہیں کہ مادہ منقطع ہوجاوے۔ اور اگر مادہ منقطع ہوجاوے تو گناہ سے بچنے میں کوئی کمال نہیں۔ اندھا اگر فخر کرے کہ میں دیکھتا نہیں تو کون سے فخر کی بات ہے دیکھے گا کیا دیکھنے کا آلہ ہی نہیں۔ عنین اگر عفت کا دعوی کرے تو کیا کمال ہے لطف اور کمال تو یہ ہے

کہ گناہ کرسکو اور اپنے دل کو روکو جس کا میں نے فوری علاج اور تقاضا کو کنے کی تدبیر دونوں بیان کر دیئے۔ رہا مادہ زائل کر دینا یہ مطلوب ہی نہیں بلکہ اسکا زائل کرنا جائز نہیں۔

۱۸۸۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ محبت ہوتے ہوئے غیر پر نظر ناممکن ہے

خلاصہ یہ کہ مجھے اس گناہ پر متنبہ کرنا منظور ہے اسلئے کہ اس گناہ کا ابتلاء عام ہے حتیٰ کہ جو نیک کہلاتے ہیں وہ بھی اس میں بتلا ہیں۔ خدا کیواسطے اسکا انتظام کرنا چاہیئے۔ افسوس! منہ سے تو خدا تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ اور غیر پہ نظر، افسوس صد افسوس۔ اسوقت مجھکو ایک حکایت یاد آگئی:۔

حکایت: ایک عورت جارہی تھی کوئی ہوا پرست اسکے ساتھ ساتھ ہولیا اس عورت نے پوچھا کہ تم کون ہو اور میرے پیچھے کیوں آتے ہو؟ کہا کہ میں تجھ پر عاشق ہو گیا اسلئے آتا ہوں۔ عورت نے جواب دیا کہ پیچھے میری ایک بہن آرہی ہے وہ مجھ سے زیادہ حسین ہے۔ وہ اس کے دیکھنے کو پیچھے چلا تو اس عورت نے اسکے ایک دھول جمائی اور کہا ؎

گفت اے ابلہ اگر تو عاشقی ۔۔۔ در بیان دعوئ خود صادقی

(عورت نے کہا او بیوقوف اگر تو میرا عاشق بنتا ہے اور اپنے اس دعویٰ میں تو صادق تھا)

پس چرا بر غیر افگندی نظر ۔۔۔ ایں بود دعوای عشق اے بیخبر

(تو پھر میرے غیر پر نظر کیوں ڈالی اسکو کیوں دیکھا؟ کیسی سے دعوے کے یہی معنی ہیں؟)

صاحبو! اگر حق تعالیٰ سامنے کھڑا کر کے اتنا دریافت فرمالیں کہ تو نے ہم کو چھوڑ کر غیر پر کیوں نظر کی تو بتلائیے کیا جواب ہے؟ یہ ہلکی بات نہیں اس کا بہت بڑا اہتمام کرنا چاہیئے۔

۱۸۹۔ معصیت کے تقاضہ کا نہایت مفید علاج

ایک اور تدبیر ہے جو مقوی ہے ان تدابیر کی۔ وہ یہ کہ جب قلب میں ابھا خیال

پیدا ہوا ایسا کرو کہ وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھو اور توبہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو جب نگاہ پڑے یا دل میں تقاضا پیدا ہو تو فوراً ہی ایسا کرو ایک دن تو بہت سی رکعتیں پڑھنا پڑیں گی دوسرے دن بہت کم ایسا خیال آوے گا اسی طرح بتدریج نکلجاوے گا اسلئے کہ نفس کو نماز بڑی گراں ہے جب دیکھیگا ذرا سا مزہ لینے پر یہ مصیبت ہوتی ہے یہ ہر وقت نماز ہی میں رہتا ہے، پھر ایسے وسوسے نہ آویں گے۔

۱۹۰۔ سمع وبصر وقلب وجوارح کی حفاظت کا حکم

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا مت اتباع کر اس شئے کی جس کی تجھکو تحقیق نہیں بیشک کان اور آنکھ اور قلب ان میں سے ہر ایک سے سوال کیا جاوے گا۔ اس آیۃ میں چار چیزوں کی حفاظت کا حکم فرمایا ہے۔ قلب۔ آنکھ۔ کان۔ یہ تین چیزیں تو بالتصریح بیان فرمائیں چوتھی چیز بقیہ جوارح یعنی ہاتھ، پاؤں، زبان وغیرہ کی حفاظت ہے وہ بالتصریح اس آیت میں مذکور نہیں ہیں بلکہ ان چیزوں کی حفاظت کو وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ میں دلالۃً ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ کی حقیقت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں تمام جوارح کی حفاظت بھی آگئی ہے اس لئے کہ اس کی حقیقت ہے بلا تحقیق کسی امر کا اتباع کرنا اب اسکے تحقق کی چند صورتیں ہیں مثلاً کوئی شئے گم ہوجائے بلا تحقیق قرائن موہومہ کسی کو چور کہدیا۔ چور کہنا زبان کا گناہ ہے وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اس سے روکتا ہے۔ دیکھئے وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ پر عمل نہ ہونے سے زبان کا گناہ ہوگیا۔

۱۹۱۔ جبتک کسی کے فعل میں تاویل ہوسکے اسکو تاویل کریں

اس پر بدگمانی نہ چاہیئے

ایک عجیب حکایت یاد آئی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو چوری کرتے ہوئے دیکھا اس سے فرمایا تو چوری کرتا ہے؟ اس نے کہا کلا واللہ الذی لا الہ الا ھو یعنی ہرگز نہیں قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا صدقت ربی وکذبت عینی یعنی میں اپنے رب کی تصدیق اور اپنی آنکھ کی تکذیب کرتا ہوں یعنی میری آنکھ نے غلط دیکھا تو سچا ہے۔

۱۹۲۔ انبیاء علیہم السلام کو نہ دین میں غلو ہوتا ہے اور نہ وہ مغلوب الحال ہوتے ہیں

شاید کوئی خشک مغز اسکو غلو فی الدین سمجھے یا کوئی یوں کہے کہ یہ تو استغراق یا غلبۂ حال ہے سو یاد رکھو کہ انبیاء علیہم السلام میں نہ غلو فی الدین ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے۔ اور وہ مغلوب الحال بھی نہیں ہوتے بلکہ اپنے حال پر غالب ہوتے ہیں۔ بزرگوں کی دو قسمیں ہیں ابوالحال اور ابن الحال۔ ابوالحال وہ ہیں جو اپنے حال پر غالب ہوتے ہیں مخلوق سے ملے جلے ہوتے ہیں اور اسباب ظاہرہ کو چھوڑتے نہیں ہر امر کو ضابطہ اور قاعدہ سے کرتے ہیں مال کو انتظام سے خرچ کرتے ہیں۔ ان امور میں جیسے اور عوام کی حالت ہوتی ہے ایسی ہی انکی بھی ہوتی ہے اور اہل حال آزاد ہوتے ہیں۔ خلقت سے بھاگتے ہیں کسی امر کی تدبیر نہیں کرتے موجی بندے ہوتے ہیں جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ ہاں خلاف شریعت کچھ نہیں کرتے اسلئے کہ جو خلاف شریعت کرے گا وہ مقبول و بزرگ نہیں ہو سکتا البتہ اسکا قول و فعل کبھی بظاہر خلاف شرع

ہوتا ہے جسکی تاویل ضروری ہے۔

۱۹۳۔ اہل کمال کی پہچان اور اسکا بیان کہ عارفین برکت دواماً اور کرامت احیاناً ہوتی ہے تصرف نہیں ہوتا اور اسکا راز

اکثر عوام الناس ایسے لوگوں کو باکمال سمجھتے ہیں اور اہل کمال کو کم پہچانتے ہیں۔ اسلئے میں اہل کمال اور غیر اہل کمال کی شناخت کیلئے ایک قاعدۂ کلیہ بھی بتائے دیتا ہوں کہ وہ نہایت مفید ہے۔ وہ یہ کہ ولایت نبوت سے مستفاد ہے جس بزرگ کی حالت انبیاء علیہم السلام کے ساتھ زیادہ مشابہ ہوگی وہ زیادہ باکمال ہوگا۔ سو انبیاء نے نہ کبھی نعرے مارے نہ کبھی کپڑے پھاڑے نہ خلقت سے بھاگے خصوصاً ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ ہر امر کا انتظام حضورؐ کے یہاں تھا۔ سلطنت کا انتظام حضورؐ نے ایسا فرمایا کہ سلاطین دنیا نے آپ سے سیکھا۔ خانہ داری کا انتظام ایسا تھا کہ آج کوئی اسکی نظیر نہیں پیش کر سکتا۔ اسی طرح ملنے جلنے، کھانے پینے حتیٰ کہ بول و براز تک کے قاعدے حضورؐ نے امت کو تعلیم فرمائے۔ اہل کمال کی حالت اسی طرز کی ہوتی ہے۔ اور جس طرح عوام آجکل ایسے اہل کمال کو دیندار اور خدا رسیدہ نہیں سمجھتے اُس وقت بھی لوگوں نے انبیاء کو کامل نہیں سمجھا تھا چنانچہ کہا کرتے تھے مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ یَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ لَوْلَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا اَوْ یُلْقٰۤى اِلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ یَّاْكُلُ مِنْهَا یعنی اس رسول کو کیا ہوا کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے اسکی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا کہ ان کے ساتھ رہکر لوگوں کو تبلیغ کرتا یا ان کے پاس کوئی خزانہ ہوتا۔ یہ ہم سے بھی زیادہ غریب و مفلس ہیں ہم دو وقت کھانا کھاتے ہیں انکو ایک وقت بھی کسی کسی دن ملتا ہے۔ اچھے اللہ کے پیارے

ہیں کوئی اپنے پیارے کو بھوکا بھی مارا کرتا ہے۔ یا ان کے پاس کوئی باغ ہوتا کہ یہ اس سے کھاتے غرض کوئی وصف ایسا ہوتا جو ہم میں نہیں، یہ کیسے نبی ہیں جو ہم سے ممتاز نہیں ہیں۔ اسی طرح جو اولیاء اللہ اس شان کے ہوتے ہیں ان پر لوگ اعتراض کرتے ہیں اور جو خلقت سے بھاگتا ہے کھانا نہیں کھاتا نکا رہتا ہے کسی سے بات نہیں کرتا وہ بزرگ ہے۔ اگر خلاف عادت کوئی امر اس سے صادر ہوگیا کسی پر کوئی تصرف کر دیا اسکو تو نبی سے بڑھکر جانتے ہیں حالانکہ تصرف کوئی چیز نہیں یہ تو ریاضت کے ہندو جوگیوں میں بھی پیدا ہو جاتا ہے بلکہ اہل کمال اسکو اچھا نہیں جانتے حضرت خواجہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "عارف را ہمت نباشد" یعنی عارف کو ہمت یعنی تصرف نہیں ہے۔ ہمت کے وہ متعارف معنی نہیں کہ کسی کام کی ہمت نہیں بلکہ ہمت کے معنی تصرف وغیرہ کے ہیں مطلب یہ کہ عارف کو تصرف نہیں ہوتا اور وجہ اسکی یہ ہے کہ جس قدر عرفان بڑھے گا فنا بھی ساتھ ساتھ بڑھتی چلی جاتی ہے اور اپنے سے نظر اکھتی جاتی ہے دیکھئے تحصیلدار اپنے اجلاس میں بیٹھکر بڑے بڑے احکام صادر کرتا ہے لیکن گورنر جنرل کے سامنے جب آتا ہے تو اسکی وہ حالت ہوتی ہے جو ایک ادنیٰ اردلی کی ہوتی ہے۔ اسی طرح عارف کو جس قدر معرفت بڑھے گی وہ مٹتا چلا جائیگا فنا سے اسکو فاعلیت مستقلہ من وجہ کے تصور سے غیرت آوے گی اور معرفت سے دوسرے کیطرف توجہ تام کرنے سے غیرت آوے گی اور تصرف میں یہی ہوتا کہ دوسری طرف توجہ تام کرنا پڑتا ہے۔ اور تدبیر مسنون اس سے مستثنیٰ ہے کہ اسس میں فاعلیت اور توجہ میں استغراق نہیں ہوتا عارفین میں دو باتیں ہوتی ہیں برکت اور کرامت۔